ترجمان السنة
عربی - اردو
جلد دوم
دورِ حاضر کی ضرورتوں کے مطابق جدید تشریحات اور قدیم مباحث کے ہمراہ
احادیثِ طیبہ کا جامع و مستند عظیم الشان مجموعہ
تالیف
زبدۃ المحدثین حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی مہاجر مدنی قدس سرہ
استاذ الحدیث دارالعلوم دیوبند و رفیق ندوۃ المصنفین دہلی
ادارہ اسلامیات

انتساب

شیخ الاسلام حضرت علامہ سید محمد انور شاہ قدس سرہٗ کی عشقِ نبوی اور خدمتِ حدیث میں ڈوبی ہوئی رُوح کے نام جن کے فیضِ صحبت سے رفقائے ندوۃ المصنفین اس خدمتِ گرامی کے لائق ہوئے۔

ندوۃ المصنفین

فہرست مضامین ترجمان السنہ جلد دوم

مضامین	صفحہ
ایمان کا تعلق غیب کے ساتھ جتنا گہرا ہو اتنا ہی فضیلت کا موجب ہے۔	۱
خبر متواتر اور خبر مدرک کا فرق	۳
یقینی اعتقاد جو لازم ایمان کی شرط ہے	۱۳
عین الیقین کا مرتبہ علم الیقین سے اونچا ہے	۱۶
بعض حضرات کی بے تابی کا صحیح منشا مدت الٰہی ملاقات کی ہوتی ہے اضطراب بھی طبعی طور پر پیدا ہو جاتا ہے جو یقین کے منافی نہیں ہے	۲۱
مومن کا قلب جب تک نور ایمان و یقین سے منور ہوتا ہے اس سے معصیت کا صدور نہیں ہوتا۔	۲۵
جس کی موت ایمان و یقین پر آتی ہے وہ یقیناً جنتی ہوتا ہے	۲۷
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے یقین کی چند مثالیں۔	۳۰
تمام مسلمان اصل اعتقادات کے لحاظ سے برابر ہیں ان میں جو فرق ہے وہ صرف ان کے مراتب یقین میں تفاوت کی وجہ سے ہے۔	۳۳
خدا تعالیٰ کی توحید، رسولوں کی رسالت، ان کی بندگی کا اعتقاد اور جنت و دوزخ کے وجود کو تسلیم کرنا جزو ایمان ہے اس کے بغیر جنت میں کوئی داخل نہ ہوگا	۴۱
ایمان دین کی تمام باتوں کی تصدیق کرنے کا نام ہے	۴۴
جس نے شعائر اسلام اختیار کیے اس کے ساتھ خدا اور اس کے رسول کا عہد ہو گیا۔	۵۹
اسلام کے کسی ایک قطعی فرض کا منکر اسلام کا ہی منکر شمار ہوتا ہے۔	۶۱
ایمان قلب کا ایک غیر اختیاری عمل ہے صرف علم کا مرتبہ نہیں۔	۶۳
ایمان صرف تصدیق و اقرار کا نام نہیں، بلکہ اسلام میں داخل ہو جانے اور اس کے تمام احکام کی بجا آوری کا نام ہے۔	۶۵
ایمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر فیصلہ پر رضا و تسلیم کے سر جھکا دینے کا نام ہے	۶۷
اپنی مرضی کے خلاف فیصلوں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی شان رضا کی چند مثالیں	۷۳
شہادتین کے معنی یہ ہیں کہ قلب میں اللہ کے سوا سب اور اسلام کے سوا دین اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور رسول کی تلاش باقی نہ رہے۔	۸۰
خوش خلقی اور ظلم اور انسان کے دوسرے فطری آثار اس کی شان رضا و تسلیم کے منافی نہیں	۸۱
ایمان در حقیقت اعتقاد کا نام ہے فرائض و اعمال ایمان کے اجزاء ترکیبی ہیں	۹۳
جنت اور دوزخ کی تقسیم شرک و ایمان پر دائر ہے صرف اچھے برے اعمال پر نہیں۔	۹۷
جس کے قلب میں نور ایمان کا ایک ذرہ ہوگا وہ بھی بالآخر دوزخ سے نکال لیا جائیگا۔	۹۸
جو شخص ایمان کے ساتھ تمام فرائض بجا لاتا ہو حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھتا ہو وہ پکا مومن ہے اور کسی عذاب کے بغیر جنت میں داخل ہوگا	۱۰۳
جو شخص فرائض و اعمال ادا نہیں کرتا وہ مواخذہ سے بری نہیں مگر جو توحید و رسالت کا معترف بھی ہے۔	۱۰۵
جو اسلام کے کسی حصہ کو ترک کرتا ہے اس کا اسلام ناقص ہو جاتا ہے۔	۱۰۸
جسے دین کی واقفیت نہ ہو اس کو صرف تلاوت قرآن کہنے سے واجب نہیں ہوتی اس کے لیے تمام احکام اسلامی پر عمل پیرا ہونا ضروری ہے۔	۱۱۰
پل صراط پر گذر کی رفتار دنیا میں ان کے اعمال کی شدت و ضعف کے مطابق ہوگی۔	۱۱۲
گناہ کرنے سے اسلام اسی طرح پرانا ہو جاتا ہے جیسے کپڑا استعمال سے	۱۱۴
گناہ کبیرہ کرنے سے بھی نیکیوں کے اثرات	

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ کہ "ترجمان السنۃ" جلد اوّل طبع ہو کر شائقین تک پہنچ گئی اور اب جلد ثانی پیش کی جا رہی ہے۔ جلد اول طباعت کے جن دشوار گذار مراحل سے گذری تھی یہ سچ ہے کہ ان میں ہر مرحلہ ناقابلِ عبور تھا لیکن اسے قدرت کا ایک کرشمہ ہی کہنا چاہیے کہ بالآخر وہ تمام مرحلے طے ہو گئے اور ارشادات نبوت کا یہ عظیم الشان ذخیرہ عالمِ خیال سے نکل کر منصۂ شہود پر آگیا۔ والحمدللہ حمدًا کثیرًا طیبًا مبارکًا فیہ۔

مؤلف کو جلد اول کی تالیف کے وقت یہ شکایت تھی کہ اس اہم سے اہم موضوع پر قلم اٹھانے کے لیے اس کو سالوں کی بجائے چند مہینے اور چند مہینوں کی بجائے چند ہفتے اور چند ہفتوں کی بجائے چند پُرسکون ساعات بھی میسر نہ آسکیں یعنی مسودہ بھی ذہنی مراحل ہی طے کرنے نہیں پاتا تھا کہ نذرِ قلم پا جانے کا تقاضا ہو جاتا تھا اور کاتب کے ہاتھوں سے اچک لیے جاتے تھے مگر جب دوسری جلد کی تالیف کی نوبت آئی تو ان گذشتہ ایام ہی پر حسرت ہونے لگی کاش گذشتہ ایام کے سکون و طمانیت کی ساعتیں پھر لوٹ کر آئیں۔ وہ حوادث و انقلابات کے اس عجیب سمندر میں بہا جا رہا تھا جس کی طغیانی چند روز میں اطمینان و سکون کا تو ذکر ہی کیا موت و حیات کا پتہ لگانا بھی مشکل تھا۔ لیکن اس سراسیمگی و زار دلی کے عالم میں بھی اگر کوئی شے فراموش نہیں ہو سکی تو وہ جلد ثانی کی تالیف کا خیال تھا۔ اب مؤلف کے پاس ندوۃ المصنفین کی لائبریری کے علمی ذخائر تو کجا نام کے لیے ایک کتاب بھی نہیں تھی۔ مشورہ کے لیے علماء کی مجلسیں تو کہاں میسر ہوتیں کسی عالم کی ایک صحبت بھی عنقا ہو گئی تھی اور دماغی سکون اور جمعیت خاطر کا تو کہیں دور دور بھی پتہ نہیں تھا۔ ایک ایک حدیث کے لیے اس کو قرن اول کی طرح میلوں مارا مارا پھرنا پڑتا تھا پھر جب بہزار مشکل کوئی حدیث کہیں اس کے ہاتھ لگ جاتی تو طبیعت کی درماندگی آگے بڑھنے کی حوصلہ سے بیٹھی تھی اور اگر کسی وقت طبیعت ذرا آمادہ بھی ہوتی تو جن آفتوں کا وہ سامنا کر آئی تھی وہ پھر مجسم نظر آتے تھے۔ ان سب مشکلات سے بڑھ کر یہ مشکل تھی کہ جلد ثانی کے تشریحی نوٹ اگر علمی لحاظ سے جلد اول کے ہم وزن نہ رہتے تو دونوں جلدوں کا توازن فوت ہوتا تھا۔ بہرحال ۱۹۴۷ء کے ان ہی تاریخی ہنگاموں، سراسیمگیوں اور صدہا دقتوں میں یہ جلد بھی تالیف ہو گئی۔ اور یہ خیال کر کے کہ اگر تکمیل صورت و سیرت کی خاطر کسی دوسری فرصت کا انتظار کیا گیا تو معلوم نہیں آئندہ حالات اور کدھر لے جائیں۔ اس جلد کو

اِسی حالت میں یہ کہہ کر قارئین کرام کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے۔

علی انني راضٍ بان احمل الهوى ۔۔ واخلص منه لا علیّ ولا لیا

"ترجمان السنہ کے عنوانات اور جمع احادیث میں جو اسلوب جدید اختیار کیا گیا ہے چونکہ وہ اس خدمت کا ایک بڑا اہم حصہ ہے اس لیے اس کے متعلق کچھ گذارش کر دینی ضروری ہے۔ عام ناظرین کے پیش نظر جو چیز رہیگی وہ صرف اس کے تشریحی نوٹ یا زیادہ سے زیادہ اس کے تراجم کی سطح ہوگی لیکن اس کے عنوانوں کی گہرائی، ان کا باہم ربط، اس کے تراجم کی خصوصیات اور خالی الذہن انسان کو ان سے جو اسلامی تربیت حاصل ہو سکتی ہے اس کا احساس خال خال ہی کسی کو ہوگا۔ رہی وہ کاوش جو احادیث کی جمع و ترتیب کے سلسلہ میں اٹھائی گئی ہے اس کا اندازہ بجز ان چند علماء کے جو کتب حدیث کے ذخیرے میں اپنی راتوں کی نیند تلف کرنے کے عادی بن چکے ہیں اور کس کو ہو سکتا ہے۔ اس حقیقت کے اظہار میں کوئی مبالغہ نہیں ہے کہ ترجمان السنہ کی کتاب الایمان کی تسوید میں کسی ایک یا چند کتب کی صرف کتاب الایمان کا مطالعہ قطعاً کافی نہیں ہو سکا بلکہ اس کے ایک ایک عنوان کے لیے احادیث کے مختلف ابواب کے دفاتر الٹے گئے ہیں۔ پھر اس وسیع سمندر کی تہ میں جو جو موتی غیر مرتب بکھرے نظر آئے ان کو چن چن کر بہتر سے بہتر موقعہ پر رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مثال کے طور پر حدیث نمبر ۹ دیگر کتب احادیث میں صرف وسوسہ کے عام عنوان کے نیچے ملتی ہے لیکن ترجمان السنہ جلد اول میں اس کو آپ کی ضرورت کے ایک اہم عنوان کے تحت رکھ دیا گیا ہے۔ اسی طرح صفحہ ۲۲۳ تک جتنی حدیثیں ذکر کی گئی ہیں پہلے آپ ان کو ایک بار دیگر کتب حدیث میں دیکھ جائیے کہ کن ابواب اور عنوانات کے تحت ہیں پھر ترجمان السنہ میں ان کے عنوانات ملاحظہ فرمائیے، مؤلف کی کاوش کا اندازہ ہو جائیگا۔ کتاب التوحید کے بعد رسالت و نبوت کا اہم باب سامنے آتا ہے اس سلسلہ میں حدیث (۳۰۹) کا مضمون پہلے غور سے ملاحظہ کیجیے، آپ کو یقین ہو جائیگا کہ رسولوں کی ذات سے والہانہ عقیدت رکھنے والوں کے لیے مال و دولت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ یہ تصور حقیقت کے لحاظ سے خواہ کتنا ہی درست ہو لیکن موجودہ ماحول کے لیے جتنا وحشتناک ہو سکتا ہے ظاہر ہے۔ مؤلف نے اس موقع پر سوال کی جوابدہی سے قبل ہم با وقت اس پر صرف کیا ہے کہ سب سے پہلے صاحب شریعت کے منشاء کا پتہ لگایا جائے اس کے بعد اصل مسئلہ کی جانب توجہ کی جائے۔ اس مرحلے پر نہ معلوم کتنی دردسری اور کاوش کے بعد مسلم الرضاعی میں چند کلمات نظر پڑ گئے جن سے حدیث کا اصل مفہوم روشن ہو گیا۔ پھر دیکھا تو شبہ کا کوئی محل ہی باقی نہ رہا تھا۔ اس تمام مضمون کو پہلے ایک مختصر عنوان میں سمیٹ دیا گیا ہے پھر تشریحی نوٹ میں اس کی وضاحت

اکردی گئی ہے۔

اسی ضمن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغمبرانہ تعارف کا ذکر آگیا ہے۔ ہمارے نزدیک اس سلسلہ کا سب سے اہم تعارف آپ کا خاتم النبیین ہونا ہے۔ صرف رسالت و نبوت کا تصور گو انبیاء سابقین پر ایمان لانے کے لیے کافی ہو لیکن آپ کے حق میں یہ تصور یقیناً ایک ناقص تصور ہے۔ آپ کا کامل تعارف اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک رسالت کے ساتھ آپ کے خاتم النبیین ہونے کا تصور بھی نہ کیا جائے۔ اسی لیے قرآن کریم نے سورۂ احزاب کی آیۃ ﴿وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾ میں حضور کے تعارف کے لیے رسول اللہ کے ساتھ خاتم النبیین ہونا بھی نمایاں طور پر ذکر کیا ہے گویا مردوں میں سے کسی کا نبی والد ہونا اگرچہ عام شان رسالت کے منافی نہ ہو لیکن خاص آپ کی شان کے منافی ہے کیونکہ آپ صرف اللہ تعالیٰ کے رسول نہیں بلکہ خاتم النبیین بھی ہیں۔ یہ باب اگرچہ کتب احادیث میں آپ کو تقریباً ترجمان السنہ میں دینی تقاضوں کے لحاظ سے اسی قدر مفصل نظر آئیگا صرف اس ایک باب میں ایک صحیفہ تمام کیے گئے ہیں پھر اس مضمون کی جتنی حدیثیں کتب تفاسیر و احادیث میں مختلف مقامات پر پھیلی ہوئی تھیں ان کو ایک جگہ جمع کر دیا گیا ہے پھر مضامین کے لحاظ سے ان کو جدا جدا عنوانات کے تحت تقسیم کر دیا گیا ہے اور کوشش صرف اس باب کو پھیلانے کی نہیں کی گئی بلکہ ان تمام نقوش و عنوانات کو ابھارنے کی گئی ہے جو گذشتہ دور میں غیر ضروری ہونے کی وجہ سے دبے ہوئے تھے اور درحقیقت اس مسئلہ کے لیے بنیادی حیثیت رکھتے تھے۔ پھر تشریحی نوٹوں میں اس کی ضروری وضاحت بھی کر دی گئی ہے خاتمہ پر جو مقالہ سپرد قلم کیا گیا ہے وہ خواہ اس موضوع کی خوش کن تعبیرات سے لبریز نہ ہو لیکن پاس راہ میں شکوک و شبہات کا جو کانٹا بھی کسی کے قلب میں چبھ سکتا تھا اس کے نکالنے کے لیے ان شاء اللہ تعالیٰ کافی ہوگا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کے غائبانہ تعارف کے سلسلہ میں ان صفات کا ذکر بھی آگیا ہے جو تورات و انجیل میں مذکور تھیں اور خوش قسمتی سے ان کا تذکرہ حدیثوں میں بھی آگیا تھا۔ چونکہ ترجمان السنہ کا موضوع مستند احادیث کا مجموعہ پیش کرنا ہے اس لیے ان احادیث کا جمع کرنا بھی ناگزیر طور پر اس کے موضوع میں داخل ہو گیا ہے۔ یہاں اصل مقصد یہود و نصاریٰ کو خطاب کرنا نہیں کہ جو رسول پر ایمان ہی سے بے بہرہ ہوں وہ اس کے کلام سے کیا مستفید ہو سکتے ہیں ہمارے مخاطب وہ اصحاب ہیں جو ہمارے سلسلہ کا شغف تو رکھتے ہیں لیکن سوء اتفاق سے ان کے پاس ان کے حسب مذاق اردو زبان میں کوئی کتاب نہیں "ترجمان السنہ" کے صفحہ ۵۰ پر اس سے متعلق پوری وضاحت

کردی گئی ہے۔

اسی سلسلہ میں علم الغیب کے عنوان کے تحت آپ کو دو حدیثیں ملیں گی پہلی حدیث انا اعلمکم باللہ اور دوسری حدیث انتم اعلم بامور دنیاکم آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد فرمودہ کلمات کی روشنی میں عنوان بالا کا فیصلہ پورے اعتدال کے ساتھ کرسکتے ہیں۔ یہ دو حدیثیں کتب حدیث میں جن جن عنوانات کے تحت بیان کی گئی ہیں ان کے بالمقابل ہماری ضرورت کے لحاظ سے عنوان مذکور کہیں زیادہ اہم ہے پھر یہ دو حدیثیں دیگر کتب میں سینکڑوں صفحات کے فاصلہ پر رکھی ہوئی ہیں اور ترجمان السنہ میں پہلو بہ پہلو رکھی ہوئی نظر آئیں گی یہی طریق بیان کے کچھ محاسن ہیں جو علامہ محدث لکھنوی کے بیان میں آئے ہیں اس کے بعد حدیثی صنائع میں تو ان کی تعالی جملہ کون کر سکتا تھا ہاں ان کی کتاب کے صرف خارجی نقش و نگار کی نقالی کی ہم نے بھی کوشش کی ہے اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ اپنے مقبولان بارگاہ کی اس نقالی میں برکت واخلاص مرحمت فرمائے۔ آمین۔

حق تعالیٰ اور اس کے مقدس رسول کے مختصر تعارف کے بعد ان پر ایمان لانے کے ابواب شروع کئے گئے ہیں ان میں سب سے پہلے فضائل ایمان کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس باب کے اکثر عنوانات گو خود احادیث ہی کے مختصر ٹکڑے ہیں مگر ترجمان السنہ میں اُن کو ایک خاص ترتیب کے ساتھ ایک جگہ جمع کر کے بشکل عنوانات روشن کر دیا گیا ہے تاکہ ان کے مطالعہ کرنے والوں میں ایمان کی ایک نئی روح پیدا ہو جائے۔

حدیث نمبر ۴۰ پر جو عنوان قائم کیا گیا ہے وہ علم کا ایک جدید اور مستقل باب ہے یعنی ایک نیکی پر دس گونہ ثواب ملنا تو اسلام میں ایک مشہور ضابطہ ہے لیکن اس کے بعد سات سو گنا تک ثواب ملنے کا ذکر بھی حدیثوں میں آتا ہے۔ ہمیشہ خیال یہی رہا کہ سات سو گنا اور اس سے زیادہ ثواب ملنے کا شاید کوئی ضابطہ نہ ہوگا یہ صرف ارحم الراحمین کی رحمت بے پایاں کے تحت ہے وہ جسے جتنا چاہے عطا فرمادے لیکن جب حافظ ابن رجب حنبلی کی کتاب نظر پڑی تو معلوم ہوا کہ سات سو گنا اور اس سے زیادہ ... تضاعیف کا ثواب بھی شریعت میں ایک بہت معقول ضابطہ کے تحت ہے۔ ترجمان السنہ میں اسی کی طرف پہلے ایک مختصر عنوان میں اشارہ کیا گیا ہے۔ اس کے بعد نوٹ میں اس کی وضاحت کردی گئی ہے۔ اس کی قدر ایسے ہی اشخاص فرماسکتے ہیں جن کے قلوب میں خوش اعتقادی کی دنیا کو منتقل کر کے عملی میدان میں قدم رکھنے کا جذبہ ہو یا جن کے دماغ میں علمی لحاظ سے اس بارے میں کبھی کوئی الجھن پیش آئی ہو۔

اسی طرح ارکان اسلام میں باہم ربط کا عنوان بھی ایک اہم عنوان ہے جس پر ترجمان السنہ جلد اول کے آخر میں اور اس جلد میں بھی ایک موقعہ پر تنبیہ کی گئی ہے مضمون کی اہمیت ان مقامات کے مطالعہ

بعد ہی واضح ہوگی۔

دو باب الایمان کی تکمیل کے بعد کتب احادیث کی ترتیب کے بالکل برخلاف اشراک باللہ اور نفاق کے ابواب ذکر کیے گئے ہیں۔ ہمارے زمانہ میں ان ابواب کی پوری وضاحت کیے بغیر کتاب الایمان کی بحث بھی تفصیل کی جائے ناقص رہتی ہے۔ اس کے شروع میں بھی ایک متوسط مقالہ لکھ دیا گیا ہے۔ اس ترتیب سے مؤلف کا مقصد یہ ہے کہ جب تک پہلے خدائے وحدہ لاشریک لہ اور اس کے رسول پاک کا اس طرح تعارف اور ایمان کے ہر دو عمل سے ذکر لیے جائیں اور شرک ونفاق کی ہر آلودگی سے اس کو یکسر پاک وصاف نہ کرلیا جائے ایمان کامل نصیب نہیں ہوسکتا۔ راہ ایمان پر جب کبھی معصیت کا داغ لگ جاتا ہے تو باقی لحاظ سے ایک بڑی کشمکش پیدا ہوجاتی ہے وہ کبھی تو اس کو اعتزال کی طرف لیجاتی ہے اور کبھی ارجاء کی طرف کھینچتی ہے۔ حدیثیں بھی اس بارے میں دونوں طرح کی ملتی ہیں۔ کہیں ادنیٰ فروگذاشت سے ایمان کی نفی معلوم ہوتی ہے اور کہیں شراب نوشی جیسی معصیت کے بعد بھی مغفرت کی بشارت سے محرومی معلوم نہیں ہوتی۔ مؤلف نے ان دونوں قسموں کا توازن قائم رکھنے کے لیے مختلف عنوانات قائم کردیے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ ایمان کامل ہے تو بڑی بلند مقام ہے جو معمولی معصیت کی خلش بھی برداشت نہیں کرتا شراب نوشی تو کجا۔ لیکن اس کے یہ معنے بھی نہیں کہ اسلام میں انسان کی فطری کمزوری کے لیے کوئی پناہ نہیں ہے۔ وہ ہر وقت اس کو پناہ دینے کے لیے تیار ہے بشرطیکہ اس کا قلب جذبات وفاداری اور معصیت پر ندامت سے معمور رہے۔ اسی کے ساتھ وہ برابر اس کی ترغیب دیتا ہے کہ انسان صرف اغراض ونفسانی کی زندگی بسر کرنے کا عادی نہ بنے بلکہ اس مقام رفیع تک رسائی کی سعی کرتا رہے جہاں پہنچ کر ادنیٰ سی فروگذاشت بھی اس کو بصورت نفاق نظر آنے لگے۔ اس کے بعد تقدیر کا اہم مسئلہ شروع ہوتا ہے۔ یہ مسئلہ ہر دور میں معرکۃ الآراء مسائل میں سب سے زیادہ لاینحل سمجھا گیا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے۔ اس کے باوجود ہر زمانے میں اس پر علماء و متکلمین نے خامہ فرسائی کی ہے۔ احقر نے بھی کبھی فرصت کے دنوں میں اس پر دو مقالے لکھے تھے اور خیال

ے کتب حدیث کے مسودات میں ترجمان السنہ میں وارد کی نہ ہوئی ایک حدیث کے عنوان پر بعض کے ساتھ اختلاف رائے ظاہر کیا گیا ہے۔ اختلاف رائے ہر عالم کا حق ہے لیکن اس کا بھی محل ہونا چاہیے۔ حدیث ... پر احقر نے ایک شخص کی شراب نوشی پر معصیت کا لفظ اطلاق کردیا ہے۔ فاضل معاصر نے معصیت کے بجائے اس کو ظلم میں داخل فرمایا ہے۔ حیرت ہے جس امر پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے دو مرتبہ حد شرعی قائم ہوچکی ہو اس کو بھی معصیت کی تعریف سے خارج کیا جاسکتا ہو اور پھر کیا وہ ترجمہ جو اس حدیث پر امام بخاری کی جانب سے ترجمۃ الباب میں نقل کیا گیا ہے ہو سکتا ہو۔

یہ تھا کہ علماء کے گذشتہ مضامین کے ساتھ ان کی حیثیت پیوند کی ضرور ہوگی مگر افسوس اور صد افسوس کہ اس
فتنہ میں وہ بھی ضائع ہو گئے۔ اس متاعِ علمی کے ضیاع کا جتنا صدمہ ہو سکتا ہے وہ ہوا اور زیادہ افسوس
اس کا ہے کہ اب اس مکمل تصویر کا ایک نقش بھی ذہن میں نہیں، ورنہ کسی ناقص صورت ہی میں اس کو
ناظرین کے سامنے پیش کر دیا جاتا۔ اب نہ وہ فرصت ہے، نہ وہ طبیعت کی تازگی، نہ وہ علمی ذخائر بلکہ
وہ ہمت شکن درماندگی محیط ہے جو کسی علمی سرمایہ گم گشتہ کو ہوا کرتی ہے۔ بایں ہمہ کتاب کی تکمیل کے تقاضے
صبر کا کام کرتے رہے اور اس لیے ایک شکستہ طبیعت میں جتنی سکت باقی تھی اس کو پھر اٹھانا پڑا اور
بڑی جانفشانی کے بعد اس مضمون کی احادیث جمع کرنے کی جو خدمت رہ گئی تھی اس کو مکمل کر کے وقتی
استغنا کے لحاظ سے ایک مقالہ یہاں پھر ہدیۂ ناظرین کر دیا گیا ہے۔ اس باب کی حدیثیں کل احادیث
کے تمام متفرق ابواب سے جمع کی گئی ہیں۔ حتیٰ کہ کتاب النکاح اور کتاب الطلاق سے۔ آپ کو تعجب ہوگا
کہ ان ابواب میں تقدیر کے مسئلہ کی حدیثیں کہاں جگہ گزریں اور بہت ممکن ہے نہیں۔ خوش نصیبی
ہے اس وقت ہمارے پاس مصطفیٰ صبری کا رسالہ موقف البشر موجود تھا۔ اس باب میں یہ رسالہ بسلسلہ
گذشتہ تصانیف سے زیادہ قیمتی ہے۔ اس کو بار بار مطالعہ کر کے خاص طور پر پیش نظر رکھا گیا ہے۔ لیکن
مباحث کے بعد ارادہ تھا کہ عالمِ ارواح برزخ اور آخرت پر بحث کی جائے جس کے ضمن میں ملائکہ اور
شیاطین اور دوزخ و جنت وغیرہا کے مباحث بھی آ جاتے ہیں۔ اور اسی طرح کتاب الایمان میں آمنت
باللہ کی مشہور ترتیب ملحوظ ہے لیکن بعض وقتی مسائل کے لحاظ سے شاید یہ ترتیب ترک کرنی پڑے
اس لیے ابھی نہیں کہا جا سکتا کہ آئندہ جلد کس ترتیب سے سامنے آئے گی۔

یہ ظاہر کر دینا بھی ضروری ہے کہ تیسری جلد میں تشریحی نوٹوں کا وہ اسلوب غالباً باقی نہ رہ سکے،
وقت کی قلت کتاب کے جلد از جلد مکمل کر دینے کی متقاضی ہے اور تفصیلات میں جانا فرصت چاہتا
ہے اس لیے ہو سکتا ہے کہ پہلے جدید عنوانات کے تحت حدیثوں اور ان کے ترجموں اور صرف مختصر نوٹوں
پر اکتفا کی جائے۔ اس کے بعد پھر قدرت جس کو منتخب فرمائے وہ اس مواد کو پھیلا کر پوری تفصیلات
کے ساتھ پیش کر دے۔ ع این کار دولت است کنوں تا کرا رسد۔ و آخر دعوانا ان الحمد
للہ رب العالمین۔

بندہ محمد بدر عالم عفا اللہ عنہ

۱؎ یہ ابواب جلد ثالث میں آئیں گے

الایمان کلما ازدادت علاقتہ بالغیب کان افضل

ایمان کا تعلق غیب کے ساتھ جتنا گہرا ہو اتنا ہی فضیلت کا موجب ہے

امام راغبؒ غیب کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "والغیب فی قولہ تعالیٰ یؤمنون بالغیب ما لا یقع تحت الحواس ولا تقتضیہ بداہۃ العقل وانما یعلم بخبر الانبیاء علیہم السلام"

غیب کا لفظ مختلف معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔ آیۃ یؤمنون بالغیب میں غیب کا اطلاق اُن چیزوں پر کیا گیا ہے جو انسانی حواس کے ادراک سے بالاتر ہیں۔ اور عقل بھی بدیہی طور پر ان کا تقاضہ نہیں کرتی وہ صرف انبیاء علیہم السلام کے بتانے سے معلوم ہوتی ہیں۔ ذیل کی آیتوں میں غیب کے یہی معنی مراد ہیں۔

(۱) وللہ غیب السمٰوٰت والارض۔	آسمانوں اور زمین کی غیب کی باتوں کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔
(۲) اطلع الغیب	کیا اسے غیب کی باتوں کی خبر لگ گئی ہے۔
(۳) لا یظہر علی غیبہ احدا	اللہ تعالیٰ اپنی غیب کی باتوں پر کسی کو قادر نہیں ہونے دیتا۔
(۴) لا یعلم الغیب الا اللہ	غیب کی باتوں کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔
(۵) وما کان اللہ لیطلعکم علی الغیب۔	یہ لازم اس تعالیٰ کے ہے کہ اللہ تعالیٰ تم کو اپنی غیب کی باتوں کی بلا واسطہ خبر دے۔
(۶) علام الغیوب	اللہ تعالیٰ کو غیب کی تمام باتوں کا پورا پورا علم ہے۔
(۷) وعندہ مفاتح الغیب لا یعلمہا الا ہو۔	غیب کے خزانوں کی کنجیاں اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں اس لئے غیب کا علم بھی صرف اسی کو ہے۔

(۴) ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر وما مسنی السوء۔ — اگر میں غیب کی سب باتیں جانتا تو بہت سی بھلائیاں اپنے لئے جمع کر لیتا اور کوئی برائی مجھے چھو بھی نہ سکتی۔

(حالانکہ میری زندگی شاہد ہے کہ نہ خیر کے تمام خزانے میرے ہاتھ میں ہیں اور نہ میں حوادث عالم سے مستثنیٰ ہوں)۔

یاد رکھنا چاہیے کہ دنیا میں انسانوں کی دو قسمیں ہیں، خدا پرست اور مادہ پرست۔ مادہ پرست تمام عالم کو صرف اپنے دائرہ محسوسات میں محدود تصور کرتا ہے اس کے نزدیک کسی اور عالم بالا کا تصور صرف ایک وہم پرستی یا مذہبی خوش اعتقادی سے زیادہ نہیں ہوتا اس لئے وہ دعوت انبیاء علیہم السلام میں جب کسی ماوراء محسوسات عالم کا تذکرہ سنتا ہے تو بے ساختہ اس کا تمسخر اڑانے کو تیار ہو جاتا ہے اس کے نزدیک جب عالم غیب کی کوئی حقیقت ہی نہیں تو اس پر ایمان لانا بھی بے معنی ہے رہا اس ایمان کی حقیقت صرف ایک جہل یا جبری انقیاد سمجھتا ہے۔ اس کے نزدیک ایسے ایمان سے نہ تو نفس انسانی میں کوئی ارتقائی تحریک ابھر سکتی ہے اور نہ اس میں اعمال صالحہ اور ملکات حسنہ کا کوئی ذوق پیدا ہو سکتا ہے۔

دوسری قسم خدا پرستوں کی ہے ان کے نزدیک موجودات کو دائرہ محسوسات میں محدود سمجھنا ہی ایک بنیادی غلطی ہے جب عالم محسوسات میں بھی بہت سی چیزوں کا یقین ہمیں صرف مؤرخین اور جغرافیین کے بیانات ہی پر کرنا پڑتا ہے اور صرف اس بنا پر ان سے انکار کر دینا صحیح نہیں ہوتا کہ ہم نے بچشم خود ان کو نہیں دیکھا تو پھر ان ماوراء محسوسات عالم کا انکار کیونکر صحیح ہو سکتا ہے جن کو اگرچہ ہم نے نہیں دیکھا لیکن انبیاء علیہم السلام کی پاکیزہ ... نے ہم سے زیادہ تحقیق کے ساتھ ان کو دیکھا اور ان کا مشاہدہ کیا ہے۔ اس سے یہ واضح ہو گیا کہ عالم غیب کے غیر محسوس ہونے کے معنی یہ ہیں کہ وہ صرف ہمارے ضعیف حواس کی دسترس سے باہر ہوتا ہے نہ یہ کہ تحت الحس آنے کی صلاحیت نہیں رکھتا اس لئے خدا پرست جماعت انبیاء علیہم السلام کی فہم و فراست اور ان کی صداقت و امانت کے اعتماد پر عالم غیب پر ایمان لے آنا عین تقاضائے عقل سمجھتی ہے اور یہی تصدیق و اذعان ان کے ایمان کی ساری قیمت ہوتی ہے۔ اگر غیب پر یہ اذعان و اطمینان حاصل نہ ہو تو ان کا ایمان بے قیمت ہو۔

غیر معقول اور غیر مدرک کا فرق

مادہ پرستوں کو یہاں ایک بڑا مغالطہ یہ لگ گیا ہے کہ وہ غیر معقول اور غیر مدرک میں فرق نہیں کرتے عالم غیب غیر مدرک تو ہے مگر غیر معقول نہیں۔ غیر معقول ہونے کا مطلب یہ ہے کہ عقل انسانی اس کو محال سمجھتی ہو یا اس کی تکذیب کرتی ہو۔ اب آپ غور کیجئے کہ ایمان کے اجزاء کیا ہیں اور ان میں کون سا جزء ایسا ہے جس کو محال اور خلاف عقل کہا جا سکتا ہو

کیا ایک خالق کا وجود، کیا رسول کی رسالت، کیا خدا کی کتابیں، اس کے فرشتے، اس کی تقدیر اور ثواب و عذاب کے لئے دائمی مستقر، غرضیکہ غیب کے اجزاء ان کے سوا اور کیا ہیں۔ پھر ان باتوں میں کون سی بات ایسی ہے جو عقل کے نزدیک محال ہے۔ ہاں یہ حقائق ان حواس خمسہ کے احساس سے بالاتر ضرور ہیں مگر کیا یہ بات کوئی معقول وجہ میں داخل ہے کہ جو بات ہمارے ادراک یا مشاہدہ سے بالاتر ہو اس کو تسلیم نہ کیا جائے دراں حالیکہ ہمارے آلات ادراک سے زیادہ قابل وثوق آلات اس کا ادراک کر رہے ہوں۔ حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں۔ فان الانبیاء علیہم السلام یخبرون الناس بما تعجز عقولھم عن معرفتہ لا بما یعرفون انہ ممتنع فیخبرونھم بمحارات العقول لا بمحالات العقول۔ (الجواب الصحیح ج ۱ ص ۲۰۰)

اب یہ سوال کہ اس بے دلیل اعتبار کا اثر نفس انسانی پر کچھ ہوتا ہے یا نہیں تو اس کا فیصلہ صحابہ کے وہ انقلابی کارنامے کریں گے جن کو تاریخ نے ارتقاء انسانی کی اساس و بنیاد قرار دیا ہے۔ ارتقائی زندگی کی جو مسافت مادہ پرستوں نے کبھی سالوں میں طے کی تھی وہ ان خدا پرستوں نے چند لمحات میں طے کر ڈالی ہے اسی لئے قرآن کریم نے صحابہ کرام کے ایمان بالغیب کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کی عملی زندگی کا نقشہ بھی کھینچنا ضروری سمجھا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ ان کا ایمان بالغیب ایسا ایمان نہیں تھا جس کی سطح پر عمل صالح کا کوئی بلبلہ بھی اٹھتا نظر نہ آتا۔ بلکہ وہ ایک ایسا طوفان خیز سمندر تھا جس سے اقامت صلوٰۃ، ایتاء زکوٰۃ اور انفاق فی سبیل اللہ کی موجوں کا ہنگامہ بپا ہوا تھا۔

الذین یؤمنون بالغیب ویقیمون	جو لوگ یقین رکھتے ہیں بے دیکھی باتوں پر اور نماز قائم
الصلوٰۃ ومما رزقنٰھم	کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے
ینفقون۔	کچھ خدا تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں

اقامت صلوٰۃ سے ان کی بدنی عبادت کے کمال کی طرف اشارہ تھا اور انفاق فی سبیل اللہ سے ان کی مالی قربانی کی طرف جس ایمان کے نتیجہ میں نفس انسانی میں جانی و مالی قربانی کی یہ روح پیدا ہو جائے اس کو بے اثر اور خشک ایمان کیسے کہا جا سکتا ہے۔

اصل یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام جب دنیا میں تشریف لاتے ہیں تو دو قسم کے علوم لیکر تشریف لاتے ہیں ایک وہ جو صرف ان کی امانت و صداقت کے اعتبار پر بے چون و چرا تسلیم کرلئے جاتے ہیں وہ سراسر منقول ہی منقول ہوتے ہیں اگرچہ عقل انسانی بدیہی طور پر ان کا ادراک نہ کر سکے دوسرے علوم وہ ہوتے ہیں جو ہمارے ادراک بالحاظ عقل وہیں بھی داخل ہیں ان میں اجتہاد و استنباط کی بڑی حد تک اجازت دیدی گئی ہے بلکہ ان کو مدد یا جاتا ہے کہ وہ کتاب و سنت کی روشنی میں اپنی زندگی کا لائحہ عمل حسب ضرورت خود بنالیں۔ قرآن کریم نے

گزشتہ اقوام کے تذکرے اور تاریخ کے عبرت آموز واقعات اسی لئے بار بار دہرائے ہیں تاکہ انھیں پڑھ کر آئندہ زندگی میں پوری بصیرت کے ساتھ چلنے کا سلیقہ آجائے۔ دین کے اس حصہ پر غور و خوض کا ایک اہم فائدہ یہ بھی ہے کہ اس حصہ کی معقولیت اور گہرائی کا اندازہ لگانے کے بعد اس کے دوسرے حصہ کی معقولیت کا یقین خود بخود حاصل ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم نے محکمات و متشابہات کی تقسیم بھی اسی اصول پر قائم کی ہے اور راسخین فی العلم کی یہی علامت مقرر کی ہے کہ جب وہ آیات متشابہات پر گذریں تو ان کی مرادیں معلوم کرنے کی بجائے ان کے سامنے عجز و اعتراف کا سر جھکا دیں اور اس کا نام جہل اور جمود نہیں رکھا بلکہ رسوخ فی العلم رکھا ہے اس کے برخلاف ان کی مرادوں کے درپے ہونے کا نام علم اور تحقیق نہیں رکھا بلکہ زیغ اور فطرت کی کجی قرار دیا ہے۔ اسی اصول کے ماتحت آپ احادیث نبویہ پڑھتے جائیے اور عالم غیب کے مباحث کو انبیاء علیہم السلام کے اعتماد و وثوق پر تسلیم کرتے چلے جائیے۔ هذا صراط مستقیم فاتبعوه۔

یہ بات قابل یادداشت ہے کہ ایمان کی تمام روح صفت یقین ہے اور یقین اسی وقت قابل تعریف ہو سکتا ہے جبکہ عالم غیب پر ہو ورنہ اپنے مشاہدہ پر یقین کرنا بدیہی بات ہے۔ اسی لئے فرمایا ولیعلم اللہ من ینصرہ ورسلہ بالغیب۔ یعنی دیکھنا تو یہ ہے کہ خدا اور رسول کے دین کی تائید بن دیکھے کون کون کرتا ہے۔ خدا کے مقدس فرشتے عالم غیب کا مشاہدہ کرتے ہیں اگر وہ خدا تعالیٰ کے حکم سے سرتابی نہیں کرتے تو ان کا کمال کیا ہے کمال یہ ہے کہ عالم غیب کا انسان تحت الحجاب ہو اور پھر اس کی تائید و نصرت میں وہ سرگرم ہو جو عین مشاہدہ میں ہونی چاہیے۔ وہ ایمان جو ملائکۃ اللہ کے لئے بھی قابل رشک ہے ان کا ایمان ایمان بالغیب نہیں ہمارا ایمان ہمارا نصیب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تکلیفات شرعیہ کا بار ڈالنے کے لئے قدرت نے اپنے اور انسان کے درمیان ایک حجاب غیب ڈال دیا ہے جس کے بعد جنت دوزخ اور خدا کے فرشتے تو درکنار خود خالق کا اپنا وجود بھی عالم غیب میں شامل ہو کر رہ گیا ہے۔ قیامت میں یہ حجاب غیب اٹھا دیا جائے گا اور اسی لئے تکلیفات شرعیہ کا دائرہ بھی ختم ہو جائے گا۔ دنیا عالم کے وجود سے قبل انسان مکلف تھا نہ عالم کی فنا کے بعد مکلف رہے گا۔ دائرہ تکلیف صرف غیب کی تاریکی تک محدود ہے۔ اسی عارضی حجاب نے عالم غیب کو نظری بنا رکھا ہے ورنہ جو آج نظری ہے وہ کل یقینی تھا اور قیامت کے بعد پھر یقینی بن جائے گا موجودہ تعدد و انکار جو کچھ بھی ہے وہ صرف اس حجاب غیب کا ثمرہ ہے۔ انبیاء علیہم السلام صرف اس لئے آتے ہیں کہ جو کچھ اس حجاب غیب کے ماوراء ہے اس کو بتا دیں۔ اسی لئے ان کی حیثیت صرف ایک مبلغ اور مذکر کی ہوتی ہے۔ نہ غیب کے علوم حاصل کرنے میں وہ خود دماغ سوزی کرتے ہیں اور نہ دوسروں کو اس کی ترغیب دیتے ہیں پھر جو علوم از خود قدرت ان پر فائض کر دیتی ہے ان کو وہ کسی بخل کے بغیر سب کو

مسکن دیتے ہیں وما ھو علی الغیب بضنین۔ جو طالب کی پرخار وادی میں گزرتا رہے وہ بہت زیادہ گرتا ہے اور عمل کم کر، مشقت سفر زیادہ اٹھاتا ہے اور منزل کم طے کرتا ہے۔ پھر یہ بھی ٹھیک معلوم نہیں ہوتا کہ اس کا رخ بھی صحیح مقصد کی طرف بھی ہوتا ہے یا نہیں۔ اسلام نے مختصر عمر میں آخرت کی طویل منزل طے کرنے کے لئے تعلیم یہی دی ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کے اعتماد پر وقت کی تمام فرصت عمل میں صرف کر ڈالے۔

یہ بھی زیر نظر رہنا چاہئے کہ اس عنوان کے تحت احادیث کا منشا جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھے ہوئے بغیر ایمان لانے والوں کی بہت بڑی فضیلت مذکور ہے یہی ہے کہ اس جماعت کے لئے رسول کی ذات اقدس بھی گویا عالم غیب ہی میں شامل ہو گئی ہے۔ اور اس حیثیت سے ان کا ایمان اور غیب در غیب بن گیا ہے اس کو جزئی فضیلت کا صرف ایک اسلوب بیان سمجھنا چاہئے۔ ورنہ در اصل رسول کی ذات کسی حال میں بھی عالم غیب میں شمار نہیں ہوتی وہ تعینی طور پر عالم محسوسات میں داخل ہوتی ہے۔ البتہ اس کی رسالت ہر حالت میں عالم غیب کا ایک آبدار گوہر ہوتی ہے جس پر ایمان لانے میں رسول کی شخصیت بلاشبہ بڑی حد تک معین ہوتی ہے چونکہ اس کی وفات کے بعد یہ مساعدت باقی نہیں رہتی اور صرف عالم غیب کا حصہ یعنی اس کی رسالت باقی رہ جاتی ہے اس لئے اس پر ایمان لانا اس جزئی فضیلت کا موجب بن جاتا ہے اور اسی معنی سے رسول پر ایمان کو ایمان بالغیب کہا جاتا ہے۔

كان بيننا لمن رآه والذي لا إله غيره ما آمن أحد قط إيمانا أفضل من إيمان بغيب ثم قرأ
(الم ذلك الكتاب لا ريب فيه هدى للمتقين الذين يؤمنون بالغيب الى قوله المفلحون)
هكذا رواه ابن ابي حاتم وابن مردويه والحاكم في مستدركه من طرق عن الاعمش به في التفسير
وقال صحيح على شرط الشيخين۔

(۲۵۳) عن ابي محيريز قال قلت لابي جمعة رجل من الصحابة حدثنا حديثا
سمعته من رسول الله صلى الله عليه وسلم قال نعم احدثكم حديثا جيدا تغدينا مع
رسول الله صلى الله عليه وسلم ومعنا ابو عبيدة بن الجراح فقال يا رسول الله هل احد
خير منا اسلمنا معك وجاهدنا معك قال نعم قوم يكونون من بعدكم يؤمنون بي ولم
يروني۔ رواه احمد واخرجه طرق الحافظ ابن كثير واخرجه الحاكم وصححه ثم

صداقت ہر اس شخص کے سامنے جس نے آپ کو دیکھا تھا بالکل صاف اور عیاں تھی۔ اس ذات کی قسم
جس کے سوا خدا کوئی نہیں۔ کوئی شخص ایمان نہیں لایا جس کا ایمان بن دیکھے ایمان سے افضل ہو۔
پھر اس کے ثبوت میں انھوں نے یہ آیت پڑھی (الم یہ کتاب ہے اس میں کوئی شک و شبہ نہیں،
متقیوں کے لئے ہدایت ہے جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں) (حاکم، ابن کثیر)

(۲۵۴) ابو محیریز بیان کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی ابو جمعہ سے
کہا آپ ہمیں کوئی ایسی حدیث سنائیے جو آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنی ہو۔ انھوں نے
فرمایا بہت اچھا میں تم سے ایک بہت عمدہ حدیث بیان کرتا ہوں۔ ایک مرتبہ ہم نے آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صبح کا کھانا کھایا اس وقت ابو عبیدہ بن الجراح بھی ہمارے ہمراہ تھے۔
انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہم سے بھی کوئی اور قوم بہتر ہو سکتی ہے۔ ہم آپ پر ایمان لائے
ہم نے آپ کے ساتھ جہاد کئے۔ آپ نے فرمایا ہاں ایک قوم ہوگی جو تمہارے بعد میں آئے گی
وہ بغیر دیکھے مجھ پر ایمان لے آئے گی۔ (احمد۔ حاکم۔ ابن کثیر)

پڑھانے کا ایک مرتبہ اتفاق ہوا تھا۔

درمنثور میں جسے ... حارث بن قیس اور ابن مسعودؓ کے بیان ذکر کیا ہے۔ دیکھو ج ۱ ص ۲۶۔

(۲۵۵) عن أنس بن مالك قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم وددت أني لقيت إخواني قال فقال أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم نحن إخوانك قال أنتم أصحابي ولكن إخواني الذين آمنوا بي ولم يروني - (رواه احمد ورمز له السيوطي بالصحة وقال العزيزي في شرحه اسناده حسن-

(۲۵۶) عن أبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال إن من أشد أمتي لي حبا ناس يكونون بعدي يود أحدهم لو رآني بأهله وماله (رواه مسلم)

(۲۵۷) عن أبي عبد الرحمن الجهني قال بينا نحن عند رسول الله صلى الله عليه وسلم

(۲۵۵) انس بن مالک بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے تمنا ہے کہ میں اپنے بھائیوں سے ملتا۔ صحابہؓ نے عرض کیا ہم بھی تو آپ کے (خادم اور) اسلامی بھائی ہیں آپ نے فرمایا تم تو میرے صحابہ ہو اور بھائی وہ لوگ ہیں جو دیکھے بغیر مجھ پر ایمان لائیں گے۔ (احمد)

(۲۵۶) ابوہریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں مجھ کو زیادہ محبت رکھنے والے افراد وہ ہیں جو میرے بعد آئیں گے اور یہ تمنا کریں گے کہ اپنا گھر بار اور مال سب قربان کرکے کسی طرح مجھ کو دیکھ پاتے۔ (مسلم)

(۲۵۷) ابو عبدالرحمٰن جہنی روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے

(۲۵۵) یعنی تم نبی تو اخوت کے ساتھ میری صحبت کا شرف بھی حاصل ہے اور اس وقت بھائی سے میری مراد وہ لوگ ہیں جو میرے بعد آئندہ ایمان لائیں گے انھیں رشتۂ ایمانی کی وجہ سے صرف اخوت تو حاصل ہوگی مگر شرف صحبت نصیب نہ ہوگا۔

(۲۵۶) رحمۃ للعالمین کی یہ صرف ایک قدردانی اور ہمت افزائی کی بات تھی کہ آپ نے آنے والی امت کے لئے بھی ایک سامان تسلی مہیا فرما دیا ہے۔ ورنہ یہ کہ اگر وہ آپ کے شرف دیدار سے محروم ہو گئی تو غم نہ کرے اصل قرابت سے وہ بھی محروم نہیں ہے قرابت کا اصل رشتہ محبت و ایمان ہے۔ قرابت دیدار بھی اسی وقت قرابت شمار ہوتی ہے جبکہ اس میں رشتۂ ایمان کے ساتھ ہو۔ اسی رشتے سے صحابہ نے میدان فضائل جیتے اور اسی رشتہ سے آئندہ امت بھی فضائل و کمالات کے بڑے میدان جیت سکتی ہے۔ یہ رشتہ صحابہ کو تو دیکھ کر حاصل ہوا اور بیشک ان کا یہ بڑا کمال تھا لیکن ایک حیثیت سے یہ کمال بھی کچھ کم نہیں کہ دیکھے بغیر ہی جذبۂ جان نثاری اسی نمونے کے مطابق قربانی کا ذوق ان کو حاصل ہو جائے جو دیکھنے والوں کو حاصل تھا۔ اگر یہ اس قسم کی محبت افزائی کے کلمات احادیث میں نہ آتے تو آئندہ امت کے لئے یہ اضطراب و بے چینی کا موجب بن جاتا۔

طلع راكبان فلما رآهما قال كنديان مذحجيان حتى أتياه فإذا رجال من مذحج قال
فدنا إليه أحدهما ليبايعه قال فلما أخذ بيده قال يا رسول الله أرأيت من رآك فآمن
بك وصدقك واتبعك ماذا له قال طوبى له قال فمسح على يده فانصرف ثم أقبل
الآخر حتى أخذ بيده ليبايعه قال يا رسول الله أرأيت من آمن بك وصدقك واتبعك
ولم يرك قال طوبى له ثم طوبى له ثم طوبى له قال فمسح على يده فانصرف۔ (رواه أحمد
والدولابي والبغوي ورجاله من رجال الصحيح)

(٢٥٨) عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم
أي الخلق أعجب إليكم إيمانا قالوا الملائكة قال وما لهم لا يؤمنون وهم عند ربهم قالوا

کہ دو سوار سامنے سے آتے ہوئے نظر آئے۔ جب آپ نے ان کو دیکھا تو فرمایا یہ دونوں کندہ کے باشندے اور مذحج
قبیلے کے لوگ معلوم ہوتے ہیں جب وہ آگئے تو اس قبیلے کے کئی آدمی ان میں تھے۔ راوی کہتا ہے کہ ان میں ایک
شخص بیعت کے لئے آپ کے قریب آیا جب اس نے آپ کا دست مبارک ہاتھ میں لیا تو بولا یا رسول اللہ
جس نے آپ کی زیارت کی آپ پر ایمان لے آیا اور آپ کا اتباع بھی کیا فرمائیے اس کو کیا ملے گا۔ آپ نے
فرمایا اس کے لئے مبارک ہو۔ یہ سن کر تبرکاً اس نے آپ کے دست مبارک پر ہاتھ پھیرا اور بیعت کرکے چلا گیا
پھر دوسرا آگے بڑھا اس نے بھی بیعت کے لئے آپ کا ہاتھ میں ہاتھ لیا اور عرض کیا یا رسول اللہ جس نے
آپ کو نہیں دیکھا اور آپ پر ایمان لے آیا آپ کی تصدیق کی اور آپ کا اتباع بھی کیا فرمائیے اس کو کیا ملیگا
آپ نے فرمایا اس کو مبارک ہو، مبارک ہو، مبارک ہو (تین بار مبارکباد دی) اس نے بھی آپ کے دست
مبارک پر ہاتھ پھیرا اور بیعت کرکے چلا گیا۔ (احمد)

(۲۵۸) عمرو بن شعیب اپنے والد وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا تمہارے نزدیک ایمان کے لحاظ سے کس کا ایمان زیادہ قابل تعجب ہے انہوں نے عرض کیا فرشتوں
کا۔ آپ نے فرمایا کیوں انہیں کیا ہوا کہ وہ ایمان نہ لائیں جبکہ وہ اپنے پروردگار کے حضور ہی میں ہر وقت

---

(۲۵۸) یہاں آئندہ امت کے ایمان کو قابل تعجب کہا گیا ہے افضل نہیں کہا گیا اور جہاں افضل کہا گیا ہو
وہاں بھی یہی تعجب کا اظہار مقصود ہے۔ اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ فرشتے اور تم لوگ اگر ایمان رکھتے ہو تو اس کے
اسباب بھی ان کے اور تمہارے سامنے موجود ہیں فرشتے تو براہ راست بارگاہ احدیت کا مشاہدہ کرتے ہیں ان کا ایمان تو
ایمان بالغیب ہی نہیں۔ انبیاء علیہم السلام کا ایمان اگرچہ ایمان بالغیب ہے مگر ان کی شکل دوسری خود ثابت ہوتی ہے

فالنبيون؟ قال: وما لهم لا يؤمنون والوحي ينزل عليهم؟ قالوا: فنحن؟ قال: وما لكم لا تؤمنون وأنا بين أظهركم؟ قال: فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ألا إن أعجب الخلق إلي إيمانا لقوم يكونون من بعدكم يجدون صحفا فيها كتاب يؤمنون بما فيها. قال أبو حاتم الرازي في المغيرة بن قيس البصري هو منكر الحديث. قال الحافظ ابن كثير ولكن قد روى أبو يعلى في مسنده وابن مردويه في تفسيره والحاكم في مستدركه من حديث محمد بن أبي حميد وفيه ضعف عن زيد بن أسلم عن أبيه عن عمر عن النبي صلى الله عليه وسلم .... وقال الحاكم صحيح الإسناد ولم يخرجاه وقد روي نحوه عن أنس بن مالك مرفوعا والله تعالى أعلم ... إلا أن محمد بن أبي حميد ضعفوه۔

حاضر ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا تو پھر خدا کے نبیوں کا؟ آپ نے فرمایا وہ کیوں ایمان نہ لائیں جبکہ خدا کی وحی ان پر اترتی ہے۔ صحابہ نے عرض کیا اچھا تو پھر ہمارا۔ آپ نے فرمایا تم کیوں ایمان نہ لاؤ جبکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سن لو میرے نزدیک تو سب سے زیادہ قابل تعجب ایمان ان لوگوں کا ہے جو تمہارے بعد آئیں گے ان کو صرف چند اوراق ملیں گے اس میں ایک مقدس کتاب ہو گی وہ جو کچھ اس میں لکھا ہوا پائیں گے اس پر ایمان لے آئیں گے۔ (ابن کثیر)

ان کا تعلق عالم غیب سے گو وہ بھی پردہ ہو گیا مگر پھر بلا واسطہ ہی تھا۔ اب تمہارا معاملہ صاف ہے یعنی عالم غیب اگرچہ بلا واسطہ تمہاری آنکھوں کے سامنے نہیں مگر میں عالم غیب کا بلا واسطہ ترجمان تمہاری آنکھوں کے سامنے موجود ہوں۔ مجھے دیکھ کر عالم غیب کا یقین ہے جو کسی مشاہدہ سے بڑھ کر ہی کیا کر سکتے ہو۔ سب سے عجیب وہ ہو گی صرف وہ امت ہی ہو گی جو نہ عالم غیب کا مشاہدہ کامل ہو گا اور نہ ان کی آنکھوں کے سامنے میری بصیرت افروز ہستی ہو گی۔ ایک خدا تعالیٰ کی مقدس کتاب ہو گی اور اس کے رسول کے کچھ محفوظ اقوال اور ارشادات ہوں گے مگر ان کا ایمان اس پر بھی ایسا ہو گا ان کا ایمان اگرچہ باعتبار اسباب کی وجہ سے اسی درجہ پر ہو لیکن قابل تعجب ضرور ہو گا فضیلت کلی ان کو نہیں حاصل ہو لیکن اس جہت سے فضیلت جزئیہ کے حقدار وہ بھی رہیں گے اور اسی پیرایہ سے بعض علماء نے ان کی سادگی کی ساری امت قابل غبطہ بن جائے گی گو کسی جہت سے نہ کلی کسی جہت سے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے میری امت کی مثال بارش کی سی ہے جس کے متعلق یہ کہنا مشکل ہوتا ہے کہ اس کا پہلا حصہ بہتر تھا یا آخر۔

یہ حدیث طبرانی نے حضرت ابن عباسؓ سے بھی روایت کی ہے اس کے شروع میں یہ قصہ بھی منقول ہے کہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا پانی ہے؟ لوگوں نے عرض کیا نہیں۔ پھر آپ نے پوچھا اچھا کوئی مشک ہے؟ لوگ مشک لے آئے اور آپ کے سامنے رکھ دی۔ آپ نے اس پر اپنا دست مبارک رکھا اور اپنی انگلیاں پھیلا دیں۔ ان کے درمیان سے پانی اس طرح پھوٹ کر بہنے لگا جیسا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کے ذریعہ سے بہ گیا تھا۔ آپ نے فرمایا بلال آواز دو کہ لوگ وضو کر لیں۔ لوگ وضو کرنے میں مصروف ہو گئے مگر حضرت ابن مسعودؓ تھے کہ ان کو اس پانی کے پینے کی فکر لگ رہی تھی۔ جب سب لوگ وضو سے فارغ ہو گئے تو آپ نے ان کو صبح کی نماز پڑھائی اور اس کے بعد یہ صحابہؓ سے وہ سوال کیا جو بیان مذکور ہے (درمنثور جلد ۱ ص ۲۹)

(۲۵۹) عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ نُفَيْرٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ جَلَسْنَا اِلَى الْمِقْدَادِ بْنِ الْاَسْوَدِ يَوْمًا فَمَرَّ بِهٖ رَجُلٌ فَقَالَ طُوْبٰى لِهَاتَيْنِ الْعَيْنَيْنِ اللَّتَيْنِ رَاَتَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاللّٰهِ لَوَدِدْنَا اَنَّا رَاَيْنَا مَا رَاَيْتَ وَشَهِدْنَا مَا شَهِدْتَ فَاسْتُغْضِبَ فَجَعَلْتُ اَعْجَبُ، مَا قَالَ اِلَّا خَيْرًا، ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَيْهِ فَقَالَ مَا يَحْمِلُ الرَّجُلَ عَلٰى اَنْ يَّتَمَنّٰى مَحْضَرًا غَيَّبَهُ اللّٰهُ عَنْهُ لَا يَدْرِيْ لَوْ شَهِدَهٗ كَيْفَ يَكُوْنُ فِيْهِ وَاللّٰهِ لَقَدْ حَضَرَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقْوَامٌ اَكَبَّهُمُ اللّٰهُ عَلٰى مَنَاخِرِهِمْ فِيْ جَهَنَّمَ لَمْ يُجِيْبُوْهُ وَلَمْ يُصَدِّقُوْهُ اَوَلَا تَحْمَدُوْنَ اللّٰهَ اِذْ اَخْرَجَكُمْ لَا تَعْرِفُوْنَ اِلَّا رَبَّكُمْ مُصَدِّقِيْنَ بِمَا جَاءَ بِهٖ نَبِيُّكُمْ قَدْ كُفِيْتُمُ الْبَلَاءَ بِغَيْرِكُمْ وَاللّٰهِ لَقَدْ بَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى اَشَدِّ حَالٍ بُعِثَ عَلَيْهَا نَبِيٌّ مِّنَ الْاَنْبِيَاءِ فِيْ فَتْرَةٍ وَّجَاهِلِيَّةٍ مَا يَرَوْنَ اَنَّ دِيْنًا اَفْضَلُ مِنْ عِبَادَةِ الْاَوْثَانِ فَجَاءَ بِفُرْقَانٍ فَرَّقَ بِهٖ بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ وَفَرَّقَ بَيْنَ الْوَالِدِ وَوَلَدِهٖ حَتّٰى اِنْ كَانَ

(۲۵۹) عبدالرحمن بن جبیر روایت کرتے ہیں کہ میرے والد نے بیان کیا ایک دن ہم مقداد بن الاسود کے پاس بیٹھے ہوئے تھے ایک شخص ان کے پاس سے گذرا اور انہیں دیکھ کر بولا یہ دو آنکھیں مبارک ہوں جنہوں نے خدا کے رسول کی زیارت کی ہے. خدا کی قسم ہمیں تمنا ہوتی ہے کہ جو نظارہ آپ نے دیکھا ہم بھی اپنی آنکھوں سے دیکھتے اور جن مقامات میں آپ نے شرکت کی ہم بھی شرکت کرتے یہ سن کر مقداد غصہ میں بھر گئے مجھے بڑا تعجب ہوا کہ اس بیچارہ نے کوئی بری بات تو کہی نہ تھی اچھی ہی بات کہی تھی (پھر انہیں غصہ کیوں آیا) اس کے بعد اس کی طرف متوجہ ہو کر بولے اس شخص کو کیا داعیہ پیش آیا کہ یہ ایسے زمانہ میں موجود ہونے کی تمنا کرتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اس کو پیدا نہیں کیا۔ کیا خبر اگر وہ اس زمانہ میں ہوتا تو اس کے صبر و استقلال کا حال کیا ہوتا. خدا کی قسم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایسے لوگ بھی موجود تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے منہ کے بل دوزخ میں گرا دیا ہے اس لیے کہ انہوں نے آپ کی دعوت کو قبول نہیں کیا اور آپ کی تصدیق نہیں کی تم ایسے زمانہ میں اچھے ہونے کی تمنا میں تو کرتے ہو اور اس پر خدا کا شکر ادا نہیں کرتے کہ اس نے تمہیں ایسے زمانہ میں پیدا کیا ہے جبکہ ہوش سنبھالتے ہی تم نے اپنے پروردگار کو پہچان لیا اور جو دین تمہارا نبی لے کر آیا اس کی تصدیق کی (یعنی اسلام پر ہی پیدا ہوئے) اس راہ کی مصیبتیں دوسروں نے اٹھائیں اور تم ان سے محفوظ رہے. خدا کی قسم اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زمانہ فترت و کفر کے اس سخت سے

(۲۵۹): حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ہر شخص کو صحابیت کی تمنا کرنا آداب دعا سے تجاوز کرنا ہے جناب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں فضائل و کمالات کے بڑے سے بڑے ترانے ثبت ہو رہے تھے مگر ان کے لیے اتنی ہی بڑی قربانیاں بھی درکار

الرَّجُلَ لَيَرَى وَالِدَهُ وَوَلَدَهُ وَأَخَاهُ كَافِرًا وَقَدْ فَتَحَ اللّٰهُ قُفْلَ قَلْبِهِ لِلْإِيمَانِ يَعْلَمُ أَنَّهُ إِنْ هَلَكَ
دَخَلَ النَّارَ فَلَا تَقَرُّ عَيْنُهُ وَهُوَ يَعْلَمُ أَنَّ حَبِيبَهُ فِي النَّارِ وَأَنَّهَا الَّتِي قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ وَالَّذِينَ يَقُولُونَ
رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ (رواہ احمد کذا ذکرہ الحافظ ابن کثیر فی تفسیرہ للآیۃ الکریمۃ)

(۱۶۰) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ بَيْنَمَا رَجُلٌ يَسُوقُ بَقَرَةً إِذْ أَعْيَى فَرَكِبَهَا فَقَالَتْ إِنَّا لَمْ
نُخْلَقْ لِهٰذَا إِنَّمَا خُلِقْنَا لِحِرَاثَةِ الْأَرْضِ فَقَالَ النَّاسُ سُبْحَانَ اللّٰهِ بَقَرَةٌ تَكَلَّمُ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ

سخت حالات میں بھیجا ہے جن میں آپ سے پیشتر اپنے نبیوں میں کسی نبی کو نہیں بھیجا وہ ایسا زمانہ تھا جبکہ
لوگوں کے نزدیک بت پرستی سے بہتر کوئی دین نہ تھا اس وقت آپ ایک ایسی کتاب لیکر آئے جس نے حق و باطل
کو بھی جدا کر دیا مگر بیٹا اور اس کے باپ کے درمیان بھی جدائی کا باعث بھی وہی کتاب بنی۔ یہاں تک کہ ایک
شخص جس کے دل کا قفل اللہ تعالیٰ نے ایمان لانے کے لئے کھول دیا تھا اپنی آنکھوں سے دیکھا کرتا تھا کہ وہ
خود تو مسلمان ہے اور اس کا باپ بیٹا اور بھائی کافر ہیں۔ اسے یقین تھا کہ اگر یہ اسی حالت پر مر گئے تو دوزخ
میں جائیں گے پھر اس یقین کے بعد کہ اس کے پیارے پیارے عزیز دوزخ میں جائیں گے اس کی آنکھیں
بھلا کیسے ٹھنڈی رہ سکتی تھیں یہی بات ہے جو اللہ تعالیٰ نے آیت ذیل میں ارشاد فرمائی ہے۔ وہ لوگ یہ دعا
مانگتے ہیں۔ اے ہمارے پروردگار ہماری بیبیوں اور اولاد کی طرف سے ہماری آنکھیں ٹھنڈی فرما دے (احمد)

(۱۶۰) ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص بیل لئے جا رہا تھا جب تھک گیا تو بیل پر سوار ہو گیا
(قدرت نے اس بیل کو گویائی عطا کر دی) اور وہ بولا سواری کے لئے تو ہم پیدا نہیں کئے گئے ہم تو صرف
زمین میں کھیتی کے کام کے لئے پیدا کئے گئے ہیں لوگوں نے یہ قصہ سن کر ازراہ تعجب کہا سبحان اللہ بیل باتیں کرتا ہے

تعبیر۔ السلام علی من اتبع الہدیٰ۔ مگر یہ فضائل و کمالات ان کے حصہ میں آئے تو وہ اتنا سود قربانیاں بھی ان ہی کو دینی پڑیں۔ اب
بعد کی امت کے دوروں میں ان کمالات کی یہ تو راہ بند ہے مگر ان قربانیوں کے لئے آمادگی بھی ہے وہ دور ایک ایسا
نازک دور تھا کہ ایک شخص صحابیت کا فخر بھی حاصل کر سکتا تھا اور ذرا سی لغزش سے رسول کے دشمنوں کی فہرست میں بھی
شامل ہو سکتا تھا۔ قرآن کریم کا دور نزول اپنی آنکھوں سے دیکھنا جبکہ بڑی عزت تھی لیکن دوسری بات یہ بھی دیکھنا پڑا
تھا کہ اس کے نزول کے بعد آپس کے رشتے ناطے ٹوٹ رہے ہیں۔ باپ بیٹے سے اور بیٹا باپ سے جدا ہو رہا ہے اس دور
کی بجائے جس کو آسانی کے ساتھ ایمان نصیب ہو گیا اس کو شکر کرنا چاہئے اور اس دور کی قدر کر لینی چاہئے جس میں فضائل
کے ساتھ بہت سے خطرات بھی تھے۔ یہ عشق و محبت کی منزل ہے جہاں پہنچ جانے کے بعد جان دینا کوئی مشکل ہے۔ ابتداءِ عشق
کے سوز و گداز نہ سمجھنے والے بھلا اسے کب آشنا ہو سکتے ہیں۔

(۱۶۰) حیوانات کا اپنی زبان میں کلام کرنا تو معروف و مشہور بات ہے لیکن انسانی زبان میں کلام کرنا جو انسانوں کے

صلی اللہ علیہ وسلم فَإِنِّي أُومِنُ بِهِ أَنَا وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ وَمَا هُمَا ثَمَّ وَقَالَ بَيْنَمَا رَجُلٌ فِي غَنَمٍ لَهُ إِذْ عَدَا الذِّئْبُ عَلَى شَاةٍ مِنْهَا فَأَخَذَهَا فَأَدْرَكَهَا صَاحِبُهَا فَاسْتَنْقَذَهَا فَقَالَ لَهُ الذِّئْبُ فَمَنْ لَهَا يَوْمَ السَّبُعِ يَوْمَ لَا رَاعِيَ لَهَا غَيْرِي فَقَالَ النَّاسُ سُبْحَانَ اللهِ ذِئْبٌ يَتَكَلَّمُ فَقَالَ أُومِنُ بِهِ أَنَا وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ وَمَا هُمَا ثَمَّ. (متفق علیہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں بھی اس کی تصدیق کرتا ہوں اور ابوبکرؓ و عمرؓ بھی حالانکہ وہ اس وقت وہاں موجود بھی نہ تھے۔ اس کے بعد ایک اور شخص کا قصہ بیان کیا جو اپنی بکریوں میں تھا کہ ان میں سے ایک بکری پر بھیڑیے نے حملہ کیا اور اس کو دبا لیا۔ مالک نے اس کا پیچھا کیا اور اپنی بکری کو اس سے چھڑا لیا۔ بھیڑیا بولا اچھا دیکھوں گا بھلا اس دن اسے کون چھڑانے آتا ہے جس دن صرف درندوں ہی کا راج ہوگا اور سوائے میرے کوئی اور اس کا چرانے والا نہ ہوگا (یہ عالم کی ویرانی کے زمانہ کا قصہ ہے) اس پر لوگوں نے بڑے تعجب سے کہا سبحان اللہ بھیڑیا اور باتیں کرے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اس کی تصدیق کرتا ہوں اور ابوبکرؓ و عمرؓ بھی حالانکہ اس وقت وہ مجلس میں موجود نہ تھے۔ (متفق علیہ)

یہ بیان مستقل ہو سر دست ہمارے مقصد کے اعتبار سے اہم یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان خود بھی اس کی تصدیق فرمائی اور ابوبکرؓ و عمرؓ کی غیبت میں ان کی جانب سے بھی اس کی تصدیق فرما دی۔ گویا آپ کو ان پر اتنا اعتماد تھا کہ جس امر کی تصدیق آپ فرمائیں پھر وہ خواہ کتنا ہی بعید از عقل کیوں نہ ہو اس کی تصدیق میں یہ جان نثار بھی کوئی چون و چرا نہیں کریں گے ایک بیل کا کلام کرنا عقل کے نزدیک کوئی محال امر نہیں صرف عام عادت کے خلاف بات ضرور ہے۔ قیامت کے قبل عالم غیب سے پردہ اٹھنے کا زمانہ جتنا قریب آتا جائے گا اسی قسم کی بہت سی اور خلاف عادت باتیں ظاہر ہوتی چلی جائیں گی حتی کہ حدیثوں میں موجود ہے کہ آدمی کے کوڑے کا پھندنا اس سے باتیں کرے گا اس نطق کی حقیقت کیا ہوگی ابھی اس پر بحث کرنا قبل از وقت ہے۔ ہو سکتا ہے کہ قدرت ان میں وقتی اور جزئی شعور پیدا کر دے اور ہو سکتا ہے کہ کسی شعور کے بغیر ان میں تکوینی طور پر نطق عطا فرما دے اور یہ بھی ممکن ہے کہ خود انسان اتنی ترقی کر جائے کہ جانوروں کی جس گفتگو کو آج وہ بے معنی سمجھتا ہے کل ان کے معانی سمجھنے پر قادر ہو جائے۔ یہ بات بہت دنوں تک فرضی طرح سمجھی گئی لیکن اب ان کا فہم روز مرہ کی بات ہو گئی ہے۔ ان کی نقل و حرکت و ہر چیز کے متعلق عادات بھی دریافت ہو چکی ہیں تم اپنی بہت محدود معلومات کی بنا پر پیغمبر کے کلام سے ابھی سے انکار کرنے میں جلدی نہ کرو شاید وہ زمانہ آ جائے کہ اس کا بھی تم کو اقرار کرنا پڑے۔

سبحان اللہ شیخین کا ایمان اور ان کے غیب پر ان کا یقین کتنا مستحکم و مضبوط تھا کہ جو باتیں ہم ماننے کیلئے تیار نہیں ہیں خاتم الانبیاء علیہ الصلوۃ والسلام ان کی طرف سے ان کے ماننے کی ضمانت کر لیتے ہیں۔ اندازہ کرو کہ جب ان امور غیبیہ پر ان کا ایمان یہ ہو تو خود عالم غیب پر ایمان کس درجہ قوی ہوگا۔

زبان کی حقیقت اور اس کی قیمت یہی ہے کہ نبی کی زبان سے جو کلمہ بھی نکلے ابھی وہ پورا نہ ہو کہ ایک امتی کا قلب و ذہن کی زبان دوڑ کر اس کی تصدیق کرنے کے لئے مضطر ہو جائیں۔

(۲۶۱) عن عائشة قالت لما أسري بالنبي صلى الله عليه وسلم إلى المسجد الأقصى أصبح يتحدث الناس بذلك فارتد ناس ممن كانوا آمنوا به وصدقوه وسعوا بذلك إلى أبي بكر فقالوا هل لك إلى صاحبك يزعم أنه أسري به الليلة إلى بيت المقدس قال لو قال ذلك لقد صدق قالوا أو تصدقه أنه ذهب الليلة إلى بيت المقدس وجاء قبل أن يصبح قال إني لأصدقه فيما هو أبعد من ذلك أصدقه في خبر السماء في غدوة أو روحة فلذلك سمي أبو بكر الصديق. (رواه الحاكم)

اليقين الإيمان كله

(۲۶۲) عن أبي بكر الصديق قال قام رسول الله صلى الله عليه وسلم فينا عام أول

---

(۲۶۱) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جب شب میں آپ کے مسجد اقصیٰ تک سفر کا واقعہ پیش آیا (یعنی قصہ معراج) تو اس کی صبح کو لوگوں کے درمیان بڑی چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں اور بعض ایمان کے کمزور لوگ جو پہلے آپ کی تصدیق کر چکے تھے مرتد بھی ہو گئے۔ اور یہ قصہ لے کر حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس پہنچے اور کہنے لگے کہ آپ نے اپنے نبی کی بات بھی سنی ان کا گمان ہے کہ وہ آج کی شب بیت المقدس کی سیر کر آئے ہیں۔ ابوبکرؓ نے جواب دیا اگر وہ یہ کہتے ہیں تو بلاشبہ ٹھیک کہتے ہیں۔ لوگوں نے کہا کیا ان کی اس بات کی بھی آپ تصدیق کر رہے ہیں کہ وہ ایک ہی شب میں بیت مقدس جا کر صبح سے پہلے پہلے واپس بھی آ گئے۔ ابوبکرؓ نے فرمایا میں تو اس سے بھی کہیں بڑھ کر بعید باتوں میں ان کی تصدیق کرتا رہتا ہوں میں آسمان کی خبروں کی بابت ان کی تصدیق کرتا رہتا ہوں کہ وہ صبح و شام ان کے پاس آتی رہتی ہیں (مکہ مکرمہ سے آسمانوں کی مسافت تو بیت مقدس کی مسافت سے کہیں زیادہ ہے) اسی بات پر ان کا لقب صدیق پڑ گیا تھا۔ (حاکم)

یقین اور اعتقاد جازم ایمان کی روح ہے۔

(۲۶۲) حضرت ابوبکر صدیقؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے ایک سال بعد ایک تقریر

---

(۲۶۱) قرآن کریم میں منعم علیہم کے چار گروہ قرار دیے گئے ہیں سب سے پہلے نبیین پھر صدیقین ان کے بعد شہداء اور صالحین۔ صدیق کی فطرت کو نبی کی فطرت سے اتنی مناسبت ہوتی ہے کہ اس کو نبی کی خبروں کی تصدیق میں ایک لمحہ کے لئے بھی کچھ تردد نہیں ہوتا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آفتاب نبوت کی جھلک اٹھنے کے بعد تو سب ہی نے آپ کی تصدیق کی لیکن ابوبکرؓ وہ تھے جن کو اس کی صداقت میں ہر وقت علامہ کی کوئی ادنیٰ تردد نہ تھا۔ حضرت مجدد صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ صدیق اکبرؓ کی وجہ فضیلت ان کے کثرت مناقب نہیں بلکہ سبقت ایمان

(باقی حاشیہ صفحہ آئندہ)

(۲۶۵) عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیس الخبر کالمعاینۃ ان اللہ تعالیٰ اخبر موسیٰ بما صنع قومہ فی العجل فلم یلق الالواح فلما عاین ما صنعوا القی الالواح (رواہ احمد کذا فی المشکوٰۃ فی باب بدء الخلق واخرجہ الحاکم فی التفسیر وصححہ الذھبی (رغ م)

(۲۶۵) ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی بات کا سننا اور آنکھوں سے مشاہدہ کرنا برابر نہیں ہوتا (مطلب یہ ہے شنیدہ کے بود مانند دیدہ) اللہ تعالیٰ نے جب موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قوم کی گوسالہ پرستی کی اطلاع دی تو انہوں نے توراۃ کی تختیاں (اپنے ہاتھوں سے) نہیں ڈالیں لیکن جب ان کی کرتوت بچشم خود دیکھ لی تو صبر نہ کر سکے (اور غصہ کے مارے) تختیاں (زمین پر) پھینک دیں۔

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ) اس واقعہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ازدیاد یقین کی ساری منزلیں طے کرنے کے بعد بھی غیب کے ہر گوشہ میں اطمینان و سکون میسر آجانا ضروری امر نہیں ہو سکتا ہے کہ پورا پورا یقین حاصل ہو جانے کے بعد بھی غائبات کے کچھ گوشے ایسے تشنہ رہ جائیں جن کے سمجھانے کی فکر نفس انسانی میں باقی رہ جائے۔ چونکہ یہ گوشے یہ بات کا جزء ضروری نہیں ہوتے اس لئے ان کے مشاہدہ کی تمنا تردد نہیں بلکہ مزید تحقیق کی طلب پر مبنی ہوتی ہے۔

یہ بات غور و فکر کرنی چاہئے کہ خوف کے سوال کا اور شک کے سوال میں زمین و آسمان کا فرق ہے ذوق و شوق بھی تھا تا کہ یقین ہے اگر خدا تعالیٰ کے اخبار پر یقین نہ ہو تو کیفیت اعیان کے مشاہدہ کا شوق ہی کیسے پیدا ہو۔ اس کو ایک مثال سے یوں حل کیجئے کہ ریڈیو پر ہر شخص کو یقین حاصل ہے کہ ریڈیو پر جو آواز ہم سنتے ہیں وہ آواز ٹھیک وہی ہوتی ہے جو اس کے اصل مرکز پر بھی بولی جاتی ہے لیکن اس کامل یقین کے باوجود اگر ہم یہ سوال کریں کہ یہ آواز اتنی سرعت کے ساتھ ایک جگہ سے دوسری جگہ کیونکر منتقل ہو جاتی ہے تو یہ ہرگز اس کی دلیل نہیں ہو سکتی کہ ہمیں ریڈیو کے اصل وجود ہی میں کوئی شبہ لاحق ہے بلکہ جو ایسا سوال بھی اس کی دلیل ہوگا کہ ہمیں اس کے وجود کا یقین حاصل ہے۔ اسی لئے ہم چاہتے ہیں کہ اس کا ہر گوشہ ہمارے سامنے ایسا ہی روشن ہو جائے جیسا خود ریڈیو کا وجود۔ یہ سوال تو صرف ایک احیاء موتیٰ کے متعلق تھا لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سوال تو اس سے کہیں زیادہ آگے بڑھا ہوا تھا اسکے بعد حجابات نہ ہونے کے باوجود "رب ارنی انظر الیک" فرما گیا ہے کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ رویت و عشق کے اس مضطربانہ سوال میں شک و تردد کی بو بھی آ سکتی ہے؟ ... یقین کا اس ذوق کا کوئی ... تھا۔ ان واقعات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جہاں تک ایمانیات کی حد ہے ان پر تو صرف خبر ایمان کے حصول کے لئے یقین سے آگے بڑھنا ... ایمانیات سے متعلق نہیں ہیں ان میں اطمینان کے لئے مشاہدہ کے سوال کی گنجائش ہے۔ لیکن اگر آپ کو ایمانیات کا یقین بھی مشاہدہ کے بغیر حاصل نہیں ہوتا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ کو رسول کے بیان پر کوئی اعتبار نہیں۔ ظاہر ہے کہ اس رنگ کے یقین کو ایمان کی صفت نہیں کہا جا سکتا۔

(حاشیہ صفحہ ہذا) (۲۶۵) ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قوم کے گوسالہ پرستی کا پورا پورا یقین وحی الٰہی کے ذریعہ پہلے ہی حاصل ہو چکا تھا لیکن یہ خاص تاثرات و کیفیات جو کسی واقعہ کے مشاہدہ سے حاصل ہوتی ہیں وہ مشاہدہ سے قبل حاصل نہ تھیں۔ جب وہاں پہنچے ... آنکھوں سے یہ کیفیات و تاثرات بے تکلف ابھر آئیں، موسیٰ علیہ السلام غصہ میں بھر گئے اور غصہ کی حالت میں جو کچھ وہ کر سکتے تھے کر گزرے۔ (باقی حاشیہ صفحہ آئندہ)

صلی اللہ علیہ وسلم إن لكل قول حقيقة فما حقيقة ذلك قال يا رسول الله أظلفت نفسي عن الدنيا وأسهرت ليلي وأظمأت هواجري فكأني أنظر إلى عرش ربي وكأني أنظر إلى أهل الجنة يتزاورون فيها وكأني أنظر إلى أهل النار يتضاغون فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم عرفت أو آمنت فالزم. رواه أبو بكر بن أبي شيبة كما في كتاب الإيمان من البحر المحيط ... [illegible]

إن ما ثار القلق في نفس المؤمن من شعوره بالعجز الإرادي عند الرب تبارك وتعالى فإنه لا ينافي اليقين

(۲۶۸) عن عائشة قالت كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا عصفت الريح قال اللهم

مومن ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر قول کی کچھ حقیقت ہوا کرتی ہے تم اپنے اس قول کی حقیقت بتاؤ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے اپنے نفس کو دنیا سے آزاد بنا لیا ہے۔ شب کو بیدار رہتا ہوں اور دن دوپہر کی گرمیوں میں پیاسا بسر کرتا ہوں (یعنی روزہ رکھتا ہوں) مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ میں اپنے پروردگار کا عرش اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا (یعنی جنت و دوزخ کا اس درجہ یقین ہے) گویا جنتی میری آنکھوں کے سامنے ایک دوسرے سے ملاقات کر رہے ہیں اور دوزخی (عذاب میں) چیختے ہوئے نظر آرہے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم ٹھیک بات پہچان گئے یا یہ فرمایا کہ تم کو صحیح بات بتا دی گئی تو اسی کیفیت کو قائم رکھنا۔ (ابوبکر بن ابی شیبہ)

رب العزت کی بے نیازی اور قدرت علی الاطلاق کی بنا پر جو اضطراب وقتی طور پیدا ہو جاتا ہے یقین کے منافی نہیں۔

(۲۶۸) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب ہوا تیز چلتی تو آپ یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔ اے اللہ میں تجھ کو

---

(۲۶۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایمان کی اصل حقیقت صرف جزم و یقین ہے۔ یہی یقین جب تک الفاظ کے قالب میں رہتا ہے ایمان کا وجود لفظی کہلاتا ہے اور جب ترقی کر کے قلب میں داخل ہو جاتا ہے تو اس کا وجود ذہنی کہا جاتا ہے اور جب دم بدم کے عبادات میں کیفیت شہود پیدا کر لیتا ہے تو اس کا وجود خارجی کہا جاتا ہے۔ مرتبہ احسان اسی کا نام ہے۔ ناواقفی اور کم ہمتی کی وجہ سے اس مرتبہ کو صرف صوفیائے کرام کا حصہ سمجھ لیا گیا ہے گویا عامہ علماء و مومنین کو اس کی طلب کرنا اپنی حدود سے تجاوز کرنا ہے۔ معاذ اللہ من ذلک۔ جس کو تم نے صوفیاء کے حصہ میں لگا دیا ہے وہ عین ایمان ہے اور ہر مسلمان پر حق ہے کہ اس رنگ کے حاصل کرنے میں پوری جدوجہد کرے اگر وہ اس راہ میں قدم نہیں اٹھاتا تو وہ گویا اپنے ناقص ایمان پر راضی ہے۔

الْتَزَمَهُ مِنْ وَرَائِهِ وَقَالَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ كَفَاكَ مُنَاشَدَتُكَ رَبَّكَ فَإِنَّهُ سَيُنْجِزُ لَكَ مَا وَعَدَكَ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُمْ بِأَلْفٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ فَأَمَدَّهُ اللّٰهُ بِالْمَلَائِكَةِ۔ (رواہ مسلم)

کہنے لگے یا رسول اللہ بس اب آپ اپنے رب سے بہت الحاح کے ساتھ دعا مانگ چکے یقین ہے کہ جو وعدہ اس نے آپ کے ساتھ کیا تھا وہ ضرور پورا کرے گا چنانچہ یہ آیت نازل ہوگئی۔ اذ تستغیثون ربکم الخ

دیکھیو جنگ حنین میں جب سامنا ہوگیا تو اصحاب کی نا موافقت سے آپ ذرا متاثر ہوئے بلکہ نقشہ جنگ ہی بدل گیا۔ رسول خدا کا عزم و ثبات اور آپ کو اپنی فتح و نصرت کا یقین اتنا ہی اور بڑھتا گیا حتی کہ جب اسلامی فوج میں ایسا انتشار پھیلا کہ آپ کے ساتھ قدم جما کر لڑنے والوں کی تعداد بہت ہی مختصر رہ گئی تو خدا کا رسول بے سواری کے بجائے زمین پر اتر پڑا اور پورے عزم و یقین کے ساتھ یہ اعلان کرنے لگا۔

انا النبی لا کذب ۔ انا ابن عبد المطلب۔

میں سچا نبی ہوں جھوٹا نہیں۔ میں وہی عبد المطلب کا بیٹا ہوں۔

بدر میں جنگ کے شروع ہونے سے قبل آپ کا اضطراب اس بنا پر نہ تھا کہ آپ کے صحابہ کی تعداد قلیل تھی بلکہ اس بنا پر تھا کہ اگر قسمت سے ان کی فتح و نصرت میں کہیں کوئی تھوڑی سی شرط بھی نامکمل ہو اور اس لئے آج اسلامی فوج کو شکست ہو جائے تو یہی کل قوم ہے کہ اس کا نشان تک ختم ہو ہی جائے گا لیکن اس سے بڑھ کر یہ کہ پھر عالم کی غایت و غرض پورا ہونے کی کیا صورت کیا ہوگی۔ علماء نے لکھا ہے کہ آپ کے ان دعائیہ فقرات میں ختم نبوت کی طرف بھی اشارہ نکلتا ہے کیونکہ پہلی امتیں اگر ہلاک ہو گئیں تو بعد میں دوسرے انبیاء علیہم السلام نے آ کر خدا تعالیٰ کی عبادت کرنے والوں کی جماعت پیدا کر لی لیکن چونکہ اب وہ نبی آ چکے تھے جن کے بعد کوئی اور نبی آنے والا نہیں اس لئے اگر آپ کی یہ جماعت بھی پہلی جماعتوں کی طرح ختم کر دی گئی تو پھر دوسری عبادت کرنے والی جماعت کا وجود کہاں سے ہوگا۔ اور چونکہ عالم کی غایت و غرض عبادت ہے اور اس کا پیدا ہونا بلاشبہ ضروری ہے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر کے موقعہ پر الحاح کرنے کے جتنے پہلو ممکن تھے وہ سب کے سب سامنے رکھ دیئے یعنی یہ کہ اول تو فتح و نصرت کا تیرا وعدہ ہی ہے پھر اس سے بڑھ کر یہ کہ عالم کے غایت و غرض کی تکمیل بھی اسی مختصر جماعت کی بقا پر موقوف ہے پھر یہ سب تیری فتح و نصرت کے نزول کے لئے ایک سے ایک بڑھ کر ہیں۔ جب آپ دعا سے فارغ ہوگئے اور اجابت دعا کے آثار اپنی آنکھوں سے دیکھ لئے تو پھر آپ ہی تھے جن پر سب سے زیادہ خوشی کے آثار بھی سب سے زیادہ نمایاں تھے۔ راوی بیان کرتا ہے کہ آپ اس درجہ مسرور تھے کہ آپ کی مسرت کے آثار آپ کے رخسار میں بھی نمایاں ہو رہے تھے۔

المؤمن لا تتصل عنه المعصية ما دام قلبه متحلي بالإيمان اليقين

(۷۱) عن ابي هريرة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لا يزني الزاني حين يزني وهو مؤمن ولا يسرق السارق حين يسرق وهو مؤمن ولا يشرب الخمر حين يشربها وهو مؤمن قال ابن شهاب فاخبرني عبد الملك بن ابي بكر بن عبد الرحمن ان ابا بكر كان يحدثهم هؤلاء عن ابي هريرة ثم يقول وكان ابو هريرة يلحق معهن ولا ينتهب نهبة ذات شرف يرفع الناس اليه فيها ابصارهم حين ينتهبها وهو مؤمن رواه البخاري ومسلم وفي طريق والتوبة معروضة بعد

مومن کا قلب جب تک لمعۂ ایمان و یقین سے منور ہوتا ہے اس کو معصیت کا خطرہ نہیں ہوتا

(۲۷۱) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ زنا کرنے والا شخص بحالتِ زنا مومن نہیں ہوتا اور چور بھی بحالتِ چوری مومن نہیں ہوتا اور اسی طرح جب کوئی شراب نوشی کرتا ہے تو اس حالت میں وہ مومن نہیں ہوتا۔ ایک روایت میں ابوہریرہؓ اتنا اور اضافہ کرتے ہیں اور لٹیرا اس وقت مومن ہوتا ہے جبکہ وہ ایسی بڑی لوٹ میں مشغول ہوتا ہے کہ لوگ بے بس ہو کر اسے نظریں اٹھا اٹھا کر دیکھا کریں (اور اس کا کچھ نہ بگاڑ سکیں) ایک اور طریقے میں ہے مگر توبہ کا دروازہ اس کے بعد بھی کھلا رہتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

(۷۱) معصیت کی حالت میں ایمان کا نور باقی نہیں رہ سکتا۔ اگر یہ نور باقی رہتا تو وہ معصیت ہی کیوں کرتا۔ یہ نور ایمان کا وجود نہیں کیونکہ اس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے یہاں غریب معتزلہ یہ سمجھے کہ اس حالت میں ایمان یعنی تصدیق ہی باقی نہیں رہتی اس لئے انھوں نے مرتکب کبیرہ کو دائرۂ اسلام سے خارج کر ڈالا۔ پھر معلوم نہیں کہ ان بیسیوں حدیثوں کا ان کے پاس جواب کیا ہوگا جن میں امت کے عاصیوں کی بخشش تواتر کے ساتھ منقول ہے۔ انسان جب صرف الفاظ کی شوکت، خوشنما اسالیبِ بیان سے مسائل بنانا شروع کر دیتا ہے تو غلط عقائد کا شکار بن کر رہ جاتا ہے اسی لئے اصولیین نے لکھا ہے کہ جو الفاظ مدح و ذم کے موقعہ پر مشتمل ہوں ان کو مسئلہ کا مدار نہ سمجھنا چاہئے۔ آیۃ انما المشرکون نجس میں بھی مشرکین کے لئے نجاست کا لفظ بطور مذمت مستعمل ہے۔ اس لئے فقہا نے صرف اس لفظ کی وجہ سے ان پر نجاست کے تمام مسائل جاری نہیں کئے۔ (دیکھو بدایۃ المجتہد لابن رشد)

(۲۶۳) عن ابن عباس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يزني العبد حين يزني وهو مؤمن ولا يسرق حين يسرق وهو مؤمن ولا يشرب حين يشرب وهو مؤمن ولا يقتل وهو مؤمن قال عكرمة قلت لابن عباس كيف ينزع الإيمان منه قال هكذا وشبك بين أصابعه ثم أخرجها فإن تاب عاد إليه هكذا وشبك بين أصابعه وقال أبو عبد الله لا يكون هذا مؤمنا تاما ولا يكون له نور الإيمان هذا لفظ البخاري۔

(۲۶۳) ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بندہ زنا کرتا ہے تو اس حالت میں وہ مومن نہیں ہوتا اور جب چوری میں مشغول ہوتا ہے اور شراب جب شراب پیتا ہے تو وہ بھی اس حالت میں مومن نہیں ہوتے اور جب کوئی کسی مسلمان کو ناحق قتل کرتا ہے تو اس وقت بھی وہ مومن نہیں ہوتا۔ عکرمہ کہتے ہیں میں نے ابن عباسؓ سے پوچھا۔ اس بندہ سے اس کا ایمان کس طرح نکال لیا جاتا ہے؟ انھوں نے اشارہ کرکے دکھایا کہ اس طرح پہلے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں ڈالیں پھر ان کو نکال کر علیحدہ کر لیا۔ اگر وہ اس کے بعد توبہ کر لیتا ہے تو وہ پھر اسی طرح واپس آجاتا ہے۔ (یہ کہہ کر پھر انگلیاں ملا لیں)۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ارتکاب معصیت کی حالت میں بندہ مومن کامل نہیں رہتا اور اس کا نور ایمانی نکل جاتا ہے۔

(۲۶۳) امام بخاریؒ نے اپنی اس تعلیق کو باب الزنا و شرب الخمر میں خود ابن عباسؓ سے بھی نقل کیا ہے۔ وعن ابن عباسؓ ينزع منه نور الإيمان في الزنا۔ حافظ ابن حجرؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ وہ اپنے غلاموں سے فرمایا کرتے تھے شادی کی ضرورت ہو تو ہم تمہاری شادی کر دیں کیونکہ اگر تم میں کوئی زنا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ایمان کا نور اس سے چھین لیتا ہے۔ پھر اس کی مرضی ہے خواہ واپس کرے یا نہ کرے۔ حضرت حسنؒ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ان معاصی کی حالت میں ایمان اس سے علیحدہ کر لیا جاتا ہے اگر توبہ کرے تو واپس کر دیا جاتا ہے۔ طاؤسؒ کہتے ہیں کہ ان حالات میں مومن کا ایمان زائل ہو جاتا ہے۔ حضرت ابو جعفرؒ فرماتے ہیں کہ یہ شخص دائرہ ایمان سے نکل کر دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتا ہے۔ گویا ان کے نزدیک ایمان کا رتبہ اسلام سے بلند تر ہے۔ امام احمدؒ سے بھی یہی منقول ہے اور امام ابو نصرؒ نے ایک بڑی جماعت کا یہی خیال نقل کیا ہے۔ امام ابن ابی شیبہؒ فرماتے ہیں کہ یہ شخص کامل مومن نہیں رہتا اس کا ایمان ناقص ہو جاتا ہے۔ ایک مرتبہ امام زہریؒ سے سوال کیا گیا کہ جب ان معاصی میں یہ شخص مومن نہیں تو پھر کیا ہے؟ امام کو یہ سوال ناگوار ہوا۔ غالباً وجہ یہ تھی کہ اگر مومن سمجھیں تو حدیث کی کوئی تاویل کرنی ہوتی جو حضرت کے خلاف ہوتی اور اگر کافر کہتے تو مذہب کے خلاف تھا۔ سفیان ثوریؒ سے منقول ہے کہ سلف اس قسم کی احادیث کی تاویل کرنا پسند نہ فرماتے تھے اور کہتے تھے کہ تاویل کرنے سے ان تعبیرات کا زور ختم ہو جاتا ہے اور ان معاصی کی اہمیت ذہن نشین کرنے کا جو اصل مقصد ہے وہ بالکل فوت ہو جاتا ہے۔ (کتاب الایمان والی فتح الباری ج ۱۲ ص ۴۹۰)

مثل الإيمان كما يخلع الإنسان القميص من رأسه۔ رواه الحاكم في المستدرك (ج١ ص[illegible])

من لقي الله بالشهادتين غير شاك فيهما دخل الجنة

(٢٧٥) عن أبي هريرة قال كنا مع النبي صلى الله عليه وسلم في مسير قال فنفدت أزواد القوم قال حتى هم بنحر بعض حمائلهم قال فقال عمر يا رسول الله لو جمعت ما بقي من أزواد القوم فدعوت الله عليها قال ففعل قال فجاء ذو البر ببره وذو التمر بتمره قال وقال مجاهد وذو النواة بنواه قلت وما كانوا يصنعون بالنوى قال كانوا

شراب پی، اللہ تعالیٰ اس کا ایمان اس طرح نکال لیتا ہے جیسا انسان اپنی قمیص سر کی طرف سے اتار لیتا ہے۔ (مستدرک)

جس کی موت یقین پر آجائے وہ یقیناً جنتی ہوتا ہے

(٢٧٥) ابوہریرہؓ روایت فرماتے ہیں کہ ایک سفر (غزوۂ تبوک) میں ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، لوگوں کا زادِ راہ ختم ہو گیا تھا حتیٰ کہ نوبت اس کی آگئی تھی کہ ان میں کسی کسی نے تو اپنی اونٹنی ذبح کرنے کا بھی ارادہ کر لیا تھا حضرت عمرؓ بولے یا رسول اللہ کاش آپ لوگوں کا باقیماندہ زادِ راہ منگا کر ایک جگہ جمع کر لیتے پھر اس میں دعاء برکت فرما دیتے (تو بہتر ہوتا) آپ نے ایسا ہی کیا۔ راوی کہتا ہے جس کے پاس گیہوں تھے وہ گیہوں لے آیا اور جس کے پاس کھجوریں تھیں وہ کھجوریں لے آیا مجاہدؒ کہتے ہیں جس کے پاس کھجوروں کی گٹھلیاں تھیں وہ اپنی گٹھلیاں ہی لے آیا میں نے پوچھا بھلا

آنکھیں بند کر لے تو اسے بھی کچھ نظر نہیں آتا اس لحاظ سے بینا اور ایک نابینا برابر ہو جاتا ہے بظاہر دیکھتا ہے خود وہ۔ لیکن فرق یہ ہے کہ نابینا نورِ بصر ہی نہیں رکھتا اور بینا اگرچہ نور رکھتا ہے مگر غلافِ چشم کی وجہ سے وہ نور کام نہیں کرتا اس لئے نابینا کی برابر ہو جاتا ہے اسی طرح ایک مومن کے نورِ بصیرت پر جب بہیمیت کا حجاب پڑ جاتا ہے تو وہ بھی کافر کی طرح معصیت و طاعت کا فرق نہیں پہچانتا۔ اس لئے یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ مومن جس حالت میں گناہ کرتا ہے اس کا نورِ تصدیق جوشِ بہیمیت سے ایسا مدھم پڑ جاتا ہے کہ اسے ہی معصیت کرنے میں کوئی باک نہیں ہوتا اور اس تہور و جرأت کے عالم میں اس پر مومن کا اطلاق بڑا مشکل ہو جاتا ہے۔ ہاں اگر توبہ کر لے تو یہ حجابِ بہیمیت چاک ہو جاتا ہے اور نورِ ایمانی پھر چمکنے لگتا ہے۔ (دیکھو کتاب الایمان ص[illegible] و ص[illegible] و ص۱۳۳ و ص[illegible] و ص۱۲۲ و ص۱۳۳ و ص۱۵۹)۔ یہ مسائل دورِ متقدمین میں منتشر تھے جو عہدِ سلف سے شروع ہوئے اور حافظ ابن تیمیہ کے دور میں اگر اٹھ کھیلے گے۔

يَمُصُّوْنَهُ وَيَشْرَبُوْنَ عَلَيْهِ الْمَاءَ قَالَ فَدَعَا عَلَيْهَا قَالَ حَتّٰى مَلَأَ الْقَوْمُ أَزْوِدَتَهُمْ قَالَ
فَقَالَ عِنْدَ ذٰلِكَ أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَا يَلْقَى اللّٰهَ بِهِمَا عَبْدٌ غَيْرَ
شَاكٍّ فِيْهِمَا إِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ (رواه مسلم)

(۲۷۶) عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَامَ بِلَالٌ يُنَادِيْ فَلَمَّا سَكَتَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
مَنْ قَالَ مِثْلَ هٰذَا يَقِيْنًا دَخَلَ الْجَنَّةَ (اخرجه النسائي والحاكم وابن حبان)

(۲۷۷) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ حُبْشِيٍّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ أَيُّ الْأَعْمَالِ
أَفْضَلُ قَالَ إِيْمَانٌ لَا شَكَّ فِيْهِ وَجِهَادٌ لَا غُلُوْلَ فِيْهِ وَحَجَّةٌ مَبْرُوْرَةٌ قِيْلَ فَأَيُّ الصَّلٰوةِ
أَفْضَلُ قَالَ طُوْلُ الْقُنُوْتِ (الحديث رواه النسائي)

(۲۷۸) عَنْ عُثْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ وَهُوَ

گٹھلیاں ان کے کس کام آتی تھیں۔ انھوں نے کہا کہ انھیں ہم چوس لیتے اور اس پر پانی پی لیا کرتے
تھے۔ آپ نے ان میں دعا برکت فرمائی پھر اتنی برکت ہوئی کہ لوگوں نے اپنے اپنے ناشتہ دان بھر لئے
اس کے بعد آپ نے فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کوئی نہیں مگر ایک اللہ اور اس بات کی بھی کہ میں
اس کا پیغمبر ہوں۔ جو شخص کسی شک و تردد کے بغیر ان دو باتوں کی گواہی دیتا ہو خدا تعالیٰ کے حضور
میں حاضر ہوگا وہ ضرور جنت میں جائے گا۔ (مسلم)

(۲۷۶) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ بلال اذان دینے کھڑے ہوئے جب فارغ ہو گئے تو
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص یقین کے ساتھ یہ کلمات کہے وہ یقیناً جنت میں جائیگا [illegible]

(۲۷۷) عبد اللہ بن حبشی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا
عملوں میں کونسے عمل سب سے بہتر ہیں؟ آپ نے فرمایا ایسا ایمان جس میں ذرا شک نہ ہو ایسا جہاد
جس میں ذرہ برابر خیانت نہ ہو اور ایسا حج جس میں کوئی جنایت نہ کی جائے اس کے بعد اس نے پوچھا
نماز کونسی افضل ہے فرمایا جس میں قیام لمبا ہو۔ (نسائی)

(۲۷۸) عثمانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اس یقین

---

(۲۷۸) یہاں علم کے معنی معرفت و دانستن نہیں۔ معرفت و دانستن نہ تو شرعی نقطہ نگاہ کوئی اہمیت رکھتا ہے
اور نہ اس پر دخول جنت کی بشارت مرتب ہے بلکہ معرفت و یقین کے معنی مراد ہیں جیسا کہ اسی باب کی دوسری
احادیث سے ظاہر ہے۔ دو خلاصہ یہ ہے کہ جو اس عقیدۂ جازمہ اور یقین [illegible] کے ساتھ دنیا سے گزر جائے گا وہ

يعلم أنه لا إله إلا الله دخل الجنة (رواه مسلم)

ذكر ما وقر في قلوب أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم من اليقين

(۲۷۹) عن قتادة قال سئل ابن عمر هل كان أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم يضحكون قال نعم والإيمان في قلوبهم أعظم من الجبل وقال بلال بن سعد أدركتهم يشتدون بين الأغراض ويضحك بعضهم إلى بعض فإذا كان الليل كانوا رهبانا. (رواه في شرح السنة)

کے ساتھ مر جائے کہ خدا کوئی نہیں مگر اللہ وہ یقیناً جنت میں جائے گا۔ (مسلم)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے یقین کی چند مثالیں

(۲۷۹) قتادہ روایت کرتے ہیں کہ ابن عمرؓ سے دریافت کیا گیا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہنسا کرتے تھے؟ انھوں نے فرمایا ہاں لیکن ان کے دلوں میں ایمان پہاڑوں سے زیادہ بھاری موجود ہوتا تھا۔ (یعنی ان کی ہنسی غفلت کی ہنسی نہ تھی) بلال بن سعد کہتے ہیں کہ میں نے ان کو دیکھا ہے کہ (تیر اندازی کے) نشانوں اور ہدفوں کے درمیان بھاگتے دوڑتے اور ایک دوسرے کے ساتھ مذاق بھی کرتے تھے لیکن جب رات آتی تو وہ درویش صفت بن جاتے تھے (یعنی مصلوں پر کھڑے کھڑے راتیں کاٹ دیا کرتے تھے)۔ (شرح السنہ)

ضرورت ہی نہ تھی۔ قول جو گزر چکا ہے کہ اگر کیفیت سے مراد ... کی تقسیم ایمان و کفر ہی کی گئی ہے۔ اس لیے بے اعمالی پر نہیں۔

(۲۷۹) حافظ ابن کثیرؒ آیت ولو انا كتبنا عليهم ان اقتلوا انفسكم او اخرجوا من دياركم ما فعلوه الا قليل منهم کی تفسیر کے ذیل میں سُدّیؒ سے نقل کیا ہے کہ آیت مذکورہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ بولے اگر خدا ہم کو یہ حکم دیتا تو ہم بسر و چشم اس کا امتثال کرتے۔ آپ کو اپنے صحابہؓ کے ان جاں نثارانہ کلمات کی جب اطلاع ملی تو آپ نے فرمایا الایمان اثبت فی قلوب اهله من الجبال الرواسی ان میں ایسے لوگ ہیں کہ ان کے دلوں میں ایمان پہاڑوں سے بھی زیادہ راسخ ہوتا ہے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ آیت مذکورہ سن کر حضرت صدیقؓ نے فرمایا یا رسول اللہ اگر آپ مجھ کو حکم دیں تو میں اسی وقت اس کی تعمیل کر دوں۔ حضرت عمرؓ سے بھی اسی کے قریب منقول ہے۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ کلمات مبارک تھے ان من امتی لرجالا الایمان اثبت فی قلوبهم من الجبال الرواسی میری امت میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ ان کے دلوں کا ایمان بڑے بڑے پہاڑوں سے زیادہ مستحکم اور راسخ ہے۔

(۲۸۰) عن انس قال ان رسول الله صلى الله عليه وسلم شاور حين بلغنا اقبال ابي سفيان وقام سعد بن عبادة فقال يا رسول الله والذي نفسي بيده لو امرتنا ان نخيضها البحر لاخضناها ولو امرتنا ان نضرب اكبادها الى برك الغماد لفعلنا قال فندب رسول الله صلى الله عليه وسلم الناس فانطلقوا حتى نزلوا بدرا فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم هذا مصرع فلان ويضع يده على الارض ههنا ههنا قال فما ماط احدهم عن موضع يد رسول الله صلى الله عليه وسلم (رواه مسلم)

(۲۸۱) عن ابن مسعود قال شهدت من المقداد بن الاسود مشهدا لان اكون صاحبه احب الي مما عدل به اتى النبي صلى الله عليه وسلم وهو يدعو على المشركين فقال لا نقول كما قال قوم موسى اذهب انت وربك فقاتلا ولكنا نقاتل عن يمينك وعن شمالك وبين يديك وخلفك فرأيت النبي صلى الله عليه وسلم اشرق وجهه وسره (رواه البخاري)

(۲۸۰) انسؓ کہتے ہیں کہ جب ابو سفیان کے لشکر کشی کی خبر پہنچی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق صحابہؓ سے مشورہ فرمایا۔ سعد بن عبادہؓ کھڑے ہو کر بولے یا رسول اللہ اس کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے اگر آپ ہمیں یہ حکم دیں کہ ہم اپنے گھوڑے دریا میں ڈال دیں تو ہم ابھی ڈال دیں گے اور اگر آپ یہ فرمائیں کہ ہم برک الغماد تک اپنے گھوڑے دوڑا کر ان کے پتے پانی کر ڈالیں تو ہم یہ بھی کر گذریں گے اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو چلنے کے لئے بلایا لوگ چل پڑے یہاں تک کہ بدر کے میدان میں آکر مقیم ہوگئے آپ یہاں زمین پر ہاتھ رکھ رکھ کر بتلاتے جاتے تھے کہ یہاں فلاں مشرک مقتول ہو کر گرے گا اور یہاں فلاں گرے گا۔ راوی بیان کرتا ہے کہ سب اسی اسی جگہ مقتول ہوئے اور ان میں کوئی ایسا نہ تھا جو آپ کی مقرر کردہ جگہ سے ذرا بھی علیحدہ گرا ہو۔ (مسلم)

(۲۸۱) ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ میں نے مقداد کی ایک ایسی بات دیکھی ہے کہ تمام دنیا کی دولت کے مقابلہ میں مجھے یہ تمنا ہے کہ وہ بات مجھے نصیب ہو جاتی (وہ بات یہ تھی) کہ ایک بار آپ لوگوں کو مشرکین کے مقابلے کے لئے ترغیب دے رہے تھے اس وقت مقدادؓ آپ کے پاس آئے اور انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم آپ کو وہ جواب نہیں دیں گے جو موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیا تھا کہ آپ اور آپ کا پروردگار جا کر لڑو (ہم تو یہاں بیٹھے ہوئے ہیں) بلکہ ہم آپ کے دائیں بائیں آپ کے سامنے اور آپ کے پیچھے ہو کر جنگ کریں گے۔ میں نے دیکھا اس بات سے کہ آپ کا چہرہ انور مارے خوشی کے چمک اٹھا اور مقداد کی اس جواب نے آپ کو خوش کر دیا۔ (بخاری شریف)

(۲۸۱) جملہ مستقلہ سے آپ [illegible] بیٹھے [illegible] پشت میں + [illegible]

(۲۸۲) عن أبي موسى قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إن أبواب الجنة تحت ظلال السيوف فقام رجل رث الهيئة فقال يا أبا موسى أأنت سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول هذا قال نعم فرجع إلى أصحابه فقال أقرأ عليكم السلام ثم كسر جفن سيفه فألقاه ثم مشى بسيفه إلى العدو فضرب به حتى قتل۔ (رواه مسلم)

(۲۸۳) عن أنس قال انطلق رسول الله صلى الله عليه وسلم وأصحابه حتى سبقوا المشركين إلى بدر وجاء المشركون فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم قوموا إلى جنة عرضها السموات والأرض قال عمير بن الحمام بخ بخ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم ما يحملك على قولك بخ بخ قال لا والله يا رسول الله إلا رجاء أن أكون من أهلها قال فإنك من أهلها فأخرج تمرات من قرنه فجعل يأكل منهن ثم قال لئن أنا حييت حتى آكل تمراتي هذه إنها لحياة طويلة قال فرمى بما كان معه من التمر ثم قاتلهم حتى قتل۔ (مسلم)

---

(۲۸۲) ابوموسیٰؓ سے روایت ہے کہ (ایک بار) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت تلواروں کے سایہ کے نیچے ہے یہ سن کر ایک شکستہ حال شخص کھڑا ہوا اور بولا اے ابوموسیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات فرماتے کیا آپ نے خود سنا ہے انھوں نے کہا ہاں۔ اس کے بعد وہ اپنے رفقاء کے پاس آیا اور ان سے کہا تم پر سلام یہ کہکر اس نے اپنی تلوار کی میان توڑ کر پھینک دی اور ننگی تلوار لیکر دشمن پر حملہ آور ہوا اور لڑتا رہا یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔ (مسلم)

(۲۸۳) انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب بدر کی جنگ کیلئے گئے یہاں تک کہ (میدان جنگ میں) مشرکین سے پہلے جا پہنچے جب مشرکین بھی آگئے تو آپ نے صحابہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا اٹھو اس جنت کیلئے کھڑے ہو جاؤ جس کا عرض زمین اور آسمان کے برابر ہے یہ سن کر عمیر بن حمام بولے واہ واہ۔ آپ نے فرمایا تم نے اتنی خوشی کا اظہار کیوں کیا؟ انھوں نے جواب دیا خدا کی قسم صرف اس لئے کہ شاید جنت میرے نصیب میں آجائے آپ نے فرمایا (جاؤ) تم جنتی ہو یہ سن کر انھوں نے اپنے ترکش سے کچھ کھجوریں نکالیں اور ان کے کھانے میں مشغول ہو گئے پھر خود ہی بولے اگر میں اتنی دیر تک زندہ رہا ...... کہ ان کھجوروں کو ختم کر لوں تو یہ زندگی تو بڑی لمبی زندگی ہو گی۔ راوی کہتا ہے یہ کہکر جو کھجوریں ان کے پاس تھیں پھینک دیں اور مشرکین سے جنگ شروع کر دی یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔

(مسلم)

(۲۸۴) عن جابر قال قال رجل للنبي صلى الله عليه وسلم يوم أحد أرأيت إن قتلت فأين أنا قال في الجنة فألقى تمرات في يده ثم قاتل حتى قتل۔ (متفق عليه)

المؤمنون في أصل الإيمان المعتبر سواء وإنما التفاضل بينهم في مراتب التقوى واليقين

(۲۸۵) عن أبي سعيد الخدري أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال المؤمنون في الدنيا على ثلاثة أجزاء الذين آمنوا بالله ورسوله ثم لم يرتابوا وجاهدوا بأموالهم وأنفسهم في سبيل الله والذي يأمنه الناس على أموالهم وأنفسهم ثم الذي إذا أشرف على طمع تركه لله عز وجل۔ (رواه احمد)

---

(۲۸۴) جابرؓ سے روایت ہے کہ احد کی جنگ میں ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا فرمائیے اگر میں مارا جاؤں تو کہاں جاؤں گا آپ نے فرمایا جنت میں۔ یہ سن کر اس نے اپنے ہاتھ کی کھجوریں پھینک دیں پھر لڑا یہاں تک کہ شہید ہوگیا۔ (متفق علیہ)

تمام مسلمان اصل اعتقادات کے لحاظ سے برابر ہیں البتہ جو فرق ہے وہ صرف ان کے مراتب یقین میں تقویٰ کی وجہ سے

(۲۸۵) ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن دنیا میں تین قسم کے ہیں ایک وہ مومن جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا پھر اس میں اس نے ذرا شک و تردد نہ کیا اور اپنی جان و مال سے بے دریغ اس کی راہ میں جہاد کیا۔ دوسرا وہ جس کی طرف سے لوگ اپنی جان و مال کے بارے میں بے خطر ہیں۔ تیسرا وہ جو اتنی جانبازی یا اتنی سلامت روی کا ثبوت تو نہ دے سکا لیکن کم از کم یہی کیا کہ جب اس کے سامنے کوئی لالچ کا موقعہ پیش آیا تو اس نے صرف اللہ کے نام پر اس کو چھوڑ دیا۔ (مسند احمد)

---

(۲۸۵) اس حدیث میں سب سے بڑی صفت اس کا جزم و یقین ہے اور اسی صفت کے لحاظ سے مومنوں کے مراتب میں تفاوت ہے۔ یقین کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ جانبازی کے موقعہ پر قدم پیچھے نہ ہٹائے جہاد میں کمزوری ایقانی ضعف کی علامت ہے اسی لئے لم یرتابوا کے ساتھ جاھدوا باموالھم وانفسھم کا اضافہ کیا گیا ہے۔ گویا جس نے جان و مال میں سے کسی میں بھی دریغ کیا یہ اس کی علامت ہے کہ اس کے ایمان و یقین ہی میں پوری پختگی نہیں ہے۔ بقیہ دو مراتب بھی اگرچہ بظاہر عمل سے متعلق ہیں مگر بحقیقت ان کا تعلق بھی انسان کے قلبی یقین ہی کے ساتھ ہے۔

فَدَخَلَ آخَرُ فَقَرَأَ سِوَى قِرَاءَةِ صَاحِبِهِ فَأَمَرَهُمَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَرَآ فَحَسَّنَ شَأْنَهُمَا فَسُقِطَ فِي نَفْسِي مِنَ التَّكْذِيبِ وَلَا إِذْ كُنْتُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَلَمَّا رَأَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا قَدْ غَشِيَنِي ضَرَبَ فِي صَدْرِي فَفِضْتُ عَرَقًا وَكَأَنَّمَا أَنْظُرُ إِلَى اللّٰهِ فَرَقًا فَقَالَ لِي يَا أُبَيُّ أُرْسِلَ إِلَيَّ أَنِ اقْرَأِ الْقُرْآنَ عَلَى حَرْفٍ فَرَدَدْتُ إِلَيْهِ أَنْ هَوِّنْ عَلَى أُمَّتِي ثُمَّ رَدَّ إِلَيَّ الثَّالِثَةَ اقْرَأْهُ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ وَلَكَ بِكُلِّ رَدَّةٍ رَدَدْتُكَهَا مَسْأَلَةٌ تَسْأَلُنِيهَا فَقُلْتُ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِأُمَّتِي اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِأُمَّتِي وَأَخَّرْتُ الثَّالِثَةَ لِيَوْمٍ يَرْغَبُ إِلَيَّ الْخَلْقُ

(یا رسول اللہ!) اس شخص نے قرآن شریف کچھ اس انداز میں پڑھا ہے جو مجھے بالکل غلط معلوم ہوتا ہے دوسرے شخص نے اس سے بھی الگ طرز میں پڑھا ہے آپ نے ان دونوں کو پڑھنے کے لئے ارشاد فرمایا انہوں نے پھر اسی طرح پڑھ پڑھ کر سنا دیا آپ نے دونوں کی تحسین فرما دی یہ سن کر میرے قلب میں آپ کی ایسی تکذیب پیدا ہونے لگی کہ کبھی کفر کے زمانہ میں بھی ایسی پیدا نہ ہوئی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب میرے شک و تردد کی اس کیفیت کو محسوس کیا جو اس وقت مجھ پر چھا گئی تھی تو اپنا دست مبارک میرے سینہ پر مارا اس کے اثر سے میں پسینہ پسینہ ہو گیا اور میرے خوف و ہیبت کا یہ عالم ہو گیا کہ مارے خوف کے گویا میں اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں اس کے بعد آپ نے فرمایا: ابی! میرے پاس پہلے یہی وحی آئی تھی کہ قرآن کو صرف ایک ہی طرح پڑھئے۔ میں نے اپنی امت کے خیال سے درخواست کی کہ میری امت کے لئے کچھ اور سہولت کر دی جائے۔ تیسری بار مجھے یہ جواب ملا کہ آپ کو سات طریقے تک پڑھنے کی اجازت دی گئی اور اتنا ہی نہیں بلکہ آپ کی ہر درخواست کے بدلہ میں آپ کو ایک ایک دعا کا حق اور دیا جاتا ہے جو چاہئے مانگ لیجئے۔ آپ نے دو بار تو یہی دعا کی کہ اے اللہ میری امت کو بخش دے اور تیسری دعا اس دن کے لئے اٹھا رکھی ہے جس میں تمام مخلوق کو شفاعت

دلائل سے نہیں کیا بلکہ اس کے سینہ پر ایک ایسی بصیرت افروز ضرب لگائی کہ اس کا قلب اذعان و ایقان سے معمور ہو گیا اور نسبت احسان نے اس قدرت سے غلبہ کیا کہ اس کا جسم پسینہ پسینہ ہو گیا شبہات سب برطرف ہو گئے اور خدا کی ذات عظیم حجابات و صدیق آنکھوں کے سامنے آ گئی۔ جب آپ نے دیکھ لیا کہ اب مریض تردد کا مرض شفایاب ہو گیا ہے اس کا ایمان تازہ ہو گیا ہے اور یقین پھر پہلی سی قلب میں لوٹ آیا ہے تو اب نہایت سکون سے سمجھانا شروع کیا۔ آپ نے فرمایا کہ تمہارے شبہ کی بنیاد کچھ نہیں صرف حقیقت سے ناواقفی اور بے خبری ہے۔ دونوں قراءتوں کی تحسین کی وجہ یہ نہیں کہ قرآن کی ابتدا کی حقیقت یکا نہیں ہے بلکہ بات یہ ہے کہ میں نے اپنی امت کی سہولت کے لئے خدا سے درخواست کی تھی کہ اس کی قراءت میں کچھ توسیع کر دی جائے۔ میری یہ درخواست قبول ہوئی اور قرآن کے مختلف صورتوں سے پڑھنے کی اجازت دے دی گئی۔ لہٰذا یہ دونوں طرز بھی منزل من اللہ ہیں اور میں نے ان کی تحسین کی ہے۔

لهم حتى ابراهيم عليه السلام۔ (رواه المسلم)

(۲۸۸) عن حنظلة بن الربيع الاسيدي قال لقيني ابو بكر فقال كيف انت يا حنظلة قلت نافق حنظلة قال سبحان الله ما تقول قلت نكون عند رسول الله صلى الله عليه وسلم يذكرنا بالنار والجنة كانا رأي عين فاذا خرجنا من عند رسول الله صلى الله عليه وسلم عافسنا الازواج والاولاد والضيعات نسينا كثيرا قال ابو بكر فوالله انا لنلقى مثل هذا فانطلقت انا وابو بكر حتى دخلنا على رسول الله صلى الله عليه وسلم فقلت نافق حنظلة يا رسول الله

کے لئے) میری ہی تلاش ہوگی یہاں تک کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی۔ (مسلم)

(۲۸۸) حنظلہ بن ربیعؓ روایت کرتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) حضرت ابوبکرؓ کی مجھ سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے پوچھا حنظلہ! کہو کیا حال ہے؟ میں نے عرض کیا (کیا حال پوچھتے ہو) میں تو نفاق کی علت میں گرفتار ہو گیا ہوں۔ ابوبکرؓ نے تعجب سے فرمایا سبحان اللہ کیا بات کہہ رہے ہو؟ میں نے عرض کیا درست کہہ رہا ہوں کیونکہ (جب ہم آپ کی خدمت میں موجود ہوتے ہیں اور آپ ہمارے سامنے جنت و دوزخ کا ذکر فرماتے ہیں جب تو ہمیں ایسا معلوم ہوتا ہے گویا ہم انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں لیکن جب ہم آپ کی خدمت سے علیحدہ ہو کر باہر آتے ہیں تو بیوی بچوں اور زمینوں کے قصوں میں گرفتار ہو جاتے ہیں تو آپ کی تذکیر کا بڑا حصہ فراموش ہو جاتا ہے (انسان کے ظاہر و باطن کا فرق یہی نفاق ہے) اس پر ابوبکرؓ نے فرمایا خدا کی قسم یہ بات تو ہمیں بھی پیش آتی ہے اس کے بعد میں اور ابوبکرؓ دونوں آپ کی خدمت میں روانہ ہوئے یہاں تک کہ آپ کے پاس پہنچ گئے تو میں نے

(۲۸۸) حضرت حنظلہ جس کیفیت کو یہاں ذکر فرما رہے ہیں شریعت اس کو احسان سے تعبیر کرتی ہے یہ ایک یقین ہی کی ایک منزل ہے جس کے بعد کوئی اور منزل نہیں۔ اس کے بعد جتنی ترقیات نصیب ہوتی ہیں اسی مرتبۂ احسان میں نصیب ہوتی ہیں۔ اسلام جتنا اعمال جوارح سے لپٹ میں ایمان و تصدیق ابھرتی ہے اور قلب میں جتنی تصدیق ابھرتی جاتی ہے اتنا ہی مرتبۂ احسان نزدیک ہوتا جاتا ہے۔ یہ اختیاری عمل نہیں بلکہ کیفیات قلب میں ایک کیفیت ہے اس کے مقدمات بیشک اختیاری ہو سکتے ہیں یہ نسبت صرف ایک مرتبہ پیدا ہو جاتی ہے جو یقین کی منزل ہے اس لئے اختیاری ہے وہ صرف ایک اعتقاد جازم کا نام ہے جس میں کوئی تردد نہ ہو۔ پھر یہ اعتقاد جازم ترقی کر کے مقام احسان تک پہنچ جاتا ہے مگر یہ اختیاری امر نہیں صرف خدا کے دین کی بات ہے جسے چاہے مرحمت فرمائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں یہ مقام بسہولت قدم قدم پر میسر آ جاتا تھا اسی کو حنظلہ جیسا صحابی ان الفاظ میں ادا کرتا ہے کہ جب ہم آپ کی صحبت میں آ جاتے ہیں تو یوں معلوم ہوتا ہے گویا عالم آخرت تمام کا تمام آنکھوں کے سامنے رکھا ہوا ہے۔ اور جب آپ کی صحبت سے الگ ہو جاتے ہیں تو پھر قلب کی یہ کیفیت نہیں رہتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تمہاری یہ کیفیت دائمی بن جائے تو تم اس کو برداشت نہیں کر سکتے نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہاری بشریت کی قبا تار تار ہو جائے گی اور تم فرشتوں میں شامل ہو جاؤ گے۔ شریعت کا مقصد بشریت کی تکمیل ہے۔

أَتَشْهَدُوْنَ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ قَالُوْا بَلٰى قَالَ لَيْسَ ذَاكَ النِّفَاقُ قَالَ ثُمَّ عَادُوا الثَّانِيَةَ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلَكْنَا وَرَبِّ الْكَعْبَةِ قَالَ وَمَا ذَاكَ قَالُوا النِّفَاقَ النِّفَاقَ قَالَ أَلَسْتُمْ تَشْهَدُوْنَ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ قَالُوْا بَلٰى قَالَ لَيْسَ ذَاكَ النِّفَاقُ قَالَ ثُمَّ عَادُوا الثَّالِثَةَ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلَكْنَا وَرَبِّ الْكَعْبَةِ قَالَ وَمَا ذَاكَ قَالُوا النِّفَاقَ قَالُوْا إِنَّا إِذَا كُنَّا عِنْدَكَ كُنَّا عَلٰى حَالٍ فَإِذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِكَ هَمَّتْنَا الدُّنْيَا وَأَهْلُوْنَا قَالَ لَوْ أَنَّكُمْ إِذَا خَرَجْتُمْ مِنْ عِنْدِيْ تَكُوْنُوْنَ عَلٰى مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ فَصَافَحَتْكُمُ الْمَلَائِكَةُ بِطُرُقِ الْمَدِيْنَةِ (رواه ابو يعلى ورجاله رجال الصحيح غير غسان بن برزين وهو ثقة. مجمع الزوائد ج ۱)

(۲۹۰) عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْمَغْرِبِ بِالطُّوْرِ فَلَمَّا بَلَغَ هٰذِهِ الْآيَةَ أَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُوْنَ أَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ أَمْ عِنْدَهُمْ خَزَائِنُ رَبِّكَ أَمْ هُمُ الْمُسَيْطِرُوْنَ كَادَ قَلْبِيْ أَنْ يَّطِيْرَ (رواه البخاري)

یا رسول اللہ رب کعبہ کی قسم ہم تو ہلاک ہو گئے آپ نے پوچھا کیا بات ہے؟ انھوں نے عرض کیا دل میں نفاق یعنی نفاق معلوم ہوتا ہے آپ نے فرمایا کیا تم توحید و رسالت کی دل سے گواہی نہیں دیتے عرض کیا کیوں نہیں۔ فرمایا تو پھر نفاق نہیں۔ راوی کہتا ہے کہ تیسری بار انھوں نے پھر یہی کہا۔ یا رسول اللہ رب کعبہ کی قسم ہم تو ہلاک ہو گئے۔ آپ نے پوچھا کیا بات ہے؟ اس مرتبہ انھوں نے زیادہ تفصیل کی کہا کہ جب ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں تو ہماری حالت کچھ اور ہی ہوتی ہے۔ اور جب آپ کے پاس سے باہر چلے آتے ہیں تو پھر دنیا اور گھر بار کی فکر ہمیں گھیر لیتی ہے۔ آپ نے فرمایا اگر تم اسی حالت پر ہمیشہ رہتے جو میری صحبت میں ہوتی ہے تو مدینہ کی گلیوں کا فرشتے تم سے مصافحہ کرنے لگتے (ابو یعلی)

(۲۹۰) جبیر بن مطعم کہتے ہیں کہ میں نے مغرب کی نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سورۂ طور پڑھتے سنا جب آپ اس آیت پر پہنچے ام خلقوا الخ کیا یہ لوگ از خود پیدا ہو گئے ہیں یا یہ خود خالق ہیں کیا آسمان اور زمین کو انھیں لوگوں نے پیدا کیا ہے۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ان کو یقین نہیں کیا ان کے پاس خدا کے خزانے ہیں کیا یہی لوگ داروغہ بنائے گئے ہیں تو مجھ کو یوں معلوم ہوتا تھا کہ میرا دل اب اڑا اب اڑا۔ (بخاری شریف)

الایمان هو اعتقاد توحید الله تعالیٰ و تصدیق بالرسالة و ان الرسل عباد الله و ان الجنة حق والنار حق ولا یدخل احد الجنة الا به

خدا تعالیٰ کی توحید، رسولوں کی رسالت، ان کی بندگی کا اعتقاد اور جنت دوزخ کے وجود کو تسلیم کرنا جزو ایمان ہے اس کے بغیر جنت میں کوئی داخل نہ ہوگا۔

واضح رہے کہ حدیثوں میں ایمان کی تعریف کے بارہ میں جہاں تفصیل کا تعرض نہیں، اختلاف الفاظ آتا ہے کہیں اس میں صرف کلمہ لا الٰہ الا اللہ کا ذکر ہے اور کہیں اس کے ساتھ رسالت کی تصدیق بھی شرط معلوم ہوتی ہے اور کہیں ان دونوں کے ساتھ بعض اور اعتقادات بھی شامل نظر آتے ہیں اور کہیں اعتقادیات کے ساتھ اعمال کا بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔ بعض میں صرف اعمال ہی کو ایمان کہہ دیا جاتا ہے لیکن ان تمام صورتوں میں جو صورت عام طور پر حدیثوں میں ذکر ہوئی ہے وہ توحید کے ساتھ رسالت کی بھی تصدیق ہے۔ اسی اجمال و اختلاف کی وجہ سے اعمال کی جزئیت و عدم جزئیت میں تو محدثین و فقہاء کے مابین کچھ لفظی سا نزاع پیدا ہو گیا ہے مگر یہ مسئلہ کسی اختلاف کے بغیر ہمیشہ مسلم چلا آیا ہے کہ ایمان کے لئے خدا تعالیٰ کی توحید اور رسول کی رسالت کی تصدیق دونوں ہی جزو لاینفک ہیں۔ اس وقت یہاں ہماری غرض صرف اسی پر کلام کرنا ہے کہ شرائع سماویہ میں رسولوں پر ایمان لانا بھی ہمیشہ توحید ہی کے برابر کا جزو سمجھا گیا ہے۔ آسمانی مذاہب میں سے کسی ایک مذہب میں بھی صرف خدا تعالیٰ کی توحید کو علامت نجات نہیں سمجھا گیا۔ یہ صورت بالکل جداگانہ ہے کہ اگر کوئی زمانہ ایسا گذرا ہو جس میں خدا تعالیٰ کا کوئی رسول ہی موجود نہ ہو یا کوئی ایسا مقام ہو جہاں کسی رسول کی آواز ہی نہ پہنچ سکتی ہو تو کیا اس کے لئے بھی رسول پر ایمان لانا ضروری ہوگا۔ ان فرضی صورتوں سے گذر کر یہاں اس وقت اس پر کلام کرنا منظور ہے کہ کسی رسول کی دعوت پہنچ جانے کے بعد بھی کیا کوئی شخص ایسا ہو سکتا ہے جو رسول پر ایمان نہ لا کر مستحق نجات ہو سکے۔ پورے وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ قرآن و حدیث کے نزدیک یہ بات ثابت ہے کہ رسولوں کی تصدیق نجات ابدی کے لئے اتنی ہی ضروری چیز ہے جتنی کہ خدا تعالیٰ کی توحید۔ یہاں کسی تفریق کی کوئی گنجائش نہیں۔ یہ مضمون ایمان بالرسول کے عنوان کے تحت ترجمان السنہ جلد دوم میں بھی کچھ روشنی ڈالی جا چکی ہے۔

اسی طرح خدا تعالیٰ کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور قیامت کے انکار کو بھی یہی حیثیت حاصل ہے یعنی توحید کی طرح ان میں سے کسی ایک کا انکار بھی کفر ہے۔

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا۔ (النساء)

اور جو کوئی یقین نہ رکھے اللہ تعالیٰ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر اور قیامت کے دن پر وہ یقیناً بہک کر دور جا پڑا۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام عموماً اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خصوصاً سب اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم الشان رحمت ہیں ان ہی کے طفیل میں عالم کو نجات ابدی نصیب ہوئی اگر ان کا مبارک وجود نہ ہوتا تو حق تعالیٰ کی ذات تو بے نیاز تھی کہ کسی کو اپنی ذات وصفات کی اطلاع تک نہ دیتی اور نہ کوئی فرد بشر اس کی ذات کو پہچان سکتا۔ اگر یہ حضرات نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ کسی کو ان اوامر ونواہی کا مکلف نہ بناتا جن میں سراسر مخلوق ہی کا نفع مضمر تھا اور کسی کو حق تعالیٰ کی مرضیات و نامرضیات کا علم نہ ہوتا پس اس نعمتِ عظمیٰ کا شکر کس زبان سے ادا کیا جائے۔

انبیاء علیہم السلام اصول دین میں سب متفق ہیں اور ان میں ایک متفق علیہ عقیدہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرنا چاہئے اور ایک مخلوق کو دوسری مخلوق کو اپنا معبود نہ بنانا چاہئے یہ سعادت صرف انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین کے ساتھ مخصوص ہے۔ ان کے سوا اور کسی کو میسر نہیں ہوئی بلکہ یہ حقیقت بجز انبیاء علیہم السلام کے کسی اور کی زبان سے کبھی ادا نہیں ہوئی۔ منکرین نبوت اگر خدا تعالیٰ کو ایک سمجھتے ہیں تو یا تو وہ صرف اہل اسلام کی تقلید میں سمجھتے ہیں اور یا پھر صرف صفت وجوب میں اس کو واحد سمجھتے ہیں استحقاق عبادت میں نہیں۔ اہل اسلام کے نزدیک حق تعالیٰ کی ذات جس طرح صفت وجوب میں یکتا و یگانہ ہے اس کا کوئی شریک نہیں اسی طرح استحقاق عبادت میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ کلمہ لا الٰہ الا اللہ کے معنی بھی باطل معبودوں کی عبادت کی نفی اور معبود برحق کا اثبات ہے۔ دوسری بات جو انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہے یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو دوسرے انسانوں کی طرح ایک بشر ہی تصور کرتے ہیں صرف ایک اللہ ہی کی ذات کو معبود سمجھتے ہیں اسی کی عبادت کی مخلوق کو دعوت دیتے ہیں اور حق تعالیٰ کی ذات پاک کو حلول و اتحاد سے منزہ تصور فرماتے ہیں۔ منکرین نبوت کی تعلیم یہ نہیں ان میں کے بعض تو بیشک حد سے تجاوز کر گئے ہیں کہ خود ہی مدعی الوہیت بن گئے ہیں اور اپنی ذات میں حق تعالیٰ کے حلول کے معتقد ہیں لہٰذا اپنے نفس پر الوہیت کے اطلاق کرنے میں کوئی باک نہیں کرتے نیز اس گمراہی کی بنا پر سمجھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے حق میں کسی بات کی ممانعت ہی کیا لہٰذا جو وہ کہہ دیں وہ سب درست اور جو کر گذریں وہ سب مباح ہے اس کا لازمی نتیجہ ہوا کہ ان کا قدم بندگی کی حدود سے ہی باہر نکل گیا پھر وہ قسم قسم کے برے افعال میں مبتلا ہوئے اور ان کی وجہ سے دوسروں کے لئے بھی ان افعال کی اباحت کا دروازہ کھل گیا۔

تیسری بات جو انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کے ساتھ خاص ہے یہ ہے کہ یہ حضرات ملائکہ معصوم کے نزول
کے قائل ہیں ان میں کسی قسم کا لوث تسلیم نہیں کرتے وہ ان کو امین اور خدا تعالیٰ کی وحی کا حامل سمجھتے ہیں بخلاف
یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام دین کی جو بات فرماتے ہیں وہ حق تعالیٰ کی طرف سے فرماتے ہیں اور ان کے اجتہادی
احکام بھی وحی سے مؤید ہوتے ہیں۔ بالفرض اگر ان سے کوئی لغزش واقع ہو جاتی ہے تو فوراً وحی الٰہی اس کا
تدارک کر دیتی ہے اس کے برعکس منکرین نبوت کے رؤسا جو کچھ کہتے ہیں اپنی جانب سے کہتے ہیں اور اپنی انانیت
کے گھمنڈ میں سب کو حق تصور کرتے ہیں انصاف کرنا چاہیے کہ بھلا ایسے بے عقلوں کی باتوں کا کیا اعتبار کرنا ہے چہ جائیکہ
ان کی اتباع کیسے کی جانی چاہیے۔ (مکتوب [illegible] جلد اول ملخصاً مترجم)

حضرت مجدد صاحب کے اس مکتوب سے معلوم ہوا کہ جب یہ کلمہ نفی استحقاق عبادت کے معنی میں صرف
انبیاء علیہم السلام کی زبان فیض ترجمان سے شروع ہوا ہے تو اب اس معنی کے لحاظ سے جو شخص بھی اس کلمہ
کو پڑھے گا وہ درحقیقت صرف ان کی اتباع اور ان کی تصدیق کے بعد ہی پڑھے گا اس لئے اس کلمہ کا پڑھنا
ہی خود رسالت کی تصدیق کو متضمن ہوگا۔ اصل یہ ہے کہ کافروں کو براہ راست خدا تعالیٰ کی ذات سے تو عداوت
کبھی نہیں ہوئی ان کو جو کچھ عداوت تھی وہ رسول کی ذات سے تھی یا اس عقیدے سے تھی جس کی طرف اس رسول نے
ان کو دعوت دی۔ پس انبیاء علیہم السلام کی لائی ہوئی توحید کو تسلیم کرنا بھی درحقیقت ان کی تصدیق ہی کا
تتمہ ہو سکتا ہے۔ یہ سوال محض فرضی ہے کہ اگر کسی کو اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت انبیاء علیہم السلام کے توسط کے
بغیر حاصل ہو جائے تو اس کا حکم کیا ہوگا اور اگر تسلیم بھی کر لیا جائے تب بھی اس کا وجود اتنا نادر ہوگا کہ ایسی نادر
جزئیات پر معروضات کو حمل نہیں کیا جا سکتا تا کہ اس میں تاویل کی ضرورت ہو

حضرت مجدد الف ثانی نے اس کے علاوہ اور بہت سے مقامات پر اس کی تصریح فرمائی ہے کہ دنیا میں
جہاں کہیں بھی حق کا کوئی وجود ہے وہ سب ان حضرات ہی کا طفیل اور ان ہی کے برکات کا بلاواسطہ یا
بالواسطہ ثمرہ ہے۔ یہی ہیں جن کے وجود سے صحیح عقائد دنیا کو پہنچے اگر ان ہی کو درمیان سے علیحدہ کر دیا جائے تو
کسی اصول دین کی بنیاد بھی قائم نہیں رہتی۔ یہ بات کہ اس سے اسی طرح صرف نظر کر لی جائے کہ رسول
کی پوری زندگی اور اس کی پوری تعلیمات کا منکر صرف اپنی مزعوم توحید کی بناء پر نجات پانے کا مستحق ہو یہ خوب
یاد رکھنا چاہیے کہ توحید کے معنی صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو ایک سمجھنا نہیں ہے نہ صرف وحدانیت کوئی
کمال ہے بلکہ اجمالاً ان تمام صفات کمالیہ کے ساتھ واحد ماننا بھی ضروری ہے جو حق تعالیٰ کی درحقیقت
صفات ہیں پھر ان صفات کا اجمالی علم بھی اسی وقت کافی ہو سکتا ہے جبکہ عقیدہ میں شرک کا کوئی شائبہ موجود
نہ ہو۔ اگر صفات کے بیان بلکہ اس کی تفصیلات کے ساتھ کوئی ادنیٰ درجہ کا شرک بھی موجود ہے تو یہ توحید

توحید ہی نہیں کہلائے گی۔ ایمان کے لئے وہ توحید خالص درکار ہے جس میں شرک کا کوئی شائبہ نظر نہ آسکے، یہ توحید
صرف انبیاء علیہم السلام کے توسط سے حاصل ہو سکتی ہے۔ جس طرح خدا تعالیٰ کی توحید صرف زبان سے اس کو
ایک کہنے کا نام نہیں اسی طرح رسول پر ایمان بھی صرف اس کو ایک سچا انسان مان لینے کا نام نہیں بلکہ اس کو
ان تمام عظمتوں کے ساتھ ماننا ضروری ہے جو قرآن کریم نے اس کے لئے لازم قرار دی ہیں۔ اسی طرح ان عقائد سے
اپنی بیزاری کا اظہار بھی ضروری ہے جو اس کی حدود عظمت سے باہر نکل جائیں اس کے ساتھ یہ بھی لازم ہے کہ
آپ کی شریعت کو اپنی معاش و معاد کا واحد دستور العمل بنا لے۔ ایک نصرانی حضرت مسیح علیہ السلام پر ایمان لاکر
اس وقت تک مومن نہیں کہلا سکتا جب تک وہ ان کو خدا تعالیٰ کا ایک بندہ تسلیم نہ کرلے اور آپ کے دین کو
عملی طور پر قبول نہ کرلے۔ پھر جب رسول کی ہستی اس طرح جب تسلیم ہو جاتی ہے تو بقیہ تمام غیبیات کی
تصدیق بھی اسی کی تصدیق کے ضمن میں خود بخود لپٹ جاتی ہے جنت، دوزخ، فرشتے، تقدیر اور آخرت کے
تمام احوال سب اسی ذیل میں آجاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عام طور پر حدیثوں میں صرف شہادتین کے ذکر پر
کفایت کرلی گئی ہے اور کہیں ان کے ساتھ دوسرے عقائد کا بھی ذکر کر دیا گیا ہے۔ اب اگر ان کا پیغام رسول
ہونا اسی کے ذریعہ تواتر ثابت ہو گیا ہے تو امت نے ان کو بھی رسول ہی کی تصدیق کا جزء سمجھ لیا ہے۔ خلاصہ
یہ کہ تمام غیبیات پر ایمان رسول پر ایمان میں داخل ہے۔ اور رسول پر ایمان کلمہ لا الہ الا اللہ پر ایمان لانے میں
مضمر ہے۔ اس لئے ان حدیثوں کے درمیان اصل مضمون کا کوئی اختلاف نہیں صرف اجمال و تفصیل یا
محض ایک اسلوب بیان کا اختلاف ہے اس سے اجماعی عقائد کے خلاف کوئی موشگافی کرنی تحقیق نہیں بلکہ
زندقہ ہے۔

اسی لئے حافظ ابن تیمیہؒ نے کلمہ طیبہ کی حقیقت کا خلاصہ حسب ذیل الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔[1]

فدین الاسلام مبنی علی اصلین من خرج عن واحد منهما فلا عمل له ولا دین ان نعبد الله وحده

---

[1] حافظ ابن تیمیہؒ کی حسب ذیل تحقیق بھی بہت قابل قدر ہے وہ فرماتے ہیں۔

وقد بینا فی (الصارم المسلول) ان التوحید والایمان بالرسل متلازمان وکل من لم یصدق الرسل
فلا یکون الا مشرکا وکل مشرک فانه مکذب بجنس الرسل فمن دخل فی نوع من الشرک فانه کذب
الرسل فانه مناقض لما جاءت به الرسل (کتاب الرد علی البکری ص ۲۵۲)

ہم نے اپنی کتاب (الصارم المسلول) میں یہ بات واضح طور پر ثابت کر دی ہے کہ توحید اور رسول پر ایمان لانا یہ
دونوں باہم متلازم ہیں جو لوگ رسولوں کی تصدیق نہیں کرتے وہ یقیناً مشرک ہوتے ہیں اور جو مشرک ہیں وہ
جنس رسل کی تکذیب کرنے والے ہیں اسلئے جو شخص شرک کی کسی نوع میں بھی مبتلا ہوگا وہ ان کی دعوت اور ان کی رسالت کے
مقتضیٰ کی مخالفت کرے گا کیونکہ رسولوں نے شرک کی جملہ قسموں کی مذمت کی ہے۔ (کتاب الرد علی البکری ص ۲۴۹)

ولا تعبدوا شیئا ولا نشرک بہ شیئا ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابا ... لا الہ الا اللہ ... [illegible]

یعنی دین اسلام کے دو اصول ہیں جو شخص ان میں سے کسی ایک کو ترک کر دے تو اس کا ایمان معتبر ہے نہ کوئی عمل۔ ایک یہ کہ ہم ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور اس میں کسی کو اس کا شریک نہ بنائیں۔ دوم یہ کہ ہم ان طریقوں سے اس کی عبادت کریں جو شریعت نے مقرر کئے ہیں، نو ایجاد طریقے نہ ہوں۔ یہی کلمہ طیبہ کی اصلی حقیقت ہے۔

عبارت بالا میں حافظ موصوف نے بڑی خوبی سے توحید و رسالت کی روح بتائی ہے یعنی دعوت انبیاء علیہم السلام کا اصل مرکز توحید ہی کا اعادہ ہے۔ لہٰذا صرف زبان سے خدا تعالیٰ کو ایک کہہ کر کوئی شخص عہدۂ توحید سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔ دوم رسالت کے تسلیم کرنے کا خلاصہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی عبادت میں ان کے بتائے ہوئے طریقوں سے سرمو تجاوز نہ کرے۔ گویا اسلام یہ ہے کہ صرف ایک ہی کی عبادت کرے اور وہ بھی صرف اس طریقہ سے کرے جس طرح کہ اس کے رسول نے بتائی ہو۔

یہاں حضرت استاد قدس سرہ نے ایک نہایت لطیف اور اہم نکتہ کی طرف توجہ دلائی ہے وہ فرماتے ہیں کہ جو حدیثیں اعلیٰ درجہ کی صحیح ہیں ان میں جہاں کہیں صرف کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ کا ذکر ہے وہاں رسالت کا دوسرا جزو محذوف ہے اور جہاں اس کے ساتھ شہادۃ کا لفظ بھی موجود ہے وہاں رسالت کی شہادت کا دوسرا جزو بھی ضرور موجود ہوتا ہے۔ ان کے سوا جن حدیثوں میں صرف توحید کی شہادت پر نجات کا وعدہ مذکور ہے وہ اول تو اس درجہ کی صحیح نہیں اور پھر وہ بھی بہت شاذ و نادر ہے۔ اس کا راز یہ ہے کہ شہادتین ایمان کے اجزاء ہیں ان کا ایک جزو دوسرے سے جدا ہو ہی نہیں سکتا اور کلمہ طیبہ تمام شریعت کا لب لباب اور اسلام کا گویا ایک عنوان بن گیا ہے لہٰذا اس معنی میں بسا اوقات مضمون اجمالاً ادا کیا جاتا ہے جس کی یہ تشریح اوپر کی گئی ہے اس لئے لا الہ الا اللہ کے ساتھ دوسری شہادت کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی اور ان حدیثوں کی مراد یہ ہوتی ہے کہ جو لوگ اس کلمہ کے قائل ہیں یعنی مسلمان، ان کے لئے جنت کی بشارت ہے۔ اور جہاں شہادت کا لفظ اضافہ ہوتا ہے وہاں ایک حقیقت کا بیان کرنا مقصود ہوتا ہے جس کی شہادت ایمان کے لئے ضروری ہے اور ظاہر ہے کہ ایمان کے لئے چونکہ صرف توحید کی شہادت کافی نہیں اس لئے اس کے ساتھ محمد رسول اللہ کی شہادت کا دوسرا جزو بھی لازمی طور پر ذکر ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اگر یہ مضمون ادا کرنا مقصود ہوتا ہے کہ اس ایمان کی حقیقت کیا ہے جس کے بغیر جنت میں کوئی داخل نہیں ہو سکتا تو اس جگہ توحید و رسالت دونوں اجزاء کی شہادت لازمی طور پر ذکر ہوتی ہے اور جہاں یہ بتانا مقصود ہوتا ہے کہ وہ کونسی جماعت یا کونسا مذہب ہے جس کے لئے جنت کی بشارت ہے تو اس کو یہاں ادا کر دیا جاتا ہے کہ جو لا الہ الا اللہ کا قائل ہو اور جس کا انتساب اس کلمہ کی طرف ہو۔ (دیکھو ترجمان السنہ ص ۲۰۵)

(۲۹۱) عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ شَهِدَ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ وَأَنَّ عِيْسٰى عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهُ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ وَأَنَّ الْجَنَّةَ حَقٌّ وَالنَّارَ حَقٌّ أَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ عَلٰى مَا كَانَ مِنْ عَمَلٍ وَفِيْ رِوَايَةٍ أَدْخَلَهُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى الْجَنَّةَ مِنْ أَبْوَابِهَا الثَّمَانِيَةِ مِنْ أَيِّهَا شَاءَ أَنْ يَّدْخُلَ۔ (متفق علیہ)

(۲۹۱) عبادہ بن صامت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں: جو شخص اس بات کی گواہی دے کہ خدا کوئی نہیں مگر اللہ جو تنہا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں اور اس کی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم یقیناً اس کے بندہ اور رسول ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام بھی اس کے بندہ اس کے رسول اور اس کا کلمہ ہیں جسے اس نے حضرت مریم پر القا فرمایا تھا اور اس کی طرف سے بھیجی ہوئی ایک روح ہیں اور جنت حق ہے جہنم حق ہے تو (ان اصولی عقائد کے تسلیم کرنے کے بعد) اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں ضرور داخل کرے گا خواہ اس کے اعمال کچھ بھی ہوں۔ دوسری روایت میں ہے اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کرے گا (اور اسے اختیار دے گا کہ) وہ جنت کے آٹھ دروازوں میں جس سے چاہے داخل ہو جائے۔ (متفق علیہ)

(۲۹۱) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہود ملعون قرار دیتے تھے (روح اللہ از باطن) اور نصاریٰ خدا کا بیٹا۔ اسلام کا فیصلہ یہ ہے کہ یہ دونوں عقیدے سراسر افراط و تفریط کی راہیں ہیں وہ عبدیت و رسالت کی صفت سے سرفراز تھے۔ روح اللہ ان کا صرف ایک لقب تھا۔ نصاریٰ کو یہاں یہ مغالطہ پیدا ہو گیا کہ وہ حقیقت اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس سے جزئیت کی نسبت سمجھنے لگے۔ روح اللہ (از باطن) حالانکہ عرب میں اضافت کی بہت سی قسمیں ہیں ان میں ایک قسم اضافت تشریف بھی ہے جیسے بیت اللہ میں اس اضافت کا مطلب یہی ہے یہ نہیں کہ اس بیت محترم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی ذات مقدس کو کسی کا حقیقی کوئی علاقہ ہے بلکہ صرف اس کی شرافت کا اظہار مقصود ہے۔ روح اللہ اور کلمۃ اللہ کی اضافت کا مفہوم بھی تشریف سے زیادہ کچھ نہیں۔ یہاں شیخ اکبرؒ نے ایک اور لطیف تحقیق کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ یوم میثاق میں تمام ارواح سے عہد لیکر سب کو پھر اصلاب آباء میں واپس کر دیا گیا تھا ایک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح تھی جو واپس نہیں کی گئی تھی اس کو حضرت جبرئیل علیہ السلام کے سپرد کر دیا گیا تھا کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا زمانہ آئے تو وہ اس امانت الٰہیہ کو لے کر بواسطہ حضرت مریم کے حوالہ کر دیں۔ چنانچہ جب ان کی ولادت کا زمانہ آیا تو ایک خوبصورت انسان کی شکل میں متشکل ہوئے اور یہ امانت ان کے حوالہ کر گئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے روح اللہ اور روح منہ ہونے کی حقیقت یہ ہے (دیکھو الیواقیت والجواہر ج ۲) اس تحقیق کا ابتدائی حصہ مسند امام احمد میں بھی مذکور ہے اور صاحب مشکوٰۃ نے بھی تقدیر کے باب میں اس کو نقل کیا ہے۔

حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ نجات ابدی کا تمام دار و مدار ایمان و عقائد کی اصلاح پر ہے اس میں کوئی ادنیٰ فروگذاشت بھی قابل درگذر نہیں ہو سکتی۔ (باقی اعمال کی ہر کوتاہی قابل درگذر ہو سکتی ہے اسلام کی تمام عقائد کی روح توحید و رسالت ہے

(باقی حاشیہ برصفحہ آئندہ)

(۲۹۳) زعم محمود انہ عقل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجۃ مجہا من دلو کانت من دارہم قال سمعت عتبان بن مالک الانصاری ثم احد بنی سالم قال غدا علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال لن یوافی عبد یوم القیامۃ یقول لا الہ الا اللہ یبتغی بہ وجہ اللہ الا حرم اللہ علیہ النار۔ (رواہ البخاری)

(۲۹۴) عن عمر بن الخطاب قال کنا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی غزوۃ تبوک فاصابنا جوع شدید فقلت یا رسول اللہ ان العدو قد حضر وہم شباع والناس جیاع فقالت الانصار الا ننحر نواضحنا فنطعمہا الناس فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا بل لیجئ کل رجل منکم بما فی رحلہ دون ثلو من کان معہ فضل طعام فلیجئ بہ وبسط نطعا فجعل الرجل یجئ بالمد والصاع واکثر واقل فکان جمیع ما فی الجیش بضعا وعشرین صاعا فجلس النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی جنبہ فدعا بالبرکۃ ثم دعا الناس فقال بسم اللہ خذوا

---

(۲۹۳) محمود بن ربیع کہتے ہیں کہ مجھے وہ کلی خوب یاد ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے گھر کے ڈول سے پانی لے کر میرے منہ پر ڈالی تھی۔ محمود بیان کرتے ہیں کہ میں نے عتبان بن مالک انصاری سے سنا ہے۔ وہ فرماتے تھے کہ ایک روز میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا جو بندہ ایسا ہوگا کہ اس نے لا الہ الا اللہ صرف اللہ کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے کہا ہوگا اللہ تعالیٰ اس پر دوزخ کی آگ ضرور حرام کر دے گا۔ (بخاری شریف)

(۲۹۴) عمر بن خطاب کہتے ہیں کہ ہم غزوۂ تبوک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے (زاد راہ کے نقصان کی وجہ سے) ہمیں سخت بھوک کی نوبت آئی ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ دشمن سامنے موجود ہے وہ شکم سیر ہے اور ہم لوگ بھوکے۔ انصار نے کہا تو کیا ہم اپنی اونٹنیاں ذبح کر کے ان کا گوشت لوگوں کو کھلا دیں۔ آپ نے فرمایا ایسا نہ کرو جس کے کجاوہ میں جو کچھ ہو لائے۔ فرمایا جس کے پاس کچھ بچا ہوا کھانا ہو وہ میرے پاس لے آئے اور دیکھ کر کہ آپ نے چمڑے کا ایک دسترخوان بچھایا۔ کوئی ایک مد لایا کوئی ایک صاع کوئی اس سے زیادہ اور کوئی اس سے کم۔ اس وقت تمام لشکر کا کھانا جو جمع ہوا بیس صاع سے کچھ زیادہ ہوگا آپ اس کے ایک طرف بیٹھ گئے اور اس میں برکت کیلئے دعا فرمائی۔ اس کے بعد لوگوں کو آواز دی اور فرمایا تو بسم اللہ کہہ کر اطمینان کے ساتھ لیتے جاؤ اور لوٹ نہ مچاؤ۔ لوگ لینے لگے اپنے توشہ دان اور گونیں اور برتنوں میں بھر بھر کر لینے لگے۔ یہاں تک کہ کسی کو کچھ نہ ملا تو اس نے اپنی آستین ہی کو باندھ کر اسی کو بھر لیا۔ یہ تمام لشکر اپنا راشن

ثم تشبعوا فجعل الرجل يأخذ في حجابه من ورق عبادته وأخذ وانى أو حجرتيهم حتى إن الرجل ليربط كم قميصه بقيلاده ثم تفرقوا والطعام كما هو ثم قال النبي صلى الله عليه وسلم أشهد أن لا إله إلا الله وأني رسول الله لا يأتي بهما عبد محق إلا وقاه الله حر النار. أخرجه ابن عدي والعدني وابو يعلى والحاكم وغيرهم۔

(۲۹۵) عن رفاعة الجهني قال أقبلنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى إذا كنا بالكديد أو قال بقديد فجعل رجال يستأذنون إلى أهليهم فأذن لهم فقام رسول الله صلى الله عليه وسلم فحمد الله وأثنى عليه ثم قال ما بال رجال يكون شق الشجرة التي تلي رسول الله صلى الله عليه وسلم أبغض إليهم من الشق الآخر فلم نر عند ذلك من القوم إلا باكيا فقال رجل إن الذي يستأذنك بعد هذا لسفيه فحمد الله وقال حينئذ أشهد عند الله لا يموت عبد يشهد أن لا إله إلا الله وأني رسول الله صدقا من قلبه ثم يسدد إلا سلك في الجنة قال وقد وعدني ربي أن يدخل من أمتي

سے کر فارغ ہوگیا اور وہ کھانا تھا کہ جوں کا توں ہی رکھا ہوا تھا۔ اس عظیم الشان برکت کے ظہور کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کوئی نہیں مگر ایک اللہ اور اس بات کی بھی کہ میں اس کا رسول ہوں۔ جو بندہ سچے دل کے ساتھ یہ شہادت دے گا اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ کی آگ سے بچائے گا۔ (حاکم)

(۲۹۵) رفاعہ جہنی روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آئے یہاں تک کہ جب مقام کدید یا قدید تک راوی کو شک ہے پہنچے تو کچھ لوگ اپنے گھر جانے کے لئے آپ سے اجازت طلب کرنے لگے آپ ان کو اجازت دیتے رہے اس کے بعد آپ کھڑے ہوئے اور خدا کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا لوگوں کا حال کیا ہو گیا ہے کہ ان کے نزدیک درخت کا وہ رخ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہوتا ہے اس کی دوسری سمت سے زیادہ مبغوض ہوتا ہے آپ کا یہ فرمانا تھا کہ ہم نے لوگوں میں کسی کو نہ دیکھا جو روتا نہ ہو ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ اس کے بعد اب جو شخص بھی آپ سے چلنے کی اجازت مانگے وہ پہلے درجہ کا بیوقوف ہوگا۔ یہ سن کر آپ نے خدا کا شکر ادا کیا اور فرمایا میں خدا تعالیٰ کے سامنے گواہی دیتا ہوں کہ جو بندہ بھی سچے دل سے گواہی دیتا ہوا مرے گا کہ خدا کوئی نہیں مگر ایک اللہ اور اس بات کی کہ میں اس کا رسول ہوں اس کے بعد اس شہادت پر صحیح طور پر قائم رہے گا تو وہ سیدھا جنت میں چلا جائے گا اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ میرے پروردگار نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ میری امت میں ستر ہزار افراد بلا حساب و عذاب کے جنت میں جائیں

سبعين ألفا لا حساب عليهم ولا عذاب وإني لأرجو أن لا يدخلوها حتى تبوؤا أنتم ومن صلح من آبائكم وأزواجكم وذرياتكم مساكن في الجنة۔

(وعنه من طريق ثان) قال صدرنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم من مكة فجعل الناس يستأذنون فذكر الحديث قال وقال أبو بكر إن الذي يستأذنك بعد هذه لسفيه في نفسي ثم إن النبي صلى الله عليه وسلم حمد الله وقال خيرا ثم قال أشهد عند الله وكان إذا حلف قال والذي نفس محمد بيده ما من عبد يؤمن بالله واليوم الآخر ثم يسدد إلا سلك في الجنة فذكر الحديث۔

(وعنه من طريق ثالث) قال أقبلنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى إذا كنا بالكديد أو قال بعرفة فذكر الحديث۔ رواه أحمد والطبراني والبغوي والباوردي وابن قانع وابن ماجه بعضه قال الهيثمي ورجاله موثقون۔

(۲۹۶) عن عثمان قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول إني لأعلم كلمة لا يقولها عبد حقا من قلبه إلا حرم على النار فقال له عمر بن الخطاب أنا أحدثكه هي

اور مجھے پوری امید ہے کہ جب تک تم تمہارے باپ تمہاری بیبیاں اور تمہارے بچے جو جو نیک ہوں جنت میں اپنے اپنے ٹھکانے سے ترتیب پا جائیں کوئی امت اس میں داخل نہ ہو سکے گی۔

اس کے دوسرے طریقے میں یہ قصہ اس طرح مذکور ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ کرمہ سے لوٹ رہے تھے واپسی میں لوگ آپ سے گھر جانے کی اجازت طلب کرنے لگے الحدیث اس میں یہ بھی ہے کہ ابوبکرؓ نے فرمایا میرے خیال میں تو اس کے بعد جو آپ سے جانے کی اجازت مانگے وہ بڑا ہی بیوقوف ہوگا اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی تعریف کی اور اچھے کلمات کہے۔ آخر میں فرمایا میں خدا کے سامنے گواہی دیتا ہوں (آپ کی عادت تھی کہ جب آپ قسم کھاتے تو یوں قسم کھایا کرتے تھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے) اللہ کا جو بندہ بھی اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان لے آئے پھر اسے سلامتی کی توفیق نصیب ہو جائے تو وہ سیدھا جنت میں جائے گا۔ الحدیث

اس کا تیسرے طریقے میں ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آئے تو جب کدید یا عرفہ کے پاس آگئے الحدیث

(۲۹۶) حضرت عثمانؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ میں ایک کلمہ ایسا جانتا ہوں جسے اللہ کا کوئی بندہ صدق دل سے کہیگا تو وہ دوزخ پر حرام کر دیا

هِيَ كَلِمَةُ الْإِخْلَاصِ الَّتِي أَعَزَّ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى بِهَا مُحَمَّدًا وَأَصْحَابَهُ وَهِيَ كَلِمَةُ التَّقْوٰى الَّتِي أَلَاصَ عَلَيْهَا نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبَا طَالِبٍ عِنْدَ الْمَوْتِ شَهَادَةُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ۔ (رواہ احمد ولشواهدہ الصحابۃ)

(۲۹۷) عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ لِي رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَفَاتِيْحُ الْجَنَّةِ شَهَادَةُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ۔ (رواہ احمد قال الهيثمی ورواہ البزار وفيه انقطاع وقال صاحب المنتخب اخرجه ايضا ابو داؤد والحاكم)

جائے گا۔ حضرت عثمانؓ بولے آؤ میں تمہیں بتاؤں وہ کلمہ کیا ہے۔ وہ کلمۂ اخلاص ہے جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی جماعت کو عزت بخشی ہے اور یہ کلمہ وہی کلمۂ تقویٰ ہے جس کے قبول کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا ابوطالب کی وفات کے وقت منت کرتے رہے۔ وہ کلمہ اس بات کی گواہی ہے کہ خدا کوئی نہیں مگر ایک اللہ۔ (مسند احمد)

(۲۹۷) معاذ بن جبلؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا جنت کی کنجیاں کلمہ لا الٰہ الا اللہ کی شہادت دینا ہے۔ (احمد)

---

(۲۹۷) یعنی جس طرح ہر مقفل مکان کی ایک خاص کنجی ہوا کرتی ہے اسی طرح یہ سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ کی جنت کی بھی ایک خاص کنجی ہے جس کے بغیر وہ کھولی نہیں جائے گی۔ وہ کنجی لا الٰہ الا اللہ کی شہادت ہے۔

امام بخاریؒ نے ترجمۃ الباب میں وہب بن منبہ سے روایت کیا ہے کہ کسی نے ان سے پوچھا کیا کلمہ لا الٰہ الا اللہ جنت کی کنجی نہیں (یعنی پھر عمل کی کیا ضرورت ہے) تو انہوں نے فرمایا کیوں نہیں مگر کنجی کے لئے دندانے بھی ہوتے ہیں اگر تم ایسی کنجی لے کر آؤ گے جس کے دندانے سالم ہوں تو تمہارے لئے جنت کا دروازہ کھول دیا جائے گا ورنہ نہ کھولا جائے گا۔

یہاں وہب بن منبہ نے سائل کو اس کی دماغی ساخت کے مطابق جواب دینے کی کوشش کی ہے ورنہ ظاہر ہے کہ محض ایک مختصر سا جواب تھا اس کو مسئلہ کی پوری حقیقت سمجھ لینی غلط ہے۔ لا الٰہ الا اللہ کے مفتاح ہونے سے آپ کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اب نجات کے لئے اس کے سوا کسی اور امر کی ضرورت ہی نہیں بلکہ مطلب یہ تھا کہ اگر دوسرے تمام اعمال بھی موجود ہوں عبادت کے دریا بہہ رہے ہوں۔ شجاعت کا ڈنکا بج رہا ہو اور عرب کے مایہ ناز عبادت حج بھی سالہا سال ادا کی جا رہی ہو جب بھی جنت کا دروازہ نہیں کھل سکتا جب تک کہ ان کے ساتھ کلمہ لا الٰہ الا اللہ شریک نہ ہو۔ اس کے بغیر ان اعمال میں سے کوئی عمل بھی اس کی اصل کنجی نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ جنت کے کھلنے نہ کھلنے کا سوال اسی وقت سامنے آ سکتا ہے جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بتایا ہوا یہ کلمہ ساتھ ہو۔ اگر یہ نہیں تو سب کچھ ہو کر بھی کچھ نہیں۔ رہا یہ کہ اس کلمہ کی تاثیر کی تفصیلات کیا ہیں تو وہ اس جگہ زیر بحث نہیں اس کے بیان کا محل دوسرے مواضع ہیں۔

(۲۹۸) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللّٰهَ
سَيُخَلِّصُ رَجُلًا مِنْ أُمَّتِيْ عَلٰى رُءُوْسِ الْخَلَائِقِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَيَنْشُرُ عَلَيْهِ تِسْعَةً وَّتِسْعِيْنَ
سِجِلًّا كُلُّ سِجِلٍّ مِثْلُ مَدِّ الْبَصَرِ ثُمَّ يَقُوْلُ أَتُنْكِرُ مِنْ هٰذَا شَيْئًا أَظَلَمَكَ كَتَبَتِي الْحٰفِظُوْنَ
فَيَقُوْلُ لَا يَا رَبِّ فَيَقُوْلُ أَفَلَكَ عُذْرٌ قَالَ لَا يَا رَبِّ فَيَقُوْلُ بَلٰى إِنَّ لَكَ عِنْدَنَا حَسَنَةً وَّإِنَّهٗ
لَا ظُلْمَ عَلَيْكَ الْيَوْمَ فَتَخْرُجُ بِطَاقَةٌ فِيْهَا أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ
رَسُوْلُهٗ فَيَقُوْلُ احْضُرْ وَزْنَكَ فَيَقُوْلُ يَا رَبِّ مَا هٰذِهِ الْبِطَاقَةُ مَعَ هٰذِهِ السِّجِلَّاتِ فَيَقُوْلُ

(۲۹۸) عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن
میری امت میں سے ایک شخص کو تمام مخلوق کے سامنے نکال کر لایا جائے گا (اس کی سیاہ کاری کا عالم یہ ہوگا کہ اس کے
سامنے) اس کے اعمالنامے کے ننانوے دفتر پھیلائے جائیں گے ہر دفتر حد نظر کی بقدر لمبا ہوگا پھر اس سے
ارشاد ہوگا ان میں سے کسی بات کا انکار کر سکتے ہو میرے اُن فرشتوں نے جو نیکی بدی لکھنے پر تعینات تھے
تم پر کوئی زیادتی تو نہیں کی وہ کہے گا پروردگار نہ تو انکار کر سکتا ہوں اور نہ تیرے فرشتوں نے کوئی زیادتی کی ہے
ارشاد ہوگا اچھا تو پھر تیرے پاس ان گناہوں کا کوئی عذر ہے وہ کہے گا پروردگار کچھ نہیں۔ اس پر ارشاد ہوگا کیوں
نہیں ہمارے یہاں تمہاری ایک بہت بھاری نیکی موجود ہے اور آج تم پر کوئی زیادتی نہیں ہوگی۔ اس کے بعد ایک
چھوٹا سا پرچہ نکالا جائے گا اس میں کلمۂ طیبہ لکھا ہوا ہوگا۔ اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وان محمدا عبدہ ورسولہ
ارشاد ہوگا جاؤ اس پرچہ کا وزن کرا کر دیکھو وہ عرض کرے گا میرے پروردگار بھلا ان لمبے چوڑے دفتروں
کے بالمقابل اس پرچہ کا وزن ہی کیا ہوگا ارشاد ہوگا آج تم پر کوئی زیادتی نہیں کی جائے گی۔ آپ نے فرمایا

(۲۹۸) اس حدیث کی شرح میں علماء کے مختلف اقوال ہیں ملا علی قاری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں کہ
بظاہر وزن تنہا اسی کلمہ کا ہوگا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس شخص کے پاس کچھ نیکیاں بھی ہوں لیکن اس کی نیکیوں کا یہ
پلہ اسی کلمہ کی برکت کی بدولت بھاری ہوا ہو اس لئے ذکر اسی کلمہ کا کر دیا گیا ہو۔ فقہ اکبر کی شرح میں اس کی جو توجیہ کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ لفظ
سے گذر چکی ہے یعنی یہ وزن صرف اس کلمہ کے لفظوں کا نہیں بلکہ اس کی اس عظیم حقیقت کا ہے جس کو نور سے تعبیر کیا جاتا ہے اس
بندہ کی زبان سے کسی وقت یہ کلمہ شاید اس اخلاص کے ساتھ نکل گیا ہوگا جو اس کا پہلا درجہ ہے وہ سب کا سب اس کے
حصہ میں آگیا ہوگا۔ لا الٰہ الا اللہ کسی حد سے اوپر بھی نہیں ہے تا آنکہ ساتوں آسمانوں کو پھاڑ کر عرش عظیم تک جا پہنچتا
ہے۔ کوئی تعجب نہیں کہ اللہ کا نام اتنا وزنی ہے کہ اس کے ساتھ کوئی چیز تولی نہیں جا سکتی مگر اس کا وزن اس کی ادائیگی
میں خلوص پر موقوف ہے۔

حضرت استاذ رحمہ اللہ کی یہاں ایک عجیب تحقیق اور بھی تھی وہ فرماتے تھے کہ کلمہ طیبہ ذکر ہے یہ ایک ذکر بھی ہے۔
چونکہ اب اس ذکر کا ہر جگہ کہ لاعلمی کی راہ سکتے ہے کہ وہ کلمہ ایمان حاصل کرنے کے لئے بھی پڑھا جاتا ہے۔

ولا الٰہ الا اللہ۔ (رواہ فی شرح السنۃ)

(۳۰۰) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا قَالَ عَبْدٌ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُخْلِصًا قَطُّ اِلَّا فُتِحَتْ لَهٗ اَبْوَابُ السَّمَاءِ حَتّٰى تُفْضِیَ اِلَی الْعَرْشِ مَا اجْتَنَبَ الْکَبَائِرَ وَفِیْ رِوَایَةٍ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ لَیْسَ لَهَا دُوْنَ اللّٰهِ حِجَابٌ حَتّٰى تَخْلُصَ اِلَیْهِ

رواہ الترمذی وقال هذا حدیث غریب۔ (وحسنت اسناد الثانی)

دوسرے پلڑے میں تو ان سب کے مقابلے میں لا الٰہ الا اللہ کا پلڑا ہی بھاری پڑے گا۔ (شرح السنۃ)

(۳۰۰) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کا کوئی بندہ اخلاص کے ساتھ لا الٰہ الا اللہ نہیں کہتا مگر اس کے لئے آسمان کے دروازے فوراً کھول دیئے جاتے ہیں یہاں تک کہ یہ کلمہ عرش تک جا پہنچتا ہے۔ جب تک بندہ کبائر سے اجتناب کرتا ہے اس کلمہ کی پہنچ کا عالم یہی رہتا ہے۔ ترمذی کی دوسری روایت میں یہ مضمون اس طرح ہے کہ اللہ کی ذات پاک اور اس کلمہ کے درمیان کوئی روک نہیں یہ کلمہ وہیں جا کر پہنچتا ہے۔ مگر اس کی اسناد کو ترمذی نے ضعیف کہا ہے۔

ذات پاک کا استثناء تو کیا ہے مگر ترمذی نے ذکر کے ساتھ یہ استثناء نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ کی ذات پاک کا مجازی تصور اگر کیا جا سکتا ہے تو اس کے لئے بہت الٹے معنی آسمانوں کی ہی جہت موزوں ہے سادہ فطرت انسان جب تلاش معبود کے لئے سر اٹھاتا ہے تو اس کی نظر بے اختیار آسمانوں ہی کی طرف اٹھ جاتی ہے پھر اس مجازی یا تخیلی حقیقت ہی پہ کہ تجلیات الٰہیہ کی حقیقت آسمانوں سے زیادہ کہیں نہیں اس لئے اس فطرت کا لحاظ رکھتے ہوئے سماوات کے ساتھ اللہ کی ذات پاک کا استثناء یہیں مقتضائے احتیاط ہے اور زمینوں کے تذکرہ کے ساتھ اس کا تذکرہ بے حاجت ہے۔

(۳۰۰) یہ کلمہ نفی ما سوی اللہ کے لئے موضوع ہے اس لئے اس کی نفی کا دامن سارے عالم کو شامل ہونا چاہئے۔ اگر کہیں عرش پر بھی کوئی بجلی دکھائی دے تو یہ عرش کو بھی یعنی پار کر جاتا مگر چونکہ عرش پر الا اللہ کے اثبات کا جلوہ نظر آتا ہے اس لئے اس سرحد پر جا کر اس کی مہلت ختم ہو جاتی ہے یہی مطلب لیس لہا دون اللہ حجاب کا ہے علماء اس مضمون کو صرف سمجھتے ہیں اور عرفاء اس کا مشاہدہ کر لیتے ہیں ایسا مشاہدہ جس کے بعد ان کو قسم کھا کر کہنا آسان ہو جاتا ہے ؎

بجز غیر خدا در دو جہاں چیزے نیست
بے نشانیست کہ از نام و نشاں چیزے نیست

بعض الفاظ کی توجیہ رہ گئے توحید وجودی اور توحید شہودی کے جھگڑے تو اس کا محل نہیں۔ توحید وجودی کے مذاق والوں کے لئے حضرت مولانا قاسم نانوتوی کا جملہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے وہ فرماتے ہیں وحدت موجود تو محال ہے اور وحدت وجود حقیقت حال ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بحقیقۃ الحال۔

(۳۰۱) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفْضَلُ الذِّكْرِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَفْضَلُ الدُّعَاءِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ۔ (رواه الترمذی وابن ماجہ)

(۳۰۲) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ وَاَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ صَدَّقَهٗ رَبُّهٗ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا وَاَنَا اَكْبَرُ وَاِذَا قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ يَقُوْلُ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا وَحْدِیْ لَا شَرِيْكَ لِیْ وَاِذَا قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا لِیَ الْمُلْكُ وَلِیَ الْحَمْدُ وَاِذَا قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِیْ وَكَانَ يَقُوْلُ مَنْ قَالَهَا فِیْ مَرَضِهٖ ثُمَّ مَاتَ لَمْ تَطْعَمْهُ النَّارُ۔ (رواه الترمذی وابن ماجہ)

(۳۰۱) جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے افضل ذکر لا الٰہ الا اللہ ہے اور خدا کو پکارنے کا سب سے افضل کلمہ الحمد للہ ہے۔ (ترمذی۔ ابن ماجہ)

(۳۰۲) ابو سعید خدریؓ اور ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص یہ کلمہ کہتا ہے لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر تو اس کا پروردگار اس کی تصدیق فرماتا ہے اور کہتا ہے بیشک خدا میرے سوا کوئی نہیں اور میں سب سے بزرگ ہوں اور جب بندہ کہتا ہے لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے خدا کوئی نہیں مگر میں اکیلا میرا کوئی شریک نہیں اور جب وہ کہتا ہے لا الٰہ الا اللہ لہ الملک ولہ الحمد تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے خدا کوئی نہیں بجز میرے ملک اور تعریف سب میرے لئے ہے اور جب وہ کہتا ہے لا الٰہ الا اللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ تو ارشاد فرماتا ہے کہ خدا کوئی نہیں میرے سوا اور برائیاں دفع کرنے اور بھلائی حاصل کرنے کی طاقت کسی میں نہیں سوا میرے اور آپ فرماتے تھے کہ جو شخص اپنی بیماری میں یہ کلمات پڑھے اور اس کی وفات ہو جائے تو آتش دوزخ ہرگز اس کو نہیں کھا سکتی۔

(۳۰۱) کلمہ طیبہ کا افضل الذکر ہونا تو ظاہر ہے اور اسی لئے کہ یہی بنیاد ہے سب اذکار کی بلکہ سب دین کی ہے۔ حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ میزان میں الحمد للہ کا ثواب صرف زمین اور آسمانوں کے درمیان ہی محدود رہتا ہے اور لا الٰہ الا اللہ کو نظر کرے عرش تک پہنچ جاتا۔ یہ صرف اسی کلمہ طیبہ کا خاصہ ہے۔ رہا الحمد للہ کا افضل الدعاء ہونا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ دعا کا لفظ عربی زبان میں اس کے استعمال سے زیادہ کیا جاتا ہے عربی میں دعا کسی کو اپنی طرف متوجہ کرنے کیلئے پکارنے کو کہتے ہیں اور ذات حق جل مجدہ کو اپنی طرف متوجہ کرنے کیلئے اس کی تعریف سے بڑھ کر کوئی ذریعہ نہیں اسی لئے سورۂ فاتحہ کو الحمد سے شروع کیا گیا ہے۔

الایمان هو التصدیق بکل ما جاء به النبی صلی اللہ علیہ وسلم

(۳۰۴) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی یَشْهَدُوْا اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَیُؤْمِنُوْا بِیْ وَبِمَا جِئْتُ بِهٖ فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ عَصَمُوْا مِنِّیْ دِمَاءَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ اِلَّا بِحَقِّهَا وَحِسَابُهُمْ عَلَی اللّٰهِ۔ رواہ البخاری ومسلم (واللفظ لمسلم)

ایمان دین کی تمام باتوں کی تصدیق کرنے کا نام ہے

(۳۰۴) ابوہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے یہ حکم ملا ہے کہ میں مشرکین سے جنگ جاری رکھوں یہاں تک کہ وہ اس بات کی گواہی دیں کہ خدا کوئی نہیں مگر ایک اللہ اور مجھ پر اور ان تمام دین پر ایمان لائیں جو میں لیکر آیا ہوں جب یہ عہد کرلیں تو اب انھوں نے اپنی جان و مال کو مجھ سے بچا لیا ہاں جو باتیں اسلامی ضابطہ کے ماتحت ہونگی وہ حساب باقی رہے گی اس کے بعد ان کے باطن کا حساب خدا کے حوالہ ہے وہ جانے کہ ان کا اسلام نمائشی تھا یا حقیقی۔ (مسلم)

(۳۰۴) اس حدیث کے مختلف الفاظ ہیں ان سب سے جامع الفاظ یہی ہیں جو ہم نے یہاں نقل کئے۔ بعض الفاظ میں صرف توحید کا ذکر ہے بعض میں توحید کے ساتھ رسالت کا بھی ذکر ہے اور بعض میں توحید و رسالت کے ساتھ نماز و زکوٰۃ کا بھی تذکرہ موجود ہے یہ سب ایک ہی مقصد کی مختلف تعبیرات ہیں۔ اصل یہ ہے کہ جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے تمام دین کو تسلیم نہ کیا جائے ایمان حاصل نہیں ہوتا اب اس حقیقت کی طرف کہیں تو اسلام کے دو مشہور ارکان نماز اور زکوٰۃ ذکر کرکے اشارہ کر دیا گیا ہے کہیں تمام دین کو شہادتین کے ضمن میں لپیٹ دیا گیا ہے اور کہیں یہ کہکر کہ صحیح توحید رسول پر ایمان لائے بغیر میسر ہی نہیں آسکتی صرف کلمہ توحید پر کفایت کر لی گئی ہے بہرحال ان سب کا مدعی ایک بات ہے یعنی آپ کے تمام دین کی تصدیق و تسلیم۔

نسائی کے الفاظ میں یہاں الناس کی بجائے المشرکین کا لفظ ہے۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس حدیث میں جنگ کے ختم کرنے کی صورت صرف دین الٰہی کی صداقت کا اعتراف قرار دی گئی ہے لیکن اس کا مفہوم جبر و اکراہ نہیں۔ اسلام و کفر دو ایسی طاقتیں ہیں جو دنیا میں ہمیشہ نبرد آزما رہی ہیں، ان کی باہمی جنگ کبھی اکراہ و جبر کی تعریف میں نہیں آسکتی۔ جبر یہ ہے کہ جب اسلام کو اقتدار حاصل ہوجائے تو بے بس لوگوں کی گردنوں پر تلوار رکھ کر اسلام لانے کے لئے مجبور کرے۔ ہمارے علم میں اسلام کی تاریخ میں کہیں ایسا نہیں کیا گیا بلکہ عین جنگ کی حالت میں بھی الامر تین یہ بھی نکالدی گئی ہیں کہ اگر کفار اسلام قبول کرنا نہ چاہیں تو اپنے دین پر رہتے ہوئے چاہیں تو مصالحت کرکے یا جزیہ ادا کرکے اپنے دین پر قائم رہ سکتے ہیں لیکن یہ ظاہر ہے کہ مصالحت اور جزیہ عارضی باتیں ہیں ان کو مقاصد کے درجہ میں نہیں رکھا جا سکتا اسلئے اصلی مقصد تو دین الٰہی کی اشاعت ہی ہوگا۔ مساوی کے ضمنی دفعات

(۳۰۴) عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الدين خمس لا يقبل منهن شيء دون شيء شهادة ان لا اله الا الله وان محمدا عبده ورسوله والايمان بالله وملائكته وكتبه ورسله والجنة والنار والحيوة بعد الموت هذه واحدة والصلوات الخمس عمود الاسلام لا يقبل الله الايمان الا بالصلوة والزكوة طهور من الذنوب لا يقبل الله الايمان والصلوة الا بالزكوة ومن فعل هؤلاء ثم جاء رمضان فترك صيامه متعمدا لم يقبل الله منه الايمان ولا الصلوة ولا الزكوة ومن فعل هؤلاء الاربع وتيسر له الحج ولم يحج ولم يوص بحجه ولم يحج عنه بعض اهله لم يقبل منه الايمان ولا الصلوة ولا الزكوة ولا الصيام. (رواه في الحلية. وقد ذكره في المجلد الاول من ترجمان السنة [illegible])

(۳۰۴) ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دین پانچ چیزوں کا مجموعہ ہے جو سب کی سب مربوط ہیں، ان میں کوئی جز بھی دوسرے کے بغیر مقبول نہیں۔ اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا معبود کوئی نہیں ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتے، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں، جنت، دوزخ پر یقین رکھنا اور اس پر کہ مرنے کے بعد پھر (حساب وکتاب کے لئے) جی اٹھنا ہے۔ یہ ایک بات ہوئی۔ اور پانچ نمازیں اسلام کا ستون ہیں، اللہ تعالیٰ نماز کے بغیر ایمان بھی قبول نہیں کرے گا۔ زکوٰۃ گناہوں کا کفارہ ہے، زکوٰۃ کے بغیر اللہ تعالیٰ ایمان اور نماز بھی قبول نہیں کرے گا۔ پھر جس نے یہ ارکان ادا کرلئے اور رمضان شریف کا مہینہ آگیا اور کسی عذر کے بغیر جان بوجھ کر اس میں روزہ نہ رکھے تو اللہ تعالیٰ نہ اس کا ایمان قبول کرے گا اور نہ نماز اور نہ زکوٰۃ۔ اور جس شخص نے یہ چاروں رکن ادا کرلئے اس کے بعد اسے حج کرنے کی بھی وسعت ہوئی پھر اس نے نہ خود حج کیا اور نہ اس کے بعد کسی دوسرے عزیز نے اس کی طرف سے حج کیا تو اس کا ایمان، نماز، زکوٰۃ اور روزہ کچھ قبول نہیں۔ (حلیہ)

(۳۰۴) یہ حدیث الرجاء البہیہ سے نقل کی گئی تھی اس وقت اس کا اصل نسخہ میرے پاس موجود نہیں اس لئے ولم یوص بحجہ کا ترجمہ نہیں کیا گیا ممکن ہے کہ اصل لفظ ولم یامر بحجہ ہو۔ موجودہ لفظ کا کوئی صحیح مطلب اس وقت ذہن میں نہیں آیا اصل ملاحظہ کرلیں۔

اس حدیث سے ہمارے عنوان کا مضمون بخوبی واضح ہے۔ اس کی اصل روح وہ ہے جو ترجمان السنہ جلد اول [illegible] میں چاروں ارکان اسلام کا باہم ربط بیان کی گئی ہے اس لئے اس کو بھی دیکھ لینا چاہئے۔

من اقام شعائر الله فله ذمة الله وذمة رسوله

(۳۰۵) عَنْ اَنَسٍ اَنَّهٗ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى صَلٰوتَنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَاَكَلَ ذَبِيْحَتَنَا فَذٰلِكَ الْمُسْلِمُ الَّذِيْ لَهٗ ذِمَّةُ اللّٰهِ وَذِمَّةُ رَسُوْلِهٖ فَلَا تُخْفِرُوا اللّٰهَ فِيْ ذِمَّتِهٖ۔ (رواہ البخاری)

جس نے شعائر اسلام ادا کرلئے اس کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول کا عہد ہوگیا

(۳۰۵) انس روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو ہماری طرح نماز پڑھے ہمارے قبلہ کی طرف منہ کرے اور ہمارا ذبیحہ کھالے تو یہ مسلمان وہ ہے کہ اب اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا عہد ہو چکا ہے، اس لئے تم (بھی) اس عہد کی رعایت کرو اور اس کو مت توڑو (بخاری)

(۳۰۵) اسی حدیث کی رو سے علم کلام میں یہ عنوان مشہور ہو گیا ہے کہ سب اہل قبلہ مومن ہیں ان کی تکفیر نہیں کرنی چاہئے۔ اس کا مطلب یہ سمجھا گیا ہے کہ عام مسلمانوں کے ساتھ قبلہ و نماز میں شرکت کے بعد پھر کسی شخص پر کسی قسم کے اختلاف سے بھی کفر عائد نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ یہ مسئلہ بہت غور کے قابل تھا کہ نماز میں صرف قبلہ کی طرف منہ کر لینا ایسا کونسا مرکزی رکن ہے جس کے بعد حتیٰ کہ تفصیل میں حضرت رسالت بھی نہیں ہو سکتا اس کے علاوہ مسلمانوں کا ذبیحہ کھا لینا تو کوئی خاص عبادت بھی نہیں پھر اس کو اسلامی ارکان میں یہ اتنی اہمیت کیوں دی گئی ہے نیز کل ذبیحہ مسلم، اقامت صلوٰۃ یا استقبال قبلہ کے مدعیٰ کی تیسری چیز ہیں پھر اسکو ان اہم چیزوں کے ساتھ ایک سیاق میں کیوں جمع کر دیا گیا ہے۔

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے زمانہ میں اہل کتاب اور اہل اسلام کے مابین جو اعمال مابہ الامتیاز اور حد فاصل تھے وہ یہی اعمال تھے کیونکہ تصدیق گو جوہر اصل ایمان ہے لیکن وہ ایک مخفی صفت ہے اور اقرار گو زبان کا متعلق ہے مگر وہ بھی وقتی چیز ہے بعد میں یہ لحاظ ہوا تب زبان کے ظہور علیحدہ شناخت کے ذریعہ ہی سے ہو سکتا ہے۔ اسلامی شعائر میں نماز سب سے زیادہ امتیازی عمل ہے اور قبلہ کا مسئلہ تو یہود و نصاریٰ کے نزدیک حقانیت مذہب کا معیار تھا حتیٰ کہ ان کے مقابلہ میں قرآن کریم کو تصریح کرنی پڑی۔ لیس البر ان تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب ولکن البر من آمن باللہ والیوم الآخر۔ نیکی اور بھلائی صرف مشرق و مغرب کی جانب منہ کرنے کا نام نہیں اصل نیکی اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان لانے کا نام ہے۔ معاشرتی حالت میں اسی طرح وہ اہل اسلام سے کھلا ہوا احتراز کرتے تھے یہ ذبیحہ کا مسئلہ تھا پس اگر عبادات میں وہ ہماری نماز اور ہمارے قبلہ کا اتباع کر لیتے ہیں اور معاشرتی لحاظ سے ہمارے ساتھ مل کر تیار ہو جاتے ہیں کہ ہمارا ذبیحہ کھا لیتے ہیں تو یہ اس بات کی عملی شہادت ہوگی کہ اب وہ دل سے ہمارا دین قبول کر چکے ہیں اس لئے ان کے ساتھ خدا اور رسول کا عہد ہو جانا چاہئے اب ان کے ساتھ جو کچھ بھی معاملہ ہوگا درحقیقت خدا اور رسول کے ساتھ بدمعاملگی کے مترادف ہوگی۔ بحث فرض کرو کہ اگر کسی زمانہ میں کفر کسی اور مذہب کی شکل میں نمودار ہو اس کے مذہبی شعار ان شعاروں سے مختلف ہوں تو اسی حدیث کے معانی کیا ان کے لئے ضروری ہوگا (باقی حاشیہ صفحہ آئندہ)

(۳۰۶) عن انس بن مالک قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا اله الا الله فاذا قالوها وصلوا صلاتنا واستقبلوا قبلتنا وذبحوا ذبیحتنا فقد حرمت علینا دماؤهم واموالهم الا بحقها وحسابهم علی الله (رواه البخاری)

(۳۰۶) انس بن مالک روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے یہ حکم ملا ہے کہ میں مشرکین سے جنگ جاری رکھوں یہاں تک کہ وہ اس کا اقرار کر لیں کہ خدا کوئی نہیں مگر ایک اللہ۔ جب وہ اقرار کر لیں، ہماری طرح نمازیں پڑھیں، ہمارے قبلہ کی طرف منہ کریں اور ہماری طرح ذبح کریں (یعنی اللہ تعالیٰ کے نام پر) تو اب ہمارے لئے ان کی جان و مال بھی قابل احترام بن جائے گی ہاں آئین اسلامی کے تحت میں جو مطالبات ہوں گے وہ اب بھی باقی رہیں گے۔ ان کے باطن کا معاملہ خدا کے سپرد۔ (بخاری)

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ) کہ وہ اپنی صفائی کے لئے ان مخصوص شعائر کو ترک کر کے ان کے بالمقابل اسلامی شعائر اختیار کر لیں۔ آنحضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبدیت کا اقرار تنہا ایک نصرانی کیلئے ضروری ہے تنہا ایک یہودی یا دوسرے غیر مسلم کے لئے ضروری نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ابنیت مسیح علیہ السلام کا مسئلہ ان ہی کے مذہب کا رکن ہے اس لئے ان کے ایمان پر اس وقت تک اطمینان نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ وہ ان کے بندہ و رسول ہونے کا کھلا ہوا اعتراف نہ کریں۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان احادیث کا تعلق ان مختلف فرقوں کے ساتھ ہے جو مسلمان نہیں ہیں لیکن ان کے ساتھ ہم جوار پایا رہیں ...... جیسے اگر مسلم ہونے کا ادعا کریں۔ حدیث یہ کہتی ہے کہ اگر ان کی عملی زندگی پہلی زندگی سے بالکل علیحدہ ہو چکی ہے اور وہ اسلامی شعائر کی اقامت کرنے لگے ہیں تو ان کے اسلام میں شبہ کرنے کی اب کوئی گنجائش نہیں۔ یہ حدیث کا یہ منشا ہرگز نہیں ہے کہ جو شخص اسلام یہ تین افعال ادا کر لے وہ بس مسلمان ہی رہے گا۔ خواہ وہ ہزار قسم کے افعال کفر کرتا رہے۔ آئندہ نوٹ میں حافظ ابن حجر کی عبارت مذکور ہے اس سے بھی ہمارے بیان کی تائید ہوتی ہے۔

(۳۰۶) حافظ ابن حجر ان تین افعال کے تخصیص کی حکمت یہ تحریر فرماتے ہیں۔

وحکمة الاقتصار علی ما ذکر من الافعال ان من یقر بالتوحید من اهل الکتاب وان صلوا واستقبلوا وذبحوا لکنهم لا یصلون مثل صلاتنا ولا یستقبلون قبلتنا ومنهم من یذبح لغیر الله ومنهم من لا یاکل ذبیحتنا فالاطلاع علی حال المرء فی صلاته واکله یمکن بسرعة فی اول یوم بخلاف غیره من امور الدین۔

صرف ان تین افعال کے ذکر کرنے کی حکمت یہ ہے کہ اہل کتاب جو توحید کے قائل ہیں اگر وہ نمازیں بھی پڑھتے ہیں یا استقبال قبلہ بھی کرتے ہیں اور ذبیحہ بھی کرتے ہیں تو بھی وہ ہماری طرح نماز نہیں پڑھتے نہ ہمارے قبلہ کی طرف منہ کرتے ہیں اور نہ ہمارا ذبیحہ کھاتے ہیں اور بعض ان میں غیر اللہ کے نام پر بھی ذبح کرتے ہیں۔ نماز اور ذبیحہ کا مسئلہ ایسا ہے کہ یہ ایسے افعال ہیں کہ ان کی اطلاع بہت جلد ہو سکتی ہے بخلاف دین کے دوسرے افعال کے۔ (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

من ابی قبول بعض الفرائض فقد ابی الاسلام کله

(۳۰۷) إن أبا هريرة قال لما توفي النبي صلى الله عليه وسلم واستخلف أبو بكر وكفر من كفر من العرب قال عمر يا أبا بكر كيف تقاتل الناس وقد قال النبي صلى الله عليه وسلم أمرت أن أقاتل الناس حتى يقولوا لا إله إلا الله فمن قال لا إله إلا الله عصم مني ماله ونفسه إلا بحقه وحسابه على الله قال أبو بكر والله لأقاتلن من فرق بين الصلاة والزكاة فإن الزكاة حق المال والله لو منعوني عناقا كانوا يؤدونها إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم

اسلام کے کسی ایک قطعی فرض کا منکر اسلام کا ہی منکر شمار ہوتا ہے

(۳۰۷) ابوہریرہؓ روایت فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا اور ان کے بعد ابوبکرؓ خلیفہ ہوئے اور عرب میں جن جن قبائل کو کافر بننا تھا وہ کافر بن گئے تو ابوبکرؓ نے ان سے جنگ کرنے کا ارادہ فرمایا۔ حضرت عمرؓ نے کہا اے ابوبکرؓ آپ ان سے کیسے جنگ کر سکتے ہیں حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مجھے اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ مشرکین سے جنگ جاری رکھوں یہاں تک کہ وہ یہ اقرار کرلیں کہ خدا کوئی نہیں مگر ایک اللہ جو شخص یہ اقرار کرلے تو اس نے اپنی جان و مال مجھ سے بچا لیا۔ ہاں جو باتیں اسلامی ضابطے کے ماتحت ہوں گی وہ اب بھی باقی رہیں گی۔ رہی یہ بات کہ اس کا یہ قول دل سے تھا یا زبانی اس کا حساب خدا کے سپرد۔ ابوبکرؓ نے فرمایا خدا کی قسم جو شخص نماز پڑھے گا اور زکوٰۃ کا انکار کرے گا میں اس کے ساتھ بھی ضرور جنگ کروں گا کیونکہ (جس طرح نماز بدنی عبادت ہے اسی طرح

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ)

وقد أمرنا أن نحكم بالظاهر فمن أظهر شعار الدين أجريت عليه أحكام أهله ما لم يظهر منه خلاف ذلك۔
فتح الباري ج ۱۲ ص ۲۰۲
عمدة القاري ج ... ص ...

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ لوگوں کے ساتھ .... معاملہ ظاہری حالات کے موافق کیا جاتا ہے جو شخص ہمارے دین کے شعائر ادا کرے گا اس کے ساتھ ہمارے مذہب والوں کا سا معاملہ کیا جائے گا۔ بشرطیکہ اس سے اس کے خلاف کوئی امر ظاہر نہ ہو

(۳۰۷) تعلیمات اسلام ثابت دینیہ میں تفریق کی کوئی گنجائش نہیں ان میں کسی ایک کے منکر کا حکم بھی وہی ہے جو تمام دین کے منکر کا، یہی وجہ تھی کہ حضرت ابوبکرؓ کو منکرین زکوٰۃ سے جنگ کرنے میں کوئی تردد پیش نہ تھا۔ حضرت عمرؓ کو جو تامل اس معاملہ میں پیش آیا اس کا منشاء حضرت عمرؓ کے نزدیک صرف کی تشخیص میں اختلاف تھا۔ وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ منع زکوٰۃ صرف ایک بغاوت کا جرم ہے اور حالات کی نزاکت ابھی اس کی مقتضی نہیں ہے کہ

مِنْ هٰذَا الْقَمْحِ نَتَقَوّٰى بِهٖ عَلٰى أَعْمَالِنَا وَعَلٰى بَرْدِ بِلَادِنَا قَالَ هَلْ يُسْكِرُ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ
فَاجْتَنِبُوْهُ قَالَ قُلْتُ إِنَّ النَّاسَ غَيْرُ تَارِكِيْهِ قَالَ فَإِنْ لَمْ يَتْرُكُوْهُ فَقَاتِلُوْهُمْ (رواه ابوداؤد)

(۳۰۹) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَمَّا كَانَ يَوْمُ بَدْرٍ جِيْءَ بِالْأُسَارٰى فَقَالَ
رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا تَقُوْلُوْنَ فِيْ هٰؤُلَاءِ الْأُسَارٰى فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ
لَا يَنْفَلِتَنَّ أَحَدٌ مِنْهُمْ إِلَّا بِفِدَاءٍ أَوْ ضَرْبِ عُنُقٍ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِلَّا سُهَيْلَ
ابْنَ بَيْضَاءَ فَإِنِّيْ سَمِعْتُهُ يَذْكُرُ الْإِسْلَامَ قَالَ فَسَكَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ
فَمَا رَأَيْتُنِيْ فِيْ يَوْمٍ أَخْوَفَ أَنْ تَقَعَ عَلَيَّ حِجَارَةٌ مِنَ السَّمَاءِ مِنِّيْ فِيْ ذٰلِكَ الْيَوْمِ حَتّٰى
قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا سُهَيْلَ ابْنَ بَيْضَاءَ قَالَ وَنَزَلَ الْقُرْآنُ بِقَوْلِ

کی شراب بنا کر استعمال کر لیتے ہیں تاکہ اس کی مدد سے اپنے ملک کی سردی اور اپنے کاموں کی سختی کا مقابلہ
کر سکیں۔ آپ نے پوچھا کیا یہ شراب نشہ آور ہے؟ میں نے کہا نشہ آور تو ہے فرمایا تو پھر اس کے پاس بھی نہ پھٹکو
میں نے عرض کیا لوگ تو اس کو چھوڑ نہیں سکتے۔ فرمایا نہ چھوڑیں تو ان سے جنگ کرنا۔ (ابوداؤد)

(۳۰۹) ابن مسعودؓ بیان فرماتے ہیں جب جنگ بدر ہو چکی تو جو قیدی تھے آپ کے سامنے
لائے گئے آپ نے فرمایا بولو ان کے بارے میں تم لوگوں کا کیا مشورہ ہے۔ آپ نے فرمایا ان میں فدیہ
یا قتل کے بغیر کسی کو چھوڑنا مناسب نہیں۔ عبداللہ بن مسعودؓ نے عرض کیا مگر سہیل بن بیضاء مستثنیٰ کیا جائے
کیونکہ میں نے ان سے اسلام کی حقانیت کا ذکر سنا ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
خاموش ہو رہے۔ مجھے اس دن سے زیادہ کسی دن اس امر کا اتنا خطرہ محسوس نہیں ہوا کہ آسمان سے کوئی پتھر مجھ پر آن گرے جتنا اس دن
محسوس ہوا یہاں تک کہ آپ نے اپنی زبان سے فرما دیا اچھا بجز سہیل بن بیضاء کے۔ یہ کہتے ہیں اس کے

ارشاد نبوی یہ ہے کہ جو لوگ من حیث الجماعت شراب کے متعلق حکم شرعی کی خلاف ورزی کریں وہ بھی قابل جنگ ہیں
اس سے معلوم ہوا کہ کچھ فرض زکوٰۃ یا اقامت صلوٰۃ، استقبال قبلہ اور اکل ذبیحہ کے علامات ہی پر موقوف نہیں بلکہ ان کے موجود
ہوتے ہوئے بھی اگر اسلام کے کسی بھی فرض کا انکار رہے تو اس کا حکم بھی یہی ہے جو ان چاروں میں کسی ایک کے انکار کا۔
یہ خیال بالکل بے بنیاد اور محض حماقت ہے کہ استقبال قبلہ کے بعد کوئی سبب کفر موجب کفر نہیں رہتا۔ گویا
کوئی شخص کتنے ہی اسباب کفر کا ارتکاب کیوں نہ کر لے بہر حال وہ اسلام سے خارج نہیں ہو سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ جس طرح ان
چاروں اشیاء میں سے کسی ایک میں اختلاف کرنا پورے اسلام سے اختلاف کرنا ہے اسی طرح اس کے کسی اور فرض
قطعی سے اختلاف کرنا بھی اسلام ہی کے اختلاف کے ہم معنی ہے۔ (ابن تیمیہ مجموعہ فتاویٰ ج ۳ ص ۲۲۹)

عَلٰى ذٰلِكَ الْجَزَعُ لَاَقْرَرْتُ بِهَا عَيْنَكَ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۔ (رواہ مسلم)

(٣١٣) وَكَانَ ابْنُ النَّاطُوْرِ صَاحِبَ اِيْلِيَاءَ وَهِرَقْلَ سُقُفًّا عَلٰى نَصَارَى الشَّامِ يُحَدِّثُ اَنَّ هِرَقْلَ حِيْنَ قَدِمَ اِيْلِيَاءَ اَصْبَحَ يَوْمًا خَبِيْثَ النَّفْسِ فَقَالَ بَعْضُ بَطَارِقَتِهِ قَدِ اسْتَنْكَرْنَا هَيْئَتَكَ قَالَ ابْنُ النَّاطُوْرِ وَكَانَ هِرَقْلُ حَزَّاءً يَنْظُرُ فِي النُّجُوْمِ فَقَالَ لَهُمْ حِيْنَ سَاَلُوْهُ اِنِّيْ رَاَيْتُ اللَّيْلَةَ حِيْنَ نَظَرْتُ فِي النُّجُوْمِ مَلِكَ الْخِتَانِ قَدْ ظَهَرَ فَمَنْ يَّخْتَتِنُ مِنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ قَالُوْا لَيْسَ يَخْتَتِنُ اِلَّا الْيَهُوْدُ فَلَا يُهِمَّنَّكَ شَاْنُهُمْ وَاكْتُبْ اِلٰى مَدَائِنِ مُلْكِكَ فَيَقْتُلُوْا مَنْ فِيْهِمْ مِنَ الْيَهُوْدِ فَبَيْنَا هُمْ عَلٰى اَمْرِهِمْ اُتِيَ هِرَقْلُ بِرَجُلٍ اَرْسَلَ بِهِ مَلِكُ غَسَّانَ يُخْبِرُ عَنْ خَبَرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا اسْتَخْبَرَهُ هِرَقْلُ قَالَ اذْهَبُوْا فَانْظُرُوْا اَمُخْتَتِنٌ هُوَ اَمْ لَا فَنَظَرُوْا اِلَيْهِ فَحَدَّثُوْهُ اَنَّهُ مُخْتَتِنٌ وَسَاَلَهُ عَنِ الْعَرَبِ فَقَالَ هُمْ يَخْتَتِنُوْنَ فَقَالَ هِرَقْلُ هٰذَا مُلْكُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ قَدْ ظَهَرَ ثُمَّ كَتَبَ هِرَقْلُ اِلٰى صَاحِبٍ لَّهٗ

یہ کلمہ پڑھ لیا ہے تو میں ضرور آپ کا حکم مان لیتا۔ اور آپ کی آنکھیں ٹھنڈی کر دیتا (یعنی آپ کے دین میں داخل ہو جاتا) اس پر یہ آیت نازل ہوئی انك لا تهدی تو آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے یہ اللہ کا کام ہے وہی جسے چاہے ہدایت نصیب فرماوے۔ (مسلم شریف)

(۳۱۴) ابن الناطور ایلیا کا حاکم تھا اور ہرقل مذہبی لاٹ پادری نصرانیوں کا تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ہرقل جب ایلیا میں آیا تو ایک دن صبح کو بہت پریشان خاطر تھا اس کے بعض خواص نے پوچھا کہ حضور آج آپ کی حالت کچھ متغیر دیکھتے ہیں (خیر تو ہے) ابن الناطور کہتا ہے کہ ہرقل کاہن بھی تھا علم نجوم میں مہارت رکھتا تھا جب انہوں نے اس سے پوچھا تو اس نے کہا میں نے آج شب جب ستاروں میں غور کیا تو حساب سے مجھ کو یہ معلوم ہوا کہ ختنہ کرنے والا بادشاہ پیدا ہو چکا ہے تو دیکھو اس زمانہ کے لوگوں میں ختنہ کون کرتا ہے لوگوں نے کہا سوائے یہود کے ختنہ کوئی نہیں کرتا تو ان کی طرف سے آپ کوئی اندیشہ نہ کریں اور اپنے ملک کے بڑے بڑے شہروں میں یہ حکم لکھ کر بھیج دیں کہ جتنے یہود وہاں ہیں سب قتل کر دیے جائیں۔ ابھی وہ اسی مشورہ میں مشغول تھے کہ ہرقل کے سامنے ایک شخص حاضر کیا گیا جسے غسان کے بادشاہ نے بھیجا تھا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کی خبر بیان کرتا تھا۔ ہرقل نے جب اس سے آپ کے متعلق دریافت کیا تو کہا جاؤ تحقیق کرو کہ وہ ختنہ کیے ہوئے ہیں یا نہیں۔ لوگوں نے

بِرُومِيَةَ وَكَانَ نَظِيرَهُ فِي الْعِلْمِ وَسَارَ هِرَقْلُ إِلَى حِمْصَ فَلَمْ يَرِمْ حِمْصَ حَتَّى أَتَاهُ
كِتَابٌ مِنْ صَاحِبِهِ يُوَافِقُ رَأْيَ هِرَقْلَ عَلَى خُرُوجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَّهُ نَبِيٌّ
فَأَذِنَ هِرَقْلُ لِعُظَمَاءِ الرُّومِ فِي دَسْكَرَةٍ لَهُ بِحِمْصَ ثُمَّ أَمَرَ بِأَبْوَابِهَا فَغُلِّقَتْ ثُمَّ اطَّلَعَ فَقَالَ يَا
مَعْشَرَ الرُّومِ هَلْ لَكُمْ فِي الْفَلَاحِ وَالرُّشْدِ وَأَنْ يَثْبُتَ مُلْكُكُمْ فَتُبَايِعُوا هَذَا النَّبِيَّ فَحَاصُوا حَيْصَةَ
حُمُرِ الْوَحْشِ إِلَى الْأَبْوَابِ فَوَجَدُوهَا قَدْ غُلِّقَتْ فَلَمَّا رَأَى هِرَقْلُ نَفْرَتَهُمْ وَأَيِسَ مِنَ الْإِيمَانِ
قَالَ رُدُّوهُمْ عَلَيَّ وَقَالَ إِنِّي قُلْتُ مَقَالَتِي آنِفًا أَخْتَبِرُ بِهَا شِدَّتَكُمْ عَلَى دِينِكُمْ فَقَدْ رَأَيْتُ
فَسَجَدُوا لَهُ وَرَضُوا عَنْهُ فَكَانَ ذَلِكَ آخِرَ شَأْنِ هِرَقْلَ۔ (بخاری شریف)

تحقیق کی تو کہا کہ وہ ختنہ کئے ہوئے ہیں۔ پھر ہرقل نے اس سے عرب کے متعلق پوچھا اس نے کہا وہ ختنہ
کرتے ہیں۔ ہرقل نے کہا تو اس دور کے لوگوں کے بادشاہ وہی ہیں جو ظاہر ہو چکے ہیں۔ اس کے بعد
ہرقل نے رومیہ میں اپنے ایک دوست کو یہ ماجرا لکھ بھیجا وہ بھی علم و فضل میں ہرقل ہی کے
ٹکر کا تھا (یہ لکھ کر) ہرقل حمص کی طرف چلا گیا ابھی حمص سے باہر نہیں جانے پایا تھا کہ اس کے
دوست کا جواب آگیا۔ اس نے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے بارے میں ہرقل کی رائے کی
موافقت کی اور مان لیا کہ آپ واقعی نبی ہیں اس کے بعد ہرقل نے روم کے سرداروں کو اپنے محل
میں جو حمص میں تھا (جمع ہونے کے لئے) طلب کیا اور حکم دیا کہ محل کے دروازے بند کر لئے جائیں وہ
(حسب الحکم) بند کر دیئے گئے اس کے بعد ہرقل (محل سے) باہر آیا اور تقریر کی اے روم کے
باشندو! کیا ہدایت اور کامیابی میں تم بھی اپنا کچھ حصہ لگانا چاہتے ہو۔ کیا تمہیں یہ منظور ہے کہ تمہاری
سلطنت قائم رہے اگر ہے تو اس نبی کی بیعت کر لو (یہ سنتے ہی) وہ لوگ وحشی گدھوں کی طرح
دروازوں کی طرف بھاگ پڑے (دیکھا تو) دروازے بند تھے بالآخر ہرقل نے جب (اس حد تک) ان کی نفرت
دیکھی اور ان کے ایمان لانے سے مایوس ہو گیا (تو مجبوراً اپنا رنگ بدلا) اور کہا کہ انہیں میرے پاس
واپس بلاؤ (جب وہ حاضر ہو گئے) تو کہا میں نے یہ بات جو ابھی کہی تھی صرف تمہارے عقیدہ کی
مضبوطی کے امتحان کے لئے کہی تھی وہ مجھے ثابت ہو گئی اس پر لوگوں نے اسے سجدہ کیا اور اس کر
خوش ہو گئے۔ ہرقل کا آخری عقیدہ یہی رہا۔

فيه سخطة من الله ورسوله فدعا بسروات قومه فقال لهم إن رسول الله صلى الله عليه وسلم
كان وقت لي وقتًا يرسل إلي رسوله ليقبض ما كان عندي من الزكوة وليس من
رسول الله صلى الله عليه وسلم الخلف ولا أرى حبس رسوله إلا من سخطة كانت فانطلقوا
فنأتي رسول الله صلى الله عليه وسلم وبعث رسول الله صلى الله عليه وسلم الوليد
بن عقبة إلى الحارث ليقبض ما كان عنده مما جمع من الزكوة فلما أن سار الوليد حتى
بلغ بعض الطريق فرق فرجع فأتى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال يا رسول الله إن
الحارث منعني من الزكوة وأراد قتلي فضرب رسول الله صلى الله عليه وسلم البعث
إلى الحارث وأقبل الحارث بأصحابه حتى إذا استقبل البعث وفصل من المدينة
لقيهم الحارث فقالوا هذا الحارث فلما غشيهم قال لهم إلى من بعثتم قالوا إليك

نہ بھیجا ہو اس لئے انھوں نے اپنی قوم کے چند سربرآوردہ اشخاص کو بلایا اور ان سے کہا کہ آپ نے میرے
پاس اپنا قاصد بھیجنے کے لئے ایک وقت مقرر فرمایا تھا تاکہ زکوٰۃ کا جو مال میرے پاس جمع ہو جائے وہ
وصول کرے۔ مگر قاصد وقت مقررہ پر نہیں آیا اور وعدہ خلافی تو آپ کی ذات سے غیر ممکن ہے اس لئے
بجز اس کے میرا خیال یہی ہے کہ آپ نے اپنا قاصد کسی ناگواری کی وجہ سے ارسال نہیں فرمایا ہے چلو ہم سب
آپ کی خدمت میں چلیں۔ ادھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ولید بن عقبہ کو حارث کے پاس روانہ کر دیا تھا
تاکہ وہ ان کے پاس سے جمع شدہ زکوٰۃ وصول کر لیں جب ولید روانہ ہو گئے اور ایک راستہ پر پہنچے تو ان کو کچھ
خطرہ محسوس ہوا اس ڈر کی وجہ سے واپس لوٹ گئے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے یا رسولؐ حارثؓ نے
مجھے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا اور میرے قتل کا بھی ارادہ کیا۔ آپ نے حارث سے انتقام کے لئے ایک
لشکر روانہ فرمایا ادھر حارثؓ اپنی جماعت کو لئے ہوئے مدینہ روانہ ہو چکے تھے جب اس لشکر سے ان کا
آمنا سامنا ہوا تو انھوں نے پوچھا تم لوگ کن کے مقابلہ کے لئے بھیجے گئے ہو انھوں نے جواب دیا

(۳۱۵) اس حدیث میں ادخلت فی الاسلام کے صاف الفاظ موجود ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے
کہ اسلام صرف تصدیق کرنے کا نام نہیں بلکہ در اصل دین میں داخل ہو جانے کا نام ہے اور کسی دین میں داخل ہونے
کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ اس کے احکام کی پابندی کا عہد بھی کیا جائے پس داخلہ اسلام کا مطلب یہی ہوگا کہ
اس کے جملہ احکام کی پابندی کا عہد کیا جائے جو شخص صاحب اسلام کا اقرار تو کرتا ہے مگر اس کے احکام کی

قال فلما قال ان رسول الله صلى الله عليه وسلم بعث اليك الوليد بن عقبة فزعم
انك منعته الزكوة واردت قتله قال والذي بعث محمدا صلى الله عليه وسلم بالحق
ما رأيته بتة ولا اتاني فلما دخل الحارث على رسول الله صلى الله عليه وسلم قال
منعت الزكوة واردت قتل رسولي قال لا والذي بعثك بالحق ما رأيته ولا رأني وما
اقبلت الا حين احتبس علي رسول رسول الله صلى الله عليه وسلم خشيت ان تكون
كانت سخطة من الله ورسوله قال فنزلت الحجرات يا ايها الذين امنوا ان جاءكم
فاسق بنبإ فتبينوا ان تصيبوا قوما بجهالة الى هذا المكان فضلا من الله ونعمة
والله عليم حكيم - (رواه احمد)

آپ ہی کے تھے۔ یہ بولے آخر کیوں؟ انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کی وصولیابی
کیلئے ولید کو تمہارے پاس بھیجا تھا ان کا بیان ہے کہ تم نے ان کو زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا ہے اور
نیز ان کے قتل کرنے کا بھی ارادہ کیا ہے۔ انھوں نے کہا اس ذات کی قسم جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا
رسول بنا کر بھیجا ہے میں نے تو ان کو دیکھا بھی نہیں اور وہ تو میرے پاس تک نہیں آئے۔ جب حارث آپ کی
خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے پوچھا اے حارث کیوں تم نے زکوٰۃ دینے سے کیوں انکار کیا اور میرے قاصد کے
قتل کا بھی ارادہ کیا انھوں نے عرض کیا اس کی قسم جس نے آپ کو سچا رسول بنا کر بھیجا ہے، میں نے تو ان کو اور نہ انھوں
نے مجھکو دیکھا تک نہیں اور میں (انتظار کر کے) اسی وقت چلا ہوں جب آپ کا قاصد میرے پاس نہیں آیا
اور مجھے یہ ڈر ہوا کہ مجھ سے خدا اور اس کا رسول کہیں ناراض تو نہیں ہو گئے۔ اسی پر سورۂ حجرات نازل
ہو گئی۔ یا ایھا الذین آمنوا الخ مسلمانو اگر کوئی فاسق آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اچھی طرح اس کی
تحقیق کر لیا کرو ایسا نہ ہو کہ نادانی سے تم کسی قوم پر چڑھ جاؤ الخ . . . . . (مسند احمد)

بہادروں کا شیوہ نہیں کرتا یہ اسلام وہ صفت کبھی تنہا نہیں ہو سکتی۔ اسی لئے کہا جاتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی
تصدیق کرنے والے بہت ہے۔ گو اس سے ان شمار نہیں کئے گئے۔ حضرت ابوطالب کے حسب ذیل شعر کا مطلب
یہی تھا۔

لولا الملامة او حذاري سبة لوجدتني سمحا بذاك مبينا

اگر مخالفین کی ملامت یا ان کے برا بھلا کہنے کا ڈر نہ ہوتا تو آپ مجھے دیکھ لیتے کہ میں آپ کے دین میں
بڑی مسرت و انشراح کے ساتھ داخل ہو جاتا۔

الایمان ھو الرضا بکل ما قضی بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

(۳۱۶) عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ أَنَّهُ حَدَّثَهُ أَنَّ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ خَاصَمَ الزُّبَيْرَ فِي شِرَاجٍ مِنَ الْحَرَّةِ يَسْقِي بِهَا النَّخْلَ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْقِ يَا زُبَيْرُ فَأَمَرَهُ بِالْمَعْرُوفِ ثُمَّ أَرْسِلْ إِلَى جَارِكَ فَقَالَ الْأَنْصَارِيُّ أَنْ كَانَ ابْنَ عَمَّتِكَ فَتَلَوَّنَ وَجْهُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ اسْقِ ثُمَّ احْبِسْ حَتّٰى يَرْجِعَ الْمَاءُ إِلَى الْجَدْرِ وَاسْتَوْعَى لَهُ حَقَّهُ فَقَالَ الزُّبَيْرُ وَاللهِ إِنَّ هٰذِهِ الْآيَةَ أُنْزِلَتْ فِي ذٰلِكَ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ۔ (رواه البخاري)

(۳۱۷) عَنْ ضَمْرَةَ أَنَّ رَجُلَيْنِ اخْتَصَمَا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَضَى لِلْمُحِقِّ عَلَى

ایمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر فیصلہ پر رضا و تسلیم کے سر جھکا دینے کا نام ہے

(۳۱۶) عروہ بن زبیر بیان فرماتے ہیں کہ ایک انصاری شخص نے ایک سنگستان کی نال کے بارے میں زبیر کے خلاف مقدمہ دائر کیا۔ اس نال سے کھجوروں کے باغ کی آبپاشی کی جاتی تھی آپ نے یہ فیصلہ کیا کہ زبیر پہلے تم آبپاشی کرو پھر اپنے پڑوسی کی طرف پانی جانے دو۔ اس فیصلہ میں آپ نے دونوں کی بھلائی مدنظر رکھی تھی۔ اس پر انصاری بولا (جی ہاں) زبیر آپ کے پھوپھی زاد بھائی لگتے ہیں اسی لئے آپ نے ان کے دل لگتا فیصلہ کیا ہے یہ سن کر آپ کا چہرۂ مبارک غصہ کی وجہ سے متغیر ہو گیا اور آپ نے فرمایا: زبیر تو اب تم اپنے باغ کو پانی دو اور جب تک پانی ڈولوں تک نہ پہنچ جائے مت چھوڑو۔ اس فیصلہ میں آپ نے زبیر کا پورا پورا حق دلوایا اور پہلے فیصلہ میں آپ نے دونوں جانبوں کی رعایت فرمائی تھی۔ زبیر کہتے ہیں یہ آیت اسی قصہ میں نازل ہوئی تھی "فلا وربک" تیرے پروردگار کی قسم ہے یہ ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ آپس کے ہر معاملہ میں آپ ہی کو فیصل نہ بنائیں پھر اس پر فیصلہ کے ساتھ راضی بھی نہ ہو جائیں۔ (بخاری شریف)

(۳۱۷) ضمرہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو شخص اپنا جھگڑا لیکر

---

(۳۱۷) حافظ ابن کثیر نے ابن ابی حاتم کے حوالہ سے ابن مردویہ کی سند سے یہ قصہ بھی روایت کیا ہے جس کی اسناد میں ابن لہیعہ وغیرہ ہیں گو یہ ضعیف تر ہے مگر اس کے ہم معنی ابو الاسود کی سند سے ایک دوسرا اثر بھی منقول ہے جس میں ابن لہیعہ نہیں ہے۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کامل جس طرح صرف ایک علم نہیں اسی طرح صرف احترام و اطاعت بھی نہیں بلکہ ایسی جان سپردگی کا نام ہے جس کے بعد اپنی خواہشات کا کوئی سوال ہی باقی نہ رہے۔ خدا جنابی کو جاننا اس کو ماننا اس کے

بالحق فقال المقضي عليه لا أرضى فقال صاحبه فما تريد قال أن نذهب إلى أبي بكر
الصديق فذهبا إليه فقال الذي قضي له قد اختصمنا إلى النبي صلى الله عليه وسلم فقضى
لي فقال أبو بكر أنتما على ما قضى به رسول الله صلى الله عليه وسلم فأبى صاحبه أن يرضى فقال
نأتي عمر بن الخطاب فقال المقضي له قد اختصمنا إلى النبي صلى الله عليه وسلم فقضى
لي عليه فأبى أن يرضى فسأله عمر بن الخطاب فقال كذلك فدخل عمر منزله وخرج
والسيف في يده وقد سله فضرب به رأس الذي أبى أن يرضى فقتله. فأنزل الله
فلا وربك لا يؤمنون الآية - (تفسير ابن كثير)

(٣١٨) عن أبي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ألا أدلك على كلمة

کہ آپ نے جو چاہا اس کے حق میں فیصلہ صادر فرما دیا جس شخص کے خلاف فیصلہ ہوا تھا وہ بولا کہ میں تو اس فیصلہ
پر راضی نہیں ہوتا اس کے رفیق نے کہا تو اب اور کیا چاہتے ہو۔ اس نے کہا آؤ ابوبکر صدیقؓ کے پاس چلیں دونوں چلے
ہوگئے اور جس شخص کے حق میں فیصلہ ہوا تھا اس نے روئداد مقدمہ بیان کی کہ ہم اپنا جھگڑا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی خدمت میں لیکر حاضر ہوئے تھے آپ نے میرے حق میں فیصلہ فرما دیا ہے (یہ اس پر راضی نہیں ہوتا) ابوبکرؓ
نے روئداد مقدمہ سنکر کہا تمہارا فیصلہ وہی رہے گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے ہیں اس کے
بعد بھی اس کے رفیق نے رضامندی سے انکار کیا اور کہا اچھا عمر بن الخطابؓ کے پاس چلیں۔ جس شخص
کے حق میں فیصلہ ہو چکا تھا اس نے کہا کہ ہم اپنا مقدمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لیکر حاضر
ہوئے تھے آپ نے میرے حق میں فیصلہ صادر کر دیا تھا مگر یہ اس پر راضی نہیں ہوتا۔ عمر بن الخطابؓ
نے اس سے دریافت کیا کیا واقعہ اسی طرح ہے اس نے کہا اسی طرح ہے۔ یہ سن کر وہ اندر تشریف
لے گئے اور ہاتھ میں تلوار کھینچے ہوئے باہر تشریف لائے اور جو شخص آپ کے فیصلہ پر راضی نہیں ہوتا تھا
اس کا سر اڑا دیا۔ اس پر یہ آیت اتری فلا وربک لا یؤمنون الخ (تفسیر ابن کثیر)

(٣١٨) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تم کو ایسے کلمہ

ایک ایک حکم کو ماننا اور پھر آخر اس کے تمام فیصلوں کے سامنے اس طرح اعتراف و تسلیم کا سر جھکا دینا کہ روح کا کامل سرور اور
نفس کی پوری مسرت اسی میں منحصر ہو جائے۔ یہ ہے ایمان کامل ؎

سرمد گلہ اختصار می باید کرد یک کار ازین دو کار می باید کرد
یا تن برضائے دوست می باید داد یا قطع نظر زیار می باید کرد

(٣١٨) اسلام ہے مالک کی مرضی پر تمام اپنے مقصد سے ہی دستبردار ہو جانا آیت ذیل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو

فَارْتَفَعَتْ أَصْوَاتُهُمَا حَتَّى سَمِعَهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي بَيْتِهِ فَخَرَجَ إِلَيْهِمَا حَتَّى كَشَفَ سِجْفَ حُجْرَتِهِ فَنَادَى يَا كَعْبُ قَالَ لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ ضَعْ مِنْ دَيْنِكَ هٰذَا وَأَوْمَأَ إِلَيْهِ أَيِ الشَّطْرَ قَالَ لَقَدْ فَعَلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ قُمْ فَاقْضِهِ۔

(۳۴۰) عَنْ جَابِرٍ قَالَ لَبِسَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا قَبَاءً مِنْ دِيبَاجٍ أُهْدِيَ لَهُ ثُمَّ أَوْشَكَ أَنْ نَزَعَهُ فَأَرْسَلَ بِهِ إِلَى عُمَرَ فَقِيلَ قَدْ أَوْشَكَ مَا انْتَزَعْتَهُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں آ کر اس کا تقاضا کیا۔ ان دونوں کی آوازیں اونچی ہو گئیں یہاں تک کہ آپ نے گھر میں سن لیا۔ آپ ان کے پاس باہر تشریف لائے اور اپنے مکان کا پردہ اٹھا کر آواز دی کعب! وہ بولے یا رسول اللہ حاضر ہوں۔ آپ نے فرمایا اپنے قرض سے معاف کر دو اور نصف کا اشارہ کیا۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ میں نے معاف کیا۔ آپ نے فرمایا اب تم جاؤ اور اس کو ادا کر دو (بخاری شریف)

(۳۴۰) جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ریشمی قبا زیب تن فرمایا جو آپ کے لئے بطور ہدیہ پیش کیا گیا تھا آپ نے اسے پہنا پھر بہت جلدی سے اتار ڈالا اور حضرت عمرؓ کے پاس بھیج دیا لوگوں نے آپ سے دریافت کیا یا رسول اللہ کیا بات تھی کہ آپ نے اس قبا کو

کر دو ضعف معنویت کرنا چاہتے تو کر سکتے تھے لیکن صحابہ کی شان تسلیم و رضا کا یہ عالم تھا کہ ان کے نزدیک ضابطہ اور بے ضابطہ حکم کا فرق ہی باقی نہ رہا تھا ان کے نزدیک آپ کا نبی میلان اور حکم ناطق دونوں برابر تھے اسی لئے دین ان کے نزدیک ایک ہی عمل کا نام تھا جب اسلام کا دور اختلاط شروع ہوا تو اب یہ بحثیں قائم ہونا شروع ہو گئیں کہ اس کے اجزاء میں باہم توازن کیا ہے کون رکن کا مرتبہ رکھتا ہے اور کون شعبہ کا۔ شان رضا و تسلیم جو ایمان و اسلام کی آخری منزل ہے جب کسی کو میسر آ جاتی ہے تو اس کے سامنے یہ سوالات ختم ہو جاتے ہیں۔ وہ صرف ایک بات یاد رکھتا ہے ؎

زندہ کنی عطائے تو — ور بکشی فدائے تو
دل شدہ مبتلائے تو — ہر چہ کنی رضائے تو

مگر اب لا محالہ مذکورہ تفصیل ہو گئے۔ اور اس کا عہد کرنے والے اتنی بات کہہ لینے پر ان کو معلوم ہو جاتا کہ اس نفی و اثبات میں ما و شما کے کیسے کیسے دقیق معنی پنہاں ہیں اور اس کے بعد ان کو واضح ہو جاتا کہ ایمان صرف ایک علم کا مرتبہ نہیں صرف التزام طاعت اور عقیدہ باطن بھی نہیں۔ بلکہ تسلیم و رضا کے اس منزل کا نام ہے جس میں نفس اور مقتضیات نفس سب فنا ہو جاتے ہیں اور صرف ایک خدا تعالیٰ کی ذات پاک مطلوب و مقصود بن کر رہ جاتی ہے اگر ایمان یہ ہے تو پھر اس کی قیمت میں عراق کیا جنت بھی ارزاں ہے ؎

نیست غیر از ہر دو عالم قیمتی — نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

(۳۴۰) حضرت عمرؓ کی شان رضا و تسلیم نے یہاں محبوب و مکروہ کا فرق بھی اٹھا دیا تھا بس محبوب وہ تھا جو آپ کو محبوب ہو اور مکروہ وہ تھا جو آپ کے نزدیک مکروہ ہو یا کچھ ایسے۔

(۲۴۴) قَالَ عَمْرٌو كَانَ هٰهُنَا رَجُلٌ اِسْمُهٗ نَوَّاسٌ وَكَانَتْ عِنْدَهٗ اِبِلٌ هِيْمٌ فَذَهَبَ ابْنُ عُمَرَ فَاشْتَرٰى تِلْكَ الْاِبِلَ مِنْ شَرِيْكٍ لَهٗ فَجَاءَ اِلَيْهِ شَرِيْكُهٗ فَقَالَ بِعْنَا تِلْكَ الْاِبِلَ فَقَالَ مِمَّنْ بِعْتَهَا فَقَالَ مِنْ شَيْخٍ كَذَا وَكَذَا فَقَالَ وَيْحَكَ ذَاكَ وَاللّٰهِ ابْنُ عُمَرَ فَجَاءَهٗ فَقَالَ اِنَّ شَرِيْكِيْ بَاعَكَ اِبِلًا هِيْمًا وَلَمْ يَعْرِفْكَ قَالَ فَاسْتَقْهَا قَالَ فَلَمَّا ذَهَبَ يَسْتَاقُهَا قَالَ دَعْهَا رَضِيْنَا بِقَضَاءِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا عَدْوٰى (رواه البخاری)

(۲۴۴) عمرو بن دینار کہتے ہیں یہاں ایک شخص رہتا تھا اس کا نام نواس تھا اس کے پاس بیمار اونٹ تھے، ابن عمرؓ گئے اور اس کے شریک سے وہ اونٹ خرید لائے۔ جب اس کا دوسرا شریک آیا تو اس نے کہا ہم نے آج بڑے میاں کو وہ بیمار اونٹ بیچ ڈالے۔ اس نے کہا بھلا کس کے ہاتھ بیچے؟ اس نے کہا ایسی ایسی صورت کے ایک بڑے میاں تھے۔ اس نے کہا ارے تیرا ناس ہو، خدا کی قسم وہ تو ابن عمرؓ تھے۔ اس کے بعد وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا میرے شریک نے ناواقفی میں آپ کے ہاتھ بیمار اونٹ بیچ دیئے۔ انھوں نے فرمایا تو ان کو ہانک لیجاؤ۔ جب وہ انھیں لیجانے لگا تو فرمایا اچھا رہنے دو ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ پر راضی ہیں۔ آپ نے فرما دیا ہے کوئی مرض اڑ کر نہیں لگا کرتا۔ (بخاری شریف)

(۲۴۴) ہیام جمع اہیم ان اونٹوں کو کہتے ہیں جسے پیاس کی بیماری ہو وہ پانی پئے اور سیراب نہ ہو۔ یہ بیماری عرب کے نزدیک متعدی امراض میں شمار ہوتی تھی۔ ابن عمرؓ چاہتے تو اس اونٹ کو بیع و شراء کے ضابطہ سے بائع کو واپس کرسکتے تھے مگر چونکہ اس کی تہ میں ایک فاسد عقیدہ کی تقویت ہوتی تھی اور وہ اس کے جواز رکھنے میں اس کا استعمال ہوتا تھا اس لئے انھوں نے بیع فسخ نہیں کی۔ اور اگرچہ اس خاص واقعہ میں ان کے پاس آپ کا کوئی صریح حکم بھی نہ تھا لیکن ان کی شان رضا و تسلیم نے دوسرے باب کی ایک عام حدیث ہی لیکر اسی کے تحت میں اپنے معاملہ کا فیصلہ کرلیا۔

(۴۲۴) عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَتْ لِيْ ذُؤَابَةٌ فَقَالَتْ اُمِّيْ لَا اَجُزُّهَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمُدُّهَا وَيَاْخُذُهَا (رواه ابوداؤد)

(۴۲۵) عَنْ اَبِيْ قَتَادَةَ اَنَّهُ قَالَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِيْ جُمَّةً اَفَاُرَجِّلُهَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ وَاَكْرِمْهَا۔ قَالَ فَكَانَ اَبُوْ قَتَادَةَ رُبَّمَا دَهَنَهَا فِي الْيَوْمِ مَرَّتَيْنِ مِنْ اَجْلِ قَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ وَاَكْرِمْهَا۔ (رواه مالك)

---

(۴۲۴) انسؓ بیان کرتے ہیں کہ میرے سر پر لٹیں تھیں میری والدہ ماجدہ نے فرمایا کہ میں ان کو (کبھی) نہ تراشوں گی کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (از راہ محبت) ان کو کھینچا کرتے اور ان پر ہاتھ پھیرا کرتے تھے۔ (ابوداؤد)

(۴۲۵) ابوقتادہؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا میرے سر پر لٹوں والے بال ہیں کیا میں ان میں شانہ کر لیا کروں، آپ نے فرمایا کیوں نہیں ان کا لحاظ بھی رکھا کرو۔ راوی کہتا ہے کہ آپ کے اس فرمان کی وجہ سے ابوقتادہؓ اپنے سر میں کبھی کبھی دو دو بار تیل ڈال لیا کرتے تھے۔ (مالک)

---

(۴۲۴) ظاہر ہے کہ بالوں کا بالکل نہ تراشنا کوئی مسئلہ شرعی نہ تھا بلکہ یہاں ان کی والدہ کا صرف ایک جذبۂ محبت تھا کہ جن بالوں کو آپ کے دست مقدس نے مس کیا ہو ان کو یادگار کے طور پر ہمیشہ باقی رکھا جائے۔ اس قسم کی حدیثوں سے یہ نکتہ نکلتا ہے کہ بعض افعال اگرچہ فی نفسہ کوئی مقبولیت نہیں رکھتے لیکن کسی خارجی سبب کی بنا پر کسی حد تک مقبول بن جاتے ہیں۔ مگر یہ صرف ان اشخاص تک محدود ہوگا جو مبتلا ہوں۔ منکرات اور شبہات کسی وقت بھی قابل مدح نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح اس کو سب کے حق میں عام حکم بھی نہیں کہا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت انسؓ کو عام دستور کے خلاف اپنی والدہ کے اس فعل کی کچھ معذرت سی کرنی پڑتی ہے اور اسی جنس کی معذرت ہے جو مذکورہ حدیث میں آرہی ہے۔

(۴۲۵) یعنی اگرچہ آپ کے ارشاد 'واکرمہا' کا مطلب یہ نہیں کہ روزانہ دو دو بار تیل ڈالا جائے اقتضاء لغوی تو یہی ہے لیکن ابوقتادہ کا یہ اقتضاء قلبی تھا کہ آپ کے ارشاد کا جو وسیع سے وسیع دائرہ ہو وہ سب کا سب اپنے عمل میں شامل کر لیا جائے۔ اس کا نام جذبۂ محبت ہے۔ ان کی تعریف تو کی جائے گی مگر ان کو مسئلہ کی حیثیت نہیں دی جا سکتی۔ اسی لئے سر میں دو بار تیل ڈالنا سنت نہیں کہا جا سکتا بلکہ بہت زیادہ زیبائش کی صورتوں میں ممانعت آئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں بھی راوی ابوقتادہؓ کے اس فعل کی یہ معذرت پیش کر رہا ہے۔

مَنْ اَتٰی بِالشَّهَادَتَیْنِ فَقَدْ رَضِیَ بِاللّٰهِ رَبًّا وَبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَبِمُحَمَّدٍ نَّبِیًّا وَّرَسُوْلًا

(۳۲۶) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ رَضِیَ بِاللّٰهِ رَبًّا وَبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَبِمُحَمَّدٍ رَسُوْلًا وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ فَعَجِبَ لَهَا اَبُوْ سَعِیْدٍ فَقَالَ اَعِدْهَا عَلَیَّ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَاَعَادَهَا عَلَیْهِ ثُمَّ قَالَ وَاُخْرٰی یَرْفَعُ اللّٰهُ بِهَا الْعَبْدَ مِائَةَ دَرَجَةٍ فِی الْجَنَّةِ مَا بَیْنَ کُلِّ دَرَجَتَیْنِ کَمَا بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ قَالَ وَمَا هِیَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ الْجِهَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الْجِهَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ (رواہ مسلم)

(۳۲۷) عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ عَبْدٍ مُسْلِمٍ یَقُوْلُ اِذَا اَصْبَحَ وَاِذَا اَمْسٰی ثَلٰثًا رَضِیْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ نَّبِیًّا اِلَّا کَانَ حَقًّا عَلَی اللّٰهِ اَنْ یُّرْضِیَهُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ (رواہ احمد والترمذی)

شہادتین کے معنی یہ ہیں کہ قلب میں اللہ کے سوا رب اور اسلام کے سوا دین اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور رسول کی تلاش باقی نہ رہے

(۳۲۶) ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ کو رب اور اسلام کو دین اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول مان کر راضی ہو گیا اس کے لئے جنت واجب ہو گئی۔ ابو سعیدؓ کو یہ خوشخبری بہت امید افزا معلوم ہوئی۔ انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ مکرر فرمائیے آپ نے پھر یہی ارشاد فرمایا اس کے بعد آپ نے کہا کہ ایک بات اور بھی ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بندے کے جنت میں سو درجے بلند کرتا ہے۔ ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا کہ زمین اور آسمان کے درمیان۔ انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ بات کیا ہے آپ نے فرمایا اللہ کے لئے جہاد کرنا، اللہ کے لئے جہاد کرنا۔ (مسلم)

(۳۲۷) ثوبانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلمان صبح و شام تین بار یہ کلمات پڑھ لیتا ہے رضیت باللہ الخ تو یعنی میں اللہ کی ربوبیت اور اسلام کے دین اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر دل سے رضامند ہو گیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے کہ قیامت کے دن اس کو راضی کر دے۔ (احمد ترمذی)

(۳۲۶) قرآن کریم کی متعدد آیات میں اس رضا کا ذکر اس انداز پر کیا گیا ہے "رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ ذلک لمن خشی ربہ" صحابہ پر یہ ثانوی رضا اس درجہ غالب تھی کہ اب امت کے واسطے ان کا یہ لقب امتیازی بن گیا ہے کہ ان کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ کا اضافہ ایک جزو لاینفک بن گیا ہے جیسا انبیاء علیہم السلام کے نام کے ساتھ علیہ السلام کا۔

قَالَ ثُمَّ الْمَوْتُ قَالَ فَالْآنَ مِنْ قَرِيبٍ رَبِّ أَدْنِنِي مِنَ الْأَرْضِ الْمُقَدَّسَةِ رَمْيَةً بِحَجَرٍ قَالَ

(فرشتہ آیا اور اس نے یہ بات ان کی خدمت میں عرض کر دی) حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اچھا اس کے بعد کیا ہوگا؟ اس نے عرض کیا پھر یہی موت ہے۔ فرمایا تو پھر ابھی سہی اور دعا فرمائی خدایا مجھے بیت المقدس سے اتنا تو قریب کر دے جتنی دور کہ پتھر پھینکا جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

آ پہنچا ہے اور اس پر انہیں غصہ آجاتا ہے اور یہ غصہ ان کی بشریت سے ہے نہ ان کی نبوت کے منافی ہے۔ ان کی شان بلند کے یہ معنی تو نہیں ہوتے کہ اگر ایک شخص ان کے پاس آکر یہ کہہ دے کہ آپ اپنی موت کے لئے تیار ہو جائیے تو وہ انکشاف حقیقت سے قبل اس سے یہ کہہ دیں کہ لیجئے آپ ابھی میری روح قبض کر لیجئے۔ فرشتوں کا بشر بن کر آنا کوئی ضروری نہیں ہے۔ آخر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں قوم لوط (علیہ السلام) کے عذاب کے سلسلہ میں ملائکہ کا آنا اور ان کو آپ کا نہ پہچاننا قرآن کریم میں موجود ہے پس اگر خدا کا فرشتہ ایک انسان کی صورت میں ان کی لاعلمی میں آپ کے پاس آگیا ہے اور ایسے انداز میں آیا ہے جہاں مخاطب کی جماعت بھی موجود ہو تو اس نبی اولوالعزم کا جس کی جلالی شان کتب سابقہ میں بھی مشہور ہے ایک تھپڑ رسید کر دینا کچھ قابل اعتراض ہو سکتا ہے؟ کسی بھی روایت سے ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو خدا تعالیٰ کا مامور فرشتہ سمجھ کر تھپڑ مارا تھا۔ حدیث بالا میں موجود ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو وفات سے قبل موت ان کی تشریف و تکریم کے لئے اختیار دیا جاتا ہے اگر وہ چاہیں تو دنیا میں رہنا پسند کریں یا لقاء الٰہی یا موت کو اختیار کر لیں۔ اسی تکریم کے مطابق خود تمام انبیاء علیہم السلام کو بھی وفات سے قبل اختیار ملنا ثابت ہے آپ نے اپنے صحابہ کے سامنے ایک خطبہ میں یہ بیان بھی کر دیا تھا پس اگر اس تجربہ سے قبل خدا تعالیٰ کا فرشتہ کسی مصلحت کے ماتحت ان کے پاس آپہنچا ہو اور اس لئے اس وقت ان کی جلال شان ظاہر ہو گئی ہو تو اس میں کیا استبعاد کیا ہے۔ یہ کوئی بات اسی شان نبوت کے خلاف ہے۔ پوری حدیث کو پڑھ جائیے تو یہاں بھی آپ کو یہی نظر آئیگا کہ جب خدا تعالیٰ کے فرشتے نے دوبارہ آکر حسب دستور موت دینے کی آپ کو اختیار دیا تو آپ نے خود ہی اپنی موت کو منتخب کر لیا اور آخر کار اسی فرشتے نے اس خدمت کو انجام دیا۔ موت کوئی بہت مطلوب چیز تو نہیں حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے بیٹے داؤد علیہ السلام کو شفقت پدری میں آکر اپنی عمر کے چالیس یا ساٹھ سال بخش دیئے تھے لیکن جب اس کے بعد پر خدا تعالیٰ کا فرشتہ آیا تو آپ نے اس سے فرمایا کہ تم ابھی قبل از وقت آگئے ہو میری عمر میں اتنے سال ابھی باقی ہیں اس نے کہا حضرت آپ کو یاد نہیں کہ آپ اپنی عمر میں اتنے سال اپنے ایک فرزند کو بخش چکے ہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ اسی بنا پر یہ ان کی خصلت ان کی اولاد میں بھی پائی جاتی ہے۔

الغرض یہاں نہ تو زندگی کی محبت کوئی ذلیل اور قابل اعتراض امر ہے نہ کسی انسان نما فرشتہ کی بیجا جرات پر تھپڑ مارنا قابل اعتراض ہے۔ اب یہ امر کہ فرشتہ کی آنکھ پھوٹ جانا قابل تسلیم امر نہیں تو یہ سمجھئے کہ فرشتے شریعت میں بالکل مجرد نہیں۔ ظاہر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں ایک لطیف جسم بھی ہے اور پروں کا ہونا ان کے لئے قرآن کریم میں بھی ثابت ہے اسی طرح دیگر روایات میں بعض اعضاء کی نسبت کا بھی ان کے عالم میں ثبوت ملتا ہے پس ان کی طرف کسی عضو کی مثلاً آنکھ وغیرہ کی نسبت ہو تو یہ کوئی غیر معقول امر نہیں ان کے لئے بھی اعضاء حقیقتاً ثابت ہیں۔ اگرچہ مادی نہیں۔ پس فرشتے درحقیقت ایک صورت رکھتے ہیں لیکن چونکہ وہ مادہ سے پیدا نہیں ہوئے اس لئے ان میں تشکل اور تمثل کی قوت بھی

رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاللّٰهِ لَوْ أَنِّي عِنْدَهُ لَأَرَيْتُكُمْ قَبْرَهُ إِلَى جَنْبِ الطَّرِيقِ عِنْدَ الْكَثِيبِ الْأَحْمَرِ۔ (متفق علیہ)

فرمایا خدا کی قسم اگر میں اس جگہ موجود ہوتا تو تم کو دکھلا دیتا کہ ان کی قبر راستہ کے قریب ایک سرخ ٹیلے کے پاس ہے۔ (متفق علیہ)

ہوتی ہے انسان اپنی مادیت کی وجہ سے یہ قدرت نہیں رکھتا جنات پریوں میں جو عنصر زیادہ لطیف ہے اسی قدر اس میں تمثل مشکل ہوتا ہے۔ ہاں وہ جو ہر قالب کے مطابق ایک شکل اختیار کر لیتے ہیں مگر ان میں وہ صفت نہیں۔ یہی حال مرکبات میں بھی ہے پس ملائکہ اپنی لطافت کی وجہ سے اس پر قادر ہیں کہ مشیت ایزدی کے مطابق ہیکل جسمانی تک جب چاہیں اختیار کر جائیں۔ جبرئیل علیہ السلام کا تمثل خود قرآن کریم میں موجود ہے اور دحیہ کلبی کی صورت میں آپ کے پاس ان کی آمد حدیثوں میں بلا تزلزل ثابت ہے۔ ابن قتیبہ لکھتے ہیں کہ اس تمثل کی وجہ سے فرشتہ کی حقیقت نہیں بدلتی وہ اپنے تصرف سے ہم کو صرف ایک صورت میں نظر آنے لگتا ہے۔ آج مسمریزم کی طاقت کا مشاہدہ کرنے والے کے لئے اس کی تصدیق کرنا کچھ مشکل نہیں رہی۔ راقم کا خیال ہے کہ اگر محض کوئی مادی ضرب ہوتی تو شاید اس تمثل پر اس کا کوئی اثر ظاہر نہ ہوتا لیکن یہی صورت اگر ایسی نہیں ہوتی اس کا دوسرا عنصر ملکی بھی ہوتا ہے اور وہ بھی انتہا درجہ قوی ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام میں اس ملکی عنصر پر خدا تعالیٰ کی شان جلالی کا اور غلبہ تھا اس لئے ان کی ضرب کا اثر ملک پر پہنچ کر ہو جائے تو عجب نہیں بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ وہ جلال ہی تھا جس کی جلالی صورت میں صرف آنکھ ہی پر نقصان آیا اگر نقصان ہی ہوتا تو شاید اس کی تاب ہی نہ لا سکتا اور مر جاتا۔ دیکھئے جب آنحضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا آغاز ہوا تو حضرت جبرئیل نے ظاہر آپ کو اپنے قریب کیا اور تمثیل کے لئے دبایا بھی اور دبایا کہ آپ کو ضیق لاحق ہوا لیکن اس پر تعجب ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو جبرئیل علیہ السلام کے اس تمثل بعد دبانے کا کسی اور بشر کو تحمل ہی نہ ہو سکتا۔ جب ذات اقدس کی یہی شان جلالی تھی کہ یہ حالت بشری ہونے کے باوجود شان ملکی بھی رکھتے تھے کہ جبرئیل علیہ السلام جیسے فرشتے کا اثر بھی اتنا ہی قبول کر سکتے تھے جتنا کہ حدیثوں میں آتا ہے پس اگر یہاں ملکیت کا ملکیت سے تصادم ہوا تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ملکیت میں کوئی اثر ظاہر نہیں ہو سکتا۔ لیکن اگر ملکیت کا ملکیت سے تصادم ہو تو اس کا اثر ظاہر ہونے میں کوئی تعجب نہیں۔ عالم رؤیا میں جو صورتیں نظر آتی ہیں ان میں ایک خنجر اگر ایک انسان پر حملہ کرتا ہے تو اس کی صورت اسی طرح پارہ پارہ ہو جاتی ہے جس طرح عالم اجسام کی لیکن اگر اس خیالی صورت کو کوئی انسان حقیقی دو ٹکڑے کر دے تو اس کو ذرہ برابر بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا اس تمثیل سے ہمارا مقصد یہ نہیں کہ فرشتے کی کوئی حقیقت نہیں، صرف ایک خیالی دنیا ہے بلکہ صرف یہ تفہیم مقصود ہے کہ اگر کوئی قوت اپنے عالم میں کسی قوت سے تصادم ہو تو اس کا اثر ضرور ظاہر ہوگا ورنہ ملائکہ اگرچہ عالم اجسام کی سے بھی کہیں زیادہ قوی مخلوق ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کہیں ان کا اس عالم سے تصادم ہو جاتا تو اس کے پرخچے اڑ جاتے ہیں۔ اس کے برعکس صورت کی مثال ایسی ہے جیسا کوئی انسان پہاڑ سے ٹکرا جائے ظاہر ہے کہ اس کا سر ہی زخمی ہوگا پس مادی محض اگر ملکیت سے ٹکرائے تو اس میں بھی کوئی اثر ظاہر ہونا مستبعد نہیں لیکن جو ملکیت اور بشریت کا جامع ہے اگر کسی موقعہ پر اس کا تصادم ہوگا تو اس کا اثر ظاہر ہونا مستبعد نہیں۔ (باقی بر صفحہ آئندہ)

يقول اللهم إني أعوذ برضاك من سخطك وبمعافاتك من عقوبتك وأعوذ بك منك لا أحصي ثناء عليك أنت كما أثنيت على نفسك. (رواه مسلم)

(۴۴۳) عن عائشة قالت فقدت رسول الله صلى الله عليه وسلم ليلة فإذا هو بالبقيع فقال أكنت تخافين أن يحيف الله عليك ورسوله قلت يا رسول الله إني ظننت أنك أتيت بعض نسائك فقال إن الله تعالى ينزل ليلة النصف من شعبان إلى السماء الدنيا فيغفر لأكثر من عدد شعر غنم كلب. رواه الترمذي وابن ماجة وزاد رزين ممن استحق النار وقال الترمذي سمعت محمدا يعني البخاري يضعف هذا الحديث.

اے اللہ! میں تیری ناراضگی سے تیری رضا کی پناہ لیتا ہوں اور تیری صفت عقوبت سے تیری صفت عفو کی پناہ لیتا ہوں اور تجھ سے تیری ہی پناہ چاہتا ہوں۔ تیری پوری پوری تعریف میری قدرت سے باہر ہے بس تو ویسا ہی ہے جیسی تو نے خود اپنی تعریف فرمائی۔ (مسلم)

(۴۴۳) حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ میں نے ایک شب آپ کو اپنے بستر پر نہ پایا، تلاش کیا تو آپ بقیع میں تھے آپ نے فرمایا کیا تم کو یہ وہم گذرا کہ خدا اور اس کا رسول تمہارے حق میں ظلم کر سکتے ہیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے یہ خطرہ گذرا تھا کہ شاید آپ اپنی کسی اور بی بی کے گھر تشریف لے گئے ہیں آپ نے فرمایا شعبان کی پندرہویں کو اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر تجلی فرماتا ہے اور اتنے گنہگاروں کی بخشش فرما دیتا ہے جن کا شمار قبیلہ کلب کی بکریوں کے بالوں سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔ اس حدیث کو ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ رزین نے اس میں اتنا اور اضافہ نقل کیا ہے کہ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو اپنی بداعمالی کی وجہ سے دوزخ کے مستحق تھے۔ (ترمذی)

---

(۴۴۳) فعل شعبہ سے عشق است و ہزار بدگمانی۔ حضرت عائشہؓ تمام امہات المومنین کے سامنے میدان سے گزر جانے کے باوجود بشری خصائل سے مستثنیٰ نہ تھیں، جب اپنی نوبت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے گھر نہ پاتیں تو فطرۃً مضطرب ہو جاتیں۔ اپنے نفس کو تو بہت سمجھاتیں مگر عشق و محبت کی بدگمانی سے مجبور ہو جاتیں، آخر تلاش کے لئے نکل جاتیں۔ جب آپ سے ملاقات ہوتی تو معاملہ دگرگوں دیکھ کر حیرت آمیز لہجہ میں فرماتیں، من در چہ خیالم و فلک در چہ خیال۔ یہاں حضرت عائشہؓ کی بلاغت قابل داد ہے کہ آپ کے ارشاد اکنت تخافین (کیا تم کو میرے متعلق ناانصافی کا خطرہ تھا) کے جواب میں صراحۃً ہاں نہیں فرماتیں۔ بلکہ اسی بات کو دوسرے انداز میں ادا کرتی ہیں کیونکہ خدا کے رسول کے حق میں ناانصافی کا عنوان تو کسی حالت میں بھی قابل برداشت نہ تھا البتہ اپنی نوبت میں نہ دیکھ کر آپ کو کسی اور بی بی کے گھر چلے جانے کے خطرہ کا روکنا بھی اپنے اختیار سے باہر تھا۔

(۳۲۵) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ إِنِّیْ لَأَعْلَمُ إِذَا كُنْتِ عَنِّیْ رَاضِیَةً وَإِذَا كُنْتِ عَلَیَّ غَضْبٰی فَقُلْتُ مِنْ أَیْنَ تَعْرِفُ ذٰلِكَ فَقَالَ إِذَا كُنْتِ عَنِّیْ رَاضِیَةً فَإِنَّكِ تَقُوْلِیْنَ لَا وَرَبِّ مُحَمَّدٍ وَإِذَا كُنْتِ عَلَیَّ غَضْبٰی قُلْتِ لَا وَرَبِّ إِبْرَاهِیْمَ قَالَتْ قُلْتُ أَجَلْ وَاللّٰہِ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَا أَهْجُرُ إِلَّا اسْمَكَ۔ (متفق علیہ)

(۳۲۶) عَنْ جَابِرٍ قَالَ دَخَلَ أَبُوْ بَكْرٍ یَسْتَأْذِنُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَوَجَدَ النَّاسَ جُلُوْسًا بِبَابِهٖ لَمْ یُؤْذَنْ لِأَحَدٍ مِنْهُمْ قَالَ فَأُذِنَ لِأَبِیْ بَكْرٍ فَدَخَلَ ثُمَّ أَقْبَلَ عُمَرُ فَاسْتَأْذَنَ

(۳۲۵) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں خوب پہچان لیتا ہوں تم مجھ سے کب خوش ہوتی ہو اور کب ناخوش، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ یہ بات کیسے پہچان لیتے ہیں فرمایا جب تم مجھ سے خوش ہوتی ہو تو رب محمد کی قسم کھاتی ہو اور جب ناخوش ہوتی ہو تو رب ابراہیم کی قسم کھاتی ہو، میں نے عرض کیا ہے تو بات یہی لیکن یا رسول اللہ خدا کی قسم میں آپ کا صرف اسم مبارک زبان پر نہیں لیتی (دل میں اس وقت بھی آپ ہی کی محبت ہوتی ہے) (متفق علیہ)

(۳۲۶) جابرؓ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کی اجازت حاصل کرنے کے لئے آئے دیکھا تو وہاں اور لوگ بھی آپ کے دروازہ پر موجود تھے اور اب تک کسی کو بھی داخل ہونے کی اجازت نہیں مل سکی تھی وہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ کو اجازت مل گئی اور وہ اندر تشریف لے آئے ان کے پیچھے پیچھے حضرت عمرؓ تشریف لائے اور انہوں نے اجازت طلب کی

(۳۲۵) انسان کی بلندی کا معیار اس کے کمالات ہیں اس کا انسانی خصائل سے منزہ ہونا نہیں۔ کسی کسی بات پر ناراضگی کی ادا بھی فطرت کا تقاضا اور محبت کا کمال سمجھا جاتا ہے۔ اسی انداز محبت کو حضرت عائشہؓ نے اپنے آخری فقروں میں ظاہر فرمایا ہے۔ حضرت عائشہؓ کی کمال بلاغت دیکھئے کہ اپنے ہجران گوارا کی حقیقت صرف ہجران اسمی تک محدود کر کے بتا دی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر رسول کی محبت رگ رگ میں سمائی ہوئی ہے تو کسی انداز ناز کے موقع پر محبوب کے نام کا اس ہجران اس سے قلبی محبت کے منافی نہیں بلکہ یہ بھی اس کا ایک اقتضا ہے۔ دیکھئے یہی حضرت عائشہؓ ہیں کہ جب بات ذرا صداقت حب سے نکل کر حدود شریعت تک آ جاتی ہے تو وہ کہتی ہیں تو رب محمد بے ادب کہ ادب اس جماعت ہی اطاعت بن جاتی ہیں۔ جیسا کہ آئندہ واقعہ سے ظاہر ہے۔

(۳۲۶) انبیاء علیہم السلام کی متعلق زندگی میں بھی گھریلو طور پر ایسے معاملات رونما ہوتے ہیں جن سے ان کی بشریت کا بڑا ثبوت ملتا ہے۔ وہ عام انسانوں کی طرح دنیا میں آتے انہی کی طرح اپنی معیشت رکھتے۔ کھاتے پیتے، جاگتے اور سوتے، شادی بیاہ کرتے تھے اور اس کے بعد ان کے گھر والوں میں ایک حد تک وہ مطالبات بھی پیش آ جاتے جو ازدواجی زندگی میں پیش آیا کرتے ہیں۔ انسانی ذہن میں یہ بھی طور پر راست سکے تو مسائل جب سامنے آتے ہیں تو ان کی بحث کو ضرورت بھی اور ان

فأذن له فوجد النبي صلى الله عليه وسلم جالسا حوله نساؤه واجما ساكتا قال فقال لأقولن
شيئا أضحك النبي صلى الله عليه وسلم فقال يا رسول الله لو رأيت بنت خارجة سألتني
النفقة فقمت إليها فوجأت عنقها فضحك رسول الله صلى الله عليه وسلم وقال هن حولي
كما ترى يسألنني النفقة فقام أبو بكر إلى عائشة يجأ عنقها وقام عمر إلى حفصة يجأ
عنقها كلاهما يقول تسألن رسول الله صلى الله عليه وسلم ما ليس عنده فقلن والله
لا نسأل رسول الله صلى الله عليه وسلم شيئا أبدا ليس عنده ثم اعتزلهن شهرا أو تسعا
وعشرين ثم نزلت عليه هذه الآية يا أيها النبي قل لأزواجك حتى بلغ للمحسنات منكن أجرا
عظيما قال فبدأ بعائشة فقال يا عائشة إني أريد أن أعرض عليك أمرا أحب أن

ان کو بھی اجازت مل گئی انھوں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مغموم اور خاموش بیٹھے ہیں آپ کے ارد گرد
آپ کی بی بیاں ہیں یہ دیکھ کر انھوں نے کہا میں کوئی ایسی بات کہوں گا جس پر آپ کو ہنسی آجائے (یہ سوچ کر)
میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر بنت خارجہ (یہ ان کی بی بی ہیں) مجھ سے میری حیثیت سے زیادہ نفقہ مانگیں
تو میں تو کھڑے ہو کر اس کا گلا دبا دوں ان کی اس بات پر آپ کو ہنسی آگئی اور آپ نے فرمایا جیسا تم دیکھ رہے ہو
یہ میری بی بیاں بھی اسی سوال کے لئے میرے ارد گرد گھیرے بیٹھی ہیں۔ اس پر فوراً حضرت ابوبکرؓ اٹھے اور حضرت
عائشہؓ کا گلا پکڑنے لگے اور حضرت عمرؓ اٹھے اور حضرت حفصہ کا گلا دبانے لگے دونوں صاحب یہی ایک بات
فرماتے جاتے تھے کہ تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنے نفقہ کا سوال کیوں کرتی ہو جتنا آپ کے پاس نہیں
انھوں نے کہا خدا کی قسم آئندہ ہم کبھی آپ سے اس قسم کا سوال نہ کریں گے۔ اس سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے ایک ماہ یا ۲۹ دن تک اپنی بیبیوں سے علیحدگی اختیار کر لی اور قرآن کی آیت قل لازواجک سے لے کر
للمحسنات منکن اجرا عظیما تک نازل ہو گئی (اس آیت میں آپ کی بیبیوں کو دو باتوں میں سے ایک بات
اختیار کر لینے کے لئے کہا گیا تھا۔ یعنی خدا اور رسول کو اختیار کر لیں تو دنیوی مفاد سے قطع نظر کر لیں اور اس
تقدیر پر آخرت میں ان کے لئے بڑے ثواب کا وعدہ ہے اور اگر چاہیں تو حیوۃ دنیا کو اختیار کر لیں تو پھر ان کو
رسول سے علیحدگی کرنی پڑے گی)۔ راوی کہتا ہے کہ اس آیت کو سنانے کی ابتدا سب سے پہلے آپ نے

نازک مرحلہ میں آپ کی ازواج کی بے مثال استقامت کی مثال ہے جو بتاتی ہے کہ کس قدر شدت سے خدا نے ان کو آپ کی زوجیت کے لئے
منتخب فرمایا تھا۔ دیکھئے اسی فضا میں جب سوال دیا جاتا ہے کہ خدا کے رسول یا دنیا ان میں سے کسی ایک کو اختیار کر لیا جائے تو
آپ کی سب بی بیوں کے منہ سے ایک ہی جواب نکلتا ہے اور وہ یہی ہے کہ ہم ہمیشہ کے لئے دنیوی مفاد سے قطع نظر کر چکے ہیں

لَا تَعْجَلِي فِيهِ حَتَّى تَسْتَشِيرِي أَبَوَيْكِ قُلْتُ وَمَا هُوَ يَا رَسُولَ اللهِ فَتَلَا عَلَيْهَا الْآيَةَ قَالَتْ
أَفِيكَ يَا رَسُولَ اللهِ أَسْتَشِيرُ أَبَوَيَّ بَلْ أَخْتَارُ اللهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ وَأَسْأَلُكَ أَنْ لَا تُخْبِرَ
امْرَأَةً مِنْ نِسَائِكَ بِالَّذِي قُلْتُ قَالَ لَا تَسْأَلُنِي امْرَأَةٌ مِنْهُنَّ إِلَّا أَخْبَرْتُهَا إِنَّ اللهَ لَمْ يَبْعَثْنِي
مُعَنِّتًا وَلَا مُتَعَنِّتًا وَلَكِنْ بَعَثَنِي مُعَلِّمًا مُيَسِّرًا ۔ (رواه مسلم)

(۳۳۷) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ زَوْجُ بَرِيرَةَ عَبْدًا أَسْوَدَ يُقَالُ لَهُ مُغِيثٌ كَأَنِّي أَنْظُرُ

حضرت عائشہؓ سے کی اور فرمایا عائشہ! دیکھو میں ایک خاص بات تمہارے سامنے رکھتا ہوں اور میرا یہ
یہ چاہنا ہے کہ تم اس کے جواب میں جلد بازی سے کام نہ لو جب تک کہ اپنے والدین سے مشورہ نہ کر لو
حضور سے عرض کیا یا رسول اللہ وہ کیا بات ہے؟ آپ نے یہی آیت پڑھ کر ان کو سنا دی۔ یہ سنا فوراً بولیں
یا رسول اللہ کیا آپ کی رفاقت کا معاملہ بھی ایسا ہے جس میں اپنے والدین سے مشورہ لوں گی؟ میں کسی
استشارہ کے بغیر اللہ اس کے رسول اور آخرت کو اختیار کرتی ہوں لیکن میری ایک عرض ہے وہ یہ کہ آپ
میرے اس جواب کی اپنی بیبیوں میں سے کسی کو اطلاع نہ دیں۔ آپ نے فرمایا مجھ سے ان میں جو بھی دریافت
کرے گی میں اس سے تمہارا جواب صاف صاف کہہ دوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے مشقت میں ڈالنے والا بنا کر
نہیں بھیجا بلکہ معلم اور آسانی کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔ (مسلم)

(۳۳۷) ابن عباسؓ بیان فرماتے ہیں کہ بریرہ کے شوہر ایک سیاہ فام غلام تھے ان کو مغیث کہا

مگر خدا کے پیغمبر رسول سے ایک لمحہ کیلئے بھی صرف نظر نہیں کر سکتے۔ یہ اس لئے کہ ان کی زوجیت کے مقابلہ میں ساری
دنیا بھی ان کی نظر میں ہیچ ہے۔ حضرت عائشہؓ آپ کی صحبت سے کس قدر لبریز ہیں مگر ان کے متوازن جواب کو ملاحظہ کیجئے کہ وہ
اس مسئلہ کو والدین سے مشورہ کے لائق بھی نہیں سمجھتیں اور اس کو اتنی عظیم نعمت سمجھتی ہیں جس میں فطری غیرت کی بنا پر نہیں چاہتیں کہ
کہ آپ کی کوئی دوسری سوتن شریک ہو سکے۔ اس نازک مرحلہ میں رسول کی زندگی کا بھی ثبوت ملتا ہے کہ وہ رشتۂ محبت کے
باوجود یہاں خاموش بھی نہیں رہ سکے وہ بڑی صفائی سے اس سے بچ کر یا کہیں تو اس معاملہ میں کوئی رعایت نہیں کر سکتا
جس معلم کا منصب لیکر آیا ہوں اس بات کی سے خبر گیری کی ذات بہ اہل قناعت ہے۔ اس حدیث کے مضمون . . . .
سے ظاہر ہے کہ یہاں رسول خدا کی مرضی تو یہی تھی کہ آپ کی ازواج میں اس اختیار میں کوئی غلط قدم نہ اٹھا بیٹھیں،
لیکن اس کے باوجود آیت تخییر سنا دینے میں آپ نے کوئی تردد نہیں کی۔ جیسی محبت اور فطری اقتضاء کا معدوم ہو جانا
کمال نہیں۔ کمال ان سب کو پامال کر کے حکم شریعت کی بجا آوری میں ہے۔

(۳۳۷) بریرہؓ ایک باندی تھیں اور باندی کے متعلق مسئلہ یہ ہے کہ جب وہ آزاد ہو جائے تو اس کو اپنے سابق نکاح
کے قائم رکھنے میں شرعاً اختیار ہو جاتا ہے۔ اسی قاعدہ کے ماتحت جب بریرہؓ آزاد ہو گئیں تو ان کو بھی اختیار ملا کہ
اگر وہ چاہیں تو پہلے ہی شوہر کی زوجیت میں رہنا قبول کریں۔ وہ چاہیں تو ان سے علیحدگی اختیار کر لیں۔ حضرت بریرہؓ

الایمان عقد للقلب ولیست اعمال الجوارح اجزاء للایمان

(۴۳۸) عن عبادة بن الصامت قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم خمس صلوات افترضهن الله تعالى من أحسن وضوءهن وصلاهن لوقتهن وأتم ركوعهن وخشوعهن كان له على الله عهد أن يغفر له ومن لم يفعل فليس له على الله عهد إن شاء غفر له وإن شاء عذبه۔ رواه أحمد وأبو داود وروى مالك والنسائي نحوه

(۴۳۹) عن أنس قال كان النبي صلى الله عليه وسلم يغير إذا طلع الفجر وكان يستمع الأذان فإن سمع أذانا أمسك وإلا أغار فسمع رجلا يقول الله أكبر الله أكبر فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم على الفطرة ثم قال أشهد أن لا إله إلا الله فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم

ایمان دراصل قلبی اعتقاد کا نام ہے فرائض و اعمال ایمان کے جز نہیں

(۴۳۸) عبادہ بن صامت سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازیں فرض کی ہیں جو شخص ان کے لئے اچھی طرح وضو کرے، ان کا رکوع و خشوع بھی پورا پورا ادا کرے تو اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا عہد ہو گیا۔ وہ اس کو بخش دے اور جو ایسا نہ کرے تو اللہ تعالیٰ کا اس سے کوئی عہد نہیں چاہے تو اس کو بخش دے اور چاہے تو عذاب دے۔ (احمد۔ ابوداؤد۔ مالک۔ نسائی)

(۴۳۹) انس سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت جنگ شروع فرماتے جب فجر ہو جاتی اور اذان کا خیال رکھتے اگر اذان کی آواز آجاتی تو جنگ کا ارادہ ملتوی کر دیتے ورنہ جنگ شروع کر دیتے۔ ایک مرتبہ آپ نے ایک شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا اللہ اکبر اللہ اکبر تو فرمایا تو ٹھیک اپنی فطرت پر قائم ہے۔ جب اس نے یہ کہا اشہد ان لا الہ الا اللہ تو فرمایا جا تجھے آتش دوزخ سے نجات مل گئی

(۴۳۸) یہ مسئلہ تو تقریباً مسلم ہے کہ مغفرت ایمان کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بے نمازی کے اسلام کی خواہ کوئی حیثیت بھی ہو مگر آخر کار اس کی مغفرت ہو گی۔ معلوم ہوا کہ نماز جیسا عمل بھی ایمان کا جز نہیں ورنہ بے نمازی کی مغفرت نہ ہوتی۔ یہ مسئلہ بہت نازک ہے اس کی ایک طرف ارجاء اور دوسری طرف اعتزال ہے اور ادھر آپ اعتزال میں ہیں۔ مفصل کلام پہلے گزر چکا ہے۔

(۴۳۹) حدیث مذکور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف شہادتین پر جنت کی بشارت دی ہے اگر اعمال ایمان کا جزء ہوتے تو اعمال کے بغیر بشارت نہ دی جاتی۔

خرجت من النار فنظروا إليه فإذا هو راعي معزى. (رواه مسلم)

(۳۴۰) عن أبي جحيفة قال إن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان في سفر فسمع مؤذنا يقول أشهد أن لا إله إلا الله فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم خلع الأنداد فقال أشهد أن محمدا رسول الله فقال خرج من النار (رواه البزار وقال الهيثمي رجاله ثقات)

(۳۴۱) عن جابر أن رسول الله صلى الله عليه وسلم تلا قول الله عز وجل ولا يشفعون إلا لمن ارتضى فقال صلى الله عليه وسلم إن شفاعتي لأهل الكبائر من أمتي. (رواه الحاكم في التفسير وصححه على شرط مسلم وغيره)

(۳۴۲) عن الحسن ثنا أبو هريرة إذ ذاك ونحن بالمدينة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم تجيء الأعمال يوم القيامة فتجيء الصلاة فتقول يا رب أنا الصلاة فيقول إنك على خير فتجيء الصدقة فتقول يا رب أنا الصدقة فيقول إنك على خير ثم تجيء

صحابہ نے اس شخص کو جا کر دیکھا تو وہ بکریوں کا چرواہا تھا۔ (مسلم)

(۳۴۰) ابوجحیفہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں تھے کہ ایک مؤذن کو آپ نے یہ کہتے ہوئے سنا اشہد ان لا الٰہ الا اللہ تو فرمایا اس نے تو اللہ تعالیٰ کے سوا سب کے تمام شریکوں سے بیزاری کا اظہار کر دیا پھر جب یہ سنا اشہد ان محمدا رسول اللہ تو فرمایا عذاب دوزخ سے نجات پا گیا۔ (مسند بزار)

(۳۴۱) جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول تلاوت کیا ولا یشفعون الخ اور شفاعت بھی نہیں کر سکیں گے مگر کسی کے لئے جس کے لئے اللہ تعالیٰ کی مرضی ہو اس کے بعد فرمایا کہ میری شفاعت میرے ان سب امتیوں کے لئے ہوگی جنہوں نے گناہ کبیرہ کئے ہیں۔ (حاکم)

(۳۴۲) حسنؒ روایت کرتے ہیں کہ ابوہریرہؓ نے مجھ سے مدینہ میں بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے قیامت کے دن تمام اعمال کی صورتیں آئیں گی، نماز آئے گی اور کہے گی اے رب میں نماز ہوں، ارشاد ہوگا تو بہت اچھا عمل ہے اس کے بعد صدقہ آئے گا وہ کہے گا اے رب میں صدقہ ہوں

---

(۳۴۱) اگر اعمال جزء ایمان ہوتے تو مرتکب کبیرہ مومن نہ ہوتا اب نہ اس کے لئے شفاعت ہو سکتی۔

(۳۴۲) اس حدیث میں صدقہ کی صورت اعمال سے جدا مذکور ہے حضرت استاد قدس سرہ فرماتے تھے کہ درست ثابت ہوتا ہے کہ اعمال کو اسلام سے خواہ کتنا ہی گہرا ربط ہو تاہم وہ اس کے اجزاء نہیں —— معلوم ہو جانا چاہئے کہ اعمال کی جزئیت کا مسئلہ محدثین و فقہاء کے مابین ثمرہ کے اعتبار سے کوئی اختلافی مسئلہ نہیں۔ مومن یکساں ہے

الصِّيَامُ فَيَقُولُ أَيْ رَبِّ أَنَا الصِّيَامُ فَيَقُولُ إِنَّكَ عَلٰى خَيْرٍ ثُمَّ تَجِيْءُ الْأَعْمَالُ عَلٰى ذٰلِكَ يَقُولُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ إِنَّكَ عَلٰى خَيْرٍ ثُمَّ يَجِيْءُ الْإِسْلَامُ فَيَقُولُ يَا رَبِّ أَنْتَ السَّلَامُ وَأَنَا الْإِسْلَامُ فَيَقُولُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ إِنَّكَ عَلٰى خَيْرٍ بِكَ الْيَوْمَ آخُذُ وَبِكَ أُعْطِيْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ كِتَابِهٖ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (اخرجه احمد وذكره ابن كثير في تفسيره ورجاله ثقات ولكن عباد بن الحسن لم يسمع من ابي هريرة.)

(۳۳) عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ عَوْفٍ الشَّيْبَانِيِّ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ يَقُولُ لَقَدْ عِشْنَا بُرْهَةً مِّنْ دَهْرِنَا وَإِنَّ أَحَدَنَا يُؤْتَى الْإِيْمَانَ قَبْلَ الْقُرْآنِ وَتَنْزِلُ السُّوْرَةُ عَلٰى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَتَعَلَّمُ حَلَالَهَا وَحَرَامَهَا وَمَا يَنْبَغِيْ أَنْ يُّوْقَفَ عِنْدَهُ فِيْهَا كَمَا تَعْلَمُوْنَ أَنْتُمُ الْقُرْآنَ ثُمَّ قَالَ لَقَدْ رَأَيْتُ رِجَالًا يُؤْتٰى أَحَدُهُمُ الْقُرْآنَ فَيَقْرَأُ مَا بَيْنَ فَاتِحَتِهٖ إِلٰى خَاتِمَتِهٖ مَا يَدْرِيْ مَا آمِرُهُ وَلَا زَاجِرُهُ وَلَا مَا يَنْبَغِيْ أَنْ يُّوْقَفَ عِنْدَهُ مِنْهُ يَنْثُرُهُ نَثْرَ الدَّقَلِ. (رواه الحاكم في المستدرك وقال صحيح على شرطهما)

ارشاد ہوگا تو بھی بہت اچھا عمل ہے پھر روزہ آئیگا اور کہیگا میں روزہ ہوں ارشاد ہوگا تو بھی بہت اچھا عمل ہے اس کے بعد اسی طرح سب اعمال آتے رہیں گے اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہی ارشاد ہوتا رہے گا کہ تم اچھے عمل ہو۔ آخر میں اسلام کی صورت آئیگی یہ عرض کرے گا اے پروردگار تیرا نام السلام ہے اور میرا نام اسلام ارشاد ہوگا تو سب سے بہتر عمل ہے آج گرفت اور انعام دونوں کا مدار تیرے ہی اوپر ہے۔ جیسا کہ قرآن پاک میں بھی ہے (جو اسلام کے سوا کسی اور دین کو تلاش کرے گا وہ ہرگز قبول نہ کیا جائیگا اور وہ شخص آخرت میں بہت نقصان اٹھانے والوں میں ہوگا) (احمد)

(۳۳) قاسم بن عوف بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابن عمرؓ کو یہ کہتے خود سنا ہے کہ ہمارا ایک زمانہ ایسا گذرا ہے جبکہ ہم میں سے ایک شخص کو قرآن سے پہلے ایمان نصیب ہو جاتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کی ایک سورت اترتی وہ اس کے حلال و حرام سیکھ لیتا اور ان مقامات کو بھی معلوم کر لیتا کہ کہاں کہاں پر ٹھہرنا مناسب ہے غرض وہ اسی طرح ادب کے ساتھ قرآن پڑھنا سیکھتا جیسا اب تم الفاظ کے ساتھ آج تم سیکھتے ہو اس کے بعد فرمایا کہ اب ایسے لوگ بھی دیکھ رہا ہوں جنہیں سارا قرآن پہلے ہی نصیب ہو جاتا ہے وہ اس کو اول سے آخر تک پڑھتے بھی ہیں مگر نہ اس کے امر و نہی کو سمجھتے ہیں نہ یہ جانتے ہیں کہ کس جگہ ٹھہرنا مناسب ہے بلکہ اس طرح اس کو لاپرواہی سے پڑھتے ہیں جس طرح ردی کی کھجوریں لاپرواہی کے ساتھ بکھیر دی جاتی ہیں۔ (حاکم)

تو بیشک آخر کار جنت میں داخل ہوگا اور اسی طرح اعمال کی اہمیت سے بھی کسی کو اختلاف نہیں ہے بصرف وقتی مصالح کے لحاظ سے مختلف تعبیرات تھیں جو بعد میں مذاہب بن گئیں۔ تفصیلی بحث گذر چکی ہے۔

توزيع الشريعة الجنة والنار على الإيمان والكفر دون الأعمال

(۳۴۶) عن جابر بن عبد الله عن النبي صلى الله عليه وسلم قال الموجبتان من لقي الله عز وجل لا يشرك به شيئا دخل الجنة ومن لقي الله عز وجل يشرك به شيئا دخل النار (رواه مسلم)

(۳۴۷) عن عبد الله قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من مات يشرك بالله شيئا دخل النار وقلت أنا من مات لا يشرك بالله شيئا دخل الجنة (رواه البخاري)

جنت اور دوزخ کی تقسیم شرک و ایمان پر دائر ہے صرف اچھے برے اعمال پر نہیں

(۳۴۶) جابر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو باتیں ایسی ہیں جو انسان کے لئے دو چیزیں واجب کر دیتی ہیں۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے سامنے اس طرح حاضر ہوگا کہ اس نے دنیا میں کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرایا ہو تو اس کے لئے جنت واجب ہو جائے گی (اور وہ ضرور جنت میں جائیگا) اور جو شخص اس طرح حاضر ہوگا کہ اس نے کسی کو اس کا شریک ٹھہرایا ہو تو اس کے لئے دوزخ واجب ہو جائے گی (اور) وہ ضرور دوزخ میں جائے گا۔ (مسلم)

(۳۴۷) عبد اللہ بن مسعودؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اس حالت میں مر جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتا ہو تو وہ دوزخ میں جائیگا۔ (یہ مضمون تو میں نے خود بارگاہ رسالت سے سنا ہے) اور دوسری بات میں اپنی جانب سے کہتا ہوں کہ جو شخص اس حالت میں مر جائے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کرتا ہو تو وہ جنت میں جائے گا۔ (بخاری شریف)

(۳۴۶) بقول امام غزالیؒ انسان اگرچہ ازلی نہیں مگر ابدی ضرور ہے اس لئے اس کو ایک ابدی مستقر کی ضرورت بھی ہے۔ دنیا اس کا ابدی مستقر نہیں صرف عارضی مستقر ہے ولکم فی الارض مستقر ومتاع الی حین۔ تمہیں خدا کی زمین پر صرف چند روزہ رہنا ہے اور ایک وقت مقرر تک اس کی نعمتوں سے کچھ فائدہ حاصل کرنا ہے۔

اس کا ابدی مستقر جنت یا دوزخ ہیں۔ ان کا تعلق صرف اسی تقسیم سے ہے جو اچھے برے اعمال پر نہیں بلکہ ایمان اور کفر پر کی گئی ہے۔ اس لئے مومن خواہ کتنا ہی گنہگار کیوں نہ ہو مگر اس کا ابدی مستقر جنت ہی ہوگا اور کافر خواہ کتنے ہی اچھے اچھے کام کیوں نہ کرے لیکن اس کا ابدی مستقر دوزخ ہی ہوگا۔ اب یہی وہ بات ہے کہ موقت ایمان و کفر کی جزا ابدی کیوں رکھی گئی ہے تو یہاں ہمارے علم میں اس کا سب سے بہتر جواب وہی ہے جو ابن تیمیہ نے دیا ہے مع حدیث نیۃ المومن خیر من عملہ اپنی کتاب تاویل مختلف حدیث میں ذکر کیا ہے دیکھیں صفحہ ۔ اس کا خلاصہ شیخ جلال الدین سیوطی نے شرح جامع الصغیر میں اور عبد الوہاب شعرانی نے الیواقیت والجواہر میں ذکر کیا ہے۔

لأن تخليد الله العبد في الجنة ليس لعمله	جنت میں ہمیشہ رہنا اعمال کی بنا پر نہیں بلکہ بندہ کی
إنما هو لنيته لأنه لو كان لعمله لكان خلوده	نیت پر مبنی ہے اگر اس کی بنا عمل پر ہوتا تو ...

كليم الله فيأتون موسى فيقول لست لها ولكن عليكم بعيسى فإنه روح الله وكلمته فيأتون
عيسى فيقول لست لها ولكن عليكم بمحمد فيأتوني فأقول أنا لها فأستأذن على ربي فيؤذن
لي ويلهمني محامد أحمده بها لا تحضرني الآن فأحمده بتلك المحامد وأخر له ساجدا
فيقال يا محمد ارفع رأسك وقل يسمع وسل تعطه واشفع تشفع فأقول يا رب أمتي
أمتي فيقال انطلق فأخرج من كان في قلبه مثقال شعيرة من إيمان فأنطلق فأفعل ثم
أعود فأحمده بتلك المحامد ثم أخر له ساجدا فيقال يا محمد ارفع رأسك وقل يسمع وسل
تعطه واشفع تشفع فأقول يا رب أمتي أمتي فيقال انطلق فأخرج من كان في قلبه مثقال
ذرة أو خردلة من إيمان فأنطلق فأفعل ثم أعود فأحمده بتلك المحامد ثم أخر له
ساجدا فيقال يا محمد ارفع رأسك وقل يسمع وسل تعطه واشفع تشفع فأقول يا رب أمتي
أمتي فيقال انطلق فأخرج من كان في قلبه أدنى أدنى أدنى مثقال حبة خردل من إيمان

حاضر ہوں گے وہ فرمائیں گے میں اس کا اہل کہاں لیکن تم حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس جاؤ
وہ خدا تعالیٰ کے شرف ہمکلامی میں ممتاز ہیں۔ ان کی خدمت میں جائیں گے وہ بھی فرمادیں گے میں
اس قابل کہاں لیکن تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ ان کا لقب روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہے یہ
ان کی خدمت میں آئیں گے وہ بھی فرمائیں گے میں بھی اس لائق کہاں البتہ تم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی خدمت میں حاضر ہو یہ میرے پاس آئیں گے میں کہوں گا بہت اچھا یہ خدمت میرے ہی سپرد کی گئی ہے
اس کے بعد میں اپنے پروردگار سے اجازت مانگوں گا مجھے اجازت مل جائے گی اور حق تعالیٰ میرے دل
میں اپنی ایسی پاکیزہ اور عمدہ تعریفیں القا فرمائے گا جو اس وقت مجھے نہیں آتیں میں ان ہی کلمات کے
ساتھ اس کی تعریف کروں گا اور تعریف کرتا ہوا سجدہ میں گر جاؤں گا ارشاد ہوگا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم
سر تو اٹھاؤ کہو کیا چاہتے ہو کہو تمہاری بات مانی جائے گی مانگو ملے گا شفاعت کرو قبول کی جائے گی میں
عرض کروں گا اے اللہ میری امت کو بخشدے۔ میری امت کو بخشدے۔ مجھے حکم ہوگا اچھا جاؤ اور جس کے
قلب میں جو برابر بھی تو ایمان دیکھو اسے بھی نکال دو میں جاؤں گا اور حکم کی تعمیل کروں گا۔ لوٹ کر پھر
ان ہی کلمات کے ساتھ اس کی تعریف کروں گا اور سجدہ میں گر جاؤں گا خطاب ہوگا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)
سر اٹھاؤ کہو کیا چاہتے ہو کہو تمہاری بات مانی جائے گی۔ مانگو ملیگا۔ شفاعت کرو قبول ہوگی۔ میں عرض
کروں گا خدایا میری امت کو بخشدے۔ میری امت کو بخشدے۔ مجھے حکم ملے گا اچھا جاؤ اور جس کے

فأخرجه من النار فأنطلق فأفعل ثم أعود الرابعة فأحمده بتلك المحامد ثم أخر له
ساجدا فيقال يا محمد ارفع رأسك وقل يسمع وسل تعطه واشفع تشفع فأقول يا رب
ائذن لي فيمن قال لا إله إلا الله قال ليس ذاك لك ولكن وعزتي وجلالي وكبريائي
وعظمتي لأخرجن منها من قال لا إله إلا الله وفي حديث أبي سعيد الخدري يقول الله شفعت
الملائكة وشفع النبيون وشفع المؤمنون ولم يبق إلا أرحم الراحمين فيقبض قبضة
من النار فيخرج منها قوما لم يعملوا خيرا قط قد عادوا حمما فيلقيهم في نهر في أفواه الجنة

قلب میں ایک ذرہ یا ایک رائی کے دانہ برابر بھی ایمان کا نور ہو اس کو بھی نکال لو۔ میں جاؤں گا اور حکم کی تعمیل کروں گا۔ واپس ہو کر پھر ان کلمات کے ساتھ اس کی تعریف کروں گا اور سجدہ میں گر جاؤں گا۔ ارشاد ہوگا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سر اٹھاؤ کہو تمہاری بات مانی جائے گی، مانگو ملے گا، شفاعت کرو قبول ہوگی میں عرض کروں گا خدایا میری امت کو بخش دے۔ میری امت کو بخش دے۔ مجھے حکم ہوگا اچھا جاؤ اور اس مرتبہ جس کے قلب میں ایک رائی کے دانے سے بھی کم سے کمتر نور ایمان ہو اسے بھی نکال لو میں جاؤں گا اور حکم کی تعمیل کر کے چوتھی بار پھر واپس آؤں گا اور پھر ان ہی کلمات سے اس کی تعریف کروں گا ارشاد ہوگا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سر اٹھاؤ کہو تمہاری بات مانی جائے گی، مانگو ملے گا، شفاعت کرو قبول ہوگی۔ میں عرض کروں گا پروردگار اب مجھے ان کے نکالنے کی بھی اجازت ہو جنہوں نے کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھ لیا ہے ارشاد ہوگا یہ تمہارا حق نہیں البتہ اپنی عزت و جلال، کبریائی اور بزرگی کی قسم جنہوں نے یہ کلمہ پڑھ لیا ہے انہیں میں خود نکالوں گا۔ اور ابو سعید خدریؓ کی حدیث میں یہ مضمون ان الفاظ میں مذکور ہے کہ چوتھی بار آپ کے جواب میں ارشاد ہوگا، فرشتے بھی شفاعت کر چکے، خدا کے نبی بھی شفاعت کر چکے اور مومنین بھی شفاعت کر چکے اب ارحم الراحمین کی باری ہے۔ لہذا قدرت ایک مٹھی بھر کر ایسے لوگوں کو دوزخ سے نکالے گی جنہوں نے کبھی کوئی بھلا کام نہ کیا ہوگا۔ یہ لوگ دوزخ میں پڑے پڑے جل کر کوئلہ سیاہ فام ہو گئے ہوں گے۔ جنت کے سامنے ایک نہر ہوگی اس میں ان کو ڈال دیا جائے گا وہ اس میں غوطہ لگا کر ایسے نکل آئیں گے جیسا دانہ پانی کی رو میں بہتے ہوئے کوڑے پر اگ آتا ہے۔ اسی طرح یہ موتی کی طرح صاف ستھرے چمکدار ہو جائیں گے ان کی گردنوں پر مہریں ہوں گی ان کی وجہ سے جنتی ان کو عتقاء الرحمٰن کہیں گے (یعنی عذاب دوزخ سے رحمٰن کی آزاد کردہ جماعت) جس نے ان کو یونہی جنت میں داخل کر دیا ہے نہ تو انہوں نے کوئی اچھا عمل کیا تھا اور نہ ان کے پیش نظر کوئی نیک عمل تھی۔ ان سے خطاب ہوگا جاؤ جتنا تم نے دیکھا تم کو دیا

يُقَالُ لَهُ نَهْرُ الْحَيَاةِ فَيَخْرُجُونَ كَمَا تَخْرُجُ الْحِبَّةُ فِي حَمِيلِ السَّيْلِ فَيَخْرُجُونَ كَاللُّؤْلُؤِ فِي رِقَابِهِمُ الْخَوَاتِمُ يَعْرِفُهُمْ أَهْلُ الْجَنَّةِ هٰؤُلَاءِ عُتَقَاءُ الرَّحْمٰنِ أَدْخَلَهُمُ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ عَمَلٍ عَمِلُوهُ وَلَا خَيْرٍ قَدَّمُوهُ فَيُقَالُ لَهُمْ لَكُمْ مَا رَأَيْتُمْ وَمِثْلُهُ مَعَهُ۔ (متفق علیہ) وفی حدیث انس عند البخاری قَالَ لَيُصِيبَنَّ أَقْوَامًا سَفْعٌ مِنَ النَّارِ بِذُنُوبٍ أَصَابُوهَا عُقُوبَةً ثُمَّ يُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ بِفَضْلِهِ وَرَحْمَتِهِ فَيُقَالُ لَهُمُ الْجَهَنَّمِيُّونَ۔

(۲۵۱) عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ قَوْمٌ

اور اسی کے برابر اور دیا۔ (متفق علیہ) بخاری میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ کچھ لوگ اپنے گناہوں کی شامت میں عذاب دوزخ میں گرفتار ہو کر سیاہ فام ہو جائیں گے اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و رحمت سے ان کو جنت میں داخل فرمادیگا ان لوگوں کا لقب جہنمی ہوگا۔

(۲۵۱) عمران بن حصین بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کچھ لوگ محمدؐ کی سفارش

---

(۲۵۰) اس حدیث میں کلمہ طیبہ کے ایک جزء پر نجات کی بشارت مذکور ہے۔ علماء کے مابین اس بارے میں گفتگو ہے کہ یہ جماعت کونسی جماعت ہے جس کی مغفرت صرف توحید پر ہو جائے گی۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ وہ لوگ ہوں گے جن کو کسی رسول کا زمانہ نہیں ملا اصطلاح میں ان کو اصحاب فترۃ کہا جاتا ہے۔ چونکہ ان کے پاس خدا تعالیٰ کا کوئی رسول آیا ہی نہیں اس لئے ایمان بالرسالت کے یہ مکلف بھی نہ ہوں گے اس لئے ان کی نجات بھی صرف خدا تعالیٰ کی توحید پر ہو جائے گی۔ اب رہے وہ لوگ جنہوں نے کسی رسول کا زمانہ پایا اس کی تعلیمات بھی ان کو پہنچیں اور اس پر غور و فکر کا انہیں کافی موقعہ بھی ملا اس کے باوجود انہوں نے اس کو قبول نہ کیا بلکہ اس کو رد کر دیا تو بظاہر علماء میں ان کے نجات کی اس باب میں کوئی صورت نہیں ہے۔ یہ بار ہے کہ کسی رسول کی بعثت کا دور نہ پانا یا اس کی بعثت سے لاعلمی کی بنا پر جو ہوا ہو ان وعدم ایمان کی بحث سے خالی اور بین ہے۔ اور دور بعثت کے پورے پورے علم کے باوجود اس کے قبول نہ کرنے میں بہت بڑا فرق ہے اگر پہلی قسم کے لوگ قابل معذوری سمجھے جائیں تو کیا دوسری قسم کے لوگ بھی معذور تصور کئے جا سکتے ہیں۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے تو اس کا حاصل یہ ہوگا کہ ایمان بالرسالت گویا ایمان کا رکن ہی نہ رہے صرف خدا تعالیٰ کی توحید پر ایمان رکن نجات کے لئے کافی ہو پھر اسی پر یہ شبہ ختم نہیں ہوگا بلکہ اس کے بعد یہ مرحلہ بھی زیر غور آ سکے گا کہ اگر رسولوں کے توسط کے بغیر صرف عقل کی مدد سے اللہ تعالیٰ کی وہ پاکیزہ توحید میسر ہو سکتی ہے جو شرک کی ہر قریب و بعید آلودگی سے صاف ہو تو اب رسول کی ضرورت کس درجہ پر باقی رہے گی۔ توحید خداوندی کے فطری ہونے کے معنی یہ ہیں کہ گرد و پیش کے حالات انسانی ذہنیت کو مکدر نہ کریں تو اس کے دماغ میں سوائے وحدانیت کے دوسرا تصور ہی نہیں آ سکتا لیکن جبکہ سارا عالم ہی شرک ہی کا کھیل کھیل رہا ہو شیاطین جن و انس نے اس کو نجاست شرک سے ملوث کر رکھا ہو کیا اس حالت میں بھی ایک انسان خدا کی مقدس توحید کو پا سکتا ہے؟ یہ بحث ابھی ختم نہیں ہے کہ جو توحید انبیاء علیہم السلام پیش کرتے ہیں اس میں تنزیہ و تشبیہ کے نہیں کچھ

من النار بشفاعة محمد فيدخلون الجنة يسمون الجهنميين ۔ (رواه البخاری)

المؤمن اذا عمل بالفرائض واحل الحلال وحرم الحرام دخل الجنة من غير عذاب بفضل الله

۲۵۲ عن جابر قال اتى النبي صلى الله عليه وسلم النعمان بن قوقل فقال

کی شفاعت سے دوزخ سے نکل کر جنت میں داخل ہوں گے ان کا لقب جہنمی ہوگا ۔ (بخاری شریف)

جو شخص ایمان کے ساتھ تمام فرائض بجا لائے حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھے وہ بلا عذاب کے جنت میں داخل

۲۵۲ جابرؓ بیان فرماتے ہیں کہ نعمان بن قوقل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے

خوشنما نقش و نگار اور بھی ہوتے ہیں جن سے مخیر توحید کا عقیدہ صرف عقل ہی کا ایک سادہ تصور رہتا ہے جس میں
کسی تردد کے بغیر ایمان ساری رکھا ہے ایک ایسا شدہ عقیدہ سمجھنا چاہیے کہ نجات کے لئے رسول پر ایمان لانا بھی اسی درجہ
ضروری ہے جس درجہ خدا تعالیٰ کی توحید ہے۔
حضرت استاذ قدس سرہ فرماتے تھے کہ ان حدیثوں میں شہادت رسول کا دوسرا جزء مذکور نہ ہونے کا اصل راز یہ ہے کہ
یہ جماعت صرف اسی امت کے ساتھ خاص نہ ہوگی بلکہ سابقہ امتوں کی بھی ہوگی اس لئے ان کی تعبیر کا مشترک نقطہ بھی صرف
توحید ہوگا ۔ رسول پر ایمان ہر ایک نبی کے اعتبار سے ان میں مختلف ہوگا یہی وجہ ہے کہ کلمہ کو کسی ایک اصول سے
ادا نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کی شکل یہ ہو کہ فرمائے گا جن کی رحمت کی سائل رہی ہیں اسی طرح ترجمہ ہر نبی کی جس طرح کہ ہر
رسول کی امت اپنے اپنے رسول کی سفارش کی ۔ قرآن کریم نے جہاں انتہائی وضاحت سے قطع نظر انبیاء علیہم السلام کی مشترک
دعوت کو ذکر فرمایا ہے وہاں صرف توحید ہی کو ذکر فرمایا ہے ۔ وما ارسلنا من قبلک من رسول الا نوحی الیہ انہ لا الٰہ الا انا
فاعبدون ۔ ہم نے آپ سے پہلے جتنے رسول بھیجے سب کے پاس یہی وحی بھیجی ہے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں۔
حالانکہ ظاہر ہے کہ ہر رسول پر اس کی رسالت کی حقانیت کی وحی بھی یقینی طور پر نازل کی گئی ہے لیکن یہ جزء ہر دور کے
لحاظ سے مختلف تھا جو مشترک نقطہ تمام رسولوں کے دور میں کبھی نہیں بدلا وہ صرف خدائے قدوس کی توحید تھی اس لئے
رسولوں کی سفارش کر لینے کے بعد جب اس سفارش کا وقت آئے جس کا تعلق نہ کسی زمان و مکان سے ہو اور نہ کسی خاص
امت سے خواص کے لئے ہو ذات منتقل ہوگی جس کی رحمت پر سب بندوں کا حق یکساں واجب تھا وہ ایک ارحم الراحمین
کی ذات تھی مگر تمام انبیاء علیہم السلام کی بعثت خاصہ کا انتہائی حقائق جو ہے مخبر نہ رہا کہ ان کی نجات کی منظوری آخر کس کی
سفارش پر ہوگی گویا اس کا جواب قدرت نے بہ صراحت خود اپنے ذمہ لے لیا جیسا کہ عمران بن حصین کی حدیث سے صاف
واضح ہے ۔ اس جگہ یہ واضح رہنا چاہئے کہ ابتداء حدیث شفاعت کبریٰ کے متعلق تھی یعنی بندوں کے حساب و کتاب شروع
ہونے کے لئے پھر درمیان میں کچھ حصہ حذف ہو کر آخر حدیث میں شفاعت صغریٰ کا ذکر آ گیا ہے جو ان لوگوں کے نجات کے متعلق ہوگی
ابو سعید خدری کی روایت میں یہ صاف تصریح موجود ہے کہ یہ لوگ وہی ہیں جن کے پاس کوئی نیک عمل نہ ہوگا حتیٰ کہ کسی ادنیٰ
نیک عمل کا ان کا تذکرہ بھی کسی ایک حرف سے بھی ثابت نہیں ہوگا ان کے پاس توحید کے علاوہ کوئی عمل بھی نہ ہوگا ۔
حلال کو حلال سمجھنے کے معنی اس کے مقتضے پر عمل کرنا اور تحریم حرام کا مطلب حرام سے بچنا ہے جو شخص حلال سے بچتا اور
حرام سے احتراز نہیں کرتا وہ نہ حلال کو حلال سمجھتا ہے اور نہ حرام کو حرام ۔

يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَرَأَيْتَ إِذَا صَلَّيْتُ الْمَكْتُوبَةَ وَحَرَّمْتُ الْحَرَامَ وَأَحْلَلْتُ الْحَلَالَ أَأَدْخُلُ الْجَنَّةَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ۔ (رواه مسلم)

(۲۵۳) عَنْ سُفْيَانَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الثَّقَفِيِّ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ قُلْ لِي فِي الْإِسْلَامِ قَوْلًا لَا أَسْأَلُ عَنْهُ أَحَدًا بَعْدَكَ وَفِي حَدِيثِ أَبِي أُسَامَةَ غَيْرَكَ قَالَ قُلْ آمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ۔ (رواه مسلم)

اور عرض کیا یا رسول اللہ فرمائیے! جب میں فرض نمازیں ادا کرلوں اور حرام کے ساتھ حرام کا سا معاملہ کروں اور حلال کے ساتھ حلال کا تو کیا میں جنت میں داخل ہوجاؤں گا آپ نے فرمایا ہاں۔ (مسلم)

(۲۵۳) سفیان بن عبداللہ ثقفی روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ اسلام کے متعلق مجھے کوئی ایسی جامع بات فرمادیجئے کہ آپ کے بعد پھر مجھے کسی اور سے دریافت کرنے کی ضرورت نہ رہے (ابواسامہ کی حدیث میں بعدک کے بجائے غیرک کا لفظ ہے یعنی آپ کے سوا کسی دوسرے سے پوچھنے کی ضرورت نہ رہے) آپ نے فرمایا آمنت باللہ کہو اور اس کے بعد اس قول پر پوری طرح قائم رہو۔ (مسلم)

(۲۵۴) استقامت ایک مختصر لفظ ہے مگر اس مختصر لفظ میں شرعی تمام ترکیبیں سمٹی ہوئی ہیں اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "استقیموا ولن تحصوا" یعنی استقامت کے ساتھ دین پر قائم رہنا گو مقصد ہے مگر استقامت سے عہدہ برآئی بہت مشکل ہے تم جتنا ہوسکے اس پر عمل کرنا۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا۔ جن لوگوں نے زبان سے اقرار کیا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر اس بات پر پوری طرح قائم رہے ان پر فرشتے یہ پیغام لے کر آتے ہیں کہ نہ خوف کھاؤ نہ غم اور اس جنت کی خوشخبری سن لو جس کا تم کو وعدہ کیا گیا تھا —— سفیان کی یہ حدیث جابرؓ کی اس پہلی حدیث سے بھی زیادہ مفصل ہے یہاں یہ ہے کہ جب جنت کی بشارت کی احادیث میں کہیں کلمہ طیبہ کے ساتھ فقط "من قلبہ" کا لفظ (خلوص کے ساتھ اپنے دل سے کہے) اور کہیں "یبتغی بذلک وجہ اللہ" یعنی خدا کی خوشنودی اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کسی کا ارادہ نہ ہو اور کہیں "ثم استقم" کے الفاظ مذکور ہوتے ہیں ان سب کا حاصل ایک ہے اور وہ اسلام کی مجموعی تعلیمات پر عمل کرنا ہے اسی کو حدیث جابر میں زیادہ مفصل الفاظ میں ادا کیا گیا ہے یعنی دین کی حلال باتوں پر عمل کرنا اور حرام باتوں سے احتراز کرنا۔ ان مجمل الفاظ کو دوسری حدیثوں میں اس سے زیادہ مفصل شکل میں ادا کیا گیا ہے یعنی ان میں ارکان اسلام کے ساتھ کچھ اور تفصیلات بھی آجاتی ہیں پھر معلوم نہیں کہ اگر کسی مقام پر صرف کلمہ توحید پر جنت کی بشارت مذکور ہوجاتی ہے تو فرقہ مرجئہ اس کو اطلاق پر سمجھ کر حمل کرلیتا ہے اس لئے صحیح یہ ہے کہ کلمہ طیبہ کے ساتھ اگر شرعی اعمال موجود ہیں تو جنت میں داخلہ ابتداءً بلا کسی عذاب کے میسر ہوگا اور اگر کلمہ طیبہ کے ساتھ عمل کا ذخیرہ نہیں یا کم ہے تو پھر ضابطہ میں تو اس کی سزا بھگتنی پڑے گی اگر رحمت معاف کردے تو یہ اس کا فضل ہوگا لیکن اس کے بعد ایمان کی بدولت پھر نجات حاصل ہوجائے گی۔ معتزلہ کا یہ خیال بھی غلط ہے کہ گناہ کرنے سے ایمان کچھ باقی نہیں رہتا۔

—————

من لم يعمل بفرائض الاسلام فانه مؤاخذ به وان كان مقرا بالتوحيد والرسالة

(۳۵۴) عن ثوبان عن رسول الله صلى الله عليه وسلم انه قال في سفر انا مدلجون الليلة فلا يدلجن معنا مصعب ولا مضعف فادلج رجل على ناقة له صعبة فسقط فاندقت فخذه فمات فامر رسول الله صلى الله عليه وسلم بدفنه ثم امر بلالا فنادى ان الجنة لا تحل لعاص (رواه الحاكم في المستدرك في كتاب ... وصححه الذهبي)

(۳۵۵) عن عبد الله بن عمرو قال كان على ثقل النبي صلى الله عليه وسلم رجل يقال له كركرة فمات فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم هو في النار فذهبوا ينظرون اليه فوجدوا عباءة قد غلها. (رواه البخاري)

(۳۵۶) عن زيد بن خالد ان رجلا من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم

جو شخص فرائضِ اعمال ادا نہیں کرتا وہ مواخذہ سے بری نہیں اگرچہ توحید و رسالت کا معترف ہی ہو

(۳۵۴) ثوبان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ایک سفر میں فرمایا آج شب ہم اندھیرے اندھیرے روانہ ہو جائیں گے لہٰذا ہمارے ساتھ وہ شخص نہ چلے جس کے پاس کمزور یا کڑوے مزاج کا اونٹ ہو۔ اس کے بعد بھی ایک شخص نے اپنی کڑوی اونٹنی کس لی نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اس پر سے گرا، اس کی گردن ٹوٹ گئی اور مر گیا۔ آپ نے اس کے دفن کرنے کا حکم دیا پھر بلال کو یہ اعلان کرنے کا حکم دیا کہ جنت کسی نافرمان کے لئے حلال نہیں ہے۔ انھوں نے حسب الحکم یہ اعلان کر دیا۔ (حاکم)

(۳۵۵) عبد اللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامان کی نگرانی کے لئے ایک شخص تعینات تھا جس کا نام کرکرہ تھا اس کا انتقال ہو گیا آپ نے یہ سنکر فرمایا وہ تو دوزخ میں ہے (یہ سن کر) صحابہ اس کا سامان ٹٹولنے لگے دیکھا تو اس میں (مالِ غنیمت کا) ایک عبا ملا جو اس نے خیانت کر کے چرایا تھا۔

(۳۵۶) زید بن خالد سے روایت ہے کہ خیبر کی جنگ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہیوں

(۳۵۶) آخر توحید و رسالت کے ان معترفین سے بھی دو درہم کی حقیر چوریوں کا مواخذہ ہو کر رہا اور صرف اس بنا پر کہ انھوں نے ایک مرتبہ کلمہ پڑھ لیا تھا اس معمولی لغزش کی پاداش سے نجات نہ مل سکی خدا تعالیٰ کی

تُوُفِّيَ يَوْمَ خَيْبَرَ فَذَكَرُوا لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ صَلُّوا عَلَى صَاحِبِكُمْ فَتَغَيَّرَتْ وُجُوهُ النَّاسِ لِذٰلِكَ فَقَالَ إِنَّ صَاحِبَكُمْ غَلَّ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَفَتَّشْنَا مَتَاعَهُ فَوَجَدْنَا خَرَزًا مِنْ خَرَزِ يَهُودَ لَا يُسَاوِي دِرْهَمَيْنِ (رواہ مالک وابوداود والنسائی)

(۳۵۷) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ أَهْدَى رَجُلٌ لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُلَامًا يُقَالُ لَهُ مِدْعَمٌ فَبَيْنَمَا مِدْعَمٌ يَحُطُّ رَحْلًا لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ أَصَابَهُ سَهْمٌ عَائِرٌ فَقَتَلَهُ فَقَالَ النَّاسُ هَنِيئًا لَهُ الْجَنَّةُ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلَّا وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنَّ الشَّمْلَةَ الَّتِي أَخَذَهَا يَوْمَ خَيْبَرَ مِنَ الْمَغَانِمِ لَمْ تُصِبْهَا الْمَقَاسِمُ لَتَشْتَعِلُ عَلَيْهِ نَارًا فَلَمَّا سَمِعَ ذٰلِكَ النَّاسُ جَاءَ رَجُلٌ بِشِرَاكٍ أَوْ شِرَاكَيْنِ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

میں سے ایک شخص کا انتقال ہو گیا (نماز جنازہ کے لئے جب) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر کی گئی تو آپ نے فرمایا اپنے رفیق پر تم ہی نماز پڑھ لو (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ سے کنارہ کشی پر) لوگوں کے چہرے متغیر ہو گئے۔ آپ نے فرمایا اس شخص نے جہاد کے مال میں خیانت کی ہے ہم کا سامان تلاش کیا گیا تو اس میں یہود کے منکوں میں کا ایک منکا ملا جس کی قیمت دو درہم بھی نہ تھی۔ (مالک)

(۳۵۷) ابوہریرہؓ روایت فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک غلام بطور ہدیہ پیش کیا جس کا نام مدعم تھا۔ وہ مدعم ازخود آپ کا کجاوہ اتار رہا تھا کہ اچانک کسی نامعلوم سمت سے ایک تیر آ کر لگا اور اس کو ختم کر دیا۔ لوگ بولے تو اس کے لئے جنت مبارک ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہرگز نہیں اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے وہ اونی کملا چادر جو اس نے خیبر کی غنیمت میں سے قبل از تقسیم لے لی تھی آگ کی صورت میں اس پر بھڑک رہی ہے جب لوگوں نے یہ بات سنی تو ایک شخص (گیا) اور آپ کی خدمت میں چمڑے کے ایک یا دو تسمے لیکر آیا آپ نے

رحمت کا فیاض ہاتھ ترکہ کو بھی ڈھک سکتا ہے مگر یہاں گفتگو صرف اس دنیا میں ہے جو آئین اسلامی کے تحت ہو سکتی ہے مرجئہ نے یہ غلط سمجھا ہے کہ صرف ایمان لا کر جنت کی ضمانت حاصل ہو جاتی ہے اب جب خدا کی گرفت کا کوئی کھٹکا باقی نہیں رہتا ہرگز نہیں۔ اس کو فرائض اور واجبات کا پورا پورا احترام بھی بجالانا ہوگا بلکہ بڑی سے بڑی قربانیاں کر کے اپنے اقرار وفاداری کا امتحان بھی دینا ہوگا۔ ام حسبتم ان تدخلوا الجنۃ ولما یاتکم مثل الذین خلوا من قبلکم

(۳۵۷) یہ غلام رفاعہ بن زید نے ہدیہ میں آپ کی خدمت میں پیش کیا تھا اس کے متعلق آپ کو یہ فرما دیا گیا تھا۔ وادی القریٰ میں یہ بھی شہید ہو گیا (دیکھو بخاری شریف ص [illegible]) اس سے معلوم ہوا کہ ابھی اس کو آپ کی نیز صحبت، شرف کا موقع نہ ملا تھا۔

فقال شرًا الا من تابا او نحرًا كان من ثلاث (متفق عليه)

(۳۵۸) عن ابن عباس قال حدثني عمر قال لما كان يوم خيبر اقبل نفر من صحابة النبي صلى الله عليه وسلم فقالوا فلان شهيد وفلان شهيد حتى مروا على رجل فقالوا فلان شهيد فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم كلا اني رأيته في النار في بردة غلها او عباءة ثم قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يا ابن الخطاب اذهب فناد في الناس انه لا يدخل الجنة الا المؤمنون ثلاثا قال فخرجت فناديت الا انه لا يدخل الجنة الا المؤمنون ثلاثا۔ (رواه مسلم)

من ترك خصلة من خصال الاسلام نقص ايمانه

(۳۵۹) عن ابي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال الاسلام ان تعبد الله

فرمایا ایک یا دو ہے درحقیقت آگ کے ٹکڑے ہیں۔ (متفق علیہ)

(۳۵۸) ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے مجھ سے بیان کیا کہ جب خیبر کی جنگ ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ آکر کہنے لگے فلاں شہید ہو گیا، فلاں شہید ہو گیا یہاں تک کہ ایک شخص کے پاس سے گذرے تو اس کے متعلق بھی یہی کہا کہ فلاں شہید ہو گیا۔ آپ نے فرمایا ہرگز نہیں میں نے تو اس کو آگ میں جلتا ہوا دیکھا ہے۔ اس سزا میں کہ اس نے ایک چادر یا ایک عبا دزدی کی تھی (جو مال غنیمت میں سے چرا لیا تھا) اس کے بعد آپ نے فرمایا اے ابن الخطاب جاؤ اور لوگوں میں یہ اعلان کردو کہ جنت میں صرف مومن ہی جائیں گے تین بار فرمایا۔ عمرؓ فرماتے ہیں میں نے باہر آکر اعلان کردیا کہ جنت میں صرف مومن ہی جائیں گے تین بار فرمایا (مسلم)

جو اسلام کے کسی حصہ کو ترک کرتا ہے اس کا اسلام ناقص ہو جاتا ہے

(۳۵۹) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اسلام یہ ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ، باضابطہ نماز پڑھو، زکوٰۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو بیت اللہ کا حج کرو، بھلی بات بتایا کرو، بری بات سے روکا کرو، گھر میں آکر گھر والوں کو سلام

---

(۳۵۹) یہ حدیث حدیثوں کے ذاتی کے موافق ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اعمال کا اسلام کے ساتھ گہرا تعلق ہے کیونکہ جب کہ اس حدیث میں امور جلیلہ [illegible] اصل مسئلہ ختم نہیں ہو جاتا ہے اس لئے بعض نے تو اسلام کے مطلق [illegible] ہے

یہ حدیث [illegible] اس کا وقت ملاحظہ کیا جائے۔

(۳۶۲) عَنْ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ تَصَدَّقْنَ وَ
أَكْثِرْنَ الْاِسْتِغْفَارَ فَإِنِّي رَأَيْتُكُنَّ أَكْثَرَ أَهْلِ النَّارِ فَقَالَتِ امْرَأَةٌ مِنْهُنَّ جَزْلَةٌ وَمَا لَنَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ
أَكْثَرَ أَهْلِ النَّارِ قَالَ تُكْثِرْنَ اللَّعْنَ وَتَكْفُرْنَ الْعَشِيرَ وَمَا رَأَيْتُ مِنْ نَاقِصَاتِ عَقْلٍ وَدِينٍ أَغْلَبَ
لِذِي لُبٍّ مِنْكُنَّ قَالَتْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَمَا نُقْصَانُ الْعَقْلِ وَالدِّينِ قَالَ أَمَّا نُقْصَانُ الْعَقْلِ
فَشَهَادَةُ امْرَأَتَيْنِ تَعْدِلُ شَهَادَةَ رَجُلٍ فَهٰذَا نُقْصَانُ الْعَقْلِ وَتَمْكُثُ اللَّيَالِيَ مَا تُصَلِّي وَتُفْطِرُ
فِي رَمَضَانَ فَهٰذَا نُقْصَانُ الدِّينِ۔ وَبِلَفْظِ الْبُخَارِيِّ أَلَيْسَ إِذَا حَاضَتْ لَمْ تُصَلِّ وَلَمْ تَصُمْ
قُلْنَ بَلٰى قَالَ فَذٰلِكِ مِنْ نُقْصَانِ دِينِهَا۔ (رواہ الخمسة)

(۳۶۳) ابن عمرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ نے (ایک بار) فرمایا
اے عورتوں کی جماعت تم (خاص طور پر) صدقہ دیا کرو اور زیادہ استغفار کیا کرو کیونکہ دوزخیوں میں زیادہ
تعداد میں نے عورتوں کی دیکھی ہے ان میں ایک ہوشیار عورت بولی یا رسول اللہ ہم سے کیا قصور ہوا ہے کہ ہم
دوزخ میں زیادہ جائیں گے آپ نے فرمایا تمہیں (باہم گفتگو میں) لعنت کرنے کی زیادہ عادت ہوتی ہے اور تم
اپنے شوہر کی بھی بہت ناشکری کرتی ہو میں نے تم جیسا دین و عقل میں ناقص ہو کر پھر ایک دانشمند شخص پر غالب
آجانے والا کسی کو نہیں دیکھا انھوں نے عرض کیا ہمارے عقل و دین کے نقصان کی تشریح فرما دیجئے آپ نے
فرمایا تمہاری عقل کا نقصان تو یہ ہے کہ دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کی برابر کی جاتی ہے یہ تو عقل کا نقصان
ہوا اور کئی کئی راتیں ایسی گذر جاتی ہیں کہ تم نماز نہیں پڑھ سکتیں یا رمضان شریف کے روزے نہیں رکھ سکتیں
یہ دین کا نقصان ہوا۔ اور بخاری میں یہ مضمون اس طرح ہے اچھا تو کیا یہ بات نہیں کہ جب عورت کو حیض
آتا ہے تو نہ وہ نماز پڑھتی ہے نہ روزہ رکھتی ہے انھوں نے عرض کیا ایسا تو ضرور ہوتا ہے آپ نے فرمایا تو
پھر یہی تو اس کے دین کا نقصان ہے۔ (بخاری و مسلم وغیرہما)

(۳۶۴) حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ اسلام اس مجموعہ تعلیم پر عمل کرنے کا نام ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
انسانی زندگی کے لئے لے کر تشریف لائے تھے صرف زبانی قول کا نام نہیں اس لئے ہر شخص اس مجموعہ پر جتنا زیادہ عمل پیرا ہوگا اسی
کا دین بھی اتنا ہی زیادہ مکمل شمار ہوگا اور جو عمل میں جتنا پیچھے رہ جائے گا وہ اتنا ہی اپنے دین میں بھی ناقص کہا جائیگا عورت
اپنے فطری عذر کی بنا پر کچھ مدت تک اس عمل سے معطل رہتی ہے اس لئے اس کا دین بھی اس مرد کی نسبت ناقص رہ جاتا ہے
جو کسی وقت عبادت سے معطل نہیں ہے یہ ہے دینی نقصان کی ٹھیک شرح ہے (دیکھو کتاب الایمان صـ۱۲)
رہا یہ سوال کہ صنف نسواں کا یہ تعطل اختیاری نہیں بلکہ فطری ہے پھر ان کے دینی نقصان کا موجب کیوں ہوا؟
تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اس فطری نقصان کے ساتھ فضیلت ان سے صنف رجال کے کمالات حاصل کرنے کا

ليس تأييد الدين أو تلاوة القرآن وأمثالها فقط موجبا للدخول بالجنة وإنما يجب لها التصديق والعمل بالأحكام

(۳۴۳) عن أبي هريرة قال شهدنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم خيبر فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم لرجل ممن معه يدعي الإسلام هذا من أهل النار فلما حضر القتال قاتل الرجل من أشد القتال فكثرت به الجراح فأثبتته فجاء رجل من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم فقال يا رسول الله أرأيت الذي تحدثت أنه من أهل النار قد قاتل في سبيل الله من أشد القتال فكثرت به الجراح فقال النبي صلى الله عليه وسلم أما إنه من

جنت دین کی قوتی تائید یا صرف تلاوت قرآن کرنے سے واجب نہیں ہوتی اس کیلئے تمام احکام اسلامی پر عمل پیرا ہونا بھی ضروری ہے

(۳۴۳) ابوہریرہ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ خیبر میں شریک ہوئے تو اپنے ساتھیوں میں ایک ایسے شخص کے متعلق جو اسلام کا دعویٰ بھی کرتا تھا آپ نے ارشاد فرمایا یہ دوزخیوں میں سے ہے لیکن جب جنگ کا وقت آیا تو اس شخص نے بڑی سرگرمی سے جنگ کی اور اتنے زخم کھائے کہ اس میں حرکت کرنے کی بھی طاقت نہ رہی۔ یہ دیکھ کر آپ کے صحابہ میں ایک شخص نے آکر کہا یا رسول اللہ فرمایئے جس شخص کے متعلق آپ کہتے تھے کہ وہ دوزخی ہے اس نے تو آج اللہ کی راہ میں بڑی سرگرمی سے جنگ کی ہے زخموں کی وجہ سے اس کا جسم چور چور ہو گیا ہے آپ نے فرمایا پھر سن لو کہ وہ دوزخی ہے اس پر قریب تھا کہ بعض مسلمان شک

(بقیہ از صفحہ گذشتہ) مطالبہ کرلے تو بیشک اللہ تعالیٰ کی بہت تکوین سے مطالبہ ہے جو قرآن ہی کی آیات کا منشا ہے جو ان کے عالم میں کمال تصور کئے جاتے ہیں قدرت نے اگر انسان کو بالقوہ پیدا نہیں کیا ہے اور اس حیثیت سے اس کو ایک پہلو سے ناقص پیدا کیا ہے تو اس سے اتنے کا مطالبہ بھی نہیں کیا پھر اسے اس کا کیا حق ہے کہ وہ قدرت سے مطالبہ اس نقصان کی تلافی کرنے کے اصل یہ ہے کہ ابنائے جنس یا انواع سب خدا کی مخلوق ہیں وہ سب ہی اپنی اپنی جگہ ایک جہت سے نقصان موجود ہے۔ شریعت اس فطری نقصان پر تو مواخذہ نہیں کرتی نہ کمال و نقصان کی اس تقسیم پر اس کو اعتراض کی اجازت دیتی ہے۔ ولا تتمنوا ما فضل اللہ بہ بعضکم علی بعض واسئلوا اللہ من فضلہ۔ اللہ نے ان کی تفضیل کی شکایت کرو جن کی بنا پر اس نے تم میں ایک کو دوسرے پر فضیلت بخشی ہے بلکہ صرف اس کی مہربانی اور عنایات مانگا کرو جو نہایت ہی منصفانہ ہے تو کوئی نہ مانگے گا۔

(۳۴۳) اسلام کی اعانت وہ مقبول عمل ہے جس کی بدولت دنیا ہی نے اہل مدینہ کو انصار کا لقب دیا تھا۔ اس لئے صاحب نبوت کو یہ تنبیہ کرنی ضروری ہو گئی کہ دنیا اعانت و نصرت کے صرف ظاہری عمل کو دیکھ کر کسی کے متعلق کوئی فیصلہ کرنے میں عجلت نہ کرے۔ قبولیت کا اصل مدار ایمان اور اعمال صالحہ پر ہے اگر یہ نہیں تو صرف دینی نصرت کا عمل خود کتنا ہی بلند پایہ کیوں نہ ہو کسی کام کا نہیں۔ یہاں قدرت کا ایک آئینہ اور بھی ہے اور وہ یہ کہ نہ چاہے تو دشمن سے بھی اپنا کام لے لیتی ہے۔ مشہور ہے

عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد

السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ يَنْظُرُ الرَّامِي إِلَى سَهْمِهِ إِلَى نَصْلِهِ إِلَى رِصَافِهِ فَيَتَمَارَى فِي الْفُوقَةِ هَلْ عَلِقَ بِهَا مِنَ الدَّمِ شَيْءٌ - (رواه البخاري مختصراً)

سرعة الناس على الصراط تكون بقدر أعمالهم في الدنيا

(٣٦٦) عَنْ حُذَيْفَةَ وَأَبِي هُرَيْرَةَ قَالَا قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْمَعُ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى النَّاسَ فَيَقُومُ الْمُؤْمِنُونَ حَتَّى تُزْلَفَ لَهُمُ الْجَنَّةُ فَيَأْتُونَ آدَمَ فَيَقُولُونَ يَا أَبَانَا اسْتَفْتِحْ لَنَا الْجَنَّةَ فَيَقُولُ وَهَلْ أَخْرَجَكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ إِلَّا خَطِيئَةُ أَبِيكُمْ لَسْتُ بِصَاحِبِ ذَلِكَ اذْهَبُوا إِلَى ابْنِي إِبْرَاهِيمَ خَلِيلِ اللهِ قَالَ فَيَقُولُ إِبْرَاهِيمُ لَسْتُ بِصَاحِبِ ذَلِكَ إِنَّمَا كُنْتُ خَلِيلًا مِنْ وَرَاءَ وَرَاءَ اعْمِدُوا إِلَى مُوسَى الَّذِي كَلَّمَهُ اللهُ تَكْلِيمًا فَيَأْتُونَ مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ

دیکھتا ہے اس کا لوہا اور پیکان کو دیکھتا ہے پھر اس کے پچھلے حصہ کو دیکھتا ہے مگر اس کو یہ شبہ ہی رہتا ہے کہ اس میں کہیں خون کا نشان بھی لگا ہے یا نہیں۔ (بخاری شریف)

پل صراط پر لوگوں کی رفتار دنیا میں ان کے اعمال کی شدت و ضعف کے مطابق ہوگی

(۳۶۶) حذیفہ اور ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ لوگوں کو (قیامت میں) جمع کرے گا مسلمان کھڑے ہوں گے اور ان کے سامنے جنت قریب کردی جائیگی وہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور عرض کریں گے والد بزرگوار ہم لوگوں کے لئے جنت کا دروازہ کھلوا دیجئے وہ فرمائیں گے میں اس کام کے لائق کہاں۔ اپنے والد کی ایک فروگذاشت ہی کی بدولت تو تم جنت سے باہر نکلے ہو جاؤ میرے فرزند ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ وہ خدا کے خلیل ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام فرمائیں گے میں اس خدمت کے قابل کہاں میں تو بہت دور دور ہی سے خلیل تھا موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ ان سے اللہ تعالیٰ نے بڑی خصوصیت سے باتیں کی ہیں وہ ان کے پاس آئیں گے یہ فرمائیں گے میں اس خدمت کے

اعمال میں تو ایک کافر بھی مسلمان سے قربت سے جا سکتا ہے مگر جب اس کے اعمال کی بنیاد ہی غلط ہو تو اس کے اعمال کی حیثیت صرف ایک بے بنیاد تعمیر کی سی شان ہوگی۔

(۳۶۶) اعمال کو ایمان کا جزء نہ سہی مگر مرجئہ کے عقیدہ کی طرح غیر ضروری بھی نہیں پل صراط کو عبور کرنا اعمال کی قوت و ضعف پر ہی منحصر ہے۔

فيقول لست بصاحب ذلك اذهبوا الى عيسى كلمة الله وروحه فيقول عيسى لست بصاحب ذلك فيأتون محمدا فيقوم فيؤذن له وترسل الامانة والرحم فتقومان جنبتي الصراط يمينا وشمالا فيمر اولكم كالبرق قال قلت بابي انت وامي اي شيء كمر البرق قال الم تروا الى البرق كيف يمر ويرجع في طرفة عين ثم كمر الريح ثم كمر الطير وشد الرجال تجري بهم اعمالهم ونبيكم قائم على الصراط يقول يا رب سلم سلم حتى تعجز اعمال العباد حتى يجيء الرجل لا يستطيع السير الا زحفا وقال وفي حافتي الصراط كلاليب معلقة مامورة تاخذ من امرت به فمخدوش ناج ومكردس في النار والذي نفس ابي هريرة بيده ان قعر جهنم لسبعون خريفا۔ (رواه مسلم)

دہ تو کہاں، عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ وہ اللہ تعالیٰ کے ایک کلمہ کن سے پیدا ہوئے اور روح اللہ کہلائے۔ عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے میں بھی اس لائق کہاں۔ اس کے بعد لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں گے آپ شفاعت کے لئے اٹھ کھڑے ہوں گے اور آپ کو اجازت مل جائے گی (اور حساب شروع ہو جائے گا) اس دن صفت امانت اور صلہ رحمی کو (اتنی اہمیت دی جائے گی کہ ان کو ایک جسم کی شکل دے دی جائے گی یہ) پل صراط کے دائیں بائیں کھڑی ہو جائیں گی (تاکہ اپنی رعایت کرنے والوں کی سفارش اور عدم رعایت کرنے والوں کا شکوہ کریں) پھر تمہارا پہلا قافلہ بجلی کی طرح تیزی کے ساتھ گذر جائیگا راوی کہتا ہے میں نے عرض کیا آپ پر میرے ماں باپ قربان، بجلی کی طرح تیز گذرنے کا کیا مطلب ہوا فرمایا کیا تم نے نہیں دیکھا کہ کس طرح پل بھر میں گذر کر لوٹ بھی آتی ہے (اسی تیزی کے ساتھ تمہارا گذرنا ہوگا) پھر ہوا کی طرح پھر تیز پرندے کی طرح پھر طاقتور کی دوڑ کی طرح غرض جیسے ان کے اعمال ہوں گے اسی تیزی کے ساتھ وہ ان کو لیجائیں گے اور تمہارا نبی کھڑا ہوا یہ دعا مانگ رہا ہوگا میرے پروردگار ان کو سلامتی سے گذار، ان کو سلامتی سے گذار، یہاں تک کہ ضعیف الاعمال اور گنہگار لوگوں کا نمبر آجائیگا حتی کہ ایک شخص وہ ہوگا جسے گھسٹ کر چلنے کے سوا طاقت نہ ہوگی فرمایا کہ پل صراط کے دونوں طرف کانٹے لٹکے ہوئے ہوں گے اور جس کے متعلق حکم دیا جائے گا وہ اس کو پکڑ لیں گے پس جس کے صرف کھرونچ آئے گی وہ تو نجات پا جائے گا اور جس کے ہاتھ پیر باندھ دیئے جائیں گے وہ دوزخ میں جا گرے گا۔ (ابوہریرہؓ قسم کھا کر کہتے ہیں کہ) اس کی قسم جس کے دست قدرت میں ابوہریرہؓ کی جان ہے جہنم کی گہرائی ستر سال کی مسافت ہے۔ (مسلم)

الإسلام يدرس بالمعصية كما يدرس وشي الثوب

(۳۶۷) عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْرُسُ الْإِسْلَامُ كَمَا يَدْرُسُ وَشْيُ الثَّوْبِ حَتّٰى لَا يُدْرٰى مَا صِيَامٌ وَلَا صَلَاةٌ وَلَا نُسُكٌ وَلَا صَدَقَةٌ وَلَيُسْرٰى عَلٰى كِتَابِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ فِيْ لَيْلَةٍ فَلَا يَبْقٰى فِي الْأَرْضِ مِنْهُ آيَةٌ وَتَبْقٰى طَوَائِفُ مِنَ النَّاسِ الشَّيْخُ الْكَبِيْرُ وَالْعَجُوْزُ الْكَبِيْرَةُ يَقُوْلُوْنَ أَدْرَكْنَا آبَاءَنَا عَلٰى هٰذِهِ الْكَلِمَةِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ فَنَحْنُ نَقُوْلُهَا فَقَالَ صِلَةُ مَا تُغْنِيْ عَنْهُمْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَهُمْ لَا يَدْرُوْنَ مَا صِيَامٌ وَلَا صَلَاةٌ وَلَا نُسُكٌ وَلَا صَدَقَةٌ فَأَعْرَضَ عَنْهُ حُذَيْفَةُ

گناہ کرنے سے اسلام اسی طرح پرانا ہو جاتا ہے جیسا کپڑا استعمال سے

(۳۶۷) حذیفہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس طرح کپڑے کے نقش و نگار گھس جاتے ہیں اور ماند پڑ جاتے ہیں اسی طرح نور اسلام بھی ایک زمانہ میں ماند پڑ جائے گا پھر کسی شخص کو یہ علم تک نہ رہے گا کہ روزہ کیا چیز ہے اور صدقہ و حج کیا چیز۔ ایک شب آئے گی کہ قرآن سینوں سے اٹھا لیا جائے گا، روئے زمین پر اس کی ایک آیت بھی باقی نہ رہے گی۔ متفرق طور پر کچھ بڈھے مرد و کچھ بوڑھی عورتیں رہ جائیں گی جو یہ کہیں گے کہ ہم نے اپنے بزرگوں سے کلمہ لا الٰہ الا اللہ سنا تھا اس لئے ہم بھی یہ کلمہ پڑھتے ہیں۔ صلہ (ایک شخص کا نام ہے) نے پوچھا جب انہیں روزہ، صدقہ اور نفل حج کا کچھ علم نہ ہوگا تو بھلا صرف یہ کلمہ انہیں کیا سودمند ہوگا۔ حذیفہ نے اس کا کوئی جواب نہ دیا انہوں نے

(۳۶۷) وہب ابن منبہ کی حدیث میں اعمال کو مفتاح کے اسنان سے یعنی کنجی کے دندانوں سے ادا کیا ہے اور اس حدیث میں کپڑے کے نقش و نگار سے تشبیہ دی جا رہی ہے۔ نقش و نگار گھس جانے کے بعد بادہ کا نام صرف یہ ہے کہ کپڑا پہنا جاتا ہے ہونے کے بعد تک زیر استعمال رہتا ہے مگر یہ بھی نہیں ہے کہ اس کی حقیقت یا کپڑے کی حقیقت معدوم ہو جائے اس کا وجود پھر بھی باقی رہتا ہے۔ دیکھئے اس قسم کی تمام حدیثوں میں سوال و جواب کا دائرہ صرف اعمال تک محدود ہے۔ رسالت کی شہادت پر نہ ہونے کا خیال کبھی کسی کے ذہن میں نہیں گزرا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ سوال اس زمانہ میں پیدا ہی نہیں ہو سکتا تھا جہاں متکلم خود ہی کلام کرتا تھا۔ آج تیرہ سو برس کے بعد جو منطقی ذہنوں میں بلا وجہ یہ سوال پیدا کر دیا ہے تفسیری بحث چل کر جا لگی ہو۔ اسلامی انقلابات میں یہ ایک عظیم انقلاب کی پیشگوئی ہے کہ جس امت نے سب سے پہلے توحید کا پرچم لہرایا تھا ایک روز آئے گا کہ وہی سب سے پہلے [illegible] ہوں گے کہ اس کے دماغ میں اس کلمہ کا نقش صرف اپنی آبائی تاریخ کی ایک مثال بن کر رہ جائے گا۔ ایسی نازک حالت کے متعلق حذیفہ نہیں چاہتے تھے کہ اپنی زبان سے کوئی صاف جواب دیں مبادا منکرین کا فکر [illegible] ہیں اور [illegible] پیدا ہو جاتے لیکن جب ان کو مجبور کر دیا گیا تو جو حقیقت تھی وہ انہیں واضح کرنی پڑی۔ [illegible] حدیث [illegible] صرف توحید و رسالت ہے اور اسی بنا پر اس کو

قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَكَيْفَ نُجَدِّدُ اِيْمَانَنَا قَالَ اَكْثِرُوْا مِنْ قَوْلِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ - واخرجه الحاكم فی کتاب التوبۃ وقال صحیح الاسناد قال الذہبی وفیہ صدقۃ وضعفوہ۔

المعاصی قد تفضی الی حبط بعض الحسنات

(۳۷۰) عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَكَ صَلٰوةَ الْعَصْرِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ (رواہ البخاری)

(۳۷۱) عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَذْفُ الْمُحْصَنَةِ يَهْدِمُ عَمَلَ مِائَةِ سَنَةٍ (رواہ البزار)

(۳۷۲) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ لَمْ يَقْبَلِ اللّٰهُ لَهُ صَلٰوةً اَرْبَعِيْنَ صَبَاحًا (ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ۔ دارمی)

(۳۷۳) عَنْ سَهْلِ بْنِ مُعَاذٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ غَزَوْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَضَيَّقَ النَّاسُ الْمَنَازِلَ وَقَطَعُوا الطَّرِيْقَ فَبَعَثَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُنَادِيًا يُنَادِيْ اَنَّ مَنْ

آپ سے دریافت کیا گیا یا رسول اللہ ایمان کی تجدید کیسے کیا کریں فرمایا کہ کثرت کے ساتھ لا الٰہ الا اللہ پڑھا کرو (حاکم)

گناہ کبیرہ کرنے سے کبھی نیکیوں کے اکارت ہونے کی بھی نوبت آجاتی ہے

(۳۷۰) بریدہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے عصر کی نماز چھوڑ دی اس کے عمل اکارت ہو گئے۔ (بخاری)

(۳۷۱) حذیفہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی پاک باز عورت کو تہمت لگانے سے سو سال کے عمل برباد ہو جاتے ہیں۔ (البزار)

(۳۷۲) عبداللہ بن عمر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے شراب پی اللہ تعالیٰ چالیس روز تک ۔ ۔ ۔ ۔ اس کی نمازیں قبول نہیں کرتا۔ (ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ۔ دارمی)

(۳۷۳) سہل اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہی میں ایک غزوہ کیا لوگوں نے

کہا جاتا ہے بعید نہیں ہے کہ وہ بھی ایک نہ ایک دن پرانے کپڑے کی طرح تار تار ہو جائے۔ فاطیروا یا اولی الابصار۔ صحیح بخاری میں بھی بعض صحابہ کی زبان سے مروی ہے۔

ضَيَّقَ مَنْزِلًا أَوْ قَطَعَ طَرِيقًا فَلَا جِهَادَ لَهُ ۔ (رواہ ابوداؤد)

(۳۷۴) عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أَخَذَ أَرْضًا بِجِزْيَتِهَا فَقَدِ اسْتَقَالَ هِجْرَتَهُ وَمَنْ نَزَعَ صَغَارَ كَافِرٍ مِنْ عُنُقِهِ فَقَدْ وَلَّى الْإِسْلَامَ ظَهْرَهُ ۔ (ابوداؤد)

(۳۷۵) عَنْ سَلَمَةَ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى خَيْبَرَ فَقَالَ رَجُلٌ مِنْهُمْ

وجہ بتائی ہیں) دوسروں کے اترنے کی جگہوں میں تنگی پیدا کر دی اور آمد و رفت کے راستے بند کر دیے (جب آپ کو یہ خبر ملی) تو آپ نے ایک منادی بھیجا کہ وہ لوگوں میں یہ اعلان کر دے کہ جو لوگوں کے اترنے کے مقامات میں کوئی تنگی پیدا کرے گا یا راستے بند کرے گا اس کا جہاد اکارت۔ (ابوداؤد)

(۳۷۴) ابودرداء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جس نے کافر کی خراجی زمین خریدی اس نے اپنی ہجرت کا عمل اکارت کر دیا اور جس نے کسی کافر کی گردن سے ذلت کا طوق نکال کر اپنے گلے میں ڈال لیا اس نے اسلام کی طرف اپنی پشت کر دی۔ (ابوداؤد)

(۳۷۵) سلمہ بیان کرتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ اہل خیبر سے جنگ کے لئے نکلے

(۳۷۵) صحابہ کرام کو یہ تجربہ ثابت ہو چکا تھا کہ جنگ کے موقع پر جب کسی شخص کی نسبت آپ رحم کا کلمہ ارشاد فرما دیتے تو وہ ضرور شہید ہو کر رہتا اس لئے عامر کے متعلق یہ کلمہ سن کر سمجھ گئے کہ یہ بھی شہید ہوئے بغیر نہ رہیں گے اس لئے حضرت عمر نے عرض کیا کہ آپ نے ہمیں ان کی صحبت سے لطف اندوزی کا کچھ اور موقع دیا ہوتا۔

واضح رہے کہ خودکشی اگرچہ سب کے نزدیک حقیقۃً حبط عمل کا موجب ہے لیکن کبائر کے حبط عمل کے مفہوم میں کچھ اختلاف ہے کسی نے اس کو گناہوں کی اہمیت ذہن نشین کرنے کا صرف ایک عنوان قرار دیا ہے . . . . اور کسی نے ظاہری معنی ہی پر محمول کر لیا ہے لیکن اس تقدیر پر مشکل یہ ہے کہ یہ اہل سنت کا مذہب نہیں معتزلہ کا مذہب ہے۔ ہمارے نزدیک یہاں صاحب روح المعانی کی رائے زیادہ قرین صواب ہے وہ سورۂ محمد کی تفسیر میں معتزلہ کی جواب دہی کرتے ہوئے نقل کرتے ہیں۔

وفي الكشف لا يبعد هذا التقاعس عن تحرير الحبط بل يقال ان ما زعمه المعتزلة ان غير الزناء اذا تعقب الصلوة يبطل ثوابها فلا دليل عليه ولئن ارادوا ان هذا بعض يكدر صفاء الحسنات فهذا مسلم والكلام في تسميتها احباطا ولكن عندنا ان هذا الاحباط غير الذي زعموه (روح)

کشف میں اس مسئلہ کی تحقیق یوں کی گئی ہے کہ معتزلہ سے یہ پوچھنا چاہئے کہ حبط سے ان کا کیا مطلب ہے اگر یہ مطلب ہے کہ مثلاً نماز کے بعد زنا کر لینے سے نماز کا حاصل شدہ ثواب برباد ہو جاتا ہے تو اس پر کوئی دلیل نہیں اور اگر یہ مطلب ہے کہ کسی عمل کا جو اثر ہوتا ہے وہ بھی پھر اگلے عمل کا ثواب اس کی تلافی نہیں کر سکتا تو یہ بات صحیح ہے گو اس وقت گفتگو صرف اس میں رہ گئی کہ اس کو حقیقۃً حبط کہا جائے یا نہیں ہمارے خیال میں اصل بات یہ ہے کہ معتزلہ

إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي زَعَمُوا أَنَّ عَامِرًا حَبِطَ عَمَلُهُ فَقَالَ كَذَبَ مَنْ قَالَهَا إِنَّ لَهُ لَأَجْرَيْنِ اثْنَيْنِ إِنَّهُ لَجَاهِدٌ مُجَاهِدٌ وَأَيُّ قَتْلٍ يَزِيدُهُ عَلَيْهِ۔ (رواه البخاري)

(٣٤٦) عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَزَالُ الْمُؤْمِنُ مُعْنِقًا

کر رہے تھے کہ عامر کے اعمال اکارت ہو گئے میں نے آکر آپ کی خدمت میں عرض کیا یا نبی اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، لوگوں کا یہ خیال ہو رہا ہے کہ عامر کے عمل اکارت ہو گئے آپ نے فرمایا کون کہتا ہے جس نے کہا غلط کہا اس کو دوہرا ثواب ملے گا وہ بڑا کا مجاہد تھا اس کے قتل سے بڑھ کر اور کونسا قتل ہو سکتا ہے۔ (بخاری شریف)

(٣٤٦) ابو الدرداء صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ایماندار آدمی اپنے دین

حضرت شاہ [illegible] قدس سرہ کے کلمات سے یہاں حبط عمل کی ایک اور شرح بھی مفہوم ہوتی ہے۔ امام بخاری کے ترجمۃ الباب خوف المؤمن ان یحبط عملہ کی شرح کے ذیل میں فرماتے تھے کہ اس ترجمہ سے امام بخاری کی غرض مرجئہ کی تردید ہے یعنی گناہ اتنی ہلکی چیز نہیں جتنی کہ مرجئہ سمجھتے ہیں ان کی شامت سے بعض مرتبہ سوء خاتمہ اور سلب ایمان کا اندیشہ بھی ہو سکتا ہے مگر اس کا حکم ظاہری کفر نہیں ہوتا کیونکہ کفر یہاں بظاہر کوئی علامت کفر نہیں ہوتا اس لئے ظاہر میں ایمان و اسلام کا حکم باقی رہتا ہے لیکن چونکہ قلب حقیقت ایمانیہ اور ذوق سے خالی ہو جاتا ہے اس لئے عالم آخرت میں اس کا شمار مسلمانوں میں نہیں رہتا۔ مثلاً ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص دنیا میں شراب پئے گا وہ آخرت میں نہ پئے گا۔ ترمذی کی شرح میں صاحب قوت المغتذی اس کا یہ مطلب تحریر فرماتے ہیں کہ اگر شراب خواری کی عادت ترک نہ کی گئی تو اس کی شامت کو انجام خراب ہو جانے کا خطرہ ہو سکتا ہے اور ظاہر ہے کہ جب خاتمہ بخیر نہ ہو تو آخرت میں وہ شراب جو صرف مومنین کا حصہ ہوگی کیونکر میسر آئیگی۔ اس بنا پر حبط عمل کا اصل سبب کفر ہی ہوگا لیکن چونکہ بظاہر یہ نکلتا ہے کہ معصیت [illegible] سبب ہوئی ہو اس لئے حبط عمل کا حکم اس معصیت ہی کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے۔ ایک اور حدیث سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے۔ حضرت ابو الدرداء روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن اپنے دینی معاملات میں برابر مستعد رہتا ہے لیکن جب کسی کا ناحق خون کر دیتا ہے تو پھر اس کی مستعدی ختم ہو جاتی ہے اور اس کی رفتار سست پڑ جاتی ہے۔ (ابوداؤد)

گویا قاتل عمداً کو بھی اسی طرح آہستہ آہستہ عملاً یا [illegible] کی طرف لے چلتی ہے جس طرح یہاں تقوی [illegible] جگہ قائم ہے [illegible] اپنی جگہ کام کرتی اسی طرح معاصی صرف معاصی کہلاتے ہیں لیکن ان کا [illegible] کفر کی طرف لیتا چلا جائے گا۔ یہی اعمال اگرچہ اجزاء ایمان نہیں مگر قوت ایمانیہ قائم رکھنے کے لئے ان کا وجود اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ درخت کی حیات کے لئے پانی کا۔

(٣٤٦) حدیث نے جنت اور دوزخ کی تقسیم تو ایمان و کفر پر رکھی ہے مگر ان میں مراتب کی تقسیم اعمال کے واسطے سے کی ہے [illegible]

من سبق على لسانه كلمة الكفر لم يكفر

(۳۴۸) عن انس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لله اشد فرحا بتوبة عبده حين يتوب اليه من احدكم كان على راحلته بارض فلاة فانفلتت منه وعليها طعامه وشرابه فايس منها فاتى شجرة فاضطجع في ظلها قد ايس من راحلته فبينما هو كذلك اذ هو بها قائمة عنده فاخذ بخطامها ثم قال من شدة الفرح اللهم انت عبدي وانا ربك اخطأ من شدة الفرح (رواه مسلم)

(۳۴۹) عن ابي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال من حلف فقال في حلفه

اگر سبقت لسانی سے کلمۂ کفر زبان سے نکل جائے تو اس سے کفر عائد نہیں ہوتا

(۳۴۸) حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ کا بندہ توبہ کرتا ہے تو اس کو اپنے بندہ کی توبہ سے تم میں کے اس شخص سے بہت زیادہ خوشی حاصل ہوتی ہو جس کی سواری کسی جنگل میں ہو اور اسی پر اس کا کھانا اور پینا بھی ہو پھر وہ اس سے چھوٹ کر کہیں بھاگ جائے اور یہ شخص اس سے مایوس ہو کر ایک درخت کے سایہ میں آکر لیٹ رہے اور ابھی اسی مایوسانہ حالت میں لیٹا ہوا ہو کہ دفعۃً وہ اپنی سواری سامنے پاس کھڑی ہوئی دیکھے اور اس کی مہار پکڑ لے پھر زور سے خوشی کے اس کی زبان سے غلطی سے یہ نکل جائے کہ اے اللہ تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا پروردگار ہوں۔ (مسلم)

(۳۴۹) ابوہریرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جس نے قسم اٹھانے کا ارادہ کیا اور اس کی زبان پر لات و عزیٰ کا نام آگیا تو اسے فوراً لا الٰہ الا اللہ

(۳۴۸) یہ خوشی کی حالت میں سبقت لسانی سے اس قسم کی لغزشیں ہو جاتی ہیں۔ کہنا چاہیے تھا کہ اے اللہ تو میرا رب ہے اور میں تیرا بندہ ہوں مگر خوشی میں زبان کی لغزش سے اس کا برعکس نکل گیا۔ اس کلمہ پر سبقت لسانی کی وجہ سے کفر کا حکم نہیں لگایا جا سکتا حالانکہ اس کے کلمۂ کفر ہونے میں ذرا شبہ نہیں کیا جا سکتا۔

(۳۴۹) یہ اسلام کے ابتدائی دور کی باتیں ہیں جس طرح صرف عادت کی وجہ سے انسان کی زبان قابو میں نہیں رہتی اور کچھ کا کچھ نکل جاتا ہے اسی طرح عام بات چیت میں بھی جن باتوں کا عادی ہو چکا ہے ان کی بھی لغزش کھائے بغیر نہیں رہتی۔ عرب عام گفتگو میں کثرت سے لات و عزیٰ کی قسمیں کھانے کا عادی تھا۔ اسلام کے بعد بھی بہت ممکن تھا کہ ان کی زبان سے یہ قسمیں موقع بے موقع بے اختیار بطور لغزش نکل جاتی ہوں۔ شارع علیہ السلام نے ان کی اس لغزش پر کفر کا فتویٰ عائد نہیں کیا بلکہ اس لغزش کا تدارک کرنے اور فوراً اصلاح کرنے کی تعلیم دی، اور کلمہ لا الٰہ الا اللہ پڑھنے کا حکم دیدیا تاکہ اگر

مَاضٍ مُنْذُ بَعَثَنِيَ اللّٰهُ إِلٰى أَنْ يُقَاتِلَ آخِرُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ الدَّجَّالَ لَا يُبْطِلُهُ جَوْرُ جَائِرٍ وَلَا عَدْلُ
عَادِلٍ وَالْإِيمَانُ بِالْأَقْدَارِ (رواہ ابوداؤد)

اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا ہے، جہاد ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جاری رہے گا۔ یہاں تک کہ اس امت کے
آخر میں ایک شخص آکر دجال سے جنگ کریگا۔ کسی منصف بادشاہ کے انصاف یا کسی ظالم کے ظلم کا بہانہ
لیکر جہاد ختم نہیں کیا جاسکتا ہے) اور اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر ایمان لانا۔ (ابوداؤد)

بھی اس کو معذور تسلیم کیا ہے اور یہ حکم دیا ہے کہ وہ اپنی اس کمزوری کی توبہ و استغفار کے ذریعہ تلافی کرے لیکن شرک
وکفر کی طرف میلان انسان کی فطرت نہیں بلکہ خلاف فطرت ہے۔ اس میں کوئی انسان معذور نہیں رکھا جا سکتا۔
یہ خالق سے کھلی مخالفت اور اعلان بغاوت ہے اس لئے اس کے بعد اس کا شمار دوستوں کی صف میں ہو سکتا؟
وہ کمزوری ہی نہیں کہ اسے نباہ لیا جائے بلکہ سرکشی و بغاوت ہے۔ افسوس ہے کہ بڑے بڑوں نے بھی اس اہم حدیث پر صحیح
طور پر غور نہیں کیا گیا اس لئے کسی نے تو محض فروعی اختلافات کی بنا پر ایک دوسرے پر کفر کی بوچھاڑ شروع کر دی اور کسی نے
متفق علیہ کفریات کے ہوتے ہوئے بھی کفر کا حکم لگانے میں احتیاط برتی۔
حالانکہ اس حدیث میں نہایت صفائی کے ساتھ یہ تنبیہ کر دی گئی تھی کہ جن اعمال پر تکفیر کی ممانعت کی گئی ہے
وہ عقائد کفریہ، ضروریات دین کا انکار، دین کا استخفاف نہیں بلکہ صرف وہ عملی فروگذاشتیں ہیں جن کو معاصی و ذنوب
کہا جاتا ہے۔ پھر یہاں اہل قبلہ کا عنوان بھی ان ہی لوگوں کے لئے اختیار کیا گیا تھا جنہیں اسلامی اصول کے ساتھ کوئی اختلاف
نہیں گویا قبلہ اصول اسلامی کا ایک ایسا مرکزی نقطہ ہے کہ جو شخص اس پر متفق ہو گیا گویا تمام اصول میں بھی متفق ہونا
ضروری ہے لہٰذا اب اس کا اختلاف اگر ہوگا تو صرف فروعات ہی میں ہوگا۔ صرف فروعی اختلاف سے کسی کو کافر قرار
دینا صحیح نہیں۔ احادیث میں بھی کلمہ توحید کو تمام اسلام کا سرنامہ بنا دیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے بہت سے مقامات پر
توحید کے ساتھ رسالت کا ذکر بھی نہیں۔ اور صرف توحید کے عقیدہ پر جنت کی بشارت مذکور ہے۔ پس جس طرح احادیث
میں کلمہ توحید کے اقرار کا مطلب تمام اسلامی اصول کا اقرار ہے۔ اسی طرح یہاں بھی اہل قبلہ کا مطلب سمجھنا چاہئے۔
یہ حدیث ثابت کہ مستقبل قریب ان لوگوں کے متعلق ارشاد ہوئی ہے جو کفر کی زندگی چھوڑ کر حال ہی میں اسلامی
زندگی میں داخل ہوئے ہیں اور حضرت انسؓ کی اس حدیث کا تعلق مسلمانوں کے باہمی فرقوں کے ساتھ ہے۔ نکلے ہوئے
کافروں سے نہیں۔ اس حدیث کا تعلق ہے نہ کہ مسیلمہ کذاب بھی مدعی اسلام تھا بلکہ کسی حد تک آپ کی رسالت کا
بھی معترف تھا مگر کیا اسلام کی تاریخ میں اس حدیث کی وجہ سے اس کو مسلمان سمجھ لیا گیا؟ جن لوگوں نے صرف
ایک زکوٰۃ کا انکار کیا تھا، گرچہ وہ اہل قبلہ تھے نمازیں بھی ہماری طرح پڑھتے تھے۔ ہمارے ذبیحہ کھاتے تھے۔ کیا
انہیں کوئی استثناء نہ تھا ان کو معذور رکھا گیا ہرگز نہیں بلکہ ان سے جنگ کی گئی۔ دراصل بات یہ تھی کہ اس وقت جماعت
صحابہ نے ان کو مرتدین کی فہرست میں شمار کیا تھا تو ظاہر یہ ہے کہ اسی حکم کے تحت وہ منکرین قطعی کو مرتد شمار کیا جائے۔ خلاصہ
یہ ہے کہ اس حدیث میں جو حقیقت بتائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ فروعی اختلافات کی بنا پر کسی کو کافر کہنا چاہئے۔ اسلامی زبان میں اس کا
لقب فاسق ہے کافر نہیں۔ یہ ایک اہم اصلاحی آئین ہے اگر دوست اس پر عمل کرتے تو آج اس کا شیرازہ یوں نہ بکھرتا۔

مُعْطِيًا بِيَدَيْكَ قَالَ قِيلَ لِي لَنْ نُصْلِحَ مِنْكَ مَا أَفْسَدْتَ فَقَصَّهَا الطُّفَيْلُ عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللّٰهُمَّ وَلِيَدَيْهِ فَاغْفِرْ (رواه مسلم)

لا يجب في الايمان العلم بصفات الله تعالى تفصيلا

(۲۸۲) عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ الْحَكَمِ قَالَ أَتَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّ جَارِيَةً كَانَتْ لِي تَرْعَى غَنَمًا لِي فَجِئْتُهَا وَقَدْ فَقَدَتْ شَاةً مِنَ الْغَنَمِ فَسَأَلْتُهَا عَنْهَا فَقَالَتْ أَكَلَهَا الذِّئْبُ فَأَسِفْتُ عَلَيْهَا وَكُنْتُ مِنْ بَنِي آدَمَ فَلَطَمْتُ وَجْهَهَا وَعَلَيَّ

پھر ان سے پوچھا کہ تم اپنے ہاتھ ڈھانکے ہوئے کیوں نظر آ رہے ہو؟ اس نے کہا مجھ سے یہ کہا گیا کہ تم نے جو خود بگاڑا ... ہم اسے نہیں سنواریں گے۔ طفیل نے یہ خواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا آپ نے دعا فرمائی اے اللہ اس کے ہاتھوں کی بھی بخشش فرما دے۔ (مسلم)

اللہ تعالیٰ کی صفتوں پر اجمالی ایمان کافی ہے

(۲۸۲) معاویہ بن حکم روایت فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میری ایک باندی ہے جو میری بکریاں چرایا کرتی ہے میں اس کے پاس آیا تو مجھے اپنی بکریوں میں ایک بکری نہ ملی اس سے دریافت کیا تو بولی کہ بھیڑیے نے کھا لی۔ مجھے اس کا بہت غم ہوا آخر میں آدمی تھا اس کے منہ پر ایک تھپڑ مار دیا میرے ذمہ (کسی کفارہ وغیرہ کے لئے) ایک

---

(۲۸۲) ایمان کے لئے اللہ تعالیٰ کی صفات کا ایک سادہ اور سیدھا علم کافی ہے اس میں علم کلام کی موشگافیاں قطعاً غیر ضروری ہیں۔ مثلاً جب یہ بات کہ اللہ تعالیٰ کے لئے آسمان کی جہت موزوں ہے اگر اس کو فلسفی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو اس کی ذات کا جہت و مکان میں مقید ہونا لازم آتا ہے۔ یہ درست ہے مگر ہر عالم اور عامی شخص کو اس کا مکلف بنایا نہیں جا سکتا کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایسا ہی ایمان لائے جو تشبیہ و تنزیہ کے درمیان ہو۔ اس لئے یہاں اجمالی تنزیہ کافی سمجھ لی گئی ہے اگرچہ ایک فلسفی کی نظر میں یہ حیثیت تشبیہ کیوں نہ ہو جائے۔ یاد رکھنا چاہئے کہ لفظی تشبیہ ایک حد تک قابل برداشت ہو سکتی ہے جب تک کہ عقیدہ میں قطعی تنزیہ موجود ہو، کم از کم نفیاً و اثباتاً اس سے کوئی بحث نہ ہو۔ لیکن اگر عقیدہ میں اثباتاً تشبیہ داخل ہو جائے تو اب یہ برداشت نہیں ہو سکتی۔ مثلاً محاورہ میں اللہ تعالیٰ کے لئے آسمان کی جہت ثابت کی جاتی ہے مگر یہ اس وقت تک ہی قابل اغماض ہو سکتی ہے جب تک کہ قلب میں یہ عقیدہ بھی خوب مضبوط اور مستحکم موجود ہو کہ اس نسبت کا مفہوم اللہ تعالیٰ کی عظمت کے سوا اور کچھ نہیں۔

رَقَبَةً أَفَأُعْتِقُهَا فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيْنَ اللهُ فَقَالَتْ فِي السَّمَاءِ فَقَالَ مَنْ أَنَا فَقَالَتْ أَنْتَ رَسُوْلُ اللهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْتِقْهَا رواه مالك وفي رواية مسلم اعتقها فانها مؤمنة۔

(۳۸۳) عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ أَنَّهُ جَاءَ بِأَمَةٍ سَوْدَاءَ

غلام آزاد کرنا بھی ہے۔ مجھے تو اسی باندی کو اس کے عوض میں آزاد کر دینا۔ آپ نے اس باندی سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کہاں ہے وہ بولی آسمان میں۔ آپ نے فرمایا میں کون ہوں اس نے کہا اللہ تعالیٰ کے رسول۔ فرمایا اچھا اسے آزاد کر دو اور مسلم کی روایت میں یہ بھی ہے کہ یہ مومنہ ہے۔ (موطا مالک)

(۳۸۳) عبید اللہ بن عبد اللہ ایک انصاری شخص سے روایت کرتے ہیں کہ وہ ایک سیاہ باندی

ہم پہلے ہی بالتفصیل لکھ چکے ہیں کہ اسلام نے فلاسفہ کی طرح اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کی اتنی تنزیہ کرنی نہیں چاہی کہ ایک مادی انسان کے لئے اس کی ذات و صفات میں کوئی کشش ہی باقی نہ رہے بلکہ اس حد تک تشبیہ کی بھی اجازت دیدی ہے جہاں تک انسان کی فطرت کی مناسبت اس کو مقتضی ہو سکتی ہے اور تجسیم پیدا نہیں ہوتی۔ لیس کمثلہ شیء وھو السمیع البصیر۔ اس آیت میں یہی تنبیہ کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر تشبیہ سے منزہ و مبرا مقرر ہے مگر ایسی منزہ بھی نہیں کہ اس کے متعلق سمیع و بصیر کا تصور کرنا بھی اس کی تنزیہ کے خلاف سمجھا جائے وہ سمیع و بصیر ہے مگر بے مثال اسی طرح اس کے لئے آسمان کی جہت بھی ثابت ہے مگر مکان کی طرح نہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے حق میں اثباتی پہلو میں صرف اجمالی اجمالی علم ہی ممکن ہو سکتا ہے۔ البتہ سلبی پہلو میں جتنی تفصیل چاہو ہو سکتی ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ جب اثباتی پہلو میں کوئی لفظ استعمال کیا جاتا ہے تو اسی وقت اس میں تشبیہ کی بو آنے لگتی ہے۔ سوچو کہ اگر اس کے لئے صفت سمع و بصر ثابت کرنا موزوں نہیں تو اگر اسے سمیع و بصیر نہیں تو اور کیا کہیں اس لئے ذات پاک کی وسعت اور الفاظ کی تنگی کے تجاذب سے بعض جگہ تشبیہ برداشت کر لی گئی ہے بشرطیکہ عقیدہ تشبیہ سے گرد آلود نہ ہونے پائے۔ یہ ایسا نازک موقعہ ہے جہاں اسلام و کفر کی سرحد بہت ہی نزدیک ہو جاتی ہے نصاریٰ نے خدا کے رسول کے لئے اپنے زعم میں صرف ایک پر عظمت لفظ سمجھ کر ابن اللہ کہہ دیا اور یہ غور نہ کیا کہ اس کلمہ تشبیہ کی بو کہاں جا کر پڑتی ہے اسی لئے فرمایا: أَنَّى يَكُوْنُ لَهُ وَلَدٌ وَلَمْ تَكُنْ لَهُ صَاحِبَةٌ۔ بھلا خدا کے بیٹا کہاں سے ہو سکتا ہے جب کہ اس کے لئے بیوی ہی نہیں۔

بس نہ ہر تشبیہ قابل اعتراض ہے اور نہ ہر تنزیہ قابل معافی ہے اسی لئے علماء اللہ تعالیٰ پر مشتق کا لفظ اطلاق کرنا پسند نہیں کرتے اور اسی طرح ان تمام الفاظ سے بھی احتراز کرنا ضروری سمجھتے ہیں جن کو ارباب سکر نے اپنے عالم بیخودی میں محبت و ذوق کے ساتھ استعمال کر لیا ہے۔ ان احوال سے دور جیسے غالی حضرات کو ان الفاظ میں بڑی احتیاط لازم ہے

ع ہر کہ سر بترا شد قلندری داند

(۳۸۳) حضرت شاہ ولی اللہ نے اس حدیث پر حجۃ اللہ میں دو جگہ کلام فرمایا ہے ایک باب التیسیر کے

قال یا رسول الله ان علی رقبة مؤمنة فان کنت تری هذه مؤمنة اعتقتها فقال لها رسول الله صلی الله علیه وسلم اتشهدین ان لا اله الا الله قالت نعم قال اتشهدین انی رسول الله قالت نعم قال اتؤمنین بالبعث بعد الموت قالت نعم قال اعتقها. ج۳ ص۴۵۲ قال الهیثمی رجاله رجال الصحیح - و رواه مالک ایضا وقال السیوطی فی تنویر الحوالک وروی عن ابی هریرة موصولا ایضا

لے کر آئے اور عرض کی یا رسول اللہ میرے ذمہ ایک مسلمان باندی آزاد کرنا واجب ہے اگر آپ کے نزدیک یہ مومنہ ہو تو میں اسے ہی آزاد کر دوں آپ نے اس سے پوچھا کیا تو اس بات کی قائل ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں وہ بولی جی ہاں۔ آپ نے فرمایا کیا موت کے بعد پھر جینے کو مانتی ہے وہ بولی جی ہاں۔ آپ نے فرمایا اسے آزاد کر سکتے ہو۔ (مسند احمد)

ومعلوم ان الشرع شرعنا لهم الاعلی میزان العقل لفندهم فی اصل خلقتهم قبل ان یتعاطوا دقائق الحکمة والکلام والاصول جاءت سنة جهة فقال الرحمن علی العرش استوی. وقال النبی صلی الله علیه وسلم للسوداء این الله فاشارت الی السماء فقال هی مؤمنة (ج۱ ص۶۰) معلوم ہوا کہ اصل یہی ہے کہ شریعت ان کو صرف اس بات کا مکلف بنائے جس کے سمجھنے کی ان میں دقائق فلسفہ و علم کلام پڑھنے سے پہلے قدرتاً صلاحیت موجود ہو۔ مثلاً یہ کہ انسانی فطرت میں اللہ تعالیٰ کے لئے جہت علو ثابت ہے۔ ایک جاہل اور ایک عالم جب دعا کرتا ہے تو اس کی نظر بے اختیار آسمان کی جانب اٹھ جاتی ہے شریعت نے بھی اس فطرت کو اجمالاً تسلیم کر لیا ہے اسی لئے قرآن و حدیث میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف اس جہت کی نسبت ہوتی چلی جاتی ہے۔ الرحمن علی العرش استوی۔

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سیاہ باندی سے پوچھا اللہ تعالیٰ کہاں ہے اس نے آسمان کی طرف اشارہ کر دیا آپ نے فرمایا یہ مومنہ ہے۔ دوسری جگہ باب طبقات الامة باعتبار الخروج الی الکمال المطلوب اور صفحہ میں تحریر فرماتے ہیں۔ وقوم نقصت عقولهم کاکثر الصبیان والمعتوهین والفلاحین والارقاء وکثیر من عامة الناس فهم لا باس بهم اذا اعتقدوا ... یلتحق من امثالهم بمثل ما اکتفی رسول الله صلی الله علیه وسلم من الجاریة السوداء سألها این الله فاشارت الی السماء وهم اصحاب الاعراف انما یرجی لهم ان یبعثوا مسلمین بلا تفرقة (حجۃ اللہ ج۱ ص۱۲) بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کی عقلی قوت ناقص ہوتی ہے جیسے بچپن کے زمانہ میں اکثر لڑکے اور بعض بے عقل لوگ اور کسان طبقہ اور غلام و رعیت کے لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے متعلق بظاہر یہ گمان ہوتا ہے کہ ان کی عقلوں میں کوئی نقصان نہیں لیکن جب ان کے حالات سے ان کو جانچا جاتا ہے تو وہ بے عقل ثابت ہوتے ہیں۔ اس قسم کے انسانوں کا صرف اتنا ہی سا ایمان کافی سمجھا جاتا ہے جتنا کہ آپ نے اس سیاہ باندی سے قبول فرمایا تھا جس سے آپ نے دریافت کیا تھا کہ خدا کہاں ہے تو اس نے آسمان کی طرف اشارہ کر دیا تھا۔

حضرت شاہ صاحب موصوف کی ان مزید تصنیفات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اجمالی ایمان دو صورتوں میں معتبر

(۳۴۸) عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنِ الشَّرِيدِ (بْنِ سُوَيْدٍ) أَنَّ أُمَّهُ أَوْصَتْ أَنْ يُعْتِقَ عَنْهَا رَقَبَةً مُؤْمِنَةً فَسَأَلَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ عِنْدِي جَارِيَةٌ سَوْدَاءُ أَوْ نُوبِيَّةٌ فَأُعْتِقُهَا فَقَالَ ائْتِ بِهَا فَدَعَوْتُهَا فَجَاءَتْ فَقَالَ لَهَا مَنْ رَبُّكِ قَالَتِ اللّٰهُ قَالَ مَنْ أَنَا فَقَالَتْ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَعْتِقْهَا فَإِنَّهَا مُؤْمِنَةٌ. رواہ احمد وقال الهيثمي رواه البزار والطبراني في الأوسط وإذا قال لها من ربك فأشارت برأسها إلى السماء فقالت الله. ورجاله موثقون. ورواه ابو داود والنسائي أيضا.

(۳۴۸) ابو سلمہ شرید سے روایت کرتے ہیں کہ ان کی والدہ نے یہ وصیت فرمائی تھی کہ ان کی جانب کر ایک مومن بردہ آزاد کر دیں انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق دریافت کیا اور کہا میرے پاس شہر نوبہ کی ایک سیاہ باندی ہے میں اسے آزاد کر دوں آپ نے فرمایا اسے (یہاں) لاؤ میں نے اس کو آواز دی وہ آگئی آپ نے اس سے پوچھا تیرا رب کون ہے وہ بولی اللہ پھر آپ نے پوچھا اور میں کون ہوں وہ بولی اللہ کے رسول آپ نے فرمایا جاؤ آزاد کر دو یہ مومنہ ہے۔ (مسند احمد)

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ) ہوتا اب کہیں مسئلہ کی نوعیت ہی یہی ہوتی ہے اور کہیں مخاطبین کی نوعیت کا فرق ہوتا ہے۔ جہت فوق کا مسئلہ بھی اسی مسئلہ کی نوعیت ہی یہی ہے کہ قرآن فلسفہ سے قطع نظر یہی بات ہر انسان کی فطرت میں مرکوز ہے اس لئے یہاں عاقل اور غیر عاقل کی کوئی تقسیم نہیں سب کے لئے اس جہت کا اعتقاد مناسب و جائز ہے بلکہ خود قرآن بھی انسان کی اسی فطرت کے مطابق نازل ہوا ہے اس نے بھی اپنے بیان میں بار بار اسی نسبت کو استعمال کیا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ بعض انسان اپنی فطری عقل یا اپنے ماحول کے تاثرات سے اتنی صلاحیت ہی نہیں رکھتے کہ مسئلہ کو پوری گہرائی کے ساتھ سمجھ سکیں۔ شریعت بھی ایسے لوگوں سے ان کی عقل سے زیادہ فہم کا مطالبہ نہیں کرتی اور عام مسلمانوں کے ساتھ ان کی اجمالی شرکت کافی سمجھتی ہے بشرطیکہ موجب تفریق و تشتت نہ ہو۔ مثلاً یہی نافہم باندی اگر اسے تشبیہ و تنزیہ کے بین ایمان کا مکلف بنایا جاتا تو وہ یقیناً اس سے قاصر رہتی اس لئے آپ نے اس کا اتنا ہی سادہ ایمان ہی کافی سمجھ کر اللہ تعالیٰ کے لئے جہت علو ثابت ہے لیکن ایک وہ شخص جو اپنی عقل و فہم کا مالک ہے اس کا دماغ علوم سے روشن ہو چکا ہے وہ ہر قسم کی باریکیوں کو سمجھ سکتا ہے اس کے لئے اتنا اجمالی ایمان کافی نہیں ہو سکتا اسے یہ بھی سمجھنا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے اگرچہ یہ جہت ثابت ہو مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اس جہت میں موجود ہے (والعیاذ باللہ) اسے صاف طور پر اس کی نفی بھی کرنی ہوگی بس جس طرح اجمال ایمان میں مسئلہ کی نوعیت مد نظر ہوتی ہے اسی طرح ایک سب عقل اور ایک عاقل کا فرق بھی ملحوظ رہتا ہے۔ حدیث بالا میں جو واقعہ مذکور ہے وہ مذکورہ صورتوں کی مثال بن سکتا ہے۔

---

(۳۸۵) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ الرَّحْمَةَ يَوْمَ خَلَقَهَا مِائَةَ رَحْمَةٍ فَأَمْسَكَ عِنْدَهُ تِسْعًا وَّتِسْعِيْنَ رَحْمَةً وَأَرْسَلَ فِي خَلْقِهِ كُلِّهِمْ رَحْمَةً وَّاحِدَةً فَلَوْ يَعْلَمُ الْكَافِرُ بِكُلِّ الَّذِيْ عِنْدَ اللّٰهِ مِنَ الرَّحْمَةِ لَمْ يَيْأَسْ مِنَ الْجَنَّةِ وَلَوْ يَعْلَمُ الْمُؤْمِنُ بِكُلِّ الَّذِيْ عِنْدَ اللّٰهِ مِنَ الْعَذَابِ لَمْ يَأْمَنْ مِنَ النَّارِ۔ (رواہ البخاری)

(۳۸۶) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ أَتَى رَجُلٌ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَقْرِئْنِيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ اقْرَأْ ثَلَاثًا مِنْ ذَوَاتِ الرٰ۔ فَقَالَ كَبِرَتْ سِنِّيْ وَاشْتَدَّ

(۳۸۵) ابوہریرۃؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے جس دن رحمت کو بنایا تھا اسی دن اس کے سو حصے کر دیئے تھے ننانوے حصے اپنے پاس رکھے تھے اور صرف ایک حصہ ساری مخلوق کے لئے رکھ دیا تھا اس لئے اگر کافر کہیں اللہ تعالیٰ کی پوری رحمت جان لیں تو کبھی اس کی جنت سے ناامید نہ ہوں اور اگر مومن اللہ تعالیٰ کے پورے عذاب کو جان لیں تو کبھی دوزخ سے نڈر نہ ہوں۔ (بخاری شریف)

(۳۸۶) عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے کچھ پڑھنے کے لئے بتا دیجئے آپ نے فرمایا وہ تین سورتیں پڑھ لیا کرو جن کے شروع میں الف۔ لام۔ را ہے۔ اس نے عرض کیا میری عمر اب زیادہ ہو چکی ہے

(۳۸۵) : یعنی اگر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے عذاب کا اجمالی سا تصور ہو سکتا ہے اگر اس کی غیر متناہی وسعت کا اس کو علم ہو جائے تو جس کی کمر ٹوٹ چکی ہو وہ بھی مغفرت کا امیدوار بن جائے اور رحمت کے سامنے عذاب کو بھول جائے اور عذاب کے سامنے رحمت کو فراموش کر بیٹھے۔ اس لئے عمل کی کشتی سیدھی تب ہی چل سکتی ہے جب تک کہ اس کے خوف و رجا کے دونوں بازو حرکت کرتے رہیں۔ اسی لئے قرآن کریم نے ہر جگہ جنت کے ساتھ دوزخ، مغفرت کے ساتھ نقمت اور عذاب کے ساتھ ثواب کا ذکر کیا ہے۔ نبئ عبادی انی انا الغفور الرحیم وان عذابی ھو العذاب الالیم۔ دیکھئے دونوں پہلوؤں میں کتنا زبردست پھر ان میں کتنا توازن ہے۔ اسی مضمون کی ایک حدیث ترجمان السنہ جلد اول ص [illegible] پر بھی گذر چکی ہے۔

(۳۸۶) ترجمان السنہ جلد اول ص [illegible] پر ضمام بن ثعلبہ کی زبان سے بھی اسی قسم کے کلمات گذر چکے ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ ایک سادہ مزاج شخص کی زبان سے اطاعت و فرمانبرداری کے کلمات اس سے بڑھ کر اور نکل ہی نہیں سکتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح اعتقادیات کے بارے میں اپنی امت کی وسعت کے لئے اجمالی ایمان کافی سمجھا ہے اسی طرح عمل کے دائرہ میں بھی اپنی امت کو تفصیل دین کا بوجھ نہیں ڈالا۔ ایک غیر تعلیم یافتہ بدوی کا توحید و رسالت پر اجمالی ایمان قبول فرما لیا اسی طرح ایک نو مسلم کو صرف فرائض دین پر عمل پیرا ہو جانے سے نجات کی بشارت سنا دی اسی طرح یہاں بھی اس ضعیف العمر شخص کو قرآن کی ایک مختصر سورۃ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاذا رأیت الذین یتبعون ما تشابہ منہ فاولئک الذین سمی اللہ (عز وجل) فاحذرھم۔ (رواہ البخاری)

الاحکام تجری علی الظاھر واللہ یتولی السرائر

(۳۹۰) ان عبد اللہ بن عتبۃ قال سمعت عمر بن الخطاب یقول ان اناسا کانوا یؤخذون بالوحی فی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وان الوحی قد انقطع وانما

سے آنا چاہیے لیکن جن کے دلوں میں کجی کا مضمون ہوتا ہے وہ ان ہی آیتوں کے معنوں کی تلاش کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور پختہ علم کے لوگ صرف یہ کہدیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں اس کے جو معنی بھی ہوں ہم اس پر ایمان لا چکے) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے عائشہؓ جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو متشابہات کے معانی معلوم کرنے کے درپے ہوں تو ان سے بچتی رہنا کیونکہ یہی وہ لوگ ہیں جن کا قرآن نے تاکید نام رکھا ہے۔ (بخاری شریف)

اسلامی احکام ظاہری حالات پر نافذ ہوں گے اور اندرونی حالات کا حساب خدا تعالیٰ کے حوالہ رہیگا

(۳۹۰) عبداللہ بن عتبہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے عمرؓ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگوں کی گرفت وحی کے ذریعہ ہوا کرتی تھی اب وحی تو منقطع ہو گئی اس لئے اب ہم صرف تمہارے ظاہری اعمال پر گرفت کریں گے اگر کوئی شخص ہمارے سامنے اچھے اعمال کرے گا اس کو تو

ولذا اشکل علی الانسان شیء من دقائق
علم التوحید فینبغی لسانہ ان یعتقد فی الحال
ان الصواب عند اللہ تعالی الی ان یجد
عالما فیسألہ ولا یسعہ تاخیر الطلب ولا
یعذر بالوقف فیہ ویکفر ان وقف . . .
ولذا سبق خلق علم التوحید انہ یکون الشک
والشبھۃ فیہ من اصل الایمان وما قصدنا
ان یقال جواز اللہ تعالی وصفہ ومعرفہ
کیفیۃ المؤمن بما اخبرت۔ (شرح فقہ اکبر)

جب علم توحید کی کسی باریک مسئلہ میں کوئی الجھن پیش آجائے
تو سردست اس کے متعلق اجمالاً ایمان لے آنا کافی ہے کہ اس
مسئلہ میں اللہ کے نزدیک جو امر بہتر ہے اس پر ایمان رکھتا ہے
پھر جلد سے جلد اس وقت تک کہ کسی عالم سے تحقیق ہو جائے اس کو کوئی عالم
مل جائے جب کوئی شخص عالم مل جائے تو اس کی تحقیق کرنی ضروری ہوگی
اور اب تحقیق و تفتیش کے بغیر بیٹھے رہنا کفر ہوگا۔ یہ یاد رکھنا
چاہئے کہ یہاں علم توحید کے ایک مسائل سے وہ مسائل مراد
ہیں جن میں شک و شبہ کرنا ایمان کے منافی ہو۔
(شرح فقہ اکبر ص ۱۸۲) (ترجمان السنہ)

نأخذكم الآن بما ظهر لنا من أعمالكم فمن أظهر لنا خيرا أمناه وقربناه وليس إلينا من سريرته شيء الله يحاسبه في سريرته ومن أظهر لنا سوءا لم نأمنه ولم نصدقه وإن قال إن سريرته حسنة (رواه البخاري)

(۳۹۱) عن أنس بن مالك قال حدثني محمود بن الربيع عن عتبان بن مالك قال قدمت المدينة فلقيت عتبان فقلت حديث بلغني عنك قال أصابني في بصري بعض الشيء فبعثت إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم أني أحب أن تأتيني فتصلي في منزلي فأتخذه مصلى قال فأتى النبي صلى الله عليه وسلم ومن شاء من أصحابه فدخل وهو يصلي في منزلي وأصحابه يتحدثون بينهم ثم أسندوا عظم ذلك وكبره إلى مالك بن دخشم قال

امن دیں گے اس کی عزت بھی کریں گے اور اس کے اندرونی حالات سے ہمیں کوئی بحث نہ ہوگی اس کا حساب لینے والا خود اللہ تعالیٰ ہے اور جو ہمارے سامنے برے افعال کرے گا اس کو ہم امن نہیں دیں گے اور ہرگز اس کی تصدیق نہیں کریں گے اگرچہ وہ یہ کہتا رہے کہ میرا باطن بہت اچھا ہے۔ (بخاری شریف)

(۳۹۱) انس روایت کرتے ہیں کہ محمود بن ربیع نے مجھ سے بیان کیا کہ میں مدینہ آیا تو عتبان بن مالک سے میری ملاقات ہوئی۔ میں نے کہا۔ آپ کی ایک حدیث مجھے بالواسطہ پہنچی ہے انہوں نے فرمایا (ہاں) مجھے میری نظر میں کچھ نقصان تھا اس لئے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلا بھیجا میری تمنا تھی کہ آپ میرے گھر تشریف لاتے اور کسی جگہ آ کر نماز پڑھ لیتے تو میں اسی کو اپنی نماز پڑھنے کی جگہ مقرر کر لیتا۔ وہ بیان کرتے ہیں آپ تشریف لے آئے اور جن جن صحابہ نے چاہا وہ بھی آپ کے ہمراہ آگئے۔ آپ میرے گھر میں نماز ادا فرمانے لگے اور صحابہ آپس میں کچھ باتیں کرنے میں مصروف ہوگئے اور ان باتوں کا زیادہ تر ذمہ دار مالک بن دخشم کو قرار دیا وہ چاہتے تھے کہ آپ اس کے حق میں بد دعا فرمائیں اور وہ تباہ و برباد ہو جائے اور اس کو خوب نقصان پہنچے جب آپ نماز سے فارغ ہو چکے تو آپ نے فرمایا کیا یہ شخص یہ گواہی نہیں دیتا

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ) ان کے علاوہ جن مسائل کا علم ایمان کے لئے موقوف نہیں ان کا حکم یہی ہے بلکہ ان کے متعلق بھی اجمالی ایمان لانا کافی ہے۔ مگر ان کی تفصیل و تعیین کے لئے کسی عالم کی تلاش کی ضرورت نہیں کیونکہ جب خود ان مسائل کا علم ہی ایمان کے لئے شرط نہیں تو ان کی تعیین کے لئے عالم کی تلاش کیوں شرط ہو۔ (قرب فقہ میں)

حضرت عائشہ کی حدیث میں آیات متشابہات کا حکم ذکر ہوا ہے اس سے بھی اس قسم کے پیچیدہ مسائل کے متعلق یہی حکم مستنبط ہوتا ہے۔ یعنی جس طرح ان آیات متشابہات کی مراد پر اجمالاً ایمان لے آنا رسوخ فی العلم کی نشانی ہے اسی طرح اور پیچیدہ مسائل میں بھی اجمالاً ایمان لے آنا ایمان کی پختگی کی دلیل ہوگی۔

وَتُسْأَلُ عَنْ أَعْمَالِ الْقَلْبِ وَلٰكِنْ تُسْأَلُ عَنِ الظَّاهِرِ. (رواه البيهقي في شعب الايمان)

(۴۹۳) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ خَالِدَ بْنَ الْوَلِيدِ اسْتَأْذَنَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي قَتْلِ رَجُلٍ فَقَالَ لَا لَعَلَّهُ أَنْ يَكُونَ يُصَلِّي فَقَالَ خَالِدٌ وَكَمْ مِنْ مُصَلٍّ يَقُولُ بِلِسَانِهِ مَا لَيْسَ فِي قَلْبِهِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّي لَمْ أُومَرْ أَنْ أَنْقُبَ عَنْ قُلُوبِ النَّاسِ وَلَا أَشُقَّ بُطُونَهُمْ. (متفق عليه وهو في البخاري مفصلا ايضا)

يصح الاسلام على الشرط الفاسد

(۴۹۴) عَنْ نَصْرِ بْنِ عَاصِمٍ اللَّيْثِيِّ عَنْ رَجُلٍ مِنْهُمْ أَنَّهُ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَسْلَمَ

لوگوں کے اعمال کے متعلق تم سے سوال نہ ہوگا تم سے صرف ظاہر کے متعلق سوال ہوگا۔ (شعب الایمان)

(۴۹۳) ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ خالد بن ولیدؓ نے ایک شخص کے قتل کرنے کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی آپ نے انہیں اجازت نہ دی اور فرمایا دیکھو کہیں وہ نماز ادا کرتا ہو، خالد بولے کتنے ہی نماز پڑھنے والے ہیں جو اپنی زبانوں سے ایسی باتیں بولتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہوتیں آپ نے فرمایا تو مجھے بھی اس کا حکم نہیں کہ میں لوگوں کے دلوں میں سوراخ کرکے اور ان کے پیٹوں کو پھاڑ کر دیکھا کروں کہ اس میں کیا ہے۔ (متفق علیہ)

شرط فاسد لگا کر بھی اسلام صحیح ہو سکتا ہے

(۴۹۴) نصر بن عاصم لیثی اپنے خاندان کے ایک شخص کے واسطے سے روایت کرتے ہیں کہ وہ آپ کی

یعنی جب نماز ادا کی جائے تو حدیث جبرئیل اسی قسم کی صفت پر محمول ہوگا۔

(۴۹۳) حدیث مذکور سے ظاہر ہوتا ہے کہ لوگوں کی باطنی حالتوں اور دلوں کی اندرونی حالتوں سے بحث کرنے کا ہمیں کوئی حق نہیں جب تک کہ ایک شخص اسلامی احکام بجا لا رہا ہے اس کے اندرونی معاملات کو زیر بحث لانا مسلمان کی رواداری کے خلاف ہے اسی لئے آپ نے فرمایا جب تک شخص مذکور کے متعلق نماز پڑھنے کا احتمال موجود ہے اس کے قتل کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔

البتہ اگر اعمال ظاہری کی شہادت کلیۃً مفقود ہو جائے یعنی اعمال اسلامی میں کوئی عمل بھی موجود نظر نہ آسکے تو یہ معاملہ زیر غور آ سکتا ہے اور اگر خدانخواستہ کہیں اعمال کی شہادت خلاف پر ثابت ہو جائے تو اب معاملہ مشتبہ اور پیچیدہ ہو جاتا ہے۔ رواداری کی بھی آخر کوئی حد ہوتی ہے۔ اسلام ایسی رواداری کی اجازت نہیں دیتا جو ناقابل

یصح ایمان المقلد ولا یجب علیہ المعرفۃ بالنظر

مقلد کا ایمان صحیح ہے اور اس پر دلائل سیکھنا واجب نہیں۔

معتزلہ اور متکلمین کا ایک فرقہ یہ کہتا ہے کہ مقلد کا ایمان معتبر نہیں اس پر دلائل کی روشنی میں بھی توحید و رسالت حاصل کرنا واجب ہے۔ ان کے نزدیک ایمان ایسی تصدیق کا نام ہے جو تشکیک مشکک سے بھی زائل نہ ہو سکے ایسی تصدیق دلائل کے بغیر حاصل ہی نہیں ہو سکتی۔ شیخ تاج الدین سبکی نے اس مسئلہ کی تحقیق فرماتے ہوئے تقلیدی ایمان کی چند صورتیں لکھی ہیں۔ (۱) یہ کہ اسلام کی حقانیت ہی پورے طور پر دل نشین نہ ہو اور قلب میں شک و تردد کی خلش باقی رہے۔ (۲) یہ کہ اسلام کی حقانیت کا اذعان اگرچہ حاصل ہو مگر نجات ابدی کے لئے تمام دین یکساں نظر آتے ہوں ان میں جس دین کو چاہے اس کا اختیار کرنا جائز ہے۔ (۳) یہ کہ اسلام کی حقانیت میں کوئی شک و تردد باقی نہ ہو نجات ابدی صرف دین اسلام میں منحصر ہے۔ اور اسلام کے سوا کسی اور دین کا اختیار کرنا ایک لمحہ کے لئے بھی جائز نہ ہے۔ پہلی دو صورتیں یقیناً معتبر نہیں البتہ تیسری صورت بلاشبہ معتبر ہے۔ خواہ ان مقاصد کے لئے دماغ میں ایک دلیل کا بھی تصور موجود نہ ہو۔

اس حقیقت کا ثبوت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے عہد مبارک میں کفار کے جو ہجوم غیر معین جنگ کی رستہ خیزیوں میں حلقہ بگوش اسلام ہوئے ان سب کا اسلام معتبر مان لیا گیا اور کسی ایک واقعہ میں بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ان نو مسلموں کو اسلام کے فرائض و واجبات کی طرح نظر و استدلال سیکھنے کی بھی دعوت دی گئی ہو۔

صاحب روح المعانی بعض اکابر محققین سے ناقل ہیں کہ ایمان حاصل ہی اس نوری تصدیق کا نام ہے جو خوش نصیبوں کے قلوب میں اس طرح سما جاتی ہے کہ اگر وہ خود بھی اسے نکالنے کی کوشش کریں تو نکال نہ سکیں۔ تاریخ میں ایسے لوگوں کی مثالیں کم نہیں جو دلائل پر غور و فکر کے بغیر اسلام لے آئے اور اس کے برخلاف ایسی مثالیں بہت ہیں جن کے سامنے حقانیت اسلام کے دلائل روز روشن کی طرح عیاں تھے مگر اس کے باوجود وہ اس سعادت عظمیٰ سے محروم رہے۔ وجحدوا بہا واستیقنتہا انفسہم۔ اس سے صاف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ خیال سراسر غلط ہے کہ ایمان و یقین کا حاصل ہونا صرف دلائل کی جستجو ہی پر موقوف ہوتا ہے بلکہ دلائل کی روشنی میں حاصل شدہ ایمان بکثرت ظنی و تقلیدی اور حقیقت اذعان سے عاری ہوتا ہے۔

جس میں یہ احتمال ہر وقت قائم رہتا ہے کہ اگر دلائل دوسری جانب واضح ہو جائیں تو اسی وقت ایمان بھی دوسری جانب منتقل ہو جائے۔

شیخ اکبر فتوحات مکیہ میں امام حجۃ الاسلام کی کتاب فیصل التفرقہ سے نقل فرماتے ہیں کہ متکلمین کی اس جماعت کا غلو اور حق سے انحراف بھی کس درجہ تعجب خیز ہے جو عوام کا ایمان صرف اس لئے معتبر نہیں مانتے کہ ان کو حقانیت اسلام کا یقین متکلمین کے تجویز کردہ دلائل کے مطابق حاصل نہیں ہوتا۔ یہ جماعت ان متواتر واقعات سے بھی واقف نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مسعود اور صحابہ کے مبارک دور میں بہت سے جاہل بت پرستوں کا ایمان معتبر مان لیا گیا تھا حالانکہ نہ خود ان کو دلائل کا علم حاصل تھا اور نہ کسی نے بعد میں ان کو دلائل کی تعلیم دی تھی۔ اور اگر بالفرض ان کو تعلیم دی بھی جاتی تو وہ اپنے جہل کی وجہ سے ان کے سمجھنے سے بھی قاصر رہتے۔

حقیقت یہ ہے کہ ایمان ایک نور ہے جو اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و رحمت سے بندہ کے قلب میں ڈال دیتا ہے۔ اس کا ظاہری سبب کبھی تو کوئی باطنی تحریک ہو جاتی ہے جیسے کوئی خواب اور کبھی کسی دیندار کی تاثیر۔ روایات سے ثابت ہے کہ بعض منکرین آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے روئے انور پر نظر پڑنے کے ساتھ ہی بے ساختہ بول اٹھے کہ یہ چہرہ کاذب کا چہرہ نہیں ہو سکتا۔ اس قسم کے واقعات ایک دو نہیں بہت ہیں ان میں ایک شخص بھی بعد میں دلائل کی تعلیم حاصل کرنے میں مشغول نہیں ہوا بلکہ یہی ایک نورانی کانٹا جو ان کے قلب میں چبھ گیا تھا تلاوت قرآن وغیرہ کے ذریعہ خود بخود پھیلتا چلا گیا۔ کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ کب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدوث عالم کے دلائل شکل اول اور ثانی یا صغریٰ و کبریٰ کی شرائط کے ساتھ کسی کو تعلیم دیئے تھے کب کسی سے فرمایا تھا کہ العالم متغیر و کل متغیر حادث۔ یا اس کے ہم معنی الفاظ کی تعلیم دی تھی۔ ہاں اس کے برخلاف یہ ضرور ثابت ہے کہ ٹھیک جنگ میں لوگ اسلام کے حلقہ بگوش ہوتے پھر بعد میں ان کو صلوٰۃ اور زکوٰۃ کے احکام تو سکھائے جاتے مگر توحید و رسالت کے دلائل کی تعلیم کی طرف کوئی توجہ نہ کی جاتی۔ مجھے اس سے انکار نہیں ہے کہ متکلمین کے دلائل بھی ایمان کا ایک سبب بن سکتے ہیں مگر اس امر کے تسلیم کرنے میں بہت تامل ہے کہ ایمان صرف دلائل کی بحث ہی پر موقوف ہے۔ میرے نزدیک وہ ایمان جو دلیل پر مبنی ہو ضعیف ترین ایمان ہے۔ راسخ اور قوی ایمان وہ ہے جو اخبار متواترہ کے ذریعہ سے دور طفولیت ہی میں نصیب ہو جاتا ہے یا بلوغ کے بعد ایسے قرائن کے ذریعہ میسر آجاتا ہے جن کو اگر زبان سے ادا کرنا چاہیں تو بھی ادا نہیں کر سکتے بس وہ ایمان ہے جو شک و تردد سے محفوظ ہوتا ہے کیونکہ شک و تردد کا محل دلائل ہیں جہاں دلائل نہیں وہاں شک و تردد بھی نہیں (ملخص [illegible] ج ۱ ص ۲۱، ۵۰، ۹۰) [illegible] ص ۱۰۰۔

(۳۰۱) عن عبد الله بن عمر قال بعث النبي صلى الله عليه وسلم خالد بن الوليد إلى بني جذيمة فدعاهم إلى الإسلام فلم يحسنوا أن يقولوا أسلمنا فجعلوا يقولون صبأنا صبأنا فجعل خالد يقتل ويأسر ودفع إلى كل رجل منا أسيره حتى إذا كان يوم أمر خالد أن يقتل كل رجل منا أسيره فقلت لا أقتل أسيري ولا يقتل رجل من أصحابي أسيره حتى قدمنا على النبي صلى الله عليه وسلم فذكرناه فرفع النبي صلى الله عليه وسلم يديه فقال اللهم إني أبرأ إليك مما صنع خالد مرتين.

يصح الإسلام وإن كان من خوف القتل

(۳۰۲) عن عقبة بن مالك قال بعث رسول الله صلى الله عليه وسلم سرية

---

(۳۰۱) عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولید کو قبیلہ بنی جذیمہ کی طرف روانہ کیا وہ گئے اور ان کے سامنے دعوتِ اسلام پیش کی انھیں لفظ اسلمنا (ہم اسلام لائے) کہنا نہ آیا اور اس کی بجائے وہ صبانا صبانا کہنے لگے (یعنی ہم اپنے دین سے پھر گئے) خالد بن ولیدؓ نے (یہ سمجھ کر کہ یہ لوگ مسلمان نہیں ہوئے) انھیں قتل کرنا اور قید کرنا شروع کر دیا اور فوج کے ہر شخص کو ایک ایک قیدی سپرد کر دیا (اور اس کے قتل کا ایک دن مقرر کر دیا) جب وہ دن آیا جس دن کہ خالد نے اس کا حکم دیا تھا کہ ہم میں ہر فوجی اپنے اپنے قیدی کو قتل کرے گا تو میں نے کہا نہ میں اپنے قیدی کو خود قتل کروں گا اور نہ میرا کوئی اور رفیق قتل کرے گا یہاں تک کہ جب ہم آپ کی خدمت میں پہنچے تو ہم نے یہ واقعہ آپ کے سامنے پیش کیا آپ نے سن کر فوراً اپنے دستِ مبارک اٹھا دیئے اور دو بار فرمایا اے اللہ! خالد نے جو عمل کیا میں اس سے اپنی علیحدگی کا اظہار کرتا ہوں۔ (بخاری شریف)

جان بچانے کے خوف سے اسلام لانا بھی معتبر ہو جاتا ہے

(۳۰۲) عقبہ بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قبیلہ کے مقابلہ میں فوج کا

---

(۳۰۱) قسطلانی نقل کرتے ہیں کہ جب ان کو دعوتِ اسلام کی غرض سے روانہ کیا گیا تھا یہ ظاہر ہے کہ جس قوم کو ٹھیک اسلام کہنے کا سلیقہ بھی حاصل نہ تھا ان میں دلائل قطعیہ سمجھنے کی صلاحیت کہاں ہو سکتی تھی اس کے باوجود ان کا اسلام معتبر سمجھا گیا تھا۔

فأغاروا على قوم فشذ رجل من القوم فاتبعه رجل من السرية معه السيف شاهر
فقال الشاذ من القوم إني مسلم فلم ينظر فيما قال فضربه فقتله فنمى الحديث إلى
رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال فيه قولاً شديداً فبلغ القاتل فبينا رسول الله صلى الله عليه وسلم
يخطب إذ قال القاتل يا رسول الله والله ما قال الذي قال إلا تعوذاً من القتل فأعرض
عنه رسول الله صلى الله عليه وسلم وعمن قبله من الناس وأخذ في خطبته ثم قال
الثانية يا رسول الله والله ما قال الذي قال إلا تعوذاً من القتل فأعرض عنه رسول الله
صلى الله عليه وسلم وعمن قبله من الناس وأخذ في خطبته ثم لم يصبر أن قال الثالثة
والله يا رسول الله ما قال الذي قال إلا تعوذاً من القتل فأقبل عليه رسول الله صلى الله عليه وسلم
تعرف المساءة في وجهه فقال إن الله عز وجل أبى على من قتل مؤمناً قالها ثلاثاً
رواه الحاكم في المستدرك ۶ وقال الذهبي على شرط مسلم

ایک مختصر دستہ سپاہیوں نے جا کر ایک قوم پر حملہ کیا ان میں کا ایک شخص اکیلا بھاگ نکلا اسلامی فوج کے ایک سپاہی
نے کھینچی ہوئی تلوار لیکر اس کا پیچھا کیا اس اکیلے بھاگنے والے شخص نے کہا میں اسلام قبول کرتا ہوں مگر سپاہی
نے ایک نہ سنی اور تلوار مار کر اسے ختم ہی کر دیا۔ خدہ شدہ یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی آپ نے
اس کے متعلق سخت الفاظ فرمائے جب یہ خبر قاتل کو معلوم ہوئی تو وہ حاضر ہوا اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
خطبہ دے رہے تھے اس قاتل نے کہا یا رسول اللہ خدا کی قسم اس نے صرف اپنی جان بچانے کیلئے اسلام
قبول کیا تھا آپ نے اس کی طرف سے اور جو لوگ اس طرف موجود تھے سب سے اپنا چہرہ مبارک پھیر لیا،
اور خطبہ دینے میں مشغول ہوگئے اس نے دوبارہ کہا یا رسول اللہ خدا کی قسم اس نے صرف اپنی جان بچانے
کے لئے اسلام قبول کیا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اس کی طرف سے اور جو لوگ
ادھر تھے ان سے اپنا چہرۂ مبارک پھیر لیا اور خطبہ دینے میں مشغول ہوگئے اس شخص سے رہا نہ گیا
اس نے تیسری بار کہا یا رسول اللہ خدا کی قسم اس نے صرف جان بچانے کے لئے اسلام
قبول کیا تھا اب کی بار آپ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور آثار ناگواری چہرہ انور پر نمایاں تھے
اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے کسی مومن کے قاتل کا عذر قبول کرنے کی مجھے اجازت نہیں دی،
تین بار فرمایا۔

(حاکم)

فاعرض رسول الله صلى الله عليه وسلم عنه والمساءة تعرف في وجهه فقال ابى الله على من قتل مسلما ابى الله على من قتل مسلما. (رواه الطبراني)

(۲۰۹۴) اسامة بن زيد يقول بعثنا رسول الله صلى الله عليه وسلم الى الحرقة فصبحنا القوم فهزمناهم ولحقت انا ورجل من الانصار رجلا منهم فلما غشيناه قال لا اله الا الله فكف الانصاري فطعنته برمحي حتى قتلته فلما قدمنا بلغ النبي صلى الله عليه وسلم فقال يا اسامة اقتلته بعد ما قال لا اله الا الله قلت كان متعوذا فما زال يكررها حتى تمنيت اني لم اكن اسلمت قبل ذلك اليوم (متفق عليه) وفي طريق عند مسلم قلت يا رسول الله

اس کی یہ بات ناپسند ہوئی اور آپ نے اپنا چہرہ مبارک اس کی طرف سے پھیر لیا اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے کسی مسلمان کے قاتل کا عذر قبول کرنے کیلئے مجھے انکار فرمایا ہے (دو بار فرمایا) (طبرانی)۔

(۲۰۹۴) اسامہ بن زید بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں قبیلہ حرقہ سے جنگ کرنے کے لئے بھیجا ہم نے صبح صبح ان پر حملہ کر دیا اور ان کو شکست دیدی میں نے اور ایک انصاری شخص نے ان کے ایک آدمی کا پیچھا کیا جب اس کو گھیر لیا تو اس نے کہا لا الہ الا اللہ یہ سن کر وہ انصاری تو رک گیا مگر میں نے اس کے نیزہ گھونپ دیا جب ہم واپس ہوئے تو یہ خبر آپ تک بھی پہنچ گئی آپ نے فرمایا اے اسامہ کیا لا الہ الا اللہ کہنے کے بعد بھی تم نے اسے قتل کر ڈالا میں نے عرض کیا وہ تو اس بہانے سے اپنی جان بچا رہا تھا آپ تھے کہ بار بار یہی بات فرمائے جاتے تھے یہاں تک کہ مجھے یہ آرزو ہونے لگی کہ کاش میں آج سے قبل مسلمان نہ ہوا ہوتا تاکہ آج مسلمان ہونے کی وجہ سے میرا یہ گناہ بھی بخشا جاتا (مسلم کے ایک طریق میں یہ اور ہے) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ

(۲۰۹۴) شارح عقیدہ سفارینی نے علامہ بخاری جیسے جلیل القدر محدث کی طرف یہ نسبت کر دی ہے کہ خوف کی حالت کا اسلام معتبر نہیں ہوتا۔ (شرح عقیدہ سفارینی ج ۱ ص ۴۲۸) حضرت شاہ صاحب کے نزدیک یہ نسبت غلط ہے، فرماتے تھے کہ جو اسلام جان بچانے کی نیت سے صرف زبانی طور پر ہو، قلب کو اس سے سکون کا اس میں ایک شمہ بھی نصیب نہ ہو یا اس میں شک و تردد کی ملاوٹ باقی ہو۔ [illegible] ہوتا ہے غالباً اسی قسم کا اسلام امام بخاری کی مراد ہو سکتا ہے لیکن اگر قلب بھی [illegible] زبان سے [illegible] شک و تردد کی کوئی گنجائش نہیں رہی تو ایسا اسلام قطعاً معتبر ہے۔ امام بخاری ہرگز اس کے مخالف نہیں ہو سکتے [illegible] مخالف ہو سکتے [illegible] اسلام [illegible] ہے جو شمشیروں کی جھنکار میں [illegible] اسلام ہوئے ان کا اسلام قبول کرنے میں قطعاً تردد نہیں کیا گیا اور اسی لئے جب خوف و ہراس کی فضا ختم ہو گئی تو ان لوگوں نے کبھی اپنے اصل مذہب کی طرف رجوع کا اعلان نہیں کیا۔ کیا وہ اس امر کا کھلا ہوا ثبوت نہیں ہے کہ جو اسلام وہ دہشت کی فضا میں قبول کر چکے تھے وہ صرف زبانی نہ تھا بلکہ صمیم قلب سے تھا ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ بعد میں وہ اس حقیقت کا اعلان نہ کر دیتے۔ اس تاریخی ثبوت سے اس خیال کی تردید ہو جاتی ہے کہ خوف کی

قَالَهَا خَوْفًا مِنَ السِّلَاحِ قَالَ أَفَلَا شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِهِ حَتّٰى تَعْلَمَ أَقَالَهَا أَمْ لَا وَفِیْ طَرِیْقٍ أَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِأُسَامَةَ أَقَتَلْتَهُ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَكَيْفَ تَصْنَعُ بِلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ إِذَا جَاءَتْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اسْتَغْفِرْ لِیْ قَالَ وَكَيْفَ تَصْنَعُ بِلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ إِذَا جَاءَتْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَجَعَلَ لَا يَزِيْدُهُ عَلٰی أَنْ يَّقُوْلَ كَيْفَ تَصْنَعُ بِلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ إِذَا جَاءَتْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

الكراهية الطبعية لا تنافی صحة الاسلام اذا انقاد له بقلبه

(۳۰۷) عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِرَجُلٍ أَسْلِمْ قَالَ أَجِدُنِیْ كَارِهًا

یہ کلمہ ہتھیار کے ڈر سے صرف زبانی پڑھ لیا تھا آپ نے فرمایا تو نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھ لیا تاکہ پتہ چل جاتا کہ اس نے دل سے پڑھا تھا یا نہیں۔ ایک اور طریق میں ہے کہ آپ نے اسامہ کو بلایا اور ان سے دریافت کیا تم نے اس شخص کو کیوں قتل کیا۔ اس سلسلہ میں فرمایا جب یہ کلمہ قیامت میں آئے گا تو تم اس کا کیا جواب دو گے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے لئے استغفار فرمائیے آپ یہی فرماتے رہے کہ جب یہ کلمہ قیامت میں آئے گا تو اس وقت تم اس کا کیا جواب دو گے۔ آپ ان کے اصرار پر بھی یہی ایک جواب دیتے رہے کہ جب یہ کلمہ قیامت میں آئے گا تو تم اس کا کیا جواب دو گے۔

طبعی کراہت صحت اسلام کے منافی نہیں بشرطیکہ قلب اپنے اختیار سے اسلام کا حلقہ بگوش ہو چکا ہو

(۳۰۷) انس بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے کہا اسلام قبول کر لے

حالت میں پیدا ہوئی ہے کہ بغیر یقین دل و زبان کا میل ہو ہی نہیں سکتا۔

یہ واضح رہنا چاہئے کہ مذہب کی تبدیلی جس طرح دلائل کی بنیاد پر ہو سکتی ہے اسی طرح طمع و دہشت یا کسی عزت و جاہ کی وجہ سے بھی ہو سکتی ہے اور اس صورت میں اگر انسان اپنے قدیم مذہب کے چھوڑنے اور نئے مذہب کے اختیار کرنے پر راضی ہو چکا ہے تو گو اس کے اسلام قبول کرنے کا سبب قابل تعریف نہ ہو لیکن اس کے اسلام قبول کرنے میں کوئی شبہ داخل نہیں کیا جا سکتا۔ ورنہ عبدالقیس کے حق میں آپ کے یہ کلمات کبھی ارشاد نہ فرماتے۔

اسی طرح ثمامہ کے کلمات کا اسلام کسی خوف و طمع کی بنیاد پر نہ تھا۔ معلوم ہوا کہ اس تعلیم کے ساتھ بعض قبائل نے خوف کی وجہ سے اسلام قبول کیا تھا۔ گو یہ قابل تعریف نہ تھا مگر نامعتبر بھی نہ تھا۔

(۳۰۷) اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر قلب اسلام قبول کرنے کے لئے آمادہ ہو چکا ہے تو پھر طبعی کراہت خواہ وہ معاشی تنگی کی زندگی بسر کرنے کی وجہ سے غیر اختیاری طور پر پیدا ہو گئی ہے صحت اسلام کے منافی نہیں۔ اب بھی بہت سے مسلمانوں میں یہی حالت ہے کہ گو وہ نماز روزہ جماعت اور دیگر ارکان اسلام بجا لانا بار گراں ہی معلوم ہوتا ہے لیکن چونکہ

شَهِدَ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ فَقَتَلَهُ الْمِقْدَادُ فَقَالَ ادْعُوا إِلَيَّ الْمِقْدَادَ يَا مِقْدَادُ أَقَتَلْتَ رَجُلًا يَقُولُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ فَكَيْفَ لَكَ بِلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ غَدًا فَأَنْزَلَ اللّٰهُ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوا وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَى إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُونَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيرَةٌ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوا. فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْمِقْدَادِ كَانَ رَجُلٌ مُؤْمِنٌ يُخْفِي إِيمَانَهُ مَعَ قَوْمٍ كُفَّارٍ فَأَظْهَرَ إِيمَانَهُ فَقَتَلْتَهُ وَكَذٰلِكَ كُنْتَ تُخْفِي إِيمَانَكَ بِمَكَّةَ مِنْ قَبْلُ (رواه البزار وروى آخره البخاري تعليقا)

يصح الاسلام باخص افعال الاسلام وان لم يتلفظ بشئ

(۴۲) عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ بَعَثَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَرِيَّةً إِلَى خَثْعَمَ فَاعْتَصَمَ نَاسٌ مِنْهُمْ بِالسُّجُودِ فَأَسْرَعَ فِيهِمُ الْقَتْلَ فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

جس نے لا الٰہ الا اللہ کہہ دیا تھا کیسے قتل کر دیا۔ بخدا اس بات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ کر رہوں گا۔ جب یہ لوگ آپ کی خدمت میں آئے تو انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ایک شخص نے لا الٰہ الا اللہ کی شہادت دی تھی اس کے باوجود مقداد نے اس کو قتل کر ڈالا۔ آپ نے فرمایا مقداد کو میرے سامنے بلاؤ۔ مقداد آئے تو آپ نے فرمایا مقداد کیا تم نے اس شخص کو بھی قتل کر ڈالا جس نے لا الٰہ الا اللہ کہہ دیا تھا۔ کل قیامت میں اس کلمہ کا کیا جواب دو گے۔ اس واقعہ پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اے ایمان والو جب کہیں سفر کے لئے جایا کرو تو خوب تحقیق کر لیا کرو اور جب کوئی شخص تم کو سلام کرے تو یہ مت کہا کرو کہ تو مسلمان نہیں کیا تم دنیا کی دولت چاہتے ہو تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے یہاں بہت سی غنیمتیں ہیں تم بھی پہلے ایسے ہی تھے تو اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا اس لئے آئندہ تحقیق کر لیا کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقداد سے کہا یہ ایک مومن شخص تھا جو کافروں میں اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھا۔ اس نے اپنا ایمان ظاہر کیا تو تم نے اسے قتل کر دیا۔ آخر تم بھی تو جب مکہ مکرمہ میں تھے تو اسی طرح اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھے۔ (بزار)

اگر کافر کوئی اسلامی شعار ادا کرکے اپنا مسلمان ہونا ظاہر کرے تو اس کا اسلام معتبر ہو جاتا ہے مسلمان اس کو کچھ نہ کہیں

(۴۲) جریر بن عبد اللہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوج کا ایک چھوٹا سا دستہ قبیلہ خثعم کی سمت روانہ کیا ان میں سے کچھ لوگوں نے سجدہ میں گر کر اپنی جان بچانی چاہی لشکر اسلام نے

فَأَمَرَ لَهُمْ بِنِصْفِ الْعَقْلِ وَقَالَ أَنَا بَرِيءٌ مِنْ كُلِّ مُسْلِمٍ يُقِيمُ بَيْنَ أَظْهُرِ الْمُشْرِكِينَ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَلِمَ قَالَ لَا تَرَاءَى نَارَاهُمَا۔ (رواه ابوداؤد)

اس کی پرواہ نہ کی اور کسی تاخیر کے بغیر ان کو قتل کر ڈالا۔ جب یہ واقعہ آپ کو معلوم ہوا تو آپ نے ان کی نصف دیت ادا کرنے کا حکم دیا اور فرمایا میں ہر ایسے مسلمان سے بری الذمہ ہوں جو مشرکین کی جماعت میں گھس کر رہے۔ لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ یہ کیوں؟ فرمایا دونوں کو اتنے فاصلہ پر رہنا چاہئے کہ ایک کو دوسرے کی آگ کی روشنی نظر نہ آئے۔ (ابوداؤد)

(۱۴) اسلام قبول کر لینے کی پہلی برکت یہ ہے کہ اس کی حلقہ بگوشی کے بعد جان و مال دونوں کی عصمت نصیب ہو جاتی ہے۔ فقہاء کے نزدیک اس عصمت کی دو قسمیں ہیں۔ عصمت مؤثمہ اور عصمت مقومہ۔ جس کا زوال معصیت گناہ ہو اس کو عصمت مؤثمہ کہتے ہیں اور جس کے ازالہ سے دیت لازم ہو اس کا نام عصمت مقومہ ہے۔ پہلی عصمت اسلام قبول کرنے سے حاصل ہو جاتی ہے اور دوسری دارالاسلام کی سکونت سے۔ اس لحاظ سے اگر ایک مسلمان دارالحرب میں رہتا ہے تو اس کو عصمت مؤثمہ تو حاصل ہے مگر عصمت مقومہ حاصل نہیں۔ چنانچہ اگر کوئی مسلمان دارالحرب میں قتل کر دیا جائے تو اس کے قاتل کو معصیت کا گناہ ہوگا مگر اس پر دیت لازم نہ آئے گی۔ لیکن یہاں یہ بھی ہے کہ یہاں سارے مسلمانوں کی ایک جماعت کا قتل ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہتر نہیں فرمایا کہ مسلمانوں کی ایک جماعت کا خون یونہی رائیگاں چلا جائے اور نصف دیت ادا کرنے کا حکم صادر فرما دیا۔ اور آئندہ کے لئے یہ اعلان کر دیا کہ پوری پوری عصمت اسی وقت حاصل ہوگی جب اسلام لانے کے ساتھ سکونت بھی دارالاسلام کی اختیار کر لی جائے۔ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ دارالحرب کی سکونت مسلمانوں کے لئے پسندیدہ نہیں۔ لیکن واضح رہے کہ دارالاسلام کی طرف ہجرت کا سوال اسی وقت پیدا ہو سکتا ہے جبکہ کسی خطہ پر دارالاسلام کا وجود بھی ہو اور اس کی طرف ہجرت کرنا ممکن بھی ہو لیکن اگر بدنصیبی سے خطہ زمین پر دارالاسلام کا وجود ہی نہ رہے یا مسلمانوں کی مسلسل غفلت کی وجہ سے دارالحرب میں ان کی تعداد اتنی زیادہ ہو جائے کہ دارالاسلام میں ان کی کھپت کا امکان ہی نہ ہو تو اب ہجرت کا سوال ہی باقی نہیں رہتا۔ ان حالات میں مسلمانوں پر فرض ہوگا کہ وہ اپنے ماحول میں ایسی فضا پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہیں جس میں آئین اسلام پر عمل کرنے کی انہیں پوری آزادی حاصل ہو جائے اور جب تک آئین اسلام پر عمل کرنے میں کوئی ادنیٰ رکاوٹ باقی ہے اس وقت تک راحت کی نیند نہ سوئیں۔ مسلمانوں کی تعداد کی زیادتی کے ساتھ ساتھ یہ ذمہ داری بھی اور بڑھتی جاتی ہے کیونکہ اشخاص یا منتشر جماعتیں تو مستضعفین فی الارض اور ملک میں کمزور ہونے کا عذر کر سکتی ہیں لیکن متحد اور منظم جماعتوں کے لئے یہ عذر کرنا بھی نقص ہے اس لئے ان کا ایک ہی نصب العین ہونا چاہئے۔ وہ ایک متحدہ زندگی کی شکل کر اپنی زندگی کے لئے سعی کریں جس میں احکام اسلام پر عمل پیرا ہونے کی انہیں پوری پوری آزادی حاصل ہو جائے۔ یہ مقصد اگر فی الحال حاصل نہ ہو سکے تو یہ ایک تقاضا بھی ہے لیکن اس سے غافل رہنا یا نا تمام اور ادھوری آزادی پر قناعت کر کے بیٹھ رہنا تو یقیناً ایسا جرم ہے جس کی پاداش بھگتنا ہوگی۔ یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ کفار سے دور رہنے کا جو حکم یہاں دیا گیا ہے وہ صرف اس لئے ہے کہ اسلامی معاشرت کفر کے اثرات سے متاثر ہونے کا خطرہ ہی نہ پیدا ہو سکے جہاں اسلام کو اقتدار و طاقت حاصل نہ ہو۔ جہاں اسلام کو شوکت و طاقت حاصل ہو وہاں عقلی اور قیاسی لحاظ سے بھی اس کا سوال ہی نہیں ہوتا۔ حدیث مذکور میں آنحضرت کا فقرہ بھی اسی اصول کی طرف اشارہ فرما رہا ہے۔ (باقی برصفحہ آئندہ)

وتفرق الناس يستظلون بالشجر فنزل رسول الله صلى الله عليه وسلم تحت سمرة فعلق بها
سيفه ونمنا نومة فإذا رسول الله صلى الله عليه وسلم يدعونا وإذا عنده أعرابي فقال
إن هذا اخترط علي سيفي وأنا نائم فاستيقظت وهو في يده صلتا قال من يمنعك مني
قلت الله ثلاثا ولم يعاقبه وجلس متفق عليه وفي رواية أبي بكر الإسماعيلي في صحيحه
فقال من يمنعك مني قال الله فسقط السيف من يده فأخذ رسول الله صلى الله عليه وسلم
السيف فقال من يمنعك مني فقال كن خير آخذ فقال تشهد أن لا إله إلا الله وأني
رسول الله قال لا ولكني أعاهدك على أن لا أقاتلك ولا أكون مع قوم يقاتلونك فخلى

وادی میں جا پہنچے جہاں بہت سی خاردار جھاڑیاں تھیں آپ وہاں اتر پڑے اور لوگ بھی درختوں کے سایہ کی
تلاش میں ادھر ادھر منتشر ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک کیکر کے درخت کے نیچے فروکش ہو گئے اور اپنی
تلوار ایک درخت پر لٹکا دی۔ ابھی ہماری آنکھ ذرا لگی ہو گی کہ ہم کیا دیکھتے ہیں کہ آپ ہمیں بلا رہے ہیں اور ایک
گنوار شخص آپ کے پاس موجود ہے۔ آپ نے فرمایا میں سو رہا تھا اس شخص نے میری تلوار میرے قتل کے
ارادے سے کھینچ لی اتنا ہی تھا کہ میں بیدار ہو گیا دیکھا تو تلوار اس کے ہاتھ میں کھنچی ہوئی موجود تھی۔ اس نے کہا
اب بتا تم کو مجھ سے کون بچا سکتا ہے میں نے کہا اللہ۔ تین بار فرمایا۔ اس کے بعد آپ بیٹھ گئے اور آپ
نے اس سے کوئی انتقام نہیں لیا۔ (متفق علیہ) ابوبکر اسمٰعیلی نے اپنی صحیح میں اس واقعہ کو یوں روایت کیا ہے
جب اس نے کہا تجھ کو مجھ سے کون بچائے گا تو میں نے کہا اللہ۔ (یہ جواب سن کر ہیبت کے مارے) اس کے ہاتھ
سے تلوار گر گئی اور اس تلوار کو آپ نے اٹھا لیا اور فرمایا بول اب تجھ کو مجھ سے کون بچائے گا۔ وہ بولا تلوار پر
قبضہ کرنے والوں میں افضل آپ ہی بن جائیے۔ آپ نے فرمایا اچھا کیا تو گواہی دے گا کہ معبود کوئی نہیں مگر ایک
اللہ اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ اس نے کہا نہیں ہاں یہ عہد کرتا ہوں کہ آئندہ نہ کبھی خود آپ سے جنگ کروں گا

معاملے میں کسی پہلو سے بھی شریعت نے تشدد پسند نہیں کیا کوئی اسلام لاتا ہے تو سر و چشم سے قبول کر لو اور نہیں لاتا تو
اس کی مرضی پر چھوڑ دو۔ کیا اس سے بڑھ کر آزادی رائے کا کوئی اور نمونہ ہو سکتا ہے!

(۲۴۹) امام بخاری نے غزوۂ بنی المصطلق سے قبل اس روایت کو ذکر کیا ہے اور اس شخص کا نام غورث بن الحارث
نقل کیا ہے۔ قسطلانی واقدی کی نقل سے لکھتے ہیں کہ یہ شخص اگرچہ اس وقت مسلمان ہونے سے انکار کر گیا تھا لیکن
اپنی قوم کے پاس واپس جا کر مسلمان ہو گیا تھا۔ اور اس کی وجہ سے ایک اور بڑی جماعت بھی شرف باسلام ہو گئی تھی۔ بہت
ممکن ہے کہ مجبوراً اسلام میں اگر وہ داخل ہو جاتا تو آپ کو اس سے زیادہ اکراہ کہا جاتا اور اب مرتبہ ہم پہنچ سکتا تھا جبکہ دشمن کی
تلوار آپ کے ہاتھ میں آ گئی ہو اس پر قدرت قتل کی دشمنی بھی معلوم ہو چکی ہو۔ پھر تنہا ہو اور آپ کے ساتھ صحابہ کی ایک جماعت

(۴۱۶) عن أبي هريرة قال بعث النبي صلى الله عليه وسلم خيلا قبل نجد فجاءت برجل من بني حنيفة يقال له ثمامة بن أثال فربطوه بسارية من سواري المسجد فخرج إليه النبي صلى الله عليه وسلم فقال ما عندك يا ثمامة فقال عندي خير يا محمد إن تقتلني تقتل ذا دم وإن تنعم تنعم على شاكر وإن كنت تريد المال فسل منه ما شئت فترك حتى كان الغد ثم قال له ما عندك يا ثمامة قال ما قلت لك إن تنعم تنعم على شاكر فتركه حتى كان بعد الغد فقال ما عندك يا ثمامة فقال عندي ما قلت لك فقال أطلقوا ثمامة فانطلق إلى نخل قريب من المسجد فاغتسل ثم دخل المسجد فقال أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمدا رسول الله يا محمد والله ما كان على الأرض وجه أبغض إلي من وجهك

(۴۱۶) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجد کی جانب سواروں کا ایک دستہ روانہ کیا وہ بنی حنیفہ کا ایک شخص گرفتار کر کے لے آیا جس کو ثمامہ کہا جاتا تھا اور مسجد کے ستونوں میں ایک ستون سے اس کو باندھ دیا آپ اس کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہو ثمامہ کیا خیال ہے اس نے کہا ٹھیک ہے اے محمدؐ اگر مجھے قتل کرو گے تو یاد رکھو ایسے شخص کو قتل کرو گے جو اگرچہ (ہیں) اپنی قوم کا سردار ہے (اس کے خون کا بدلہ لیا جائیگا) اور اگر احسان کرو گے تو ایسے شخص پر احسان کرو گے جو احسان فراموش نہیں۔ اگر تم کو مال لینا ہو تو بولو کیا چاہتے ہو آپ اس دن اس کو اسی حالت میں چھوڑ کر تشریف لے گئے پھر دوسرے دن تشریف لائے اور فرمایا ثمامہ اب کیا خیال ہے اس نے کہا میرا خیال اب بھی وہی ہے جو پہلے ظاہر کر چکا ہوں۔ اگر احسان کرو گے تو ایسے شخص پر احسان کرو گے جو ہمیشہ تمہارا شکر گذار رہے گا۔ آپ پھر اسی طرح اسے چھوڑ کر تشریف لے گئے یہاں تک کہ جب کل کے بعد پھر تشریف لائے اور اس سے پوچھا کہو ثمامہ کیا خیال ہے تو اس نے کہا وہی بات ہے جو پہلے کہہ چکا ہوں آپ نے فرمایا ثمامہ کو کھول دو۔ قید سے رہا ہو کر وہ مسجد کے قریب ایک کھجور کے باغ میں گئے غسل کیا اور کلمہ شہادت پڑھا اشہد ان لا الہ الا اللہ و ان محمدا رسول اللہ اے محمد روئے زمین میں آپ کے چہرے سے زیادہ مبغوض چہرہ میرے نزدیک کوئی اور نہ تھا لیکن آج وہ مجھے سب

(۴۱۶) علماء نے لکھا ہے کہ ثمامہ کا پہلا قول ان تقتل تقتل ذا دم (اگر آپ قتل کریں گے تو آپ ایک ایسے شخص کو قتل کریں گے جو کسی معمولی شخص کا نہیں) کا مفہوم یہ تھا اور دوسرا قول ان تنعم تنعم علی شاکر ہے (اگر آپ احسان کریں گے تو کسی احسان فراموش پر نہیں بلکہ شکر گذار پر احسان کریں گے) اپنی گفتگو کی ابتداء کرنی جیسا کہ جاہلیت پر مبنی تھی۔ پہلے دن ان کو یقین ہو چکا تھا کہ اب ان کی جان بخشی نہیں جائے گی۔ لیکن جب انہوں نے آپ کے عفو و کرم کا معاملہ دیکھا تو

(١٤١٣) عن عدي بن حاتم قال أتيت رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو جالس في المسجد فقال القوم هذا عدي بن حاتم وجئت بغير أمان ولا كتاب فلما دفعت إليه أخذ بيدي وقد كان قال قبل ذلك إني لأرجو أن يجعل الله يده في يدي قال فقام بي فلقيته امرأة وصبي معها فقالا إن لنا إليك حاجة فقام معهما حتى قضى حاجتهما ثم أخذ بيدي حتى أتى بي داره فألقت له الوليدة وسادة فجلس عليها وجلست بين يديه فحمد الله وأثنى عليه ثم قال لي يا عدي ما يفرك من الإسلام أن تقول لا إله إلا الله فهل تعلم من إله سوى الله قلت لا ثم تكلم ساعة ثم قال إنما تفر أن تقول الله أكبر فهل تعلم شيئا أكبر من الله قلت لا قال فإن اليهود مغضوب عليهم والنصارى ضلال قلت فإني حنيف مسلم قال فرأيت وجهه تبسط فرحا ثم أمر بي

(١٤١٣) عدی بن حاتم بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت آپ مسجد میں تشریف فرما تھے لوگوں نے (مجھ کو دیکھ کر) کہا یہ عدی بن حاتم (آ گیا) آپ کی خدمت میں میں بے دھڑک آ پہنچا تھا نہ پہلے سے کوئی درخواست پیش کی تھی نہ کوئی تحریر میرے ساتھ تھی بس یونہی حاضر ہو گیا تھا جب میں پکڑ کر آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا مجھے پہلے یہ بات پہنچ چکی تھی کہ آپ فرمایا کرتے تھے مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے گا۔ (یہ آپ کی پیشین گوئی کے مطابق تھی) آنحضرت ان کے (اکرام) کے لئے کھڑے ہو گئے اس اثنا میں ایک عورت اپنے ہمراہ ایک بچہ لئے ہوئے آ گئی اور عرض کیا ہمیں آپ سے ایک ضروری بات کہنی ہے آپ ان کی بات سننے کے لئے ان کے ساتھ کھڑے ہو گئے اور ان کی ضرورت کو پورا کر کے پھر میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور اپنے گھر تشریف لے آئے فوراً باندی نے ایک گدا بچھا دیا آپ اس پر بیٹھ گئے میں آپ کے سامنے بیٹھ گیا پھر آپ نے خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد مجھ سے فرمایا عدی! اسلام سے کیوں منکر ہو آخر لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کیوں نہیں کرتے کیا تمہارے علم میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور معبود ہے۔ میں نے عرض کیا نہیں تو پھر آپ نے تھوڑی دیر کچھ اور تلقین فرمائی اس کے بعد فرمایا کیا تم اس سے گریز کرتے ہو کہ اللہ اکبر کہو کیا تمہارے نزدیک اللہ تعالیٰ کی ذات سے کوئی اور بزرگ و برتر ذات ہے میں نے عرض کیا نہیں تو اس کے بعد آپ نے فرمایا (سمجھ لو) یہ ہیں کہ یہود تو قہر الٰہی کے مورد بن چکے ہیں اب رہے نصاریٰ تو وہ بھی راہ سے گمراہ ہو چکے ہیں میں نے عرض کیا میں تو دین حنیف کا تابعدار بنتا ہوں۔ یہ بیان کرتے ہیں کہ اس پر میں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ

وَنَزَلْتُ عِنْدَ رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ فَجَعَلْتُ أَغْدُو أَوْ أَرُوحُ فِي النَّهَارِ (رواه الترمذي)

(۲۱۸) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِإِسْلَامِ أَبِي ذَرٍّ قُلْنَا بَلَى قَالَ قَالَ كُنْتُ رَجُلًا مِنْ غِفَارٍ فَبَلَغَنَا أَنَّ رَجُلًا قَدْ خَرَجَ بِمَكَّةَ يَزْعَمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ فَقُلْتُ لِأَخِي انْطَلِقْ إِلَى هَذَا الرَّجُلِ وَكَلِّمْهُ وَائْتِنِي بِخَبَرِهِ وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ لَمَّا بَلَغَ أَبَا ذَرٍّ مَبْعَثُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِأَخِيهِ ارْكَبْ إِلَى هَذَا الْوَادِي وَاعْلَمْ لِي عِلْمَ هَذَا الرَّجُلِ الَّذِي يَزْعَمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ يَأْتِيهِ الْخَبَرُ مِنَ السَّمَاءِ وَاسْمَعْ مِنْ قَوْلِهِ ثُمَّ ائْتِنِي فَانْطَلَقَ الْأَخُ حَتَّى قَدِمَهُ وَسَمِعَ مِنْ قَوْلِهِ ثُمَّ رَجَعَ إِلَى أَبِي ذَرٍّ فَقَالَ لَهُ رَأَيْتُهُ يَأْمُرُ بِمَكَارِمِ الْأَخْلَاقِ وَكَلَامًا مَا هُوَ بِالشِّعْرِ فَقَالَ مَا شَفَيْتَنِي مِمَّا أَرَدْتُ فَتَزَوَّدَ وَحَمَلَ شَنَّةً لَهُ فِيهَا مَاءٌ حَتَّى قَدِمَ مَكَّةَ فَأَتَى الْمَسْجِدَ فَالْتَمَسَ

کا چہرۂ مبارک خوشی کے مارے کھل گیا میرے متعلق حکم ہوا کہ میں ایک انصاری کے یہاں مہمان ٹھہرایا جاؤں (میں ان کے یہاں مقیم ہو گیا) اور صبح و شام میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا رہتا تھا۔ (ترمذی شریف)

(۲۱۸) ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کیا میں تم کو ابوذرؓ کے اسلام کا قصہ نہ سناؤں ہم نے عرض کیا ضرور سنائیے۔ فرمایا کہ ابوذرؓ کہتے ہیں کہ میں قبیلہ غفار کا آدمی تھا مجھے یہ اطلاع ملی کہ ایک شخص نے مکہ میں ظاہر ہو کر اور اس کا مدعی ہے کہ وہ نبی ہے میں نے اپنے بھائی سے کہا ذرا اس کے پاس جا کر بات چیت تو کر آؤ اور اس کا کچھ بھید مجھے بتاؤ۔ دوسری روایت میں یہ واقعہ اس طور پہ مذکور ہے کہ جب ابوذرؓ کو آنحضرتؐ کے دعویٰ نبوت کی خبر پہنچی تو انھوں نے اپنے بھائی سے کہا اس وادی تہامہ کی طرف جا کر اس شخص کا کچھ بھید تو نکال کر لاؤ اس کا دعویٰ ہے کہ وہ نبی ہے اور اس کے پاس آسمان سے خبریں آتی ہیں۔ اس کی ذرا گفتگو بھی سنو پھر میرے پاس آؤ۔ ان کے بھائی مکہ کی طرف روانہ ہو گئے یہاں پہنچ کر آپ کی گفتگو سنی اور ابوذرؓ کے پاس واپس آ کر بیان کیا میں نے تو ان کو عمدہ اخلاق کی تعلیم دیتے سنا ہے اور ان سے ایک ایسا کلام سنا ہے جو از قسم شعر نہیں۔ انھوں نے کہا تم نے میرے مطلب کی بات نہیں بتائی۔ اس کے بعد کچھ توشہ ساتھ لیا اور ایک پرانی مشک لی جس میں تھوڑا سا پانی تھا اور خود چل کر مکہ پہنچ گئے۔ مسجد حرام میں داخل ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کرنے لگے مشکل یہ تھی کہ نہ تو آپ کو پہچانتے تھے اور نہ یہ چاہتے تھے کہ آپ کے متعلق کسی اور سے پوچھیں یہاں تک کہ کچھ اندھیرا ہو گیا یہ لیٹ رہے۔ حضرت علیؓ نے انھیں دیکھا اور سمجھ گئے کہ یہ کوئی مسافر آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ جب انھوں نے دیکھا تو یہ ان کے پیچھے پیچھے ہو لیے مگر اس رات کسی نے ایک دوسرے سے کچھ نہ پوچھا جب صبح ہو گئی تو یہ اپنا توشہ اور مشک اٹھا کر پھر مسجد میں آ گئے یہ دن بھی

أتى المسجد فنادى بأعلى صوته أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمدا رسول الله
وثار القوم فضربوه حتى أضجعوه وأتى العباس فأكب عليه قال ويلكم ألستم
تعلمون أنه من غفار وأن طريق تجاركم إلى الشام عليهم فأنقذه منهم ثم عاد من
الغد لمثلها وثاروا إليه فضربوه فأكب عليه العباس فأنقذه (رواه البخاري)

(۳۱۹) عن أنس قال سمع عبد الله بن سلام بمقدم رسول الله صلى الله عليه وسلم
وهو في أرض يخترف فأتى النبي صلى الله عليه وسلم فقال إني سائلك عن ثلاث ۲
لا يعلمهن إلا نبي فما أول أشراط الساعة وما أول طعام أهل الجنة وما ينزع الولد
إلى أبيه أو إلى أمه قال أخبرني بهن جبريل آنفا أما أول أشراط الساعة فنار تحشر
الناس من المشرق إلى المغرب وأما أول طعام يأكله أهل الجنة فزيادة كبد حوت

تم کو ہمارے طریق کی خبر ملے۔ دوسری روایت میں یہ مضمون اس طرح ہے ابھی اپنا اسلام پوشیدہ رکھو
اور اپنے وطن واپس چلے جاؤ۔ جب تم کو ہمارے غلبہ کی خبر ملے اس وقت پھر آجانا انھوں نے عرض کیا اس ذات
کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے میں ان کے درمیان میں گھس کر اس کلمہ کو چیخ چیخ کر کہوں گا۔ پھر وہ
باہر نکلے اور مسجد میں آکر با آواز بلند کہا اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمدا رسول اللہ۔ یہ سنتے ہی لوگ جوش میں بھر گئے
اور ان کو اتنا مارا کہ زمین پر لٹا دیا۔ حضرت عباسؓ آگئے اور ان کے اوپر اوندھے گر گئے اور فرمایا کمبختو! تم کو
خبر نہیں کہ یہ قبیلہ غفار کا آدمی ہے اور شام کی طرف تمہارے تجارت کے جانے کا راستہ انہی کی طرف
ہو کر جاتا ہے اور اس طرح ان کو بچا لیا۔ دوسرے دن پھر انھوں نے یہی حرکت کی اور پھر لوگ ان پر ٹوٹ پڑے
اور ان کو خوب سزا دی اس دن پھر حضرت ابن عباسؓ ان کے اوپر الٹے لیٹ گئے اور ان کو چھڑا لیا۔ (بخاری شریف)

(۳۱۹) حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ عبد اللہ بن سلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف
آوری کی جب خبر سنی تو اس وقت وہ ایک باغ کے پھل توڑ رہے تھے وہ فوراً آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے
اور عرض کی میں آپ سے تین باتیں دریافت کرتا ہوں جن کو نبی کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا۔ یہ بتایئے کہ
علامات قیامت میں سب سے پہلی علامت کیا ہے اور جنتیوں کا سب سے پہلا کھانا کیا ہوگا اور تیسری بات
یہ کہ بچہ کبھی باپ یا ماں کے مشابہ کیوں ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا جبرئیل علیہ السلام نے ان کے جوابات مجھے ابھی
بتائے ہیں۔ سنو قیامت کی سب سے پہلی علامت تو ایک آگ ہوگی جو لوگوں کو مشرق سے مغرب کی سمت جمع
کرکے لے جائے گی۔ رہی جنتیوں کی پہلی ضیافت تو مچھلی کے جگر کا ایک ٹکڑا ہوگی اب رہا بچہ کا مشابہ ہونا تو اگر

رسول الله فدعاه رسول الله صلى الله عليه وسلم فجعل ينزل من النخلة حتى سقط
إلى النبي صلى الله عليه وسلم ثم قال ارجع فعاد فأسلم الأعرابي - رواه الترمذي وصححه

(۲۲۱) عن ابن عمر قال كنا مع النبي صلى الله عليه وسلم في سفر فأقبل أعرابي
فلما دنا قال له رسول الله صلى الله عليه وسلم تشهد أن لا إله إلا الله وحده لا
شريك له وأن محمدا عبده ورسوله قال ومن يشهد على ما تقول قال هذه
السلمة فدعاها رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو بشاطئ الوادي
فأقبلت تخد الأرض حتى قامت بين يديه فاستشهدها ثلاثا فشهدت
ثلاثا أنه كما قال ثم رجعت إلى منبتها. (رواه الدارمي)

(۲۲۲) عن أبي هريرة قال كنت أدعو أمي إلى الإسلام وهي مشركة
فدعوتها يوما فأسمعتني في رسول الله صلى الله عليه وسلم ما أكره فأتيت

خدا کا رسول ہوں (تو چلے گا) آپ نے اس کو آواز دی، فوراً وہ اترنے لگا اور اترتے اترتے
آپ کے سامنے آ پڑا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا واپس چلا جا، وہ چلا گیا۔ یہ دیکھ کر وہ دیہاتی
مسلمان ہو گیا۔ (ترمذی)

(۲۲۱) ابن عمرؓ بیان فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک سفر میں
تھے ایک دیہاتی سامنے سے آتا نظر آیا جب وہ مجلس میں آ پہنچا تو آپ نے فرمایا اس کی گواہی دے گا
کہ اللہ کے سوا معبود کوئی نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندہ اور رسول ہیں۔ وہ بولا آپ کی اس بات پر
کون اور بھی گواہی دے گا۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں یہ کیکر کا درخت۔ وہ درخت وادی کے کنارہ پر
کھڑا تھا آپ نے اس کو بلایا وہ زمین چیرتا ہوا آپ کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ آپ نے اس سے
تین بار گواہی طلب کی اس نے تینوں بار گواہی دی کہ جیسا آپ نے فرمایا بات اسی طرح ہے
اس کے بعد وہ جہاں کھڑا تھا وہیں واپس ہو گیا۔ (دارمی)

(۲۲۲) ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں اپنی والدہ کو دعوت اسلام دیتا اور وہ اس سے نفرت کرتی
تھیں ایک دن کا قصہ ہے کہ میں نے ان کو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے آپ کی شان میں مجھے
ایسی بات سنائی جو مجھے بہت ناگوار گزری۔ میں روتا ہوا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض
کی یا رسول اللہ آپ دعا فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ ابوہریرہ کی والدہ کو ہدایت نصیب فرما دے

رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا أَبْكِي قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ ادْعُ اللّٰهَ أَنْ يَهْدِيَ أُمَّ أَبِي هُرَيْرَةَ فَقَالَ اللّٰهُمَّ اهْدِ أُمَّ أَبِي هُرَيْرَةَ فَخَرَجْتُ مُسْتَبْشِرًا بِدَعْوَةِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا صِرْتُ إِلَى الْبَابِ فَإِذَا هُوَ مُجَافٌ فَسَمِعَتْ أُمِّي خَشْفَ قَدَمَيَّ فَقَالَتْ مَكَانَكَ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ وَسَمِعْتُ خَضْخَضَةَ الْمَاءِ فَاغْتَسَلَتْ فَلَبِسَتْ دِرْعَهَا وَعَجِلَتْ عَنْ خِمَارِهَا فَفَتَحَتِ الْبَابَ ثُمَّ قَالَتْ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ فَرَجَعْتُ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا أَبْكِي مِنَ الْفَرَحِ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَقَالَ خَيْرًا. رواه مسلم

(٣٢٢) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ إِنَّ ضِمَادًا قَدِمَ مَكَّةَ وَكَانَ مِنْ أَزْدِ شَنُوءَةَ وَكَانَ يَرْقِي مِنْ هٰذِهِ الرِّيحِ فَسَمِعَ سُفَهَاءَ مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ يَقُولُونَ إِنَّ مُحَمَّدًا مَجْنُونٌ فَقَالَ لَوْ أَنِّي رَأَيْتُ هٰذَا الرَّجُلَ لَعَلَّ اللّٰهَ يَشْفِيهِ عَلَى يَدَيَّ قَالَ فَلَقِيَهُ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ إِنِّي أَرْقِي مِنْ هٰذِهِ الرِّيحِ فَهَلْ لَكَ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ

آپ نے دعا فرمائی اے اللہ ابو ہریرہ کی والدہ کو ہدایت نصیب فرمادے میں آپ کی اس دعا پر ان کے اسلام کی بشارت لئے ہوئے باہر نکلا جب اپنے گھر کے دروازہ کے قریب آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ دروازہ بند ہے میری والدہ نے میرے پیروں کی آہٹ سنی اور کہا ابو ہریرہ وہیں باہر رہنا۔ اور میں نے پانی گرنے کی آواز سنی میں ٹھیرا رہا۔ انہوں نے غسل فرمایا اپنا کرتہ پہنا اور جلدی میں سر پر اوڑھنی ڈالی ہوئی اور فوراً دروازہ کھول کر کلمہ شہادت پڑھا۔ اشہد ان لا الٰہ الا اللہ و اشہد ان محمداً عبدہ و رسولہ [illegible] ابھی غم کے آنسو بہاتا ہوا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا (اب) خوشی کے آنسو بہاتا ہوا پھر آپ کی خدمت میں واپس پہنچا۔ آپ نے اس پر خدا کا شکر ادا کیا اور ان کے حق میں کلمات خیر فرمائے (مسلم)

(۳۲۲) ابن عباس کہتے ہیں کہ ضماد مکہ مکرمہ میں آئے یہ قبیلہ ازد شنوءہ کے آدمی تھے اور جن دنیوی اثرات کی جھاڑ پھونک کیا کرتے تھے انہوں نے مکہ مکرمہ کے بیوقوفوں کو یہ کہتے سنا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آسیب زدہ ہو گئے ہیں۔ یہ اپنے دل میں کہنے لگے کاش اگر میں بھی اس شخص کو دیکھ لیتا تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے ہاتھ سے اس کو شفا دیدیتا۔ راوی کہتا ہے کہ یہ آپ سے ملا اور کہا اے محمد میں جنات کی جھاڑ پھونک کرتا ہوں آپ بھی چاہیں تو جھاڑ دوں۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلمات فرمائے تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔ ہم اس کی تعریف کرتے ہیں اور ہر معاملہ میں اسی

الحمد لله نحمده ونستعينه من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادي له وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له وأشهد أن محمدا عبده ورسوله أما بعد فقال أعد علي كلماتك هؤلاء فأعادهن عليه رسول الله صلى الله عليه وسلم ثلاث مرات فقال لقد سمعت قول الكهنة وقول السحرة وقول الشعراء فما سمعت مثل كلماتك هؤلاء ولقد بلغن قاموس البحر هات يدك أبايعك على الإسلام قال فبايعه. (رواه مسلم)

(۴۲۳) عن الحسن قال جاء راهبا نجران إلى النبي صلى الله عليه وسلم فقال لهما أسلما تسلما فقالا قد أسلمنا قبلك فقال النبي صلى الله عليه وسلم كذبتما يمنعكما من الإسلام ثلاث سجودكما للصليب وقولكما اتخذ الله ولدا وشربكما الخمر فقالا ما تقول في عيسى عليه السلام قال فسكت النبي صلى الله عليه وسلم ونزل القرآن ذلك نتلوه عليك من الآيات والذكر الحكيم إلى قوله أبناءنا وأبناءكم فدعاهما رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى الملاعنة قال وجاء

مدد چاہتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت عطا فرما دے اس کا گمراہ کرنے والا کوئی نہیں اور جسے گمراہ کر دے اس کو ہدایت کرنے والا کوئی نہیں۔ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ معبود کوئی نہیں مگر صرف ایک اللہ جس کا کوئی شریک نہیں اور اس بات کی بھی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں اما بعد (اس خطبے کے سننے کے بعد ابھی آپ کچھ اور فرمانے نہ پائے تھے) کہ ضماد نے کہا: مجھے ان کلمات کو پھر سنائیے آپ نے پھر سنا دیے تین بار یہی ہوا۔ وہ بولا میں نے کاہنوں کا قول سنا، جادوگروں کے منتر اور شاعروں کے اشعار بھی سنے لیکن آپ کے ان کلمات کی طرح کسی کا کلام نہیں سنا۔ خدا کی قسم یہ تو بحر معرفت کی گہرائی میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ لائیے اپنا ہاتھ بڑھائیے میں آپ سے اسلام پر بیعت کرتا ہوں راوی کہتا ہے چنانچہ اس نے آپ سے بیعت کر لی۔ (مسلم)

(۴۲۳) حسن روایت کرتے ہیں کہ نجران کے دو پادری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے ان سے فرمایا: اسلام قبول کرو سلامت رہو گے۔ انھوں نے کہا ہم آپ سے پہلے ہی مسلمان ہیں آپ نے فرمایا: جھوٹ بولتے ہو تمہارے مسلمان ہونے میں تین باتیں مانع ہیں۔ ایک یہ کہ تم صلیب کو پوجتے ہو۔ دوم یہ کہ تم کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو بیٹا

الحسن والحسين وفاطمة وأهله وولده، فلما خرج من عنده قال أحدهما
لصاحبه أقرر بالجزية ولا تلاعنه فرجعا فقالا نقر بالجزية ولا نلاعنك
قال فأقرا بالجزية۔ (رواه احمد)

تأليف قلب من يخاف على إيمانه والنصرة له

(۲۲۵) عن عمرو بن تغلب أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أتي بمال
أو بشيء فقسمه فأعطى رجالا وترك رجالا فبلغه أن الذين ترك عتبوا فحمد الله
ثم أثنى عليه ثم قال أما بعد فوالله إني أعطي الرجل وأدع الرجل والذي أدع
أحب إلي من الذي أعطي ولكن أعطي أقواما لما أرى في قلوبهم من الجزع والهلع

مباہلہ ہے اور سوم یہ کہ تم شراب پیتے ہو۔ انھوں نے کہا اچھا تو عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آپ کیا
عقیدہ رکھتے ہیں۔ راوی کہتا ہے کہ آپ خاموش ہو گئے اور ان کے مناظرے کے جواب میں قرآن کی
حسب ذیل آیات نازل ہوئیں، یہ جو کچھ ہم آپ کو پڑھ کر سنا رہے ہیں آیات الٰہی اور تحقیقی بیان ہے۔
. . . . (آپ کہہ دیجئے) آؤ ہم بلائیں اپنے بیٹے اور تم اپنے بیٹے۔ (آیت مباہلہ کا مقصد فرمانے کے بعد آپ نے
ان سے فرمایا کہ مباہلہ کیجئے چنانچہ راوی کہتا ہے کہ آپ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ اور حضرت فاطمہؓ کو لے کر آ گئے
جب یہ آپ کی مجلس سے باہر آ گئے تو ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا کہ جزیہ دینا قبول کر لو
اور آپ سے مباہلہ منظور نہ کرو (کیونکہ یہ نبی برحق ہیں جو ان سے مباہلہ کرے گا برباد ہو جائیگا) چنانچہ
انھوں نے کہا ہم آپ کو جزیہ دینا قبول کرتے ہیں اور آپ سے مباہلہ نہیں کرتے اور جزیہ دینا قبول کر لیا۔ (مسند احمد)

ضعیف الایمان شخص کی دلجوئی اور مدد کرنی چاہیے

(۲۲۵) عمرو بن تغلب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (کہیں سے) کچھ مال
آیا آپ نے اس کو تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ بہت سے لوگوں کو دیا اور بہت سے لوگوں کو نہ دیا۔ اس پر آپ کو
یہ اطلاع ملی کہ جن کو آپ نے کچھ نہ دیا ان کو یہ تفریق ناگوار گذری ہے۔ آپ نے خدا کی حمد و ثنا کے بعد
ارشاد فرمایا خدا کی قسم بیشک میں کسی شخص کو مال دیتا ہوں اور کسی کو نہیں دیتا اور واقعہ یہ ہے کہ جس کو نہیں
دیتا وہ مجھے اس سے زیادہ محبوب ہوتا ہے جس کو دیتا ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں بعض لوگوں کو صرف

فَأَكِلُ أَقْوَامًا إِلَى مَا جَعَلَ اللّٰهُ فِي قُلُوبِهِمْ مِنَ الْغِنَى وَالْخَيْرِ فِيهِمْ عَمْرُو بْنُ تَغْلِبَ فَوَاللّٰهِ مَا أُحِبُّ أَنَّ لِي بِكَلِمَةِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُمْرَ النَّعَمِ (رواه البخاري)

(۲۲۶) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ جَمَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَاسًا مِنَ الْأَنْصَارِ فَقَالَ إِنَّ قُرَيْشًا حَدِيثُ عَهْدٍ بِجَاهِلِيَّةٍ وَمُصِيبَةٍ وَإِنِّي أَرَدْتُ أَنْ أَجْبُرَهُمْ وَأَتَأَلَّفَهُمْ أَمَا تَرْضَوْنَ أَنْ يَرْجِعَ النَّاسُ بِالدُّنْيَا وَتَرْجِعُونَ بِرَسُولِ اللّٰهِ إِلَى بُيُوتِكُمْ قَالُوا بَلَى قَالَ لَوْ سَلَكَ النَّاسُ وَادِيًا وَسَلَكَتِ الْأَنْصَارُ شِعْبًا لَسَلَكْتُ وَادِيَ الْأَنْصَارِ أَوْ شِعْبَ الْأَنْصَارِ - (رواه البخاري)

(۲۲۷) عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَعْطَاهُ غَنَمًا

اس لئے رہتا ہوں کہ ۔ ۔ ۔ ان کے دلوں میں مال کے لئے بے صبری اور اضطراب کا احساس کرتا ہوں اور بعض کو اس بے نیازی اور خیر ایمانی کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ڈال دی ہے خدا تعالیٰ کے حوالہ کر دیتا ہوں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ان میں سے ایک شخص عمرو بن تغلب بھی ہیں۔ خدا کی قسم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ایک کلمہ کے مقابلہ میں مجھے یہ منظور نہیں کہ میرے پاس بہت سرخ اونٹ ہوتے۔

(۲۲۶) انس کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو جمع کیا اور فرمایا قریش ابھی تازہ نئے مسلمان ہوئے ہیں اور کفر و فاقہ کی مصیبتیں جھیل چکے ہیں میں ان کی کچھ امداد کرنا چاہتا ہوں اور یہ چاہتا ہوں کہ ان کی دلجوئی کروں اور ان کو اسلام کے ساتھ ذرا مانوس کر دوں۔ کیا تم اس پر راضی نہیں کہ اور لوگ تو اپنے گھروں کو دنیا کا مال لے جائیں اور تم خدا کے رسول کو لے جاؤ۔ انصار بولے بیشک ہم اس پر راضی ہیں اس کے بعد آپ نے فرمایا اگر لوگ ایک راستہ پر جائیں اور انصار دوسرے راستہ پر تو میں انصار ہی کے راستہ کو اختیار کروں گا جس پر انصار جائیں گے۔ (بخاری)

(۲۲۷) انس روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا آپ نے

ا صحیح بخاری میں موجود ہے کہ انصار کو آپ کا مہاجرین قریش کو مال دینا ناگوار تھا بلکہ بعض اس تشبیہ نے ان میں جذبات رقابت ابھار دیئے تھے۔ وہ انہیں کچھ یوں محسوس کرنے لگا تھا کہ آپ کی شفقت و محبت کا پلہ بھی شاید بجائے ان کی جانب ہی جھک گیا ہے۔ اس لئے جب ان کو یہ خیال حاصل ہو گیا کہ اگرچہ آپ کی داد و دہش کا ہاتھ تو قریش کی طرف جھکا ہوا ہے مگر آپ کے جذبات محبت درحقیقت ان ہی کی طرف مائل ہیں تو نہیں سرخ اونٹ جو عرب کا محبوب ترین مال تھا آپ کے اس ایک فقرہ کے بالمقابل ہیچ نظر آنے لگے۔

سلامة المسلمين من اللسان واليد

(۳۳۰) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ وَالْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَا نَهَى اللّٰهُ عَنْهُ رواه البخاري ومسلم وغيرهما وزاد

کسی مسلمان کو اپنے ہاتھ اور زبان سے ایذا نہ دینا

(۳۳۰) عبداللہ بن عمرو روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے پورا مسلمان تو وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ کی ایذا سے تمام مسلمان محفوظ رہیں اور سچا مہاجر وہ ہے جو ان تمام باتوں کو چھوڑ دے جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے (بخاری و مسلم وغیرہما) ترمذی و نسائی نے اس حدیث میں اتنا

(۳۳۰) عرب کی قوم جو قرنوں سے قتل و غارت اور جنگ و بدامنی کی عادی چلی آئی تھی وہ ابھی تازہ تازہ حلقۂ اسلام میں داخل ہوئی ہے پیغمبر اسلام ان کی سرشت کا سب سے زیادہ ناقص حصہ ان کو بتا دینا چاہتا تھا کہ صرف ارکان اسلام ادا کر لینے اور چند مخصوص عقائد پر یقین کر بیٹھنے سے کوئی شخص مومن اور مسلم کے لقب کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ اس کو یہ بھی ثابت کرنا ہوگا کہ اب پہلے کی طرح اس کی زندگی پیام موت نہیں رہی بلکہ سراپا سر تا سر سلامتی بن گئی ہے۔ امانت اور امن کا اس میں وہ صحیح پیدا ہو گئی ہے کہ قلوب اب اس کی طرف سے خوف و ہراس نکل چکا ہے۔ خدا کی مخلوق کو ہر ساعت یہ اطمینان اور کیا امان اس پر پورا پورا اعتماد حاصل ہو گیا ہے۔ یہ ہے وہ شخص جس کو اسلام مسلم اور مومن کا خطاب دیتا ہے اس اسلوب بیان میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جیسا کہ شعر گوئی کے بغیر کوئی شخص شاعر اور علم کے بغیر عالم نہیں کہا جا سکتا ایسا ہی سلامتی و امن کا پیکر بنے بغیر کسی کو مسلم اور مومن نہیں کہا جا سکتا بلکہ ہاتھ اور زبان کی تخصیص صرف اس لئے ہے کہ عام طور پر ایذا رسانی کے آلات یہی دو ہیں ورنہ اصل مقصد ترک ایذاء ہے خواہ وہ کسی ذریعہ سے بھی ہو۔ ان دونوں میں باہم فرق یہ ہے کہ ہاتھ کی ایذا کا تعلق صرف حاضر کے ساتھ ہوتا ہے اور زبانی ایذا کا حاضر و غائب دونوں کے ساتھ بلکہ اس میں زندہ اور مردہ کی بھی قید نہیں ہے۔ تیسرے جملہ کا مطلب یہ ہے کہ ہجرت یعنی خدا کی راہ میں گھر در سب چھوڑ دینا اگرچہ ایک بے نظیر قربانی ہے مگر کامل مہاجر ہونا اس کا لازمی کمتر سمجھا جاتا ہے وہ یہ سمجھتا ہے کہ ہجرت کی روح صرف ترک وطن اور مال و اولاد کے ترک سے ہی حاصل نہیں ہوتی بلکہ اس کا اصل مقصد کسی کی مزاحمت کے بغیر آزادی کے ساتھ خدا تعالیٰ کی عبادت کرنا اور اپنے نفس کو ان بری صحبتوں سے نکال لینا ہے جن کی مخالفت سے اقامت دین یا ان کی حدود کے تحفظ میں کبھی ہتھیاروں کا خطرہ پیدا ہو سکتا ہو۔ پس اگر ایک شخص آبائی وطن ترک کرنے کے بعد اپنی مسافرت و غربت کے عالم میں بھی وطن سے زیادہ ممنوعات شرعیہ کا خوگر بنا ہوا ہے تو اسلام کے نزدیک ابھی وہ اس لائق نہیں کہ اس کو مہاجر جیسا معزز لقب دیا جائے۔ اس اسلوب بیان میں حقیقی مہاجرین کو یہ تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ وہ صرف ترک وطن کر کے مطمئن نہ ہو بیٹھیں یا ان کی تکمیل میں ابھی ایک طویل ہجرت پر موقوف ہے جس کا سلسلہ تا زندگی ختم ہونے والا نہیں اور وہ یہ ہے کہ جن چیزوں سے اللہ تعالیٰ نے منع فرما دیا ہے اس کو ہمیشہ کے لئے ترک کر دیا جائے۔ اب ہجرت کی یہ وہ وسیع حقیقت ہوگی جس کے ترک کرنی

(٣٣٤) عن أبي هريرة قال أتيت رسول الله صلى الله عليه وسلم فقلت علمني شيئًا لعل الله أن ينفعني به قال أنظر ما يؤذي الناس فنحّه عن الطريق. أخرجه ابن عساكر كذا في الجامع الكبير۔

(٣٣٥) عن أبي شيبة قال كان معاذ بن جبل يمشي ورجل معه فرفع حجرًا عن الطريق فقلت ما هذا قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول من رفع حجرًا عن الطريق كتب له حسنة ومن كانت له حسنة دخل الجنة. أخرجه الطبراني في الكبير وقال الهيثمي رجاله ثقات۔

(٣٣٦) عن معقل بن يسار قال معاذ كنت مع معقل في بعض الطرق فمر بأذى فأماطه فرأيت مثله فنحيته فقال ما حملك على ذلك قلت رأيتك صنعت فصنعت فقال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول من أماط

---

(٣٣٤) ابوہریرہ روایت فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا مجھے کچھ سکھا دیجئے، شاید اللہ تعالیٰ مجھے اس پر عمل کی توفیق بخشدے آپ نے فرمایا جو چیز لوگوں کے لئے تکلیف دہ ہو اس کا خیال رکھنا اور جہاں کہیں ایسی چیز دیکھنا اسے راستہ سے ایک طرف ڈال دینا۔ (جامع کبیر)

(٣٣٥) ابوشیبہ سے روایت ہے کہ معاذ بن جبل پیدل جا رہے تھے ایک اور شخص بھی ان کے ساتھ ساتھ تھا راستہ میں انہوں نے ایک پتھر پڑا ہوا دیکھا تو اٹھا کر اسے راستہ سے ہٹا دیا میں نے عرض کیا یہ کیا؟ انہوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ جو راستہ سے کوئی پتھر ہٹا لے تو اس کے نامہ اعمال میں ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے اور جس کے پاس ایک نیکی بھی ہوگی وہ بھی جنت میں جا پہنچیگا۔ (طبرانی)

(٣٣٦) معاویہ کہتے ہیں کہ میں معقل بن یسار کے ساتھ کسی راستہ پر جا رہا تھا ان کا کسی ایسے پتھر وغیرہ پر گذر ہوا جو گذرنے والوں کیلئے باعث تکلیف تھا انہوں نے اس کو اٹھا کر پھینکدیا آگے چل کر میں نے بھی اسی قسم کا ایک پتھر دیکھا تو میں نے بھی اس کو ایک طرف ڈالدیا، انہوں نے مجھ سے پوچھا تم نے ایسا کیوں کیا

---

(٣٣٦) اس حدیث سے پہلی روایت کی شرح ہوگئی اور معلوم ہوگیا کہ حضرت کے نزدیک صرف نیکی کرنا کافی نہیں اس کی تربیت بھی شرط ہے تو کوئی شبہ نہیں کہ بعض مرتبہ معمولی سی نیکی ایسی بروقت ہوتی ہے کہ خدا کی رحمت کو جوش میں لے آتی ہے دریں حال ایک چھوٹی سی نیکی کافی ہو جاتی ہے اور عمر بھر عصیان کے غرق کا بیڑا پار ہو جاتا ہے۔

أَذًى عَنْ طَرِيقٍ كُتِبَ لَهُ حَسَنَةٌ وَمَنْ تُقُبِّلَتْ مِنْهُ حَسَنَةٌ دَخَلَ الْجَنَّةَ. أخرجه البخاري في الأدب المفرد وقال الهيثمي سنده حسن ورمز السيوطي لحسنه

(۳۴۷) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ رَجُلٌ بِغُصْنِ شَجَرَةٍ عَلَى ظَهْرِ طَرِيقٍ فَقَالَ لَأُنَحِّيَنَّ هٰذَا عَنْ طَرِيقِ الْمُسْلِمِينَ لَا يُؤْذِيهِمْ فَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ. (متفق عليه)

(۳۴۸) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ رَأَيْتُ رَجُلًا يَتَقَلَّبُ فِي الْجَنَّةِ فِي شَجَرَةٍ قَطَعَهَا مِنْ ظَهْرِ الطَّرِيقِ كَانَتْ تُؤْذِي النَّاسَ. (رواه مسلم)

(۳۴۹) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ سُلَامَى مِنَ النَّاسِ عَلَيْهِ صَدَقَةٌ كُلَّ يَوْمٍ تَطْلُعُ فِيهِ الشَّمْسُ يَعْدِلُ بَيْنَ الْاِثْنَيْنِ صَدَقَةٌ وَيُعِينُ الرَّجُلَ عَلَى دَابَّتِهِ فَيَحْمِلُ عَلَيْهَا أَوْ يَرْفَعُ عَلَيْهَا مَتَاعَهُ صَدَقَةٌ وَالْكَلِمَةُ

میں نے کہا آپ کو دیکھا تھا کہ آپ نے یہی عمل کیا تھا لہٰذا میں نے بھی آپ کے دیکھا دیکھی وہی عمل کیا ہے۔ آنحضرت نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ جو کسی راستہ سے کسی تکلیف دہ چیز کو ہٹا دے تو اس کے حق میں ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور جس کی ایک نیکی بھی قبول ہو جائے وہ بھی آخرکار جنت میں چلا جائیگا۔

(۳۴۷) ابوہریرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک شخص کا کسی ایسے راستہ سے گذر ہوا جس پر درخت کی ایک شاخ پڑی ہوئی تھی اس نے دل میں کہا کہ میں اس شاخ کو مسلمانوں کے راستہ سے ہٹا دوں تاکہ ان کو تکلیف نہ دے بس اتنی سی نیت کی بدولت وہ جنت میں داخل کر دیا گیا (متفق علیہ)

(۳۴۸) ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ جنت میں صرف ایک درخت کی بدولت ٹہل رہا تھا جو راستہ پر لوگوں کی تکلیف کا باعث بنا ہوا تھا اور اس نے اس کو کاٹ دیا تھا۔ (مسلم)

(۳۴۹) ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر روز جب آفتاب نکلتا ہے تو آدمی کے جسم میں جتنے جوڑ بند ہیں ان سب کی طرف سے اس پر ایک ایک صدقہ ادا کرنا واجب ہوتا ہے (وہ اس طرح ادا ہوتا رہتا ہے) دو شخصوں کے درمیان کسی معاملہ میں فیصلہ کرا دیا یہ ایک صدقہ ہو گیا کسی کو

---

(۳۴۹) [illegible]

(۲۴۳) وَعَنْهُ قَالَ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَفَ عَلٰى نَاسٍ جُلُوْسٍ فَقَالَ أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِكُمْ مِنْ شَرِّكُمْ قَالَ فَسَكَتُوْا فَقَالَ ذٰلِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَقَالَ رَجُلٌ بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَخْبِرْنَا بِخَيْرِنَا مِنْ شَرِّنَا فَقَالَ خَيْرُكُمْ مَنْ يُرْجٰى خَيْرُهٗ وَيُؤْمَنُ شَرُّهٗ وَشَرُّكُمْ مَنْ لَا يُرْجٰى خَيْرُهٗ وَلَا يُؤْمَنُ شَرُّهٗ - (رواه الترمذی والبیهقی فی شعب الایمان وقال الترمذی هذا حدیث حسن صحیح)

(۲۴۴) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُلِقَ كُلُّ إِنْسَانٍ مِنْ بَنِيْ آدَمَ عَلٰى سِتِّيْنَ وَثَلَاثِمِائَةِ مَفْصِلٍ فَمَنْ كَبَّرَ اللّٰهَ وَحَمِدَ اللّٰهَ وَهَلَّلَ اللّٰهَ وَسَبَّحَ اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ اللّٰهَ وَعَزَلَ حَجَرًا عَنْ طَرِيْقِ النَّاسِ أَوْ شَوْكَةً أَوْ عَظْمًا أَوْ أَمَرَ بِمَعْرُوْفٍ أَوْ نَهٰى عَنْ مُنْكَرٍ عَدَدَ تِلْكَ السِّتِّيْنَ وَالثَّلَاثِمِائَةِ فَإِنَّهٗ

(۲۴۳) ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کرام بیٹھے ہوئے تھے آپ وہاں آکر کھڑے ہو گئے اور فرمایا ہو کیا میں تمہیں نہ بتادوں کہ تم میں برا شخص کون ہے اور بھلا کون۔ راوی کہتا ہے صحابہؓ اس پر خاموش ہو گئے (اور کسی نے کچھ جواب نہ دیا) تین بار آپ نے یہی فرمایا اس پر ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ضرور بتائیے کہ ہم میں بھلا کون ہے اور برا کون۔ آپ نے فرمایا بھلا شخص تو وہ ہے جس کی جانب سے بھلائی کی امید کی جائے اور برائی کا کوئی خطرہ بھی نہ کیا جائے۔ اور بدترین وہ ہے جس کی جانب سے بھلائی کی کوئی امید نہ ہو اور برائی کا ہر وقت خطرہ لگا رہے۔ (ترمذی۔ بیہقی)

(۲۴۴) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بنی انسان میں ان سب کے جسم میں تین سو ساٹھ جوڑ بنائے گئے ہیں (ہر جوڑ کی طرف سے ایک صدقہ ادا کرنا واجب ہوتا ہے) تو جس نے اللہ اکبر کہا، یا الحمد للہ، یا لا الہ الا اللہ، یا سبحان اللہ، یا استغفر اللہ کہا یہ ایک ایک صدقہ شمار ہوتا ہے۔ اسی طرح جس نے لوگوں کے راستے سے کوئی پتھر ہٹا دیا یا کانٹا، یا کوئی ہڈی ہٹا دی یا نیک بات کہی یا بری بات سے روکا۔ غرض اسی تین سو ساٹھ کے عدد کے مطابق یہ عمل کر دیئے تو وہ اس دن

---

(۲۴۳) اس حدیث نے بھی انسانوں میں خیر و شر کی تقسیم صرف نماز روزہ میں عمدہ یا برا ہونے پر نہیں کی بلکہ خلق کی ایذا رسانی اور ترک ایذا رسانی پر کی ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ نماز روزہ جیسی عبادتیں ہی بے اثر ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ مخلوق کی ایذا رسانی کے ساتھ ان کا جوہر نہیں کھلتا۔ اگر کاش ان کے ساتھ خلق اللہ کی خیر خواہی بھی شامل ہو جائے تو ان کا جوہر کھلے۔

يَجِيءُ يَوْمَئِذٍ وَقَدْ زَحْزَحَ نَفْسَهُ عَنِ النَّارِ۔ (رواہ مسلم)

(۳۴۳) عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَبَسُّمُكَ فِي وَجْهِ أَخِيكَ صَدَقَةٌ وَأَمْرُكَ بِالْمَعْرُوفِ صَدَقَةٌ وَنَهْيُكَ عَنِ الْمُنْكَرِ صَدَقَةٌ وَإِرْشَادُكَ الرَّجُلَ فِي أَرْضِ الضَّلَالِ لَكَ صَدَقَةٌ وَبَصَرُكَ لِلرَّجُلِ الرَّدِيءِ الْبَصَرِ لَكَ صَدَقَةٌ وَإِمَاطَتُكَ الْحَجَرَ وَالشَّوْكَ وَالْعَظْمَ عَنِ الطَّرِيقِ لَكَ صَدَقَةٌ وَإِفْرَاغُكَ مِنْ دَلْوِكَ فِي دَلْوِ أَخِيكَ لَكَ صَدَقَةٌ (رواہ الترمذی وقال هذا حديث غريب)

(۳۴۴) عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ صَدَقَةٌ قَالُوا فَإِنْ لَمْ يَجِدْ قَالَ فَلْيَعْمَلْ بِيَدَيْهِ فَيَنْفَعُ نَفْسَهُ وَيَتَصَدَّقُ قَالُوا فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ أَوْ لَمْ يَفْعَلْ قَالَ فَيُعِينُ ذَا الْحَاجَةِ الْمَلْهُوفَ قَالُوا فَإِنْ لَمْ يَفْعَلْهُ قَالَ فَيَأْمُرُ بِالْخَيْرِ قَالُوا فَإِنْ لَمْ يَفْعَلْ قَالَ فَيُمْسِكُ عَنِ الشَّرِّ فَإِنَّهُ لَهُ صَدَقَةٌ (متفق علیہ)

زمین پر اس حال میں چلتا پھرے گا کہ اپنی جان کو دوزخ کے عذاب سے دور کر چکا ہوگا۔ (مسلم شریف)

(۳۴۳) ابوذر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے بھائی کی خوشی کی خاطر ذرا سا مسکرا دینا بھی صدقہ ہے۔ کوئی نیک بات کہہ دینی بھی صدقہ ہے۔ تمہارا کسی کو بری بات سے روک دینا بھی صدقہ ہے کسی بے نشان زمین میں کسی کو راستہ بتلا دینا بھی تمہارے لئے صدقہ ہے جس شخص کی نظر کمزور ہو اس کی مدد کر دینا بھی صدقہ ہے، راستہ سے پتھر کانٹا اور ہڈی کا ہٹا دینا بھی تمہارے لئے ایک صدقہ ہے اور اپنے ڈول سے اپنے بھائی کے ڈول میں پانی ڈال دینا بھی ایک صدقہ ہے۔ (ترمذی شریف)

(۳۴۴) ابو موسیٰ اشعری بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر مسلمان پر صدقہ دینا واجب ہے لوگوں نے پوچھا اگر اس کے پاس صدقہ دینے کے لئے کچھ نہ ہو تو کیا کرے فرمایا اپنے ہاتھوں سے محنت مزدوری کرے اور اپنے آپ کو بھی فائدہ پہنچائے اور دوسروں کو بھی صدقہ دے لوگوں نے عرض کیا اگر یہ کرنے کی طاقت نہ رکھے یا استطاعت کے باوجود نہ کرے تو فرمایا کسی غمزدہ محتاج کی مدد ہی کر دے عرض کیا اگر یہ بھی نہ کرے فرمایا تو نیک بات ہی کہہ دے عرض کیا اگر یہ بھی نہ کرے، فرمایا تو (کم از کم) کسی نقصان رسانی سے ہی باز رہے کیونکہ یہ بھی اس کے حق میں ایک قسم کا صدقہ شمار ہوگا۔

(متفق علیہ)

افشاء السلام واطعام الطعام

(۲۲۵) عن ابن عمرو ان رجلا سأل النبي صلى الله عليه وسلم أي الإسلام خير قال تطعم الطعام وتقرأ السلام على من عرفت ومن لم تعرف (رواه البخاري ومسلم وغيرهما)

واقفیت کی قید کے بغیر عام طور پر ایک دوسرے کو سلام کرنا اور محتاجوں کو کھانا کھلانا

(۲۲۵) عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا اسلام میں سب سے بہتر عمل کیا ہے فرمایا بھوکوں کو کھانا کھلانا اور آشنا ہو یا ناآشنا سب کو سلام کرنا۔ (متفق علیہ)

(۲۲۵) ایک گزشتہ حدیث میں آپ کو ہجرت کی ایک وسیع شاہراہ بتائی گئی تھی یہاں اسلام کے دو اور وسیع گوشے بتائے گئے ہیں یعنی اطعام طعام (بھوکوں کو کھانا کھلانا) اور افشاء سلام یعنی (باہم سلام کا رواج دینا) اطعام طعام میں اتنی وسعت ہے کہ اس میں نہ کسی وقت کی کوئی قید ہے اور مسلمان کافر کی تفصیل یہاں تک کہ انسان و حیوان کی بھی کوئی تفصیل نہیں۔ اسی طرح افشاء سلام میں بھی شناسائی یا عدم شناسائی کا کوئی لحاظ نہیں۔ یوں تو اسلام میں ان دو کے علاوہ اور بھی بہت سے اہم شعبے موجود ہیں لیکن عرب کے اس ماحول میں ان دو کی اہمیت زیادہ محسوس کی گئی کیونکہ ان کی شب و روز قتل و غارت نے فضا ایسی خوف زدہ بنا دیا تھا کہ جب کوئی اجنبی شخص کسی سے ملتا تو اس کو موت کا ایک فرشتہ نظر آتا اور جب تک اس کی جانب سے پہلا اطمینان حاصل نہ ہو جاتا اس سے خوف زدہ ہی رہتا تھا۔ اسلام نے اگر تعلیم دی کہ خوف و ہراس کا دور ختم ہوا اب سلامتی و امن کا زمانہ آگیا ہے اور اس کے اعلان کرنے کے لئے سب سے پہلے لفظ سلام مقرر کیا تاکہ پہلی ملاقات ہی میں یہ بات صاف ہو جائے کہ اب میں تمہارے لئے پیغام موت نہیں رہا پیغام سلامتی بن گیا ہوں اور اس لفظ کو چلتے پھرتے اس کثرت سے استعمال کرنے کا حکم دیا کہ خوف دنیا کے پردے سے اٹھ جائے اور سلامتی کی برکتیں چاروں طرف سے گھیر لیں۔ ملاقات کے وقت ہر قوم کا ایک شعار ہوتا ہے اسلام نے پیغام سلامتی کو اپنا شعار مقرر کیا ہے۔ ابن عمرؓ اس حکم کی تعمیل میں اتنی شدت کرتے کہ صرف افشاء سلام کی خاطر بازار جایا کرتے تھے جو ملتے اس کو سلام کر کے اپنے گھر واپس آجاتے تھے جیسا کہ ابھی ان کی مفصل حدیث آپ کے مطالعہ سے گزرے گی۔ افشاء سلام کی اہمیت کے لئے ابوہریرہؓ کی ایک حدیث ترجمان السنہ جلد اول [illegible] پر بھی ملاحظہ سے گزر چکی ہے۔

رہی اطعام طعام کی تعمیل تو وہ بھی اس گرمجوشی سے کی گئی کہ جیسا کہ ابھی آپ پڑھ چکے ہیں بچوں کی صرف ایک وقت کی خوراک رکھ کر تنگی میں خود بھوکا سو رہنا اور ان کی خوراک دوسروں کو کھلا دینا پسند کر لیا۔۔ آیۃ ویؤثرون علی انفسھم میں اسی قسم کے ایثار پیشہ جماعت کا ذکر کیا گیا ہے۔

عبداللہ بن سلام جب اسلام کی تلاش میں مدینہ پہنچے تو سب سے پہلے جو کلمات نصیحت انہوں نے آپ کی زبان مبارک سے سنے وہ یہی افشاء سلام اور اطعام طعام کے کلمات تھے نیز آپ کے ایک بہت اہم خطاب میں جن اعمال کو سبب نجات کا موجب بتایا گیا تھا ان میں سب سے مقدم عمل یہی افشاء سلام اور اطعام طعام کو قرار دیا گیا ہے۔

الرحمٰن واطعموا الطعام وافشوا السلام تدخلوا الجنة بسلام (رواه الترمذی وابن ماجه)

(۴۴۸) عن ابن عمر قال سئل رسول الله صلی الله علیه وسلم ما الایمان فقال اطعام الطعام وبذل السلام۔ (رواه الشیخان)

(۴۴۹) عن جابر بن عبد الله قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الحج المبرور لیس له جزاء الا الجنة قیل ما بر الحج قال اطعام الطعام وطیب الکلام (اخرجه احمد)

(۴۵۰) عن ابی هریرة قال قلت یا رسول الله اذا رأیتک طابت نفسی وقرت عینی فانبئنی عن کل شیء قال کل شیء خلق من ماء قلت انبئنی بشیء اذا فعلته دخلت الجنة قال اعبدوا الرحمٰن واطعموا الطعام وافشوا السلام تدخلوا الجنة بسلام۔
اخرجه الامام احمد والترمذی عن ابی هریرة وفی روایة لهما بصیغة الافراد واخرجه البخاری فی الادب والطبرانی فی الکبیر وابو نعیم فی الحلیة ابن حبان فی صحیحه عن عبد الله بن عمرو بلفظ تدخلوا الجنان۔

کرو اور محتاجوں کو کھانا کھلایا کرو اور کسی تعارف کے بغیر ایک دوسرے کو سلام کیا کرو جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ گے۔ (ترمذی ابن ماجہ)

(۴۴۸) ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ ایمان کی باتیں کیا کیا ہیں ارشاد فرمایا کھانا کھلانا اور کسی تعارف کے بغیر سلام کرنا (بخاری مسلم)

(۴۴۹) جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حج مبرور کا بدلہ جنت کے سوا اور کچھ نہیں پھر آپ سے پوچھا گیا حج مبرور میں نیک کام کیا ہیں فرمایا کھانا کھلانا اور نرم گفتگو کرنا (مسند احمد)

(۴۵۰) ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میری حالت یہ ہے کہ جب آپ کو دیکھ لیتا ہوں تو میرا دل باغ باغ ہو جاتا ہے اور میری آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتی ہیں مجھے یہ ارشاد دیجئے کہ یہ تمام مخلوق کس چیز سے پیدا کی گئی ہے فرمایا پانی سے پھر میں نے عرض کیا اچھا مجھے کوئی ایسا عمل بتا دیجئے جسے میں کر لوں تو یقیناً جنت میں داخل ہو جاؤں فرمایا رحمٰن کی عبادت کرو لوگوں کو خوب کھانے کھلایا کرو اور باہم ایک دوسرے کو کسی تعارف کے بغیر سلام کیا کرو اور پھر چلے جاؤ جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ گے۔ (مسند احمد وغیرہ)

---

(۴۵۱) اس قسم کی حدیثوں کی اصل مراد یہ ہے کہ تم یہ سمجھو کہ جنت تم سے کہیں بہت دور نہیں وہ تم سے صرف چند قدم کے فاصلہ پر ہے، قدم اٹھاؤ اور بڑے اطمینان کے ساتھ اس میں چلے جاؤ۔ مگر واضح رہے کہ یہ چند قدم بھی حقوق اللہ اور حقوق العباد کے جامع ہیں۔ پہلا قدم حقوق اللہ سے متعلق ہے (باقی بر صفحہ آئندہ)

(۴۵۱) عَنْ مِينَاءَ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ كُنَّا عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَاءَهُ رَجُلٌ أَحْسِبُهُ مِنْ قَيْسٍ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ الْعَنْ حِمْيَرًا فَأَعْرَضَ عَنْهُ ثُمَّ جَاءَهُ مِنَ الشِّقِّ الْآخَرِ فَأَعْرَضَ عَنْهُ ثُمَّ جَاءَهُ مِنَ الشِّقِّ الْآخَرِ فَأَعْرَضَ عَنْهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَحِمَ اللّٰهُ حِمْيَرًا أَفْوَاهُهُمْ سَلَامٌ وَأَيْدِيهِمْ طَعَامٌ وَهُمْ أَهْلُ أَمْنٍ وَإِيمَانٍ (رواه احمد والترمذی)

(۴۵۲) عَنْ هَانِئٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَخْبِرْنِي بِشَيْءٍ يُوجِبُ الْجَنَّةَ قَالَ عَلَيْكَ بِحُسْنِ الْكَلَامِ وَبَذْلِ الطَّعَامِ ۔ اخرجه البخاری فی الادب المفرد والحاکم عن هانی ابی شریح قال الحاکم صحیح ولا علة له وعلتهما ان هانئا لیس له راو غیر ابنه لکن له نظائر عندهما اوردها الذهبی وقال الحافظ العراقی فی امالیه حدیث حسن واخرجه ابن ابی شیبة واحمد والطبرانی والخرائطی والبیهقی بلفظ ان من موجبات المغفرة بذل السلام وحسن الکلام قال العراقی اسناده جید وقال الهیثمی رجال احمد رجال الصحیح ۔

(۴۵۱) میناء روایت کرتے ہیں کہ میں نے یہ بات ابوہریرہؓ کو فرماتے خود سنا ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک شخص آیا جہاں تک میرا گمان ہے وہ قبیلۂ قیس کا آدمی معلوم ہوتا تھا۔ اس نے کہا یا رسول اللہ قبیلۂ حمیر پر لعنت فرمائیے۔ آپ نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا وہ دوسری طرف کو پھر آیا، آپ نے پھر اس کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ وہ تیسری طرف سے پھر آیا آپ نے پھر منہ پھیر لیا اور فرمایا اللہ تعالیٰ قبیلۂ حمیر پر رحم فرمائے ان کے منہ پر السلام علیکم کا سلسلہ رہتا ہے، ان کے ہاتھ غریبوں کو کھانا کھلانے میں مشغول رہتے ہیں یہی لوگ ہیں جو سب سے امن اور ایمان والے ہیں (مسند احمد و ترمذی)

(سبحان اللہ رحمۃ للعالمین کیسی رحمت مجسم بن کر آئے تھے لوگ ان سے لعنتوں کی درخواست کرتے تھے وہ رحمتوں کی دعائیں کر دیتے تھے۔)

(۴۵۲) ہانی روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کوئی ایسا عمل ارشاد فرمائیے جو جنت کا یقینی سبب ہو۔ فرمایا نرم گفتگو کرنا اور خدا کی راہ میں کھانے کھلانا۔ (مسند احمد وغیرہ)

(بقیہ از صفحہ گزشتہ) اور آخر کے دو قدم حقوق العباد سے جس نے یہ دو قدم اٹھالئے سمجھو کہ اس نے تمام حقوق ادا کر دیئے اور جس نے حقوق العباد اور حقوق اللہ دونوں کی ادائیگی کی وہ جنت میں داخل ہوگا۔ معلوم ہوتا ہے کہ عمل کوئی بھی ایسا نہیں جس کے صلہ میں جنت جیسی منزل مل جائے بجز اس کے کہ احسان خداوندی ہو، البتہ رحمت خداوندی نے معمولی معمولی اعمال پر جنت کا وعدہ کر کے اپنی جنت کو ارزاں کر دیا ہے اور اسی وعدہ کے بھروسہ پر لوگوں نے اس قسم کے سوالات کی جرأت کی ہے۔

(۴۵۳) عن عمرو بن عبسة قال قلت يا رسول الله ما الاسلام قال طيب الكلام واطعام الطعام قلت ما الايمان قال الصبر والسماحة قلت اي الاسلام افضل قال من سلم المسلمون من لسانه ويده قلت اي الايمان افضل قال خلق حسن. رواه احمد

(۴۵۴) عن ابي مالك الاشعري قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان في الجنة غرفا يرى ظاهرها من باطنها وباطنها من ظاهرها اعدها الله لمن الان الكلام واطعم الطعام وتابع الصيام وصلى بالليل والناس نيام. رواه البيهقي في شعب الايمان وروى الترمذي عن علي نحوه.

(۴۵۵) عن عبد الله بن عمرو عن رسول الله صلى الله عليه وسلم (في قصة) قال بين يدي الساعة تسليم الخاصة وفشو التجارة حتى تعين المرأة زوجها على التجارة و

---

(۴۵۳) عمرو بن عبسہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اسلام کیا چیز ہے فرمایا نرم گفتگو کرنا اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں کھانا کھلانا۔ میں نے عرض کیا اچھا ایمان کیا ہے فرمایا صبر کرنا اور سخاوت کرنا پھر میں نے پوچھا کونسا اسلام افضل ہے فرمایا جس شخص کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان تکلیف نہ اٹھائیں میں نے پوچھا اور ایمان کونسا افضل ہے فرمایا اعلیٰ اخلاق۔ (مسند احمد)

(۴۵۴) ابو مالک اشعری بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں بہت سے بالاخانے ایسے ہیں جو اتنے شفاف ہوں گے کہ ان کا بیرونی حصہ اندرونی حصے سے اور ان کا اندرونی حصہ بیرونی حصے سے نظر آئیگا ان کو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لئے تیار کر رکھا ہے جو نرم گفتگو کے عادی ہوں کھانا کھلائیں پے درپے روزے رکھا کریں اور جب شب میں اور لوگ غفلت کی نیند سوتے رہیں تو یہ نمازیں پڑھا کریں۔ (شعب الایمان)

(۴۵۵) عبد اللہ بن عمرو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ قیامت سے قبل منجملہ اور علامات کے چند علامات یہ بھی ضروری ہیں۔ سلام کا رواج خاص خاص لوگوں

---

(۴۵۳) حسن بصری سماحت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ صبر سے مراد ان باتوں پر صبر کرنا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے اور سماحت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرائض ذوق و شوق اور فراخ دلی کے ساتھ ادا کرنا۔

(۴۵۵) یہاں قرب قیامت کی علامات میں ایک ایک علامت اپنی اپنی جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ایک معجزہ ہے ان میں تجارت کا حال جو صحابہ پر ہو چکا ہے وہ آنکھوں کے سامنے ہے باہم رشتہ داروں کے تعلقات ختم ہو چکے ہیں تجارت میں عورتیں صرف مددگار کی حیثیت سے ہی نہیں بلکہ ساہو کار کی حیثیت سے مستقل تاجر بنی نظر آ رہی ہیں تصنیف

وَتَقْطَعُ الْأَرْحَامَ وَفُشُوُّ الْقَلَمِ وَظُهُوْرُ الشَّهَادَةِ بِالزُّوْرِ وَكِتْمَانُ شَهَادَةِ الْحَقِّ۔

(رواہ البخاری فی الادب المفرد)

(۲۵۶) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ يُسَلِّمَ الرَّجُلُ عَلَى الرَّجُلِ لَا يُسَلِّمُ إِلَّا لِلْمَعْرِفَةِ. (رواہ احمد)

(۲۵۷) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ السَّلَامَ اسْمٌ مِنْ أَسْمَاءِ اللّٰهِ تَعَالَى وَضَعَهُ اللّٰهُ فِي الْأَرْضِ فَأَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ (رواہ البخاری فی الادب المفرد)

(۲۵۸) عَنْ عَائِشَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا حَسَدَتْكُمُ الْيَهُوْدُ عَلَى

محدود ہو جانا۔ تجارت کا اتنا عام طور پر رواج پا جانا کہ بی بی بھی اس میں اپنے شوہر کی مدد کرنے لگے۔ الیٰ ونا اہل سب کا قلم عمل پڑنا۔ جھوٹی شہادت ادا کرنے میں بے باک ہونا اور سچی شہادت کا اخفا کرنا (الادب المفرد)

(۲۵۶) عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں علامات قیامت میں ایک علامت یہ بھی ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص کو سلام صرف اپنے تعارف کی بنیاد پر کرے گا (نہ کہ اسلامی اخوت کی بنا پر) (مسند احمد)

(۲۵۷) انسؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سلام اللہ تعالیٰ کے اسماء مبارکہ میں ایک اسم مبارک ہے اس کو اللہ تعالیٰ نے زمین میں نازل فرمایا ہے لہٰذا تم لفظ السلام کا باہم بکثرت استعمال کیا کرو۔ (الادب المفرد)

(۲۵۸) حضرت عائشہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں کہ یہود تم پر جتنا

کا تو یہ حال ہو گیا ہے کہ اس کے لئے علم کی بھی کوئی قید نہیں رہی بس جس نے چند ناول لکھ لئے وہ فنکار ہو گیا کی فہرست میں داخل ہو گیا۔ اب قرآن و حدیث میں بھی اس کا قلم چلتا ہو۔ لیکن ان سب میں اہم بات موضوع کے مناسب آپ کی وہ پیشگوئی ہے جو سلام کے بارے میں پوری ہو رہی ہے یعنی اب سلام کی بنیاد رشتہ اسلامی کی بجائے صرف سوسائٹی پر رہ گئی ہے۔ صرف اتنا ہی نہیں کہ اپنی سوسائٹی کے سوا دوسری سوسائٹی کو سلام کرنا ختم ہو گیا ہو بلکہ ایک اخلاقی جرم شمار ہونے لگا ہے حتی کہ لیا سلام کرنے والا شخص جواب کا مستحق بھی نہیں سمجھا جاتا اور جس مختصر طبقہ میں سلام کی یہ سنت رہ گئی ہے اس میں بھی سلام کا وہ ادا نہیں رہا جو اسلام نے تعلیم کیا تھا بلکہ اس کے کچھ اور نئے نئے طریقے رواج پا گئے الا ماشاء اللہ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(۲۵۷) سلام کے فضائل کچھ آپ سن چکے اور ابھی بہت کچھ آپ کو آداب کی بحث میں سننا باقی ہیں۔ رہ گیا کلمۂ آمین تو اس کی ایک مختصر فضیلت یہ ہے کہ نماز میں امام اور مقتدیوں کی آمین اگر ایک وقت ادا ہو جاتی ہے تو نیت کرنا اجتماعی ادا اتنی محبوب ہوتی ہے کہ اس کی رحمت کا دریا بے توقف جوش

حتى ما حسدتكم على السلام والتأمين. (رواه البخاري في الأدب المفرد)

(۹۵۹) أخبر الطفيل بن أبي بن كعب أنه كان يأتي عبد الله بن عمر فيغدو معه إلى السوق لم يمر عبد الله بن عمر على سقاط ولا صاحب بيعة ولا مسكين ولا أحد إلا يسلم عليه قال الطفيل فجئت عبد الله بن عمر يوما فاستتبعني إلى السوق فقلت ما تصنع بالسوق وأنت لا تقف على البيع ولا تسأل عن السلع ولا تسوم بها ولا تجلس في مجالس السوق فاجلس بنا ههنا نتحدث فقال لي عبد الله يا أبا بطن وكان الطفيل ذا بطن إنما نغدو من أجل السلام على من لقينا.

(رواه البخاري في الأدب المفرد)

حسد سلام اور آمین کے بارے میں کرتے ہیں اتنا کسی اور بات پر نہیں کرتے۔ (ادب المفرد)

(۹۵۹) طفیل بیان کرتے ہیں کہ وہ عبداللہ بن عمرؓ کی خدمت میں آیا کرتے وہ ان کو صبح صبح اپنے ہمراہ بازار لیجاتے جب خردہ فروش یا اچھا مسکین یا اور کسی شخص پر بھی ان کا گذر ہوتا وہ اس کو ضرور سلام کرلیتے۔ طفیل کہتے ہیں کہ ایک دن میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا وہ پھر حسب دستور مجھے بازار لیجانے لگے میں نے کہا آپ بازار جاکر کیا کریں گے۔ نہ آپ کسی خرید و فروخت کے لئے کہیں کھڑے ہوتے ہیں اور نہ کسی چیز کے متعلق کچھ دریافت کرتے ہیں نہ اس کا بھاؤ پوچھتے ہیں اور نہ بازار کی کسی اور مجلس ہی میں بیٹھتے ہیں۔ پھر آپ یہیں بیٹھ کر ہم کچھ باتیں ہی کریں۔ اس پر حضرت عبداللہؓ نے فرمایا اے ابو بطن (اس کنیت سے ان کو اس لئے خطاب فرمایا کیونکہ ان کا پیٹ ذرا بھاری تھا) ہم (صبح کو اس لئے بازار نہیں جاتے جس کے لئے تو نے سمجھا) ہم تو صرف اس لئے جاتے ہیں کہ جس سے ملاقات ہوجایا کرے اس کو سلام کرلیا کریں۔ (الادب المفرد)

ہیں آملا ہے اور سب کے گناہ پہلے کی مغفرت ہوجاتی ہے۔ یہود امت محمدیہ کے یہ فضائل دیکھ دیکھ کر اپنی حاسدانہ خصلت کی بنا پر جلا ہی کرتے تھے اس کے سوا ان کے جلنے کے کچھ اور اسباب بھی تھے بہرحال آپ نے متنبہ کیا کہ امت محمدیہ ان خصائل کو ہلکا نہ دیکھے یہ خصائل دوسری امتوں کے لئے قابل حسد ہیں۔

الحیاء

حیاء کی دو قسمیں ہیں ایک خلقی، دوم کسبی۔ پہلی قسم پیدائشی اخلاق میں شامل ہے اس میں انسان کے کسب و اکتساب کو کچھ دخل نہیں ہوتا لیکن حیاء و شرم چونکہ ایسی صفت کا نام ہے جو بہت سے اخلاق کی محرک ہوتی ہے اور بہت سے رذائل اخلاق سے روکتی ہے اس لحاظ سے اس فطری صفت کو بھی ایمان کا ایک جزو شمار کر لیا گیا ہے۔ عمران بن حصین کی حدیث "الحیاء لا یاتی الا بخیر" میں اسی فطری حیاء کا ذکر ہے۔ یعنی یہ صفت خلقۃً بھلی باتوں ہی کی محرک ہوتی ہے۔ دوسری قسم وہ ہے جو کثرت ریاضات اور مجاہدات کے بعد پیدا ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت، اس کی عظمت و جلال، اس کا بندوں سے قرب، انسان کے احوال پر پورے علم کے استحضار کا ثمرہ ہوتی ہے۔ یہ ایمان بلکہ مرتبہ احسان کا بھی اعلیٰ درجہ ہے اس کی طرف حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی حدیث میں اشارہ ہے جو چند صفحوں کے بعد آپ کے سامنے آ رہی ہے۔ (جامع العلوم)

---

(۲۶۰) عن ابن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مر علی رجل من الانصار وھو یعظ اخاہ فی الحیاء فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعہ فان الحیاء من الایمان۔ (متفق علیہ)

(۲۶۱) عن عمران بن حصین قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحیاء لا یاتی الا بخیر وفی روایۃ الحیاء خیر کلہ۔ (متفق علیہ)

شرم و حیاء کرنا

(۲۶۰) ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصاری شخص کے پاس سے گزرے وہ اس کو زیادہ شرم کرنے پر سمجھا رہا تھا (کہ زیادہ شرم نہ کرنی چاہئے) آپ نے فرمایا اسے چھوڑ دو (اور اسے غلط نصیحت نہ کرو) کیونکہ شرم کرنا بھی ایمان کا ایک شعبہ ہے۔ (متفق علیہ)

(۲۶۱) عمران بن حصینؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شرم کا نتیجہ بہتری ہی بہتری نکلتا ہے اور ایک روایت میں ہے شرم و حیاء تو سب کی سب بہتر ہوتی ہے۔ (بخاری و مسلم)

(۴۶۲۲) عَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِمَّا اَدْرَکَ النَّاسُ مِنْ کَلَامِ النُّبُوَّۃِ الْاُوْلٰی اِذَا لَمْ تَسْتَحْیِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ (رواہ البخاری)

(۴۶۲۳) عَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَرْبَعٌ مِّنْ سُنَنِ الْمُرْسَلِیْنَ اَلْحَیَاءُ ویروی والختان وَالتَّعَطُّرُ وَالسِّوَاکُ وَالنِّکَاحُ (رواہ الترمذی)

(۴۶۲۴) عَنْ اَبِیْ ہُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْحَیَاءُ مِنَ الْاِیْمَانِ وَالْاِیْمَانُ فِی الْجَنَّۃِ وَالْبَذَاءُ مِنَ الْجَفَاءِ وَالْجَفَاءُ فِی النَّارِ (رواہ احمد والترمذی)

(۴۶۲۵) عَنْ زَیْدِ بْنِ طَلْحَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِکُلِّ دِیْنٍ خُلُقًا وَخُلُقُ الْاِسْلَامِ الْحَیَاءُ (رواہ مالک مرسلا و ابن ماجہ والبیہقی فی شعب الایمان عن انس و ابن عباس۔

(۴۶۲۲) ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پہلی نبوتوں کی جو کچھ نفیس غیر منسوخ باتیں لوگوں تک پہنچی ہیں ان میں ایک متفق علیہ بات یہ ہے کہ جب شرم و غیرت باقی نہ رہے تو پھر جو تمہارا جی چاہے کرتے رہو۔ بے حیا باش ہر چہ خواہی کن۔ (بخاری)

(۴۶۲۳) ابو ایوبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چار باتیں رسولوں کے طریقے میں داخل ہیں شرم و حیاء (اور ایک روایت میں ختنہ کرانا ہے) خوشبو لگانا، مسواک کرنا اور نکاح کرنا۔ (ترمذی)

(۴۶۲۴) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حیاء و شرم ایمان سے پیدا ہوتی ہے اور ایمان کا نتیجہ جنت ہے اور بے حیائی و فحش کلامی درشتی و نفرت سے ناشی ہوتی ہے اور اس کا نتیجہ دوزخ ہے۔ (احمد، ترمذی)

(۴۶۲۵) زید بن طلحہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر دین کا ایک نہ ایک اخلاق ممتاز ہوتا ہے، ہمارے دین کا ممتاز اخلاق شرم کرنا ہے۔ (مالک)

(۴۶۲۲) یعنی جب انسان میں نہ حیاء مکتسب ہو نہ فطری حیاء، تو اب اسے ذلیل حرکات اور برے کام کے کرنے کو کوئی امر مانع نہیں رہتا۔

(۴۶۲۴) انسان جنت یا دوزخ تک یک بارگی نہیں پہنچتا بلکہ درمیان میں کچھ اعمال کا سلسلہ بھی ہوتا ہے جس میں ایک عمل دوسرے عمل کے ساتھ اسی طرح وابستہ ہوتا ہے جس طرح زنجیر کی کڑیاں۔ ایک سلسلہ کا نتیجہ کچھ ہوتا ہے اور اس کا کچھ۔ شریعت اس سلسلہ کو بتا کر تنبیہ کرتی ہے کہ بہت سے اعمال دیکھنے میں تو معمولی ہوتے ہیں مگر وہ کسی ایسے سلسلہ کی کڑی ہوتے ہیں جس کا نتیجہ جنت یا دوزخ ہوتا ہے اس لئے ان کو معمولی نہ سمجھنا چاہئے۔ حیاء و شرم بھی اسی قسم کی ایک کڑی ہے جو بظاہر معمولی ہے اور مآل بہت اہم ہے۔

(۲۶۶) عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْحَیَاءَ وَالْاِیْمَانَ قُرِنَا جَمِیْعًا فَاِذَا رُفِعَ اَحَدُھُمَا رُفِعَ الْاٰخَرُ وَفِیْ رِوَایَۃِ ابْنِ عَبَّاسٍ فَاِذَا سُلِبَ اَحَدُھُمَا تَبِعَہُ الْاٰخَرُ رواہ البیھقی فی شعب الایمان. والحاکم فی المستدرک وقال صحیح علی شرطھما۔

(۲۶۷) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا کَانَ الْفُحْشُ فِیْ شَیْءٍ اِلَّا شَانَہٗ وَمَا کَانَ الْحَیَاءُ فِیْ شَیْءٍ اِلَّا زَانَہٗ (رواہ الترمذی)۔

(۲۶۸) عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ اِذَا اَرَادَ

(۲۶۶) ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حیاء اور ایمان دونوں ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ ہیں جب ان میں ایک اٹھا لیا جاتا ہے تو دوسرا بھی اٹھا لیا جاتا ہے اور ابن عباسؓ کی روایت میں یہ مضمون اس طرح ہے کہ جب ان میں ایک چھین لیا جاتا ہے تو دوسرا بھی اس کے پیچھے پیچھے روانہ ہو جاتا ہے۔ (شعب الایمان)

(۲۶۷) انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فحش اور بے حیائی جس چیز میں بھی پیدا ہو جائے اسے عیب دار اور بدنما کر دیتی ہے اور شرم و حیا جس چیز میں پیدا ہو جائے اسے خوشنما بنا دیتی ہے۔ (ترمذی)

(۲۶۸) ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ کو ہلاک کرنے کا ارادہ فرما لیتا ہے تو پہلے

(۲۶۶) حمیدی بن زنجویہ نے کتاب الادب میں حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے الحیاء والایمان فی قرن فاذا نزع الحیاء تبعہ الآخر۔ (جامع ص ۲۰۲) حیا اور ایمان دونوں کے ہونے کی صورت میں ایک کے اٹھ جانے سے دوسرے کا اٹھ جانا تو سمجھ میں آتا ہے مگر دونوں کے نہ ہونے کی صورت میں صرف ایک کے آ جانے سے دوسرے کا آ جانا اب تک کسی حدیث میں ہماری نظر سے نہیں گزرا اغلباً اس کی وجہ یہ ہے کہ اصل مقصد مومن کو شرم و حیا کی ترغیب دینا ہے اور بے حیائی کی صورت میں اس سے ڈرانا ہے کہ کہیں اصل متاع ایمانی بھی اس کے ہاتھوں سے کھوئی نہ جائے اس کے لئے یہی تعبیر مناسب تھی صرف ایمان و حیاء کا وجوداً و عدماً تلازم بیان کرنا مقصود نہیں ہے تاکہ محض فلسفیانہ پہلو سے اس کا دوسرا شق بھی زیر بحث لایا جاتا۔

(۲۶۷) حضرت شاہ ولی اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ رکنیت کی حیثیت صرف ان اعمال کو حاصل ہو سکتی ہے جن کا انضباط اور صحیح اندازہ ممکن ہو سکتا ہو اور دیگر اخلاقیات چونکہ پورے طور پر منضبط نہیں ہو سکتے اس لئے ان کو رکن قرار نہیں دیا گیا باوجودیکہ ان کی اہمیت ظاہر ہے۔ (حجۃ اللہ ص ۹۲)

(۲۶۸) سبحان اللہ یہ حیا بھی اسلام کا کتنا اہم شعبہ ہے جس کے ترک کا نتیجہ سلب اسلام بھی نکل سکتا ہے مگر یہ نتیجہ یکلخت نہیں نکلتا بلکہ اس کے درمیان میں بہت سی کڑیاں ہیں ہر بعد کی کڑی پہلے سے شدید تر ہے جو پہلی کڑی کو پکڑ لیتا ہے اس کے بعد دوسری کا پکڑنا بھی لازم ہو جاتا ہے اور اسی تدریجی تنزل کی وجہ سے اس کا نتیجہ اس قدر خطرناک

أَنْ يُّهْلِكَ عَبْدًا نَزَعَ مِنْهُ الْحَيَاءَ فَإِذَا نَزَعَ مِنْهُ الْحَيَاءَ لَمْ تَلْقَهُ إِلَّا مَقِيْتًا مُمَقَّتًا فَإِذَا لَمْ تَلْقَهُ إِلَّا مَقِيْتًا مُمَقَّتًا نُزِعَتْ مِنْهُ الْأَمَانَةُ فَإِذَا نُزِعَتْ مِنْهُ الْأَمَانَةُ لَمْ تَلْقَهُ إِلَّا خَائِنًا مُخَوَّنًا فَإِذَا لَمْ تَلْقَهُ إِلَّا خَائِنًا مُخَوَّنًا نُزِعَتْ مِنْهُ الرَّحْمَةُ فَإِذَا نُزِعَتْ مِنْهُ الرَّحْمَةُ لَمْ تَلْقَهُ إِلَّا رَجِيْمًا مُلَعَّنًا فَإِذَا لَمْ تَلْقَهُ إِلَّا رَجِيْمًا مُلَعَّنًا نُزِعَتْ مِنْهُ رِبْقَةُ الْإِسْلَامِ۔ (رواه ابن ماجه)

(۴۹۴) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ كُنْتُ رَجُلًا مَذَّاءً وَكُنْتُ أَسْتَحْيِيْ أَنْ أَسْأَلَ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم لِمَكَانِ ابْنَتِهِ فَأَمَرْتُ الْمِقْدَادَ فَسَأَلَهُ فَقَالَ يَغْسِلُ ذَكَرَهُ وَيَتَوَضَّأُ (متفق عليه)

اس سے حیا و شرم چھین لیتا ہے جب اس میں شرم و غیرت نہیں رہتی تو وہ لوگوں کی نظروں میں حقیر اور مبغوض بن جاتا ہے جب اس کی حالت اس نوبت کو پہنچ جاتی ہے تو پھر اس سے امانت کی صفت بھی چھین لی جاتی ہے جب اس میں امانت داری نہیں رہتی تو وہ خیانت در خیانت میں مبتلا ہونے لگتا ہے اس کے بعد اس سے صفت رحمت اٹھالی جاتی ہے پھر تو وہ پھٹکارا ہوا اور مارا پھرنے لگتا ہے جب تم اس کو اس طرح مارا مارا پھرتا دیکھو تو وہ وقت قریب آجاتا ہے کہ اب اس کو رشتہ اسلام ہی چھین لیا جائے (ابن ماجہ)

(۴۹۵) حضرت علیؓ روایت کرتے ہیں کہ میں ایک شخص تھا جس کے مذی بڑی کثرت سے خارج ہوتی تھی چونکہ آپ کی صاحبزادی میرے نکاح میں تھیں اس لئے آپ سے براہ راست مسئلہ پوچھتے ہوئے مجھے حیا دامنگیر ہوتی اس لئے میں نے مقداد سے کہا کہ تم اس کا مسئلہ دریافت کرو انھوں نے پوچھا تو آپ نے فرمایا صرف عضو خاص کو دھو کر وضو کر لینا کافی ہے۔ (متفق علیہ)

تنزل کا احساس بھی نہیں ہوتا بتدریج رفتہ رفتہ وہ اسلام کے خصوصی صفات سے خالی ہوتا چلا جاتا ہے اور ایک دن وہ آجاتا ہے کہ اسلام کا عروہ رشتہ اس کے ہاتھوں سے چھوٹ جاتا ہے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اگر حدیث کے الفاظ پر نظر ڈالو تو ایمان سے قبل تم کو تین صفتوں کا ذکر ملے گا۔ حیا، امانت، رحمت۔ ان کے بعد اسلام کا نمبر ہے۔ ان صفتوں میں حیا و امانت کا اسلام سے بہت گہرا ربط ہے اس کا تذکرہ مختلف حدیثوں میں بھی آچکا ہے۔ اب باقی رحمت تو یہ وہ آخری صفت ہے کہ جو اس سے محروم ہو گیا سمجھو کہ اس کے لئے اب کچھ نہیں رہا۔

(۴۹۵) آپ کی شرم و حیا اہل مروت میں کمال شمار ہوا اور مسئلہ معلوم کرنے میں حائل ہوئی یہ قابل مدح ہے لیکن ایسی شرم جو اہل دنیا کی رسم میں داخل ہو اور شرعی حکم معلوم کرنے سے مانع ہو جائے قابل مذمت ہے۔ اسلام نے حیا کی اہمیت کتنی ہی تعلیم کیوں نہیں دی اسی طرح تعظیم بھی اتنے غلو سے نہیں بدلا ہے جو انسان کو عبادت کے قریب کر دے اور افراط و تفریط کی ان راہوں سے بچا کر اس کے لئے متوسط و معتدل راہ مقرر کر دی ہیں جس سے اخلاقیات کی پوری پوری تکمیل ہو جاتی ہے۔

(۴۷۰) عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَتْ اُمُّ سُلَيْمٍ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيِيْ مِنَ الْحَقِّ فَهَلْ عَلَى الْمَرْأَةِ مِنْ غُسْلٍ اِذَا احْتَلَمَتْ قَالَ نَعَمْ اِذَا رَأَتِ الْمَاءَ (متفق علیہ)

(۴۷۱) عَنْ اَنَسٍ قَالَ جَاءَتِ امْرَأَةٌ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعْرِضُ عَلَيْهِ نَفْسَهَا فَقَالَتْ هَلْ لَكَ حَاجَةٌ بِيْ فَقَالَتِ ابْنَتُهُ مَا اَقَلَّ حَيَاءَهَا فَقَالَ هِيَ خَيْرٌ مِنْكِ عَرَضَتْ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَفْسَهَا (رواه البخاری)

(۴۷۲) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ نِعْمَ النِّسَاءُ نِسَاءُ الْاَنْصَارِ لَمْ يَمْنَعْهُنَّ الْحَيَاءُ اَنْ يَتَفَقَّهْنَ فِي الدِّيْنِ۔ (رواه البخاری فی ترجمۃ الباب)

---

(۴۷۰) ام سلمہؓ روایت کرتی ہیں کہ ام سلیم نے پوچھا یا رسول اللہ حق کی بات بیان کرنے میں اللہ تعالیٰ بھی شرم نہیں کرتا (فرمایئے) اگر عورت کو احتلام ہو جائے تو کیا اس پر بھی غسل فرض ہے آپ نے فرمایا کہ ہاں بشرطیکہ منی دیکھ لے۔ (متفق علیہ)

(۴۷۱) انسؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں وہ اپنے آپ کو آپ کے نکاح کے لئے پیش کرنا چاہتی تھیں وہ بولیں کیا میرے معاملہ میں آپ کچھ غور فرما سکتے ہیں انسؓ کی صاحبزادی کہنے لگیں یہ عورت کیسی بے شرم ہے حضرت انسؓ نے فرمایا تجھ سے تو زیادہ سعادت مند ہے اپنے نفس کو خدا کے رسول کی خدمت میں نکاح کے لئے پیش کر رہی ہے۔ (بخاری شریف)

(۴۷۲) حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ انصار کی عورتیں بھی کیا خوب عورتیں ہوتی ہیں دین کے مسائل سیکھنے میں ذرا شرم دامنگیر نہیں ہوتی۔ (بخاری)

---

(۴۷۰) یہاں ام سلیم نے جس جملہ سے اپنے سوال کی ابتداء کی ہے وہ قرآن کریم کی ایک آیت کا ہے اور ان کے آئندہ سوال کے لئے ایک مناسب تمہید بھی یہ عرب کی فطری بلاغت تھی کہ ایسے مختصر جملہ سے اتنی تمہید کر کے اس پر اعتراض کی کوئی گنجائش ہی نہ ہو جو حیا حقوق اللہ یا حقوق العباد کی تقصیر کا موجب ہو وہ حیا نہیں وہ ضعف اور جہل کی وجہ سے عجز یا احساس کمتری ہے۔

(۴۷۱) شرم و حیا میں اپنے اپنے ملک کے رسم و رواج کے لحاظ سے بڑا فرق ہوتا ہے پھر زمانہ کی ترقی کے ساتھ ساتھ اس کی تہذیب بھی بدلتی رہتی ہے اور یہاں سب سے بڑھ کر یہ کہ انسانوں کے مزاجوں میں بڑا تفاوت ہوتا ہے جہاں تک شرعی حدود کا تعلق ہے اس بارے میں شریعت نے پوری آزادی دی ہے یہاں کسی کو کسی پر اعتراض کا کوئی حق حاصل نہیں ہے اگر ایک عورت کسی عام شخص سے شادی کرنے کی خواہش ظاہر کر سکتی ہے تو اس عورت پر کسی کو اعتراض کا کیا حق تھا جس نے اپنے حق میں سب سے بڑی سعادت حاصل کرنے کا ارادہ کیا تھا۔

(۴۴۳) حَدَّثَنَا بَهْزُ بْنُ حَكِيمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قُلْتُ يَا نَبِيَّ اللهِ عَوْرَاتُنَا مَا نَأْتِي مِنْهَا وَمَا نَذَرُ قَالَ احْفَظْ عَوْرَتَكَ إِلَّا مِنْ زَوْجَتِكَ أَوْ مِمَّا مَلَكَتْ يَمِينُكَ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ إِذَا كَانَ الْقَوْمُ بَعْضُهُمْ فِي بَعْضٍ قَالَ إِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ لَا يَرَاهَا أَحَدٌ فَلَا يَرَيَنَّهَا قَالَ قُلْتُ يَا نَبِيَّ اللهِ إِذَا كَانَ أَحَدُنَا خَالِيًا قَالَ فَاللهُ أَحَقُّ أَنْ يُسْتَحْيَا مِنَ النَّاسِ. رواه الترمذی وقال حدیث حسن۔

(۴۴۴) عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِيَّاكُمْ وَالتَّعَرِّيَ فَإِنَّ مَعَكُمْ مَنْ لَا يُفَارِقُكُمْ إِلَّا عِنْدَ الْغَائِطِ وَحِينَ يُفْضِي الرَّجُلُ إِلَى أَهْلِهِ فَاسْتَحْيُوهُمْ وَأَكْرِمُوهُمْ. (رواه الترمذی وقال حدیث غریب لا نعرفه الا من هذا الوجه)

---

(۴۴۳) بہز بن حکیم اپنی سند سے بیان کرتے ہیں کہ میں نے پوچھا یا نبی اللہ ہم اپنے ستر کا کونسا حصہ کھول سکتے ہیں اور کونسا نہیں کھول سکتے آپ نے فرمایا اپنا ستر بچاؤ بجز اپنی بیوی یا لونڈی کے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ فرمائیے اگر اس وقت لوگ موجود ہوں (اور ضرورت پیش آئے تو) کیا کریں آپ نے فرمایا (حتی الامکان ستر کی حفاظت کرو) کہ اگر تم یہ کرسکتے ہو کہ کسی شخص کی نظر تمہارے ستر پر نہ پڑے تو نہ پڑنے دو میں نے پوچھا اچھا تو فرمائیے کہ جب ہم میں ایک شخص تنہا ہو اور ان کو کوئی دیکھنے والا نہ ہو کیا وہ تنہائی میں ننگا ہو سکتا ہے؟ فرمایا اللہ تعالیٰ کی ذات پاک تو ہر جگہ حاضر و ناظر ہے اس سے شرم کا لحاظ کرنا انسانوں سے زیادہ ضروری ہے۔ (ترمذی)

(۴۴۴) ابن عمر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم برہنگی (عریانی) سے بچا کرو کیونکہ تمہارے ساتھ خدا تعالیٰ کے وہ فرشتے بھی رہتے ہیں جو کسی وقت تم سے جدا نہیں ہوتے بجز دو وقتوں کے ایک پاخانہ جانے کے وقت دوسرے اس وقت جبکہ آدمی اپنی بی بی سے ہمبستر ہوتا ہے تو ان سے شرم کیا کرو ان کا لحاظ رکھو۔ (ترمذی)

(۴۴۳، ۴۴۴) [illegible] سے متعلق یہ پہلی حدیث میں اسلام کے مزاج [illegible] کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔ سمجھا دیا گیا ہے کہ مومن کے قلب و دماغ میں [illegible] اللہ تعالیٰ کا تصور اس درجہ غالب ہونا چاہیے کہ اپنی خلوتوں میں بھی جہاں عام لوگ [illegible] اللہ تعالیٰ کے تصور سے خالی الذہن [illegible] مطلب ہے کہ جو کام دنیا مخلوق کے خوف سے جلوت میں کرتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے خلوت میں بھی کرے۔ یہ سچ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نگاہوں میں ستر و غیر ستر کوئی فرق نہیں [illegible] عملی فرق پڑتا ہے اسی لیے ہمیں اتنا ہی لازم ہے کہ اپنی حد ادب سے تجاوز نہ کرے ——— دوسری حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی [illegible] مخلوق ہیں [illegible] احترام [illegible] انسان کے ساتھ بھی رہتے ہیں [illegible] بیان کیا جا [illegible] ہوگی تو۔

(۴۲۸) عَنِ الْمُغِيْرَةِ قَالَ قَالَ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ لَوْ رَأَيْتُ رَجُلًا مَعَ امْرَأَتِي لَضَرَبْتُهُ بِالسَّيْفِ غَيْرَ مُصْفِحٍ فَبَلَغَ ذٰلِكَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَتَعْجَبُوْنَ مِنْ غَيْرَةِ سَعْدٍ وَاللّٰهِ لَأَنَا أَغْيَرُ مِنْهُ وَاللّٰهُ أَغْيَرُ مِنِّي وَمِنْ أَجْلِ غَيْرَةِ اللّٰهِ حَرَّمَ اللّٰهُ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلَا أَحَدَ أَحَبُّ إِلَيْهِ الْعُذْرُ مِنَ اللّٰهِ وَمِنْ أَجْلِ ذٰلِكَ بَعَثَ الْمُنْذِرِيْنَ وَالْمُبَشِّرِيْنَ وَلَا أَحَدَ أَحَبُّ إِلَيْهِ الْمِدْحَةُ مِنَ اللّٰهِ وَمِنْ أَجْلِ ذٰلِكَ وَعَدَ اللّٰهُ الْجَنَّةَ۔ (متفق علیہ)

(۴۲۹) عَنْ عَائِشَةَ نَحْوَ حَدِيْثِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَقَالَتْ ثُمَّ سَجَدَ فَأَطَالَ السُّجُوْدَ ثُمَّ انْصَرَفَ وَقَدِ انْجَلَتِ الشَّمْسُ فَخَطَبَ النَّاسَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَأَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ فَإِذَا رَأَيْتُمْ ذٰلِكَ فَادْعُوا اللّٰهَ وَكَبِّرُوْا وَصَلُّوْا وَتَصَدَّقُوْا ثُمَّ قَالَ يَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ وَاللّٰهِ مَا مِنْ أَحَدٍ أَغْيَرُ

---

(۴۲۸) مغیرہ روایت کرتے ہیں کہ سعد بن عبادہ نے فرمایا اگر میں اپنی بیوی کو کسی اجنبی مرد کے ساتھ مشتبہ حالت میں دیکھ پاؤں تو میں تو فوراً اس کے تلوار ماروں وہ بھی ترچھی نہیں بلکہ دھار کی طرف سے۔ ان کی یہ بات آپ کو پہنچ گئی آپ نے فرمایا تم کو سعد کی غیرت پر کیا تعجب ہے بخدا میں ان سے کہیں زیادہ باغیرت ہوں اور مجھ سے کہیں زیادہ خدا تعالیٰ کو غیرت کا پسند ہونا ہی تو وجہ ہے کہ اس نے کھلے اور ڈھکے تمام بے حیائیوں سے منع فرمایا ہے اور خدا سے بڑھ کر کوئی ایسا نہیں جس کو عذر کرنا زیادہ پسند ہو یہی تو وجہ ہے کہ اس نے پہلے سے اپنی جانب سے خدا تعالیٰ کے عذاب سے ڈرانے والے اور اس کے ثواب کی بشارت دینے والے رسول بھیجے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ سے بڑھ کر کسی کو اپنی تعریف بھی پسند نہیں یہی تو وجہ ہے کہ اس نے جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔ (متفق علیہ)

(۴۲۹) حضرت عائشہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سورج گرہن نماز کا قصہ حضرت ابن عباسؓ کی حدیث جیسا ہی ذکر فرمایا۔ اس میں یہ بھی ذکر کیا کہ آپ نے اس میں بہت لمبا سجدہ کیا اس کے بعد جب آپ فارغ ہو گئے تو آفتاب صاف ہو چکا تھا آپ نے خطبہ دیا اور خدا کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا کہ آفتاب و ماہتاب خدا کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں نہ تو کسی کی موت سے ان کو گہن لگتا ہے نہ پیدائش پر جب تم ان کو اس حالت میں دیکھو تو خدا کی یاد اور اس کی بزرگی بیان کرو نماز پڑھو اور صدقہ دو۔ اس کے بعد فرمایا اے امت محمد خدا تعالیٰ سے زیادہ غیرت کی صفت کسی کو مرغوب نہیں اس کو شدید غیرت آتی ہے کہ کوئی عورت یا مرد اس کی

مِنَ اللّٰهِ أَنْ تَزْنِيَ عَبْدُهُ أَوْ تَزْنِيَ أَمَتُهُ يَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ وَاللّٰهِ لَوْ تَعْلَمُونَ مَا أَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيلًا وَلَبَكَيْتُمْ كَثِيرًا. (متفق علیہ)

(۴۰۸) عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ بَعْضِ نِسَائِهِ فَأَرْسَلَتْ إِحْدَى أُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِينَ بِصَحْفَةٍ فِيهَا طَعَامٌ فَضَرَبَتِ الَّتِي النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَيْتِهَا يَدَ الْخَادِمِ فَسَقَطَتِ الصَّحْفَةُ فَانْفَلَقَتْ فَجَمَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِلَقَ الصَّحْفَةِ ثُمَّ جَعَلَ يَجْمَعُ فِيهَا الطَّعَامَ الَّذِي كَانَ فِي الصَّحْفَةِ وَيَقُولُ غَارَتْ أُمُّكُمْ ثُمَّ حَبَسَ الْخَادِمَ حَتَّى أُتِيَ بِصَحْفَةٍ مِنْ عِنْدِ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا فَدَفَعَ الصَّحْفَةَ الصَّحِيحَةَ إِلَى الَّتِي كُسِرَتْ صَحْفَتُهَا وَأَمْسَكَ الْمَكْسُورَةَ فِي بَيْتِ الَّتِي كَسَرَتْ. (رواہ البخاری)

مخلوق ہو کر زنا کرے۔ اے امت محمد جو کچھ میں آخرت کے خطرات میں جانتا ہوں اگر تم بھی جان لیتے تو ہنستے بہت کم اور روتے بہت۔ (متفق علیہ)

(۴۰۸) انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کسی بی بی کے گھر تھے اس وقت امہات المومنین میں سے کسی نے آپ کی خدمت میں ایک پیالہ میں کھانا بھیجا جن بی بی صاحبہ کے گھر میں آپ رونق افروز تھے انہوں نے خادم کے ہاتھ کو ذرا اشارہ دے دیا پیالہ اس کے ہاتھ سے گر گیا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیالے کے ٹکڑے جوڑنے لگے اس کے بعد جو کھانا اس پیالے میں رکھا ہوا تھا اس کو جمع کیا اور فرمایا (کچھ نہیں) تمہاری ماں کو اس وقت سوتن کی فطری غیرت آگئی تھی اس کے بعد خادم کو ٹھیرا لیا اور جن کے گھر اس وقت آپ تشریف فرما تھے ان کے یہاں سے ایک اچھا پیالہ منگا کر جن کا پیالہ ٹوٹ گیا تھا ان کے لئے دے دیا اور ٹوٹا ہوا پیالہ ان کے گھر رکھ لیا جنہوں نے توڑا تھا۔ (بخاری شریف)

---

(۴۰۸) غیرت جمال کے علاوہ ایک اور صفت ہے اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ایسی ہی مطلوب ہے جیسی دیگر بے افراط و تفریط ...... اس میں بھی ایسی ہی اعتدال مطلوب ہے جیسی چاہیے اسلام نے خلق اور شخصی صفتوں میں ترمیم نہیں کی بلکہ صرف اتنا کہ وہ فطری طبعی ہیں ان صفات کے عالم قدس کی طرف انقلاب میں ان کی بے جا اور ناپسند بات کا اظہار منظور ہے اور سمجھا ہے کہ جو صفت اس بے نیاز کی جناب میں ثابت ہو سکے وہ ایک نیاز والی مخلوق کے لئے یہ کس درجہ موجب فخر ہونی چاہیے گو اس کے ساتھ یہ بھی واضح رہنا چاہیے کہ کمال یہ نہیں کہ بے جا نفس کی آزادی ختم ہو کر چلنے دیا جائے یہ صفت قابل تعریف ہے جہاں حدود کے متعلق اس کی زد میں آ جائیں اور جب اس کی حدود سے تجاوز ہونے لگیں تو وہی صفت قابل تعریف ہونے کے بجائے قابل مذمت ہو جائے گی۔ سوکن کی غیرت جبکہ بڑی قابل تعریف تھی مگر شرعی حدود سے متجاوز ہو جاتی اس لئے آپ کا انداز بیان وہ نہیں جو صریح منکرات پر ہونا چاہیے بلکہ اس میں

(۲۸۴) عَنْ حَكِيمِ بْنِ أَبِي يَزِيدَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا اسْتَنْصَحَ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ فَلْيَنْصَحْ لَهُ۔ (اخرجہ احمد)

(۲۸۵) عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي خُطْبَتِهِ بِالْخَيْفِ مِنْ مِنًى ثَلَاثٌ لَا يَغِلُّ عَلَيْهِنَّ قَلْبُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ إِخْلَاصُ الْعَمَلِ لِلّٰهِ وَمُنَاصَحَةُ وُلَاةِ الْأَمْرِ وَلُزُومُ جَمَاعَةِ الْمُسْلِمِينَ۔ (رواہ احمد وقد اخرجہ الدارقطنی فی الافراد باسناد جید)

(۲۸۶) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ اللهَ يَرْضَى لَكُمْ ثَلَاثًا يَرْضَى لَكُمْ أَنْ تَعْبُدُوهُ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَأَنْ تَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا وَأَنْ تُنَاصِحُوا مَنْ وَلَّاهُ اللهُ أَمْرَكُمْ۔ (رواہ مسلم)

(۲۸۷) عَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ عَبْدٍ يَسْتَرْعِيهِ اللهُ رَعِيَّةً فَلَمْ يَحُطْهَا بِنُصْحِهِ إِلَّا لَمْ يَدْخُلِ الْجَنَّةَ۔ (متفق علیہ)

---

(۲۸۴) ابو یزیدؒ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں کوئی شخص اپنے بھائی کی خیرخواہی کا مشورہ طلب کرے تو اسے لازم ہے کہ اس سے وہی بات کہے جو اس کی خیرخواہی کی ہو۔ (مسند احمد)

(۲۸۵) جبیر بن مطعم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ کی مسجد خیف کے خطبہ میں فرمایا تین باتیں ایسی ہیں جن پر مسلمان آدمی کا دل کبھی کینہ نہیں رکھ سکتا۔ خالص اللہ تعالیٰ کے لئے عمل کرنا، حکام کی خیرخواہی کرنا اور مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ شامل رہنا۔ (مسند احمد۔ دارقطنی)

(۲۸۶) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ تمہارے لئے تین باتیں پسند فرماتا ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ تم اسی کی عبادت کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھیراؤ۔ دوسرے یہ کہ سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہو اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو اور تیسرے یہ کہ جو تمہارا حاکم ہو اس کی خیرخواہی کرتے رہو۔ (مسلم)

(۲۸۷) معقل بن یسار روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا کوئی بندہ ایسا نہیں جس کے ذمہ اللہ تعالیٰ نے کسی قسم کی نگرانی سپرد کی ہو پھر وہ اس کی پوری پوری خیرخواہی کا لحاظ نہ رکھے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل نہیں کرے گا۔ (متفق علیہ)

---

(۲۸۷) ان احادیث میں کچھ حدیثیں عام مسلمانوں سے متعلق ہیں اور کچھ حکام سے۔ ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ [illegible] فریضہ خیرخواہی [illegible] کوئی شخص [illegible] خیرخواہی [illegible]

(۴۸۸) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا نَصَحَ لِسَيِّدِهٖ وَاَحْسَنَ عِبَادَةَ اللّٰهِ فَلَهٗ اَجْرُهٗ مَرَّتَيْنِ۔ (متفق علیہ)

محبة المرء لاخيه ما يحب لنفسه

(۴۸۹) عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يُحِبَّ لِاَخِيْهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ۔ (رواہ الخمسة الا ابا داؤد)

(۴۹۰) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَّاْخُذُ عَنِّيْ هٰؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ فَيَعْمَلُ بِهِنَّ اَوْ يُعَلِّمُ مَنْ يَّعْمَلُ بِهِنَّ قُلْتُ اَنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَاَخَذَ بِيَدِيْ فَعَدَّ خَمْسًا فَقَالَ اِتَّقِ الْمَحَارِمَ تَكُنْ اَعْبَدَ النَّاسِ وَارْضَ بِمَا قَسَمَ اللّٰهُ لَكَ تَكُنْ اَغْنَى

(۴۸۸) عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غلام جب اپنے آقا کی خیر خواہی کرتا ہے اور اپنے اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی اچھی طرح کرتا ہے تو اس کو دوگنا ثواب ملتا ہے۔ (متفق علیہ)

خیر خواہی کرنے میں اپنے اور بیگانہ کا امتیاز اٹھا دینا

(۴۸۹) حضرت انسؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا ہے تم میں کوئی شخص اس وقت تک پورا پورا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اپنے مسلمان بھائی کے لئے وہی بات پسند کرنے لگے جو اپنے نفس کے لئے پسند کرتا ہے۔ (بخاری و مسلم وغیرہ)

(۴۹۰) ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون ہے ایسا شخص جو ان باتوں پر خود عمل کرے یا کم از کم ان لوگوں کو بتلا دے جو ان پر عمل کریں میں بولا یا رسول اللہ میں حاضر ہوں آپ نے میرا ہاتھ پکڑا اور یہ پانچ باتیں شمار کرائیں فرمایا حرام باتوں سے دور رہو تو سب سے عبادت گزار بندے شمار ہو گے

(۴۸۹) یہ گو ذرا مختصر سی بات ہے لیکن اس پر عمل کی توفیق اس وقت تک میسر نہیں آ سکتی جب تک کہ انسان کا ایمان کامل نہ ہو جائے۔ یہ صفت انسانی کمالات کی ایک معراج ہے اور اس کی دلیل ہے کہ اب اس کا نفس پورے طور پر مادی تہذیب سے طہارت پا چکا ہے اس میں خود غرضی اور حسد کا کوئی شائبہ باقی نہیں رہا۔ اسی کے لئے تمام روحانی مجاہدات کئے جاتے ہیں اور یہی شریعت کے اوامر و نواہی کا اصل مقصد ہے۔ غالباً صوفیائے کرام اسی کو مرتبہ فنا سے تعبیر کرتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ صفت بھی فنا کے ثمرات میں ایک اثر ہے۔

النَّاسِ وَأَحْسِنْ إِلَى جَارِكَ تَكُنْ مُؤْمِنًا وَأَحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ تَكُنْ مُسْلِمًا وَلَا تُكْثِرِ الضَّحِكَ فَإِنَّ كَثْرَةَ الضَّحِكِ تُمِيتُ الْقَلْبَ۔ (رواه احمد والترمذي وقال هذا حديث غريب)

(۴۹۱) عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ أَنَّهُ سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَفْضَلِ الْإِيمَانِ قَالَ أَنْ تُحِبَّ لِلّٰهِ وَتُبْغِضَ لِلّٰهِ وَتُعْمِلَ لِسَانَكَ فِي ذِكْرِ اللهِ قَالَ وَمَاذَا يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ وَأَنْ تُحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ وَتَكْرَهَ لَهُمْ مَا تَكْرَهُ لِنَفْسِكَ۔ (رواه احمد)

(۴۹۲) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْضَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا الْمُوَطَّئُونَ أَكْنَافًا وَلَا يَبْلُغُ عَبْدٌ حَقِيقَةَ الْإِيمَانِ حَتَّى يُحِبَّ لِلنَّاسِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ وَحَتَّى يَأْمَنَ جَارُهُ بَوَائِقَهُ. اخرجه ابن عساكر وفيه كوثر بن حكيم متروك ولكن له شواهد بلغته مرتبة الحسن.

(۴۹۳) عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَسِيدٍ قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتُحِبُّ

اللہ تعالیٰ جو تمہاری تقدیر میں لکھ چکا ہے اس پر راضی رہنا بڑے بے نیاز بندوں میں ہو جاؤ گے اپنے پڑوسی سے اچھا سلوک کرتے رہو مومن بن جاؤ گے اور جو بات اپنے لئے چاہتے ہو وہی دوسروں کے لئے پسند کرو کامل مسلمان بن جاؤ گے اور بہت قہقہے نہ لگاؤ کیونکہ یہ دل کو مردہ بنا دیتا ہے ۔ (مسند احمد ۔ ترمذی)

(۴۹۱) معاذ بن جبلؓ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس ایمان کے متعلق دریافت کیا جو سب سے بہتر ہو آپ نے فرمایا اللہ کے لئے محبت کرنا اور اللہ ہی کے لئے بغض رکھنا اور اپنی زبان کو ہر وقت یاد الٰہی میں لگائے رکھنا پھر عرض کیا یا رسول اللہ اور کیا عمل بہتر ہے فرمایا جو اپنے لئے پسند کرو وہی سب کے لئے پسند کرو اور جو اپنے لئے برا سمجھو وہی سب کے لئے برا سمجھنا ۔ (مسند احمد)

(۴۹۲) ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تمام مومنوں میں ایمان کے لحاظ سے سب سے افضل مومن وہ شخص ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں یہ وہ لوگ ہیں جو ہر ایک کے سامنے متواضع اور جھکے رہنے والے ہیں کوئی شخص ایمان کی حقیقت تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ سب کیلئے وہی بات پسند نہ کرنے لگے جو اپنے لئے پسند کرتا ہو اور جب تک کہ اس کا پڑوسی اس کی ایذاؤں سے مامون نہ ہو جائے ۔ (ابن عساکر)

(۴۹۳) یزید بن اسید کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے پوچھا تم کو جنت پسند ہے

(۴۹۲) اپنے نفس اور عام مسلمانوں کو ایک نظر سے دیکھنا درحقیقت نصح اور خیر خواہی کا سب سے بڑا جذبہ ہے صفت ایثار [illegible] پیدا ہو سکتی ہے جب کہ [illegible] بغض [illegible] ہر قسم کے کھوٹ سے پاک و صاف ہو جائے [illegible] ایک ہی صفت کا ظہور

لِنَفْسِكَ؟ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَأَحِبَّ لِأَخِيْكَ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ۔ (اخرجه البخاری فی تاریخه الکبیر واصحاب السنن ابو یعلیٰ والطبرانی فی الکبیر والحاکم والبیہقی فی الشعب عن یزید بن اسد کذا فی الجامع)

(۴۹۳) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ الْحَدِيْثَ بِطُوْلِهِ اِلٰی اَنْ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَوْصِنِيْ قَالَ اُوْصِيْكَ بِتَقْوَی اللّٰهِ فَاِنَّهُ اَزْيَنُ لِاَمْرِكَ كُلِّهِ قُلْتُ زِدْنِيْ قَالَ عَلَيْكَ بِتِلَاوَةِ الْقُرْاٰنِ وَذِكْرِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ فَاِنَّهُ ذِكْرٌ لَكَ فِی السَّمَاءِ وَنُوْرٌ لَكَ فِی الْاَرْضِ قُلْتُ زِدْنِيْ قَالَ عَلَيْكَ بِطُوْلِ الصَّمْتِ فَاِنَّهُ مَطْرَدَةٌ لِلشَّيْطَانِ وَعَوْنٌ لَكَ عَلٰی اَمْرِ دِيْنِكَ قُلْتُ زِدْنِيْ قَالَ اِيَّاكَ وَكَثْرَةَ الضِّحْكِ فَاِنَّهُ يُمِيْتُ الْقَلْبَ وَيَذْهَبُ بِنُوْرِ الْوَجْهِ قُلْتُ زِدْنِيْ قَالَ قُلِ الْحَقَّ وَاِنْ كَانَ مُرًّا قُلْتُ زِدْنِيْ قَالَ لَا تَخَفْ فِی اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ قُلْتُ زِدْنِيْ قَالَ لِيَحْجُزْكَ عَنِ النَّاسِ مَا تَعْلَمُ مِنْ نَفْسِكَ۔ (رواه البیہقی فی شعب الایمان)

میں نے عرض کیا جی ہاں فرمایا اچھا تو جو بات اپنے لئے پسند کرتے ہو وہی اپنے مسلمان بھائی کے لئے پسند کیا کرو۔ (مسند احمد، تاریخ کبیر، سنن اربعہ، طبرانی، حاکم، بیہقی)

(۴۹۳) ابوذرؓ روایت کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا پھر اس کی پوری تفصیل بیان کی، اس سلسلہ میں یہ بات بھی ذکر کی کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے کچھ نصیحت فرمایئے آپ نے فرمایا میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ ہر معاملہ میں خدا تعالیٰ کا خوف رکھنا بس اسی ایک بات سے تیرا سب دین مزین ہو جائے گا میں نے عرض کیا اور نصیحت فرمایئے ارشاد فرمایا قرآن کی تلاوت اور ذکر اللہ کیا کرنا کیونکہ یہ عادت آسمان میں تمہارے ذکر کا موجب اور زمین میں نور کا سبب ہوگی میں نے عرض کیا کچھ اور فرمایئے ارشاد فرمایا اکثر اوقات خاموشی کے ساتھ بسر کرنا کیونکہ یہ عادت شیطان کو پاس پھٹکنے نہیں دیتی اور تمہارے لئے دین کے ہر معاملہ میں معاون ہوگی میں نے عرض کیا کچھ اور فرمایئے ارشاد فرمایا زیادہ قہقہے نہ لگانا کیونکہ اس حرکت سے دل مردہ ہو جاتا ہے اور چہرہ کا نور جاتا رہتا ہے میں نے عرض کیا اور نصیحت فرمایئے ارشاد فرمایا حق بات کہنا اگرچہ تلخ ہی کیوں نہ ہو میں نے عرض کیا کچھ اور فرمایئے، ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہ کھانا، میں نے عرض کیا کچھ اور فرمایئے ارشاد ہوا اچھا جو عیب تم جانتے ہو کہ خود تم میں موجود ہیں اس پر نکتہ چینی سے لوگوں کو بھی معذور رکھنا (بیہقی)

جیسے کمال ایمان کے ثبوت کے لئے محبت کو معیار قرار دیا گیا ہے اسی طرح یہاں بھی ایمان کی حقیقت کے لئے موقوف علیہ کمال ایمان کا معیار آپ کی وصیت میں یہ امر قرار دیا گیا ہے۔ یہ تکلف الفاظ نہیں بلکہ حقیقت ہے جو اس ایک مستند میں بیان ہے۔

(۴۹۵) عن علیؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم للمسلم علی المسلم ست بالمعروف یسلم علیہ اذا لقیہ ویجیبہ اذا دعاہ ویشمتہ اذا عطس ویعودہ اذا مرض ویتبع جنازتہ اذا مات ویحب لہ ما یحب لنفسہ (رواہ الترمذی والدارمی)

(۴۹۶) عن ابی الولید القرشی قال کنت عند بلال بن ابی بردۃ فجاء رجل من عبد القیس فقال اصلح اللہ الامیر ان اھل الطف لا یؤدون زکاۃ تمرھم وقد علمت ذلک فاخبرت الامیر قال بلال ممن انت قال من عبد القیس قال ما اسمک قال فلان فکتب لصاحب شرطتہ ان سل عبد القیس فقال وجد ثم یغمز فی حسبہ فقال اللہ اکبر حدثنی ابی عن جدی ابی موسیٰ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یؤمن احدکم حتی یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ (رواہ الطبرانی)

---

(۴۹۵) حضرت علیؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلامی آئین میں ایک مسلمان کے ذمہ دوسرے مسلمان کے چھ حقوق ہیں جب ملاقات ہو تو اس کو سلام کرے، جب بلائے تو اس کے یہاں چلا جائے، جب چھینکے اور الحمد للہ کہے تو اس کے جواب میں یرحمک اللہ کہے، جب بیمار پڑے تو اس کی عیادت کرے، جب مر جائے تو اس کے جنازہ کے ساتھ ... اور جو بات اپنے لئے پسند کرے وہی اپنے بھائی کے لئے پسند کرتا۔ (ترمذی۔ دارمی)

(۴۹۶) ابو الولید قرشی بیان کرتے ہیں کہ میں بلال بن ابی بردہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ قبیلہ عبد القیس کا ایک شخص آیا اور اس نے کہا اللہ تعالیٰ امیر المومنین کو ہمیشہ صحیح و سلامت رکھے، مجھے معلوم ہوا ہے کہ طف کے باشندے اپنی زکوٰۃ ادا نہیں کرتے اس لئے (اطلاع و خبر گیری) میں نے اس بات کی امیر المومنین کو اطلاع کر دی ہے۔ اس پر بلال بن ابی بردہ نے پوچھا تو کس قبیلہ کا آدمی ہے اس نے کہا قبیلہ عبد القیس کا۔ پھر پوچھا تیرا نام کیا ہے اس نے کہا فلاں۔ اس کے بعد انھوں نے اپنے گورنر کو لکھ بھیجا کہ وہ اس کے متعلق عبد القیس سے تحقیق کریں انھوں نے جواب دیا کہ ان کو بہت نیک نیت پایا ہے۔ اس پر انھوں نے تعجب سے اللہ اکبر کہا اور ابو موسیٰ کی روایت سے یہ حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تم میں کوئی شخص اس وقت تک پورا مومن نہیں ہو سکتا جب تک اپنے مسلمان بھائی کے لئے وہی بات پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

(طبرانی)

(۴۹۷) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُزَحْزَحَ عَنِ النَّارِ وَيُدْخَلَ الْجَنَّةَ فَلْتُدْرِكْهُ مَنِيَّتُهُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلْيَأْتِ إِلَى النَّاسِ الَّذِي يُحِبُّ أَنْ يُؤْتَى إِلَيْهِ (رواه مسلم)

(۴۹۸) عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أَبَا ذَرٍّ إِنِّي أَرَاكَ ضَعِيفًا وَإِنِّي أُحِبُّ لَكَ مَا أُحِبُّ لِنَفْسِي لَا تَأَمَّرَنَّ عَلَى اثْنَيْنِ وَلَا تَوَلَّيَنَّ مَالَ يَتِيمٍ (مسلم)

(۴۹۹) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَلِيُّ إِنِّي أُحِبُّ لَكَ

---

(۴۹۷) عبداللہ بن عمرو بن العاص روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص یہ بات پسند کرتا ہے کہ اس کو دوزخ سے بہت دور رکھا جائے اور جنت میں داخل کر دیا جائے تو اس کو یہ کوشش کرنی چاہئے کہ اس کی موت اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان کے ساتھ ہو اور لوگوں کے ساتھ اس کو وہی معاملہ کرنا چاہئے جو وہ چاہتا ہے کہ لوگ اس کے ساتھ کریں۔ (مسلم)

(۴۹۸) ابوذرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا ابوذر! تم مجھے ایک سیدھے سادے انسان معلوم ہوتے ہو اور میں تمہاری ذات کے لئے وہی بات پسند کرتا ہوں جو اپنی ذات کے لئے دیکھو دو شخصوں پر بھی کبھی امیر نہ بننا اور کسی یتیم کا مال اپنی ذمہ داری میں کبھی نہ لینا۔ (مسلم شریف)

(۴۹۹) حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے علیؓ دیکھو جو میں اپنے لئے پسند کرتا ہوں وہی تمہارے لئے پسند کرتا ہوں اور جو اپنے حق میں ناپسند کرتا ہوں وہ تمہارے حق میں بھی

---

(۴۹۸) ابوذرؓ ایک نہایت عابد زاہد اور درویش مزاج صحابی تھے کسی مال کی تولیت کی ذمہ داری کے لئے جن اوصاف کی ضرورت ہوتی ہے وہ ان میں پورے طور پر موجود نہ تھے اسی لئے آپ نے ان کے ضعف سے ادا فرمایا ہے اور یہ ضعف جس میں بھی ہو گا اس کے لئے تولیت کا منصب مناسب نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے سارے جہاں کی تولیت کا بار اٹھانے کی استعداد عطا فرمائی تھی اس لئے آپ نے اس بار کو اٹھایا اور اس خوبی سے اٹھایا جو اس کا حق تھا۔ اگر ابوذرؓ میں بھی آپ کسی مرتبہ کی تولیت سنبھال لینے کی استعداد دیکھ لیتے تو کوئی ذمہ داری ان کے بھی سپرد کر دی جاتی۔ یہاں آپ کی خیر خواہی کا اصل نقطہ تمام صحابہ میں مشترک تھا اگر کسی کو کوئی ملامت دی گئی تو وہ بھی اس کے نفس کی خیر خواہی پر مبنی تھی اور اگر نہیں دی گئی تو اس کو بھی یقین رکھنا چاہئے کہ یہ بھی اسی کی خیر خواہی پر مبنی تھی

(۴۹۹) اسلامی مساوات صرف دوسری مخلوق کے دائرہ تک ہی محدود ہو کر نہیں رہ جاتی بلکہ یہ کوشش کرتا ہے کہ وہ خود اپنی جان اور دوسری مخلوق کے درمیان بھی اس کا پورا لحاظ رکھتا ہے یہی اسلام کی بڑی خصوصیت ہے۔ موقع پر بھی اسلام کی یہ مری سنت غیر اختیاری طور پر ان سے نکل جاتی ہے گویا اہم سے اہم بات ذہن نشین کرانے کے لئے مؤثر سے مؤثر تعبیر یہ ہے کہ مخاطب کو یقین دلا دیا جائے کہ متکلم اس کے اور اپنے نفس میں ایک ذرہ برابر فرق نہیں سمجھتا

ما احب لنفسی واکرہ لک ما اکرہ لنفسی لا تقع بین السجدتین (رواہ الترمذی)

حسن العهد

(۵۰۰) عن عائشة قالت جاءت الى النبي صلى الله عليه وسلم عجوز فقال من انت قالت جثامة المزنية قال بل انت حسانة المزنية كيف حالكم كيف كنتم بعدنا قالت بخير فلما خرجت قلت تقبل هذا الاقبال على هذه فقال انها كانت تأتينا ايام خديجة وان حسن العهد من الايمان.

(اخرجه الحاكم وقال على شرطهما ولا علة له واقره الذهبی)

ناپسند کرتا ہوں۔ دونوں سجدوں کے درمیان اس طرح نہ بیٹھا کرو جیسا کتا اپنے سرین زمین پر رکھ کر دونوں پیر کھڑے کر کے بیٹھتا ہے

محبت کا نباہ اور اس کا لحاظ پاس رکھنا

(۵۰۰) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک بوڑھی عورت آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں آپ نے پوچھا تم کس قبیلہ کی ہو اس نے عرض کیا میں جثامہ مزنیہ ہوں آپ نے فرمایا بلکہ تم تو حسانہ مزنیہ ہو اچھا کہو ہمارے بعد تمہارے حالات کیسے گذرے اس نے عرض کیا سب خیریت رہی۔ جب وہ چلی گئیں تو میں نے عرض کیا ایک معمولی بڑھیا اور اس کی طرف آپ کی اتنی توجہ آپ نے فرمایا کہ یہ (حضرت) خدیجہؓ کی زندگی میں ہمارے گھر آیا کرتی تھیں اور قدیم شناسائی کے حقوق کی رعایت کرنی بھی ایمان کی ایک بات ہے۔ (حاکم)

جب تک اغراض نفسانی کا کوئی شائبہ بھی باقی ہے اس مقام رفیع تک رسائی مشکل ہے۔

(۵۰۰) حدیث مذکورہ سے معلوم ہوا کہ ایمان کے شعبے کچھ عبادات کے ساتھ ہی مخصوص نہیں بلکہ ان سے گذر کر حسن معاملہ اور حسن معاشرت جیسی جزئیات تک بھی پھیلتے ہیں۔ اس قسم کی حدیثوں سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ایمان و اسلام کا دائرہ کتنا وسیع ہے۔

آئندہ حدیثوں سے بھی اس مضمون کی مزید تصدیق ہوگی۔

البذاذة

(۵۰۱) عن أبي أمامة إياس بن ثعلبة قال ذكر أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم يوماً عنده الدنيا فقال ألا تسمعون ألا تسمعون إن البذاذة من الإيمان إن البذاذة من الإيمان. (أخرجه أحمد وأبو داود وابن ماجه والحاكم) وقال العراقي حديث حسن وقال الديلمي هو صحيح وكذلك قال الحافظ ابن حجر۔

گاہ بگاہ ترک زینت

(۵۰۱) ابو امامہ کہتے ہیں کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل میں دنیا کا ذکر آگیا تو آپ نے فرمایا سن لو اور خوب غور سے سن لو کہ زینت نہ کرنا اور گاہ بگاہ شکستہ حالت میں رہنا بھی ایمان کا شعبہ ہے۔ (ابن ماجہ۔ حاکم)

(۵۰۱) اسلام نے جائز سنگھار کرنا کسی وقت بھی ناپسند نہیں کیا اور نہ نعمت اور عیش و طرب کی زندگی اگرچہ جائز حدود میں ہو کبھی اس کی یکسر مخالفت کی ہے اسی طرح اس کے مقابلہ میں رہبانیت اور جاہلی اوہام علیہ پرستی سے بھی روکتا ہے۔ جمال کی ترغیب دی ہے اور اسی کے ساتھ گاہ بگاہ سادہ زندگی گذارنے کی بھی ہدایت کی ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ جمال و زینت کے ساتھ تکبر و غرور کی صفت پیدا ہونے لگتی ہے اسلام جہاں غرور و تکبر سے روکتا ہے وہاں اس کے ساتھ ذلت و خواری کی زندگی سے بھی منع کرتا ہے وہ یہ تعلیم دیتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی دی ہوئی عزت صرف مسلمان کے لئے ہے اس لئے نہ وہ ایسے عمل کو پسند کرتا ہے جو اپنے نفس میں غرور و تکبر کا اثر پیدا کرے اور نہ اس کو کہ انسان کے لئے دنیا میں موجب ذلت ہو اس معاملہ کو بلحاظ فرق مراتب اسلام کے اصلی مقصد تک پہنچا دیجئے۔ اللھم اجعلنی فی عینی صغیرا و فی اعین الناس کبیرا۔ (اے اللہ تو مجھے اپنی نظروں میں پست کر دے اور اپنی مخلوق کی نظروں میں معزز و بلند کر دے) ہم تواضع کی نیت سے گاہ بگاہ زینت ترک کر دینا یقیناً انسان کے ایمان ہی کا تقاضہ ہو سکتا ہے۔ اس باب میں دونوں قسم کی حدیثیں ملتی ہیں ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر زینت اختیار کرو تو اس میں تحدیث نعمت کی نیت ہونی چاہئے اور اگر اس کو ترک کرو تو اس میں تواضع اور اپنے نفس کی شکستگی کی نیت ہونی چاہئے نہ کہ بخل کی نیت سے زینت اور اعمال کی ترک کی بنا پر تو زینت بہت سے بلند اخلاق سے گری ہوئی آتی ہیں۔ بلحاظ یہ سمجھ لو کہ جب انسان کی اس حالت میں گاہ بگاہ زینت ترک کرنے لگے تو سمجھنا چاہئے کہ اب اس کے نفس میں اصلاح ہو گئی ہے اس کی یہ ترک زینت محض کنجوسی کی بنا پر نہیں بلکہ اس کی نظروں میں دنیا کی حقارت کا اثر ہے اور اسی طرح اس کی زینت تکبر کی بنا پر نہیں ہے بلکہ ایک عبد کی اپنے مولا کی نعمتوں کی شکر گذاری کے لئے ہے بس اپنے نفس کو ذلیل کرنا اور اس میں ذلیل خصائل و حالات پیدا کرنا ہرگز اسلام کا مقصد نہیں۔ ان اللہ یحب معالی الامور۔ بلکہ وہ عزت کو پسند کرتا ہے اور ایک مسلمان کے نفس میں بلند حوصلگی پیدا کرنے کا حکم دیتا ہے۔

(باقی برصفحہ آئندہ)

السمت الحسن والاقتصاد جزء من خمس وعشرين جزءا من النبوة۔ رواه ابوداؤد

الحلم والاناة

(٥٠٤) عن ابن عباس ان النبي صلى الله عليه وسلم قال لاشج عبد القيس ان فيك لخصلتين يحبهما الله الحلم والاناة۔ رواه مسلم

(٥٠٥) عن سهل بن سعد الساعدي ان النبي صلى الله عليه وسلم قال الاناة

اور میانہ روی نبوت کا پچیسواں جز ہے۔ (ابوداؤد)

حلم وبردباری

(٥٠٤) ابن عباس روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ..... اشج عبد القیس سے فرمایا تجھ میں دو عادتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہیں بردباری اور متانت۔ (مسلم)

(٥٠٥) سہل بن سعدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا متانت اور بردباری

(اہتمام فرمایا بعد خلق وشجاعت وسیاست وعدالت کتابت وشناختن مصلحت ہر وقت اما عطا حکمت وسیرت علمی پس نشانہائے واضح خود در حدیث السمت الصالح جزء من خمسۃ وعشرین جزءا من اجزاء النبوة۔

(قرۃ العینین صلا)

پھر ہر سیاست مدنیہ وتدبیر منزل اور جملہ آداب و معاش کی رعایت اس طور پر کرنے لگا ہو کہ اس سے بڑھ کر کسی کے خیال میں نہیں آ سکتی اسکو اخلاق یا سلیقہ اور سلیقہ و معاملات نبوت و دل کے مناسب ہو مناسب [illegible] کا صرف کی تحدید یا [illegible] اسی وجہ سے حدیث السمت الصالح میں داخل کیا گیا ہے۔

شاہ صاحب کے اس بیان سے سمت حسن کی تفسیر معلوم ہو گئی اور یہ بات بھی کہ اس کے اجزاء نبوت ہونے کے معنی بھی واضح ہو گئے شاہ صاحب مرحوم نے کتاب مذکور کے صفحہ ۱۲ پر اس کی مزید تشریح فرمائی ہے ملاحظہ کی جائے۔

یہ بات قابل یادداشت ہے کہ جب اس قسم کی حدیثوں میں کسی عمل کو اجزاء نبوت یا ختم نبوت کہا گیا ہے اس سے مراد یہ ہوتا ہے کہ وہ عمل مشتمل کے قریب ہے اور اعمال کا خاصہ قرب ولایت نہیں قرب نبوت ہے جیسا باب حقائق کے اعمال ہمارے ہیں جو قرب نصیب ہوتا ہے اس کی بھی دو قسمیں کی گئی ہیں ایک جس کے سلسلہ بلند طرز کے ہیں قرب نبوت سے مناسبت ہو انہیں ان اعمال کا خصوصیت کے ساتھ لحاظ رکھنا چاہیے۔ ان حدیثوں کو بعض ایک مطلب تاکید بال کی کے سوال تو سمجھنا چاہیے۔

(٥٠٥) روایت میں یہ بھی ہے کہ اشج نے پوچھا یا رسول اللہ یہ دو خصلتیں مجھ میں فطری ہیں یا کسبی آپ نے فرمایا فطری اس سے معلوم ہوا کہ جو اخلاق حسنہ انسان کی فطرت میں ہوں اگرچہ وہ اس کے اختیاری نہیں ہوتے تاہم وہ بھی اس کے قابل ہیں اور اس کی سعادت کی علامت ہیں۔

مِنَ اللّٰهِ وَالْعَجَلَةُ مِنَ الشَّيْطَانِ (رواه الترمذي وقال هذا حديث غريب وقد تكلم بعض اهل الحديث في عبد المهيمن بن عباس الراوي من قبل حفظه)

علامات الإيمان والإسلام

(٥٠٦) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ لِلْإِسْلَامِ صُوًى وَمَنَارًا كَمَنَارِ الطَّرِيقِ. (المستدرك)

اللہ تعالیٰ کی توفیق سے نصیب ہوتی ہے اور جلد بازی شیطان کی حرکت ہے۔ (ترمذی)

ایمان اور اسلام کی چند نشانیاں

(٥٠٦) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ایمان کی بھی ایک چمک اور روشنی ہوتی ہے اور راستوں کے نشانات کی طرح اس کی بھی کچھ نمایاں علامتیں ہیں (مستدرک)

---

(٥٠٥) عجلت کام ہے شیاطین کا۔ تقریباً اسی حدیث کا ترجمہ ہے۔ یہاں عجلت سے مراد وہ ناشکی ضد ہے جو تامل بالکل علیحدہ چیز ہے عبادات میں تامل عیب اور اس کے خلاف عجلت پسندیدہ ہے مگر وہ عجلت نہیں جس میں تمام باتوں سے خالی ہو۔

(٥٠٦) عرب کی سرزمین ایک چٹیل میدان تھی اس میں کسی علامت کے بغیر راستہ چلنا مشکل تھا اس لئے ان کا دستور تھا کہ راستوں کی شناخت کے لئے وہ جا بجا پتھر نصب کر دیا کرتے تھے۔ اسی دستور کے مطابق حدیث نے اسلام کو ایک میدان اور مومن کو اس کے مسافر سے تشبیہ دی ہے اور بتلایا ہے کہ اس میدان میں بھی صحیح راستہ پر گامزن رہنا اسی وقت ممکن ہے جبکہ دین کے نشانات قائم رہیں اگر خدانخواستہ یہ نشانات مٹ جائیں تو پھر صحیح راستہ کا پتہ لگانا بھی مشکل ہو گا دین کی یہی حیثیت کا منصب ہے کہ جس طرح تم دنیا کے عام راستوں کے نشانات کی حفاظت کرتے ہو اسی طرح تم کو اپنے دین اسلام کے ان احکام کی حفاظت کرنی بھی ضروری ہے جو علامات اور نشانات کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ حدیثوں میں جن اعمال کو ارکان اسلام کہا گیا ہے وہ صرف عبادات کا نقشہ نہیں ہے اسی طرح یہاں جن اعمال کو منار اور علامت قرار دیا گیا ہے وہ بھی صرف علامت ظاہری نہیں بلکہ ان کی اپنی اپنی خاص خاص حیثیتیں بھی ہیں مثلاً جن اعمال کو ارکان قرار دیا گیا ہے ان کی حقیقت یہ ہے کہ وہ دین کے لئے ایک بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں جن کا قائم رہنا دین کا قائم رہنا اور ان کا گر جانا دین کے منہدم ہو جانے کے مترادف ہے اسی طرح جن کو شعب کہا گیا ہے ان کی حقیقت جسد دین اسلام سے پھوٹ کر نکلنے کی خصوصیت نمایاں ہے جیسا کہ لفظ شعبہ میں خصوصیت کے ترتیب فرق یہ ہے کہ شعبہ ایک ایسی چیز ہے جس کا شجرۂ اسلامی سے پھوٹ کر نکلنا ضروری ہے۔

(باقی حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

وَأَعْطَى زَكَاةَ مَالِهِ طَيِّبَةً بِهَا نَفْسُهُ فِيْ كُلِّ عَامٍ فَذَكَرَ الْحَدِيْثَ وَفِيْ آخِرِهِ قَالَ وَزَكَّى الْمَرْءُ نَفْسَهُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ أَنْ يَعْلَمَ أَنَّ اللّٰهَ مَعَهُ حَيْثُمَا كَانَ (رواه البزار في مسنده)

(٥٠٨) عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ أَفْضَلَ الْإِيْمَانِ أَنْ تَعْلَمَ أَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى مَعَكَ حَيْثُمَا كُنْتَ. (رواه الطبراني)

(٥٠٩) عَنْ أَبِيْ مُوْسَى الْأَشْعَرِيِّ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سَفَرٍ فَجَعَلَ النَّاسُ يَجْهَرُوْنَ بِالتَّكْبِيْرِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ

اور کوئی نہیں۔ اللہ۔ اپنے مال کی زکوۃ نہایت فراخ دلی اور خوشی کے ساتھ سال بسال ادا کی اس کے بعد انھوں نے آپ کی پوری حدیث ذکر کی اور اس کے آخر میں یہ بات بیان کی کہ میں نے پوچھا یا رسول اللہ یہ تو مال کی زکوٰۃ ادا کرنے کا طریقہ تھا خود اپنے نفس کی زکوۃ دینے کا طریقہ کیا ہے فرمایا یہ کہ اس بات کا یقین حاصل ہو جائے کہ انسان جس جگہ بھی ہو اللہ کی ذات پاک اس کے ساتھ ہوتی ہے۔ (بزار)

(٥٠٨) عبادہ بن صامتؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا سب سے افضل ایمان یہ ہے کہ تو اس کا یقین رکھے کہ جناب اللہ تعالیٰ کی ذات پاک تیرے ساتھ ہے جہاں بھی تو ہو (طبرانی)

(٥٠٩) ابو موسیٰؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے لوگ چیخ چیخ کر تکبیریں کہنے لگے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگو اپنی جانوں پر رحم کھاؤ تم اس کو تو

---

(٥٠٩) علماء کرام نے والنفس اور تزکیۃ النفس کے معنی سمجھنے کے لئے اس حدیث کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے بعض لوگ اس کے معنی صرف قلبی تصور سمجھتے ہیں ہمارے نزدیک لغت کے لحاظ سے یہ شکل ہے جو ترجمہ میں ہم نے اوپر کیا ہے۔ حدیث مذکور کا بھی یہی مطلب ہے۔ یہ حقیقت بارہا آپ کے سامنے پیش کی جا چکی ہے کہ اسلام صرف زبانی اقرار کا نام نہیں، صرف تصدیق اسلام کا نام نہیں بلکہ ان سے گزر کر مرتبہ احسان تک رسائی حاصل کرنے کا نام ہے۔ مرتبہ احسان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کا اس استحضار ہو جائے یہ مانا ہو کہ غیب و شہادت کا فرق باقی نہ رہے اس کا تصور اس درجہ غالب آ جائے کہ جب وقت یہ حضوری ہونے لگے گویا وہ تو بہت سامنے ہے اس کا قرب اس درجہ مستولی ہو جائے کہ نظر ہر آن تو جو چیز سب سے زیادہ نزدیک نظر آتی ہو وہ اس کو اس سے بھی زیادہ نزدیک نظر آنے لگے۔ اسلام میں اللہ تعالیٰ کا یہ تصور جس طرح مادیت کی ہر ظلمت سے منزہ ومبرا ہے اسی طرح وہ تمام ہر بھی نہیں ہے کہ اس کے متعلق صحیح وجود کا تصور اس کے قرب کے منافی ہو یہاں وہ ثابت اسلام نے جو ہدایت قرآن کی اسلام میں اللہ تعالیٰ کے متعلق جو تصورات بتائے گئے ہیں وہ فرضی نہیں بڑی حقیقت رکھتے ہیں اگر اس کو سمیع و بصیر کا اطلاق کیا گیا ہے تو اس کی بھی حقیقت کی جستجو شاید نظر بن جانا چاہئے۔ ہماری یہ حقیقت نگاہ جو ہے کہ تم اپنے خدا کو شاید اصم اور غائب سمجھ رکھتے ہو اس لئے تم اس درجہ چلا چلا کر اس کو پکار رہے ہو حالانکہ صرف تمہارے ذہن کا یہ خیال سمیع وبصیر ہونے کا تصور یہ ہے بلکہ ہر جگہ دیکھنے والا بھی ہے سمجھ کر تم اپنے خدا کو پکار رہے ہو جس کی دونوں صفتیں

ارْبَعُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ فَإِنَّكُمْ لَا تَدْعُونَ أَصَمَّ وَلَا غَائِبًا إِنَّكُمْ تَدْعُونَ سَمِيعًا بَصِيرًا وَهُوَ مَعَكُمْ وَالَّذِي تَدْعُونَهُ أَقْرَبُ إِلَى أَحَدِكُمْ مِنْ عُنُقِ رَاحِلَتِهِ قَالَ أَبُو مُوسَى وَأَنَا خَلْفَهُ أَقُولُ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ فِي نَفْسِي فَقَالَ يَا عَبْدَ اللَّهِ بْنَ قَيْسٍ أَلَا أَدُلُّكَ عَلَى كَنْزٍ مِنْ كُنُوزِ الْجَنَّةِ فَقُلْتُ بَلَى يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ (متفق علیہ)

تھما پکار رہے ہو جو سنتا اور یہاں موجود ہے تم تو اس کو پکار رہے ہو جو سنتا اور دیکھتا ہے اور جو تمہارے ساتھ ہے جس کو تم پکار رہے ہو وہ تو تمہارے سے اونٹ کی گردن سے بھی زیادہ قریب ہے۔ ابو موسیٰ کہتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے تھا اور آہستہ آہستہ یہ کلمات کہہ رہا تھا لا حول ولا قوۃ الا باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عبداللہ بن قیس (ابو موسیٰ کا نام ہے) کیا میں تم کو جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ کی اطلاع نہ دوں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ضرور۔ آپ نے فرمایا وہ کلمہ لا حول ولا قوۃ الا باللہ ہے۔ (متفق علیہ)

جب بندہ مومن یہ خیال کہ انسانی حرکت کا منشاء صرف اسی مقدس ہستی کی طاقت ہے بندگی میں مشغول کرتا اور اس کی یاد میں ترقی کرتا ہے اور بس۔ جب تم اس حد پر پہنچ جاؤ گے تو یہ اس کی علامت ہوگی کہ اب تم بھی مرتبہ احسان کے اثرات پیدا ہو گئے ہیں اور اسلام کی جلوہ گری اب تمہارے اندر رونما ہونے والی ہے۔ مومن کے دل میں جب یہ نسبت احسان راسخ ہو جاتی ہے تو پھر یہ نوبت آ جاتی ہے کہ اگر تمام جہان بھی زیر و زبر ہو جائے جب بھی اس کے اس اعتقاد میں ذرا فرق پیدا نہیں ہوتا۔ یہ ہے اس مومن کی شان جو ہو جاتی ہے لا یحزنہم الفزع الاکبر یعنی ہنگامہ قیامت بھی ان کے لئے غم کا موجب نہیں ہوگا اور یہی عظیم ہنگامہ میں بھی پورے مطمئن نظر آئیں گے خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام جب غار ثور میں تشریف لائے اور دشمن سر پر کھڑا تھا۔ یہ خطرناک موقع جو آپ کے لئے موجب اطمینان تھا۔ یہی تسلی بخش تصور تھا لا تحزن ان اللہ معنا۔ یعنی اے رفیق غار تم غم نہ کرو کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی دریائے نیل کو اسی حالت سے عبور کر رہے تھے۔ ان معی ربی سیہدین۔

صیرورۃ الاعمال کلہا للہ سبحانہ

(۵۱۰) عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اَحَبَّ لِلّٰہِ وَاَبْغَضَ لِلّٰہِ وَاَعْطٰی لِلّٰہِ فَقَدِ اسْتَکْمَلَ الْاِیْمَانَ (رواہ ابوداؤد والترمذی وزاد وانکح للہ)

(۵۱۱) عَنْ عَمْرِو بْنِ الْجَمُوْحِ اَنَّہٗ سَمِعَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَا یَجِدُ الْعَبْدُ صَرِیْحَ الْاِیْمَانِ حَتّٰی یُحِبَّ لِلّٰہِ وَیُبْغِضَ لِلّٰہِ فَاِذَا اَحَبَّ لِلّٰہِ وَاَبْغَضَ لِلّٰہِ فَقَدِ اسْتَحَقَّ الْوَلَایَۃَ مِنَ اللّٰہِ تَعَالٰی (رواہ احمد)

تمام اعمال کا رخ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کی طرف پلٹ جانا

(۵۱۰) ابو امامہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اللہ تعالیٰ کی خاطر محبت رکھے اور اللہ تعالیٰ ہی کی خاطر دشمنی رکھے۔ کسی کو دے تو اسی کے نام پر، نہ دے تو اسی کی وجہ سے تو اس شخص نے اپنا ایمان کامل کر لیا۔ امام ترمذی کی روایت میں اتنی زیادتی اور ہے کہ نکاح کرے تو اللہ تعالیٰ ہی کے لئے (یعنی عفت فروج مقصود ہو)۔ (ابوداؤد، ترمذی)

(۵۱۱) عمرو بن جموح روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ بندہ کا ایمان اس وقت تک خالص اور کامل نہیں ہوتا جب تک کہ وہ خدائے تعالیٰ ہی کے نام پر دوستی اور اسی کے نام پر دشمنی کرنے کا عادی نہ ہو جائے پھر جب وہ اس کا عادی بن جاتا ہے تو اب وہ اس کا مستحق ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی ولایت سے نوازدے۔ (احمد)

(۵۱۱) ان دونوں حدیثوں کا خلاصہ یہ ہے کہ جب دل کی قلبی اور حرکات جوارح سب رضاء الٰہی کے تابع ہو جائیں تو یہ اس بات کی علامت ہو گی کہ اب ایمان اس کے ظاہر و باطن میں رچ گیا ہے قلب و زبان میں پوری یک رنگی پوری صداقت پیدا ہو چکی ہے اور اب اس میں نفاق کے کسی شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ عمرو بن جموح کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ شخص جب ترقی کی اس مرتبہ پر پہنچ جاتا ہے تو وہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ فضل ایزدی اس کو اپنی ولایت خاصہ کا خلعت پہنا دے۔ شاید صوفیاء کرام اسی کو فناء و بقاء کے نام سے یاد کرتے ہیں اور یہی نسبت احسان کا مقتضیٰ ہے۔

لغت صوفیہ کی تعبیر میں فنا و بقا

نفاق کے باب کے تفصیلی نوٹ میں اس پر سیر حاصل بحث موجود ہے ملاحظہ کیجئے۔

بِلِسَانِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِقَلْبِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَيْسَ وَرَاءَ ذٰلِكَ مِنَ الْاِيْمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ۔ (رواہ [illegible])

بھی ایسے لوگوں کا اپنے ہاتھ سے مقابلہ کرے وہ مومن اور جو زبان سے ان کی تردید کرے وہ مومن اور جو صرف قلبی ناگواری پر کفایت کر لے وہ بھی ایک درجہ کا مومن ہے اس کے بعد ایک رائی کے دانہ برابر بھی ایمان کا کوئی جزء نہیں۔ (مسلم وغیرہ)

اس کا مطلب یہ سمجھنا مراد نہیں ہے تاہم صاحب بحر الرائق نے پانچویں جلد میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی شخص کو کسی معصیت میں مبتلا دیکھے تو اس کو اپنے ہاتھ سے بھی روکنے کا حق حاصل ہے اور اگر وہ اس معصیت سے تائب ہو چکا ہے تو اب اس کو صرف یہ حق ہوگا کہ اس معاملہ کو قاضی تک پہنچا دے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ عملی طور پر صرف قاضی کا وظیفہ ہے اور فساد تحریک کا اندیشہ عوام کو حق نہیں اور امر بالمعروف ہر شخص کا فرض ہے اس میں کسی کی تخصیص نہیں ہے۔

یہ بات قابل فراموشی نہیں ہے کہ شریعت میں جتنی امر بالمعروف کی ترغیب ہے اتنی ہی تجسس اعمال کی ممانعت بھی ہے قاضی اس کا مامور نہیں ہے کہ وہ لوگوں کے حالات کا ذرہ ذرہ تجسس کیا کرے اس کا فرض صرف یہ ہے کہ جب اس کے سامنے کوئی معاملہ آ جائے تو اس کی تحقیق کر کے مناسب فیصلہ صادر کرے۔ یہاں کتاب الاحکام السلطانیہ میں قاضی ابو یعلی نے بہت خوب تفصیل کی ہے وہ لکھتے ہیں کہ اگر اس قسم کا معاملہ ہے جس کا تجسس نہ کیا جائے تو کسی کی جان یا مال ضائع ہو جانے کا خطرہ ہو تب جیسا کہ کوئی کسی عورت سے بدکاری یا قتل کرنا چاہتا ہو تو ان معاملات کا تجسس کرنا امام کا فرض ہے اور اگر ایسا معاملہ نہ ہو تو پھر عام حالات میں تجسس کرنا مناسب نہیں ہے۔ دوم وہ جن منکرات کا ازالہ کرنا واجب ہے وہ ایسے منکرات ہیں جو بالاتفاق منکر ہوں۔ مختلف مسائل میں ایک مذہب پر عمل کرنا قلت علم اور تنگ نظری ہے۔ قاضی ابو یعلی اس کی اور تفصیل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہاں اس اختلاف کا استثنا کرنا ضروری ہے جو جمہور کے بالمقابل ہو یا کسی متفق علیہ حرام کا ذریعہ بن جائے۔ جیسے سود کہ جمہور کے نزدیک نقد ہو یا ادھار دونوں صورتوں میں حرام ہے۔ اس مسئلہ میں اگرچہ بعض سلف کا کچھ خلاف منقول ہے لیکن چونکہ یہ جمہور کے خلاف ہے اس لئے اس میں بھی انکار کرنا ضروری ہوگا۔ امام احمد نے یہاں ایک اور عجیب تفصیل کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ اس قسم کے مسئلہ پر عمل کرنے والے کو سزا تو دی جائے مگر بعض سلف کے خلاف کی وجہ سے اس کو فاسق نہ کہا جائے۔ نکاح متعہ بھی اسی قسم میں داخل ہے یہ بھی جمہور کے خلاف ہے اور اگر اس کی اجازت دے دی جائے تو پھر یہ زنا کا ذریعہ بن سکتا ہے جو متفق علیہ حرام ہے اس لئے اس کی بھی ممانعت کی جائے اور اس کے مرتکب کو سزا بھی دی جائے۔ اور اگر یہ ثابت ہو جائے کہ سلف میں کوئی اس کا قائل نہ تھا تو اس کو فاسق بھی کہا جائے۔ (اعلام الموقعین ج ۳ ص ۲۶۲)

بعض دفعہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی جتنی اہمیت ہے اس سے زیادہ اہمیت مواقع انکار پہچاننے کی ہے بسا اوقات بے محل انکار خود ایک منکر کی صورت بن جاتا ہے۔ حافظ ابن قیم نے اس کی چار صورتیں تحریر فرمائی ہیں (۱) منکر اور برائی کو روکنے سے اصلاح کی توقع ہو اور اس کی جگہ نیکی پیدا ہونے کی امید ہو۔ (۲) اگر اس کے ازالہ کی توقع نہ ہو تو کم از کم اس میں خفت کی امید ہو۔ (۳) اس کے بجائے دوسری برائی پیدا ہونے کا خطرہ ہو۔ (۴) اس سے بڑی برائی کا خطرہ ہو۔

(باقی حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

لَا يَعْلَمُهُنَّ كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ فَقَدِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعِرْضِهِ وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ وَقَعَ فِي الْحَرَامِ ـ كَالرَّاعِي يَرْعَى حَوْلَ الْحِمَى يُوشِكُ أَنْ يَرْتَعَ فِيهِ

جن کا صحیح حکم اکثر لوگ نہیں جانتے جو شخص ان باتوں سے بچتا رہے اس نے تو اپنے دین اور آبرو کی طرف سے صفائی پیش کر دی اور جو ان میں مبتلا ہو گیا وہ یقیناً حرام میں بھی مبتلا ہو کر رہے گا۔ اس کی مثال اس چرواہے کی سی ہے جو اپنے جانوروں کو کسی (مخصوص) جنگل کے ارد گرد چراتا رہے۔ قریب ہے کہ اس کے

قریب ہی بہت کی سمائی ہے درست ہے اور ان اعمال کے سوا جن میں دین کی رضامندی ہو کسی اور عمل کا جذبہ نہ رہے جب اس میں یہ صفت پیدا ہو جائے گی تو ظاہری اعضاء خود بخود اطاعت الٰہی کی بجا آوری کے لئے مضطرب ہو جائیں گے اور منہیات شرعیہ تو درکنار امور مشتبہ سے بھی طبعاً متنفر ہو جائیں گے اور کمال قرب تعلق و شوق کے ساتھ ملنے کا شروع ہو جائے گی۔ لیکن اگر قلب میں اس طرح صفت سلامتی پیدا نہیں ہوئی اور وہ بدستور خواہشات نفسانی کا گرفتار رہا تو اس کا اثر انسان کے ظاہری اعضاء میں بھی نمودار ہوئے بغیر نہیں رہے گا کیونکہ انسانی اعضاء میں قلب کی مثال ایسی ہے جیسی فوج میں ایک بادشاہ کی جس طرح فوج کی صلاح و فساد کا مدار بادشاہ کے صلاح و فساد پر ہوتا ہے اسی طرح اعضاء ظاہری کی صلاح و فساد کا مدار قلب کی صلاح و فساد پر ہوتا ہے۔ یہی اصل اہتمام کے قابل نکتہ صلاح قلب ہے اسی لئے مسند امام احمد میں حضرت انسؓ مرفوعاً روایت کرتے ہیں: لا يستقيم ايمان عبد حتى يستقيم قلبه "کسی بندہ کا ایمان اس وقت تک درست نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کا قلب درست نہ ہو جائے۔ یہاں استقامت ایمان میں اعمال کی استقامت بھی داخل ہے اسی حقیقت کے پیش نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو یہ دعا تعلیم فرمائی ہے۔ اللهم اني اسألك قلبا سليما اے اللہ میں تجھ سے ایک قلب مانگتا ہوں جو سلیم ہو آیت ذیل میں بھی اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے یوم لا ينفع مال ولا بنون الا من اتى الله بقلب سليم۔

یہ صفت انبیاء علیہم السلام کو کسب و مجاہدہ کے بغیر بطور موہبت ہی اس کمال کے ساتھ عطا کر دی جاتی ہے کہ وہ شرک و کفر کی خوفناک سے خوفناک بیماریوں سے بھی اس طرح پاک و صاف گذر جاتے ہیں کہ ان کے دامن اعتقاد پر شک و شبہات کا ایک کانٹا بھی نہیں چبھتا۔

عالم کے سب سے بڑے مصلح یعنی حضرت خلیل نے جب دنیا میں قدم رکھا تو اپنے چاروں طرف بت پرستی اور کواکب پرستی کا ماحول دیکھا مگر قدرت نے ان کو ایسا سلیم قلب مرحمت فرمایا تھا کہ کبھی ان کی نظروں میں ان کو ستاروں کی چمک دمک اور چاند کی رعنائی ایک منظر کا فریب نظر آئی اور ان تمام معبودان باطل سے انہوں نے یک آواز اپنے ان الفاظ میں بیزاری کا اعلان کر دیا: اني وجهت وجهي للذي فطر السموات والارض حنيفا وما انا من المشركين۔ ان کی اسی فطری سلامتی قلب کو حسب ذیل آیت میں ذکر کیا گیا ہے۔ اذ جاء ربه بقلب سليم۔

خلاصہ یہ ہے کہ اعمال ظاہری کی سلامتی کا راز قلب کی سلامتی میں مضمر ہے۔ اگر قلب امور مذکورہ کی گرفتاری سے نجات حاصل کر چکا ہے تو یقیناً وہ مشتبہات کی طرف قدم اٹھانے سے بھی اتنا ہی دور ہو جائے گا جس سے انسانی محرمات شرعیہ کے ارتکاب میں بھی بے حس و حرکت بن جائیں گے ورنہ مشتبہات کیا مرتبہ حرمت تک کے ارتکاب سے بھی کوئی امر مانع نہ ہوگا۔

اَلَاوَاِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى اَلَاوَاِنَّ حِمَى اللّٰهِ مَحَارِمُهٗ اَلَاوَاِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ اَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ (رواہ البخاری ومسلم)

جانور اس کے اندر بھی جا پڑیں۔ خوب سن لو کہ ہر بادشاہ کا ایک خاص جنگل ریزرو اور مخصوص ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ریزرو کردہ جنگل اس کے محرمات ہیں۔ خوب سن لو کہ انسان کے جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے کہ اگر وہ سنور گیا تو سارا جسم سنور جاتا ہے اور اگر وہ بگڑ گیا تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے وہ گوشت کا لوتھڑا انسان کا دل ہے۔ (متفق علیہ)

اس ذیل میں چند امور بھی قابل تنبیہ ہیں

(۱) تحقیق دلائل کی روشنی میں مشتبہات کے بارے میں دو قسم کے انسان ہو جاتے ہیں۔ ایک ان کا حکم جاننے والے دوسرے نہ جاننے والے۔ مگر نہ جاننے والوں کی دو صورتیں ہیں یا تو ان کو کسی طرف کا کوئی علم معلوم نہیں یا اگر کسی جانب کا کوئی حکم معلوم ہے تو وہ خلاف واقعہ ہے ظاہر ہے کہ اس حدیث کا روئے سخن نہ جاننے والوں ہی کی طرف ہے۔

(۲) قرآن و حدیث نے اگرچہ بہت کچھ حلال یا حرام اشیاء کو صاف صاف بیان کر دیا ہے لیکن پھر بھی بیان و ترتیب کے لحاظ سے ان میں مراتب کا تفاوت ضرور ہے مثلاً بعض حلال و حرام تو ایسے ہیں جو خواص و عوام تک بتواتر پہنچ چکے ہیں ان میں کوئی اشتباہ پیش نہیں آتا اور کچھ ایسے ہیں جو اس شہرت کے ساتھ نہیں پہنچ سکے اسی حصہ میں علماء کے خلاف یا دلائل کے تعارض سے بہت کچھ شبہات ہیں مثلاً گوشت کا کھانا یا نبیذ پینا جس کا زیادہ حصہ نشہ آور ہو جائے یہاں قطعیت کے ساتھ کسی جانب بھی حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ تو اس صورت کی شان یہی ہے جہاں صحیح علم نہ ہونے کی وجہ سے شبہ پیدا ہو گیا ہے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ علم حاصل ہونے کے باوجود بھی اشتباہ ہو جاتا ہے مثلاً جہاں پانی کی طہارت میں تعارض واقع ہو جائے ... تو یہ دیکھا جائے کہ اصل اشیاء میں طہارت ہے تو اس کے برتن پاک ہونے چاہئیں اور انسان کے استعمال کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہونا چاہئے اور اگر اس کے غیر محتاط ہونے کی طرف نظر کی جائے تو شبہ ہوتا ہے کہ وہ ناپاک ہونے چاہئیں اور بالکل ان کو استعمال نہ کرنا چاہئے اسی قسم کے مقامات پر حدیث مذکور یہ ہدایت پیش کرتی ہے کہ یہ سب مشتبہات ہیں ان سے اجتناب کرنا ہی دینی پختگی کی علامت ہے۔

(۳) ہر چند کہ مشتبہات کے ترک کرنے کا حکم اسی کے حق میں ہے جس کے حق میں اشتباہ موجود ہو لیکن وہ شخص جس کے حق میں کوئی اشتباہ نہ ہو اگر اپنی دینی آبرو کے تحفظ کی خاطر محل شبہ ترک کر دے تو یہ بھی قلب و دین کی صفت سے مطلوب ہے۔

ایک مرتبہ آپ اعتکاف میں تھے آپ کی زوجہ مطہرہ حضرت صفیہ آپ کی زیارت کیلئے تشریف لائیں واپسی میں ان کو رخصت کرنے کے لئے آپ بھی چند قدم ان کے ہمراہ تشریف لائے۔ اتفاقاً بعض صحابہ ادھر سے گزرے تو آپ نے ان کو ٹھہرایا اور فرمایا یہ میری زوجہ صفیہ ہیں۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ بھلا آپ کے متعلق بھی کوئی بدگمانی ہو سکتی ہے

(باقی بر صفحہ آئندہ)

اطمینان النفس بالبر وترددها بالاثم

(۳۱۵) عَنِ النَّوَّاسِ بْنِ سَمْعَانَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ وَالْاِثْمُ مَا حَاكَ فِيْ نَفْسِكَ وَكَرِهْتَ اَنْ يَّطَّلِعَ عَلَيْهِ النَّاسُ۔ (رواہ مسلم)

نیک بات پر دل کا مطمئن ہو جانا اور گناہ میں خلش کا باقی رہنا

(۳۱۵) نواس بن سمعان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ نیکی صرف اچھے اخلاق کا نام ہے اور گناہ کی علامت یہ ہے کہ وہ بات تمہارے دل میں کھٹکتی رہے اور تمہیں یہ پسند نہ ہو کہ لوگوں کو اس کی خبر ہو۔ (مسلم)

(بقیہ از صفحہ گذشتہ) آپ نے فرمایا درست ہے مگر شیطان انسان کی رگ و پے میں اس طرح دوڑتا پھرتا ہے جس طرح خون رگوں میں۔ میں نے اس کی وسوسہ اندازی کے خطرے سے پیش بندی کی ہے۔
ظاہر ہے کہ اس واقعہ میں اشتباہ کا کوئی محل ہی نہ تھا لیکن جو بات کسی غلط فہمی کے بنا پر بھی شبہ کا موجب بن سکتی تھی اس کو بھی آپ نے صاف کر دیا۔ نبی کا یہ بھی ایک بڑا کمال ہوتا ہے کہ عصمت کے بلند سے بلند مقام پر متمکن ہونے کے باوجود وہ اپنے نفس کو شرعی احکام میں عوام کی صف میں برابر رکھتا ہے۔
شریعت میں مشتبہات سے بچنا تو ایک عام بات ہے لیکن نبی کا معاملہ اس بارے میں اور زیادہ نازک ہوتا ہے اگر اس کی طرف سے کسی کے قلب میں کوئی وسوسہ گذر جائے تو اس شخص کے ایمان ہی کا خاتمہ سمجھنا ہے اس لئے نبی کی یہ بہت کوشش ہوتی ہے کہ اس کی طرف سے کسی کے قلب میں کوئی وسوسہ نہ گذرنے پائے۔
مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت انس مسجد کی نماز کے لئے تشریف لے گئے دیکھا تو لوگ نماز سے فارغ ہو کر اپنے گھروں کو رخصت ہو چکے تھے اس لئے انہوں نے ایک گوشہ میں نظروں سے بچ کر چپکے سے اپنی نماز ادا فرمائی۔ اور کہا جو شخص خدا تعالیٰ سے شرم نہیں کرتا وہ اس کی مخلوق سے بھی شرم نہیں کرتا۔ (مجمع الزوائد)
اس واقعہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ فرائض و واجبات میں کسی اتفاقی کوتاہی کو منظر عام پر لانا کمال کی بات نہیں شرم کی بات ہے۔

بہرحال بعض معمولی معاملات میں اگرچہ ریا یا شبہ کا کوئی محل نہ تھا اس کے باوجود صرف عوام کی غلط فہمی اور اس پر ان کے طعن و تشنیع کے خطرے سے بچنے کی خاطر احتیاط کی گئی۔ معلوم ہوا کہ کسی غلط فہمی کے ازالہ کی رعایت سے مشتبہات کو ترک کر دینا کمال مستحسن امر ہے۔

الترك لما فيه ريب والاختيار لما لا ريب فيه

(٥١٦) عن أبي محمد الحسن بن علي بن أبي طالب سبط رسول الله صلى الله عليه وسلم وريحانته قال حفظت من رسول الله صلى الله عليه وسلم دع ما يريبك الى ما لا يريبك (رواه النسائي والترمذي وقال حسن صحيح قال ابن رجب وقد روي هذا الكلام موقوفا على جماعة من الصحابة منهم عمر وابن عمر وابو الدرداء رضي الله تعالى عنهم)

ترك ما لا بأس به حذرا لما به بأس

(٥١٧) عن عبد الله بن يزيد عن النبي صلى الله عليه وسلم قال لا يبلغ العبد

جس جانب میں تردد ہو اسے چھوڑ دینا اور جس میں تردد نہ ہو اسے اختیار کر لینا

(٥١٦) حضرت حسنؓ روایت فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات محفوظ ہے کہ آپ نے فرمایا جو بات شک میں ڈالنے والی ہے چھوڑ کر وہ بات اختیار کرو جس میں تمہیں کوئی شک نہ ہو (ترمذی)

حرام میں مبتلا ہو جانے کے خوف سے بعض حلال کو بھی ترک کر دینا

(٥١٧) عبد اللہ بن یزید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کوئی بندہ متقین کے بلند مقام کو نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ ناجائز میں مبتلا ہونے کے

(٥١٧) ابو الدرداءؓ فرماتے ہیں کہ پورا تقویٰ یہ ہے کہ بندہ بعض حلال چیزوں کو بھی ترک کر دے اس خوف سے کہ کہیں وہ حرام نہ ہو تاکہ حرام اور حلال کے درمیان ایک پردہ حائل رہ جائے۔

حسن بصری فرماتے ہیں میں پسند کرتا ہوں کہ میرے اور حرام کے درمیان ایک حجاب قائم رکھوں اور اسے چاک نہ کروں۔

میمون بن مہران فرماتے ہیں کہ آدمی حرمت حلال پر اس وقت تک نہیں رک سکتا جب تک کہ حلال کے ایک حصہ کو اپنے اور حرام کے درمیان حائل نہ بنالے۔ سفیان بن عیینہ کا مقولہ بھی اسی کے قریب ہے۔

حافظ ابن رجب حنبلی نے یہاں ایک نہایت اہم تنقیح کی طرف توجہ دلائی ہے جس کی اصل عبارت مع ترجمہ کے ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

وههنا أمر ينبغي التفطن له وهو ان التدقيق في التوقف عن الشبهات	یہاں ایک بات سمجھنی ضروری ہے اور وہ یہ کہ شبہات کے بارے میں یہ باریکیاں نکالنا اسی شخص کیلئے مناسب ہے

(۵۴۰) عَنْ اِبْنِ عُمَرَ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ خَطَبَ النَّاسَ بِالْجَابِيَةِ فَقَالَ قَامَ فِيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَقَامِيْ فِيْكُمْ فَقَالَ اِسْتَوْصُوْا بِاَصْحَابِيْ خَيْرًا ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ يَفْشُوا الْكَذِبُ حَتّٰى اِنَّ الرَّجُلَ لَيَبْدَأُ بِالشَّهَادَةِ قَبْلَ اَنْ يُسْأَلَهَا وَبِالْيَمِيْنِ قَبْلَ اَنْ يُسْأَلَهَا فَمَنْ اَرَادَ مِنْكُمْ بُحْبُوْحَةَ الْجَنَّةِ فَلْيَلْزَمِ الْجَمَاعَةَ فَاِنَّ الشَّيْطَانَ مَعَ الْوَاحِدِ وَهُوَ مِنَ الْاِثْنَيْنِ اَبْعَدُ وَلَا يَخْلُوَنَّ اَحَدُكُمْ بِامْرَأَةٍ فَاِنَّ الشَّيْطَانَ ثَالِثُهُمَا وَمَنْ سَرَّتْهُ حَسَنَتُهُ وَسَاءَتْهُ سَيِّئَتُهُ فَهُوَ مُؤْمِنٌ ۔ (اخرجه الطحاوی فی مشکل الآثار وعند النسائی نحوه)

(۵۴۰) ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے مقام جابیہ میں ایک تقریر کے دوران میں فرمایا کہ جس طرح اس وقت میں تمہارے سامنے تقریر کے لئے کھڑا ہوا ہوں اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہمارے سامنے تقریر کرنے کے لئے کھڑے ہوئے اور آپ نے فرمایا میرے صحابہ کے ساتھ ہمیشہ اچھا سلوک کرنا اور ان لوگوں کے ساتھ جو ان کے متصل آئیں گے یعنی طبقہ تابعین پھر جو لوگ ان کے متصل آئیں گے یعنی طبقہ تبع تابعین اس کے بعد ایسا زمانہ آئے گا کہ کھلم کھلا جھوٹ رائج ہو جائیگا اور نوبت یہاں تک آجائے گی کہ طلب کرنے سے پہلے آدمی شہادت دینے کے لئے تیار ہوگا اور قسم کی درخواست سے پہلے قسم کھانے کے لئے آمادہ ہوگا ۔ پس تم میں جو شخص بھی جنت کا درمیانی اور سب سے بہتر طبقہ حاصل کرنا چاہے اُسے اپنی جماعت کے ساتھ لگا رہنا چاہیے کیونکہ شیطان ہمیشہ اکیلے ہی شخص کا ساتھی ہوتا ہے اور جہاں دو ہوئے وہ ان سے دور ہوا ۔ تم میں کسی شخص کو کسی غیر محرم عورت کے ساتھ تنہا نہ رہنا چاہیے کیونکہ شیطان (آکر) ان میں تیسرا بن جاتا ہے (اور دونوں کے دلوں میں برائی کے وسوسے ڈالتا ہے) اور جس شخص کو اپنی نیکی اچھی لگے اور برائی بری لگے وہ شخص بلاشبہ پکا مومن ہے ۔ (مشکل الآثار)

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ) مگر جب جانگی تعبیر جو اس حدیث کی اصل روح ہے وہ اب بھی اپنی جگہ پر موجود ہے ۔ حدیثوں کا طرز خطاب اپنے احول کے لحاظ سے ہوتا ہے وہاں کی اصل تعبیر نہ ہونی ہے ۔ لوگ اس طرز خطاب کو بھی آگے زمانہ میں سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور جب نہیں سمجھ سکتے تو صرف ان کا ادبا کرتے ہیں اور بالآخر حدیث کی اصل روح سے بھی دستبردار ہو بیٹھتے ہیں ۔

شرح الصدر

(۵۲۳) عن ابن مسعود قال تلا رسول الله صلى الله عليه وسلم فمن يرد الله أن يهديه يشرح صدره للإسلام فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم إن النور إذا دخل الصدر انفسح فقيل يا رسول الله هل لذلك من علم يعرف به قال نعم التجافي من دار الغرور والإنابة إلى دار الخلود والاستعداد للموت قبل نزوله۔ (شعب الإيمان)

(۵۲۴) عن أبي هريرة وأبي خلاد أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال إذا

احکام اسلامیہ کے لئے قلب میں کشادگی پیدا ہو جانا

(۵۲۳) ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے یہ آیت تلاوت فرمائی من یرد اللہ ان یہدیہ (جس کے متعلق اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ کرتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے) پھر اس کی تفسیر زبانی کر کے فرمایا کہ جب نور مسلمان کے سینہ میں داخل ہو جاتا ہے تو وہ پھیلنا شروع ہو جاتا ہے۔ آپ سے پوچھا گیا یا رسول اللہ اس کی کوئی علامت بھی ہے جس سے یہ بات معلوم ہو سکے۔ فرمایا ہے۔ دنیا سے (جو دھوکے کی ٹٹی ہے) بیزاری۔ آخرت کی طرف (جو دائمی اور ہمیشہ ہمیشہ رہنے کی جگہ ہے) توجہ۔ اور موت کے لئے اس کی آمد سے قبل تیاری۔ (شعب الایمان)

(۵۲۴) ابوہریرہؓ اور ابو خلادؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم دیکھو

(۵۲۳) دنیا اور آخرت دو متضاد متضاد حیثیت میں ہیں۔ دوسری حدیث میں ان کو دو سوکنوں سے تشبیہ دی گئی ہے ان رضیت احداہما سخطت الاخریٰ کہ اگر ان میں ایک خوش ہو تو دوسری اس سے ناراض ہو جاتی ہے۔ اس لئے ایک کی طرف میلان کے لئے دوسری سے کشیدگی اختیار کرنی پڑتی ہے۔ اس لئے دارالغرور سے بیزاری اور انابۃ الی الخلود حقیقت ایک ہی حقیقت کے دو عنوان ہیں اور اس کے لئے موت کی تیاری کرنا لازم ہے۔ یہ تینوں علامات عقائد اور علوم نہیں کیفیات قلبی ہیں جیسا اوپر بیان کر دیا گیا ہے کہ جب علم کے میدان جب طے ہو جاتے ہیں تو کیفیات کے میدان شروع ہو جاتے ہیں۔ یہ ذوقی حقائق کی نظروں میں بانسانی ترقیات کی علامات ہیں اور یہیں سے صبغۃ اللہ ومن احسن من اللہ صبغۃ کی صحیح تفسیر کا انکشاف ہو کر شرح صدر ہو جاتا ہے۔

ایں تماشا نیست مقصود نشاں گر با رسید و پیم تو شاید بری

(۵۲۴) علماء نے حکمت کی تفسیر میں مختلف اقوال لکھ کر دیئے ہیں۔ آپ اس حدیث کے ساتھ آیۂ قرآنی ولقد آتینا لقمان الحکمۃ کو پڑھئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ حکمت وہ گہری گہری اور دل کی باتیں ہیں جو دل کے طفیل میں

(۵۲۶) عن سلمان قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول من غدا الى الصلوٰة الصبح غدا براية الايمان ومن غدا الى السوق غدا براية ابليس۔ (رواه ابن ماجه)

المحافظة على الطهارة

(۵۲۷) عن ثوبان قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم استقيموا ولن تحصوا واعلموا ان خير اعمالكم الصلوٰة ولا يحافظ على الوضوء الا مؤمن (رواه مالك واحمد وابن ماجه والدارمى)

(۵۲۶) سلمانؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ خود سنا ہے آپ فرماتے تھے جو شخص صبح صبح فجر کی نماز کو گیا وہ (گویا) ایمان کا جھنڈا لے کر گیا اور جو نماز کی بجائے بازار گیا وہ (گویا) ابلیس کا جھنڈا لیکر گیا۔ (ابن ماجہ)

طہارت کی نگہداشت

(۵۲۷) ثوبانؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم راستہ پر جمے رہو گو اس کا حق ادا نہیں کر سکو گے۔ اور خوب سمجھ لو کہ تمہارے دین میں سب سے افضل عمل نماز ہے اور وضو کی نگرانی بجز مومن کامل کے اور کوئی شخص نہیں کر سکتا۔ (مالک۔ احمد۔ ابن ماجہ۔ دارمی)

(۵۲۶) عرب میں جھنڈا حکومت کا آدمی ہونے کی خاص علامت سمجھی جاتی تھی اب جس شخص نے صبح ہوتے ہی خدا کا فرض نماز ادا کر لی تو اس کے ہاتھ میں ایمان کی سب سے بڑی علامت آگئی اور اس نے اس کا بین ثبوت پیش کر دیا کہ وہ ایمان کی حکومت میں رہنے والا شخص ہے اس کے برخلاف جس نے نماز ترک کر دی اس نے اس کا ثبوت دے دیا کہ وہ شیطان کے لشکر کا آدمی ہے ہر صبح جب آفتاب نکلتا ہے تو خدا کی مخلوق میں یہ عجیب تفرقہ دیکھا جاتا ہے ؎

نقاب چہرہ سے خورشید جب اٹھاتا ہے — کوئی حرم کو کوئی بتکدہ کو جاتا ہے
جو دل سے پوچھتا ہوں تو کدھر کو جاتا ہے — تو میرے آنکھوں میں آنسو چھلک آتا ہے
کل الصبح چو مردم بکار و بار روند — بلاکشان محبت بکوئے یار روند

(۵۲۷) نماز مسلمان کے اسلام کی سب سے بڑی علامت ہے اور منافق کے نفاق کی سب سے بڑی پہچان۔ اسی لئے نفاق کا سب سے کھلا ہوا معیار نماز ہی کو قرار دیا گیا ہے جیسا کہ نفاق کے باب میں آئندہ آئیگا۔ یہی مناسبت ہے کہ یہاں مومن کی ایک علامت اس کا وضو میں قرار دی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ جتنا جو شخص نماز کا پختہ ہوگا اتنا ہی وہ وضو کی نگہداشت میں بھی پختہ ہوگا۔ استقامت کا حکم تمام شریعت پر حاوی ہے اعمال میں جب نماز سب سے بہتر عمل ٹھہری تو اس کے آداب کی رعایت میں استقامت بھی سب سے اہم ہوگی۔ (باقی حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

الفرار من الفتن

(۵۲۸) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُوْشِکُ اَنْ یَّکُوْنَ خَیْرَ مَالِ الْمُسْلِمِ غَنَمٌ یَّتْبَعُ بِہَا شَعَفَ الْجِبَالِ وَمَوَاقِعَ الْقَطْرِ یَفِرُّ بِدِیْنِہٖ مِنَ الْفِتَنِ۔ (متفق علیہ)

(۵۲۹) عَنِ الْمِقْدَادِ بْنِ الْاَسْوَدِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ السَّعِیْدَ لَمَنْ جُنِّبَ الْفِتَنَ اِنَّ السَّعِیْدَ لَمَنْ جُنِّبَ الْفِتَنَ اِنَّ السَّعِیْدَ لَمَنْ جُنِّبَ الْفِتَنَ وَلَمَنِ ابْتُلِیَ فَصَبَرَ فَوَاہًا۔ (رواہ ابوداؤد)

دین کی حفاظت کی خاطر فتنوں سے بچتے پھرنا

(۵۲۸) ابوسعید روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ زمانہ قریب ہے جبکہ مسلمان کے لیے سب سے بہتر مال چند بکریاں ہوں گی جنھیں لے کر وہ اپنے دین کو فتنوں سے بچانے کے لیے پہاڑوں کی چوٹیوں اور جنگلوں میں بھاگ جائے گا۔ (متفق علیہ)

(۵۲۹) مقداد بن اسود روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ جو فتنوں سے محفوظ رہا وہ بڑا خوش نصیب ہے (تین بار فرمایا) اور جو شخص ان میں پھنس گیا پھر اس نے ان پر صبر کیا اس کے تو کیا ہی کہنے۔ (ابوداؤد)

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ) نمازوں کی استقامت کا جتنی حضور کی محافظت میں ہو سکتی ہے ظاہر ہے اس لیے یہ کام تو کسی کامل ہی مومن کا ہو سکتا ہے یاد رہے کہ وضو کی تجدید اشت کا حکم صرف نماز کے وقت پر منحصر نہیں بلکہ عام حالات میں بھی باوضو رہنا مطلوب اور ایمان کی علامت ہے۔ یہ خاص نماز کے وقت کا وضو ہو تو نماز کی شرط ہی ہے آپ کسی غلط فہمی کی بنا پر اس عام حکم کو کہیں صرف نمازوں کے اوقات ہی میں منحصر نہ سمجھ لیں۔

(۵۲۹) فتنوں کی ذات میں خود بڑی کشش ہوتی ہے۔ بے دین تو کبھی بے پاؤں کو دیکھ کر ان کی طرف کھنچے چلے جاتے ہیں اور جو دیندار ہیں وہ ان میں شرکت کے لیے مجبور ہو جاتے ہیں۔ ان کی مثال ان متعدی امراض کی سی ہوتی ہے جو فضاء عالم میں دفعۃً پھیل جائیں اس فضاء میں رہ جانا گو کہ صحت کی قوت کی علامت نہیں بلکہ اس سے لاپرواہی کی بات ہے۔ عافیت اسی میں ہوتی ہے کہ اس فضا ہی سے نکل جائے۔ اس حقیقت پر امام بخاری نے ایک مستقل باب منعقد کیا ہے اس کے بعد اگر گذشتہ فتنوں کی تاریخ پر نظر ڈالو گے تو اکثر سلف صالح کا یہی طرز عمل نظر آئے گا۔ جب کبھی ان کے دور میں فتنوں نے سر نکالا اگر وہ ان کو مٹا نہیں سکے تو ان میں گھسنے کی بجائے ہمیشہ ان سے کنارہ کش ہو گئے۔ اگر امت اس ایک حدیث کو سمجھ لیتی تو کبھی فتنے زدہ نہ بنتی اور اگر یہ دین داری ہی جدا ہو بھی جائے تو کم از کم دینداروں کا دین قرآن کی ضرب تو سے محفوظ رہ جاتا۔ (باقی حاشیہ برصفحہ آئندہ)

صفات المومن

الحزم والاحتياط

(٥٣٠) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ وَاحِدٍ مَرَّتَيْنِ. (اخرجه احمد والشيخان وابوداؤد وابن ماجه)

مومن کی صفات

احتیاط اور ہوشیاری

(٥٣٠) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایماندار آدمی ایک سوراخ سے دو بار ڈسا نہیں جاتا۔ (احمد، بخاری، مسلم وغیرہما)

(بقیہ از صفحہ گذشتہ) مگر جب اس حدیث کی رعایت نہ رہی تو بے دینی سے فتنوں کو بیداری اور بیجا تعطل نے اصلاح کی خاطر ان میں شرکت کی پھر ان کی اصلاح کرنے کی بجائے خود ایمان بھی کھو بیٹھے۔ واللہ المستعان۔ امت میں سب سے بڑا فتنہ دجال کا ہے اس کے بارے میں خاص طور پر تاکید کی گئی ہے کہ کوئی شخص اس کو دیکھنے کے لئے نہ جائے کہ اس کے چہرے کی فراست بھی مومن کے ایمان پر اثر انداز ہوگی۔

یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ جہاد باللسان اور بالسنان دونوں اس امت کے فرائض میں سے ہیں مگر یہاں وہ زمانہ مراد ہے جبکہ خود مسلمانوں میں انتشار پیدا ہو جائے، حق و باطل کی تمیز باقی نہ رہے اور اصلاح کا قدم اٹھانا مزید فساد کا باعث بن جائے چنانچہ جب حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے صحابہ کے اندرونی مشاجرات میں جنگ کی شرکت کے لئے کہا گیا اور ان کے سامنے آیت وقاتلوهم حتى لا تكون فتنة۔ کا فرمان ہے اس وقت تک جنگ کرتے رہو جب تک کہ فتنہ نہ رہے۔ تو انہوں نے فرمایا فتنوں کے فرو کرنے کے لئے جو جنگ تھی وہ تو ہم کر چکے اب تمہاری اس جنگ کا آغاز کیا ہے جس سے مزید فتنے پیدا ہوں گے۔ اپنی اور ملی وحدانی (?) طاقت کا اندازہ کئے بغیر فتنوں سے نبرد آزمائی کرنا صرف ایک جذبہ ہے اور فتنوں کو کچلنے کے لئے پہلے سامان پیدا کرنا عقل اور شریعت کا حکم ہے۔ جذبات جب انجام بینی سے یکسر خالی ہوں تو ناکامی کا پیش خیمہ ہوتے ہیں۔ اسی طرح جب عقل جذبات سے کوری ہو جاتی ہے تو وہ بھی صرف ماتمی فلسفہ میں منحصر ہو کر رہ جاتی ہے کامیابی کا راز دونوں کے ساتھ ہونے میں پنہاں ہے۔

(٥٣١) امام احمد نقل فرماتے ہیں کہ ابوعزہ جمحی شاعر جب جنگ بدر میں قید ہو کر آیا تو آپ کے سامنے اپنی تنگدستی اور اپنی بچیوں کا رونا رونے لگا آپ نے ترس کھا کر فدیہ لئے بغیر اس کو رہا فرما دیا لیکن جب یہ گھر واپس چلا گیا تو پھر آپ کی ہجو کرنے لگا۔ تقدیر الٰہی کہ جنگ احد میں پھر یہ قید ہو کر آیا اور آپ کے سامنے پھر رحم کی درخواست پیش کرنے لگا۔ اس مرتبہ آپ نے اس کی کوئی پروا نہ کی اور فرمایا کہ تو واپس جا کر یہ سمجھے گا کہ میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق بنا رکھا ہے۔ (باقی حاشیہ بصفحہ آئندہ)

والمنافق خب لئيم. رواه الحاكم في المستدرك وأحمد وأبو داود والترمذي. قال المناوي اسناده جيد. وفي الموضوعات الكبير للقاري قال الصغاني موضوع من الاحاديث المصابيح ولم يصب فقد رواه احمد عن ابي هريرة مرفوعا ولفظه الفاجر بدل المنافق.

اور شریف الطبع ہوتا ہے، اور منافق دھوکے باز اور رذیل طبیعت ہوتا ہے۔ (مستدرک)

باتوں کے لئے نابینا اور گونگا بنا ہے (مرقاة ...)

۳۔ امام ابن قتیبہ لکھتے ہیں: وجاء في الحديث "أكثر أهل الجنة البله" يريد الذين سلمت صدورهم فنا عن ... وغلبت عليهم الغفلة ..... وقال معاذ بن جبل عن رسول الله صلى الله عليه وسلم إن الله يحب الأخفياء الأتقياء الأبرياء الذين إذا غابوا لم يفتقدوا وإذا حضروا لم يعرفوا. (تاویل مختلف الحدیث ص ۳۴۲) یعنی جنت میں وہ لوگ مراد ہیں جو کہ بھلے لوگوں کی طرف سے صاف ہوں اور مخلوق کی عیب جوئی کی عادت سے دور رہنے والے ہوں گو کہ عقل تیز نہ ہو ..... انہی لوگوں کی شان میں معاذ بن جبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایسے بندوں کو پسند فرماتا ہے جو گمنام ہیں پرہیزگار اور لوگوں کے حقوق سے بری ہیں اگر مجلس میں نظر نہ آئیں تو ان کی تلاش نہ ہو اور اگر موجود ہوں تو انہیں کوئی شناخت نہ کرے کہ یہ کون صاحب ہیں۔

اسی مضمون کو صاحب مجمع البحار نے اسی طرح کے الفاظ میں بیان کیا ہے۔

۴۔ امام طحاوی نقل فرماتے ہیں: وقيل المراد بالبله عن محارم الله هو الذي لا يخطر ذلك المحارم على قلبه لاشتغاله بعبادة الله وقد روي عن رجل من أهل العلم أنه قال هذا أهل التشاغل بالطاعات وهو تأويل حسن (المعتصر ج ۲ ص ۲۳۸) وہ شخص ہے جس کے قلب میں عبادت الٰہی میں مشغول رہنے کی وجہ سے خدا تعالیٰ کے محارم کا خطرہ بھی نہیں گزرتا۔

۵۔ صاحب مجمع البحار فرماتے ہیں: هو الغافل عن الشر المطبوع على الخير وقيل من غلبت عليهم سلامة الصدور وحسن الظن بالناس لأنهم أغفلوا أمر دنياهم فجهلوا حذق التصرف فيها وأقبلوا على آخرتهم فشغلوا بها وهو من لا عقل له فغير مراد (مجمع البحار ج ۱ ص ۲۱۶) یہاں ابلہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو صاف سینہ ہوتے ہیں اور لوگوں کی طرف ہمیشہ نیک ہی گمان رکھتے ہیں کیونکہ آخرت کی طرف ہمہ تن متوجہ رہنے کی وجہ سے وہ دنیا کے اتار چڑھاؤ سے ناواقف ہو جاتے ہیں۔ نہ یہ کہ صاحب فہم نہیں ہوتے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً روایت ہے المؤمن لين تخال من اللين أحمق (کنز العمال ...) ایماندار نرم خو ہوتا ہے مگر تم اس کی نرم مزاجی کی وجہ سے اس کو احمق تصور کرتے ہو۔

صاحب مقاصد حضرت انسؓ سے مرفوعاً نقل فرماتے ہیں: المؤمن كيس فطن حذر وقاف لا يعجل (المقاصد الحسنة) ایماندار آدمی ہوشیار سمجھدار انجام بین اور سوچ سمجھ کر کام کرنے والا ہوتا ہے جلد بازی نہیں کیا کرتا۔

خلاصہ کلام یہ کہ حدیث اگرچہ بلحاظ سند ضعیف ہے مگر حضرت ابو ہریرہ کے مذکورہ بالا حدیث کی تشریح کرنے کے لئے کافی ہیں۔

(۵۳۳) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَاٰی عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ رَجُلًا یَسْرِقُ فَقَالَ لَہٗ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ سَرَقْتَ قَالَ کَلَّا وَالَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ فَقَالَ عِیْسٰی اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ وَکَذَّبْتُ عَیْنِیْ۔ (رواہ مسلم)

(۵۳۳) ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک شخص کو چوری کرتے ہوئے اپنی آنکھ سے دیکھا تو اس سے فرمایا ارے تو نے چوری کی ہے؟ بولا اس ذات کی قسم جس کے سوا معبود کوئی نہیں میں نے ہرگز چوری نہیں کی۔ (اس کی اس بیہودہ دلیری کے بعد) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اچھا۔ بس میں اللہ پر ایمان لایا اور اپنی آنکھ کی تکذیب کرتا ہوں۔ (مسلم شریف)

(۵۳۳) معلوم نہیں کہ خدا کے اس اولوالعزم رسول کے قلب میں عظمت الٰہی کا کیا عالم ہوگا جس کے سامنے اس کا عظمت نام آ جانے کے بعد کسی انسان کے متعلق یہ تصور ہی نہیں آ سکتا کہ وہ اس کا واسطہ دے کر بھی جھوٹ بول سکتا ہے اس لئے وہ مجبور ہو کر اپنی آنکھوں کے بدیہی مشاہدہ کی تکذیب پر آمادہ ہو جاتا ہے۔
ایک حدیث میں آتا ہے کہ جب تمہارا غلام سزا کے وقت اللہ کے نام کا واسطہ دے تو فوراً اپنا ہاتھ روک لو اہل دل خدا تعالیٰ کے نام ایک کی عظمت ان کو مقتضی ہے کہ جب کہیں اس کا واسطہ آ جائے تو فوراً اپنے حق سے دست بردار ہو جانا چاہئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی اتنی بات کی قسم سن کر اس چور کے ساتھ ذلت کے بجائے یہ سمجھ کر اس کو اپنا پختہ عظمت کا سمجھا دیں کہ اس ذات کا نام لے کر جھوٹ بولنا انسان کا کام نہیں۔ وقتی حالات اور انتظامی معاملات میں فرق کرنا چاہئے۔ ایک وقت یہ اخلاق قابل تعریف ہوتا ہے اور بعض حالات ایسے بھی ہوتے ہیں کہ مخاطب کی قسم پر کھود کرید بھی کرنی پڑ جاتی ہے یہ باب اللہ کی بارگاہ میں بھی ہے کہیں مغفرت و ناز کا قابل بخش دیا جاتا ہے اور کہیں ایک بلی کو بھوکا رکھنے والا دوزخ میں ڈال دیا جاتا ہے۔ ہمارا یہاں مقصد یہ ہے کہ خدائی عظمت کے استحضار کی وجہ سے کسی مسلمان میں کسی کے پیچھے نہ پڑنے کی جو ایک صفت ہوتی ہے وہ انبیاء کے اخلاق فاضلہ کا ایک اثر ہے حاصل یہ صفت ان کی بھلی ہے۔ پھر سنت میں ان کی اتباع سے تھوڑی بہت نصیب منتقل ہو جاتی ہے۔ ناواقف دین کی ہر بات کو اپنے اندازہ فکر کے مطابق سمجھتا ہے پھر اس کا مذاق اڑانے لگتا ہے۔ مثل مشہور ہے النَّاسُ اَعْدَاءُ مَا جَھِلُوْا۔ لوگ جس بات کو نہیں جانتے اس کے دشمن بن جاتے ہیں۔

المؤمن لا ینجس

(۵۳۴) عن ابی ھریرۃ قال لقینی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانا جنب فاخذ بیدی فمشیت معہ حتی قعد فانسللت فاتیت الرحل فاغتسلت ثم جئت وھو قاعد فقال این کنت یا ابا ھریرۃ فقلت لہ فقال سبحان اللہ ان المؤمن لا ینجس (رواہ البخاری)

(۵۳۵) عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تنجسوا موتاکم فان المسلم لیس بنجس حیا ولا میتا۔ (رواہ الدارقطنی)

مومن نجس نہیں ہوتا مشرک نجس ہوتا ہے

(۵۳۴) ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ (راستہ میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میری ملاقات ہو گئی اس وقت میں جنابت کی حالت میں تھا آپ نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا میں آپ کے ساتھ ساتھ چلتا رہا یہاں تک کہ جب آپ آکر بیٹھ گئے تو میں اس وقت (وہاں سے) کھسک گیا اپنے گھر آیا اور غسل کیا پھر غسل کر کے آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا آپ اس وقت تک بیٹھے ہوئے تھے. آپ نے پوچھا ابوہریرہ کہاں گئے تھے میں نے اصل ماجرا عرض کر دیا آپ نے ازراہ تعجب سبحان اللہ کہا اور فرمایا مومن کہیں ایسا ناپاک ہوتا ہے (بخاری)

(۵۳۵) ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے مردوں کو ناپاک مت سمجھو کیونکہ مسلمان کی شان یہ ہے کہ وہ نہ زندگی میں ناپاک سمجھا جاتا ہے اور نہ مرنے کے بعد۔ (دارقطنی)

(۵۳۴) ابوہریرہؓ نے اپنی حسن فطرت سے جتنی بات بھی وہ قابل داد تھی یعنی بحالت جنابت آپ کی مقدس مجلس میں حاضری نامناسب ہے مگر خاتم الانبیاء علیہم السلام کو صحابہ سے بڑھ کر عقائد کی رعایت مقدم تھی. قرآن میں مشرک کو نجس فرمایا گیا تھا جس کے معنی یہ تھے کہ مومن اس قسم کا نجس نہیں اس کی ناپاکی عارضی ہوتی ہے اور مشرک کی ناپاکی نجاست کی طرح ذاتی ہوتی ہے اس لئے آپ نے مومن کی اس خصوصی شان کو واضح فرما دیا گویا قرآنی نظر میں مومن مشرک میں ایسا فرق ہے جیسا نجاست و غیر نجاست میں. نجاست جنابت سے دبنا ممکن ہے جیسے مومن ناپاک ہو کر بھی نشست و برخاست کے قابل رہتا ہے اور مشرک پاک و صاف ہو کر بھی اس قابل نہیں ہوتا اگر صحابہ کے حسن ادب پر خصوصی انبیاء (فرمانے) تو یہ اہم نکتہ مخفی رہ جاتا۔

(۵۳۵) اس حدیث میں بھی مومن کی اسی خصوصیت کا اظہار کیا گیا ہے شہید کو شریعت نے طہارت کا ایک ارفع مقام دیا ہے وہ یہ کہ اس کا خون بھی ناپاک نہیں ہوتا اس لئے اس کو غسل بھی نہیں دیا جاتا۔

الهون واللين والتألف

(۵۳۶) عن مكحول قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم المؤمنون هينون لينون كالجمل الأنف إن قيد انقاد وإن أنيخ على صخرة استناخ (رواه الترمذي مرسلا)

(۵۳۷) عن عبد الله بن مسعود قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ألا أخبركم بمن يحرم على النار وبمن تحرم النار عليه على كل هين لين قريب سهل. (رواه أحمد والترمذي وقال هذا حديث حسن غريب۔

(۵۳۸) عن أبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال إن المؤمن مألف ولا خير فيمن لا يألف ولا يؤلف. (رواه أحمد والبيهقي في شعب الإيمان والحاكم في المستدرك وقال على شرطهما ولا أعرف له علة وقال الذهبي فيه انقطاع ونص في المقاصد بأن ابن حازم هو المدني لا الأشجعي وهو لم يلق أبا هريرة فلا تنبه وذكره السيوطي في الجامع الصغير وعليه علامة الصحة۔

نرم مزاجی اور ہر دلعزیزی

(۵۳۶) مکحول روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو لوگ ایمان والے ہیں وہ بہت کہنا ماننے والے اور نہایت نرم خو ہوتے ہیں جیسے نکیل پڑا اونٹ جدھر اس کو کھینچا جائے چلا جائے اور اگر اس کو کسی پتھر پر بٹھا دیا جائے تو وہیں بیٹھ جائے۔ (ترمذی شریف)

(۵۳۷) عبد اللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کیا میں تمہیں وہ لوگ نہ بتا دوں جو آتش دوزخ پر حرام ہیں اور آتش دوزخ ان پر حرام ہے، وہ لوگ ہیں جو نہایت خوش خو اور نرم خو سہولت پسند اور با اخلاق ہیں۔ (احمد، ترمذی)

(۵۳۸) ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن آدمی تو سراپا محبت ہے جو شخص کسی سے الفت نہ رکھتا ہو نہ اس سے کوئی الفت رکھے اس میں تو بھلائی کی بو بھی نہیں۔ (احمد، حاکم، بیہقی)

---

(۵۳۶) امام احمدؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے "الاسلام ذلول لا یرکب الا ذلولا" اسلام کا مزاج خود نرم ہے اور وہ اسی کے قلب میں اچھی طرح سرایت کرتا ہے جو نرم خو ہوتا ہے۔ اس کی اسناد میں ایک راوی پر ضعف ہے مگر اس کو ثقہ بھی کہا گیا ہے۔ قرآن میں جا بجا اسی مخصوص صفت کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔ وعباد الرحمن الذين يمشون على الأرض هونا وإذا خاطبهم الجاهلون قالوا سلاما۔ رحمن کے خاص بندے تو وہی ہیں جو زمین پر خاکساری کے ساتھ چلتے ہیں اور جب جاہل ان سے [illegible] اس کے قریب المعنی حضرت ابن مسعودؓ سے بھی روایت کی ہے اور فرمایا ہے کہ اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔

(۵۳۹) عن حارثة بن وهب قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ألا أخبركم بأهل الجنة كل ضعيف متضعف لو أقسم على الله لأبره ألا أخبركم بأهل النار كل عتل جواظ مستكبر (متفق عليه)

(۵۴۰) عن أبي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم تعس عبد الدينار وعبد الدرهم وعبد الخميصة إن أعطي رضي وإن لم يعط سخط تعس وانتكس وإذا شيك فلا انتقش طوبى لعبد آخذ بعنان فرسه في سبيل الله أشعث رأسه مغبرة قدماه إن كان في الحراسة كان في الحراسة وإن كان في الساقة

---

(۵۳۹) حارثہ بن وہب روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں یہ نہ بتادوں کہ جنتی لوگ کون ہیں۔ ہر وہ شخص جو اپنی نظر میں اور لوگوں کی نظروں میں کمزور اور بے سہارا ہو۔ اگر وہ کسی معاملہ میں اللہ تعالیٰ پر قسم کھا بیٹھے تو اللہ تعالیٰ اس کی قسم کو ضرور پورا کرے گا۔ (اس کے بعد فرمایا) اور کیا میں تمہیں نہ بتادوں کہ دوزخی کون ہیں۔ وہ لوگ ہیں جو سرکش، تندمزاج اور مغرور ہوں۔ (متفق علیہ)

(۵۴۰) ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص ہلاک ہو جو دینار کا بندہ، درہم کا بندہ اور کملی کا بندہ ہو (اس کی حالت یہ ہو) کہ اگر اس کو کچھ دیا جائے تو خوش ہو جائے اور اگر نہ دیا جائے تو روٹھ جائے ایسا آدمی بہت خدا کرے ہلاک اور ذلیل ہو اور اگر اس کے کوئی کانٹا چبھ جائے تو نہ نکلے۔ وہ بندہ مبارک ہے جو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں اپنے گھوڑے کی باگیں سنبھالے ہر وقت (خدمت دین کے لئے) تیار رہے۔ اس کے سر کے بال پراگندہ اور پیر غبار آلودہ ہیں (اس کی نرم خوئی اور للہیت کا یہ عالم ہے) کہ اگر اسے آگے دستہ میں محافظ کی حیثیت سے جگہ دی جائے تو

---

(۵۳۹) ان احادیث سے واضح ہو گیا کہ مسلمان کی نرم مزاجی سے مراد کیا ہے۔ اس کے بعد حضرت عمر فاروقؓ کی شدت طبع کو ان سے کوئی تعارض نہیں رہتا وہ شدید الطبع ہو کر بھی اتنے نرم تھے کہ ایک عام سے عام شخص بھی برسر منبر ان کو ٹوک دیتا۔ اور وہ خوشی سے اس کو جواب دیدیتے۔ بہرحال مومن کا وجود مظہر عالم قدرت کی صنعتوں کا وہ عجیب تر مجموعہ ہوتا ہے جس میں بیک وقت خلوت و جلوت، سادگی و تفہیم، زینت و بداوت، فصاحت و کم سخنی کی تمام متضاد صفتیں جمع نظر آتی ہیں۔ اس تضاد کے جمع کی صورت گزشتہ احادیث کے ضمن میں اپنی اپنی جگہ ملاحظہ سے گزر چکی ہے۔

سلامۃ الصدر

(۵۴۳) عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قِيْلَ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ اَيُّ النَّاسِ اَفْضَلُ قَالَ كُلُّ مَخْمُوْمِ الْقَلْبِ صَدُوْقِ اللِّسَانِ قَالُوْا صَدُوْقُ اللِّسَانِ نَعْرِفُہٗ فَمَا مَخْمُوْمُ الْقَلْبِ قَالَ هُوَ التَّقِيُّ النَّقِيُّ لَا اِثْمَ عَلَيْہِ وَلَا بَغْيَ وَلَا غِلَّ وَلَا حَسَدَ (رواہ ابن ماجہ والبیہقی فی شعب الایمان)

(۵۴۴) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ لَا يُبَلِّغُنِيْ اَحَدٌ مِّنْ اَصْحَابِيْ عَنْ اَحَدٍ شَيْئًا فَاِنِّيْ اُحِبُّ اَنْ اَخْرُجَ اِلَيْكُمْ وَاَنَا سَلِيْمُ الصَّدْرِ (رواہ ابو داؤد)

صاف سینہ ہونا

(۵۴۳) عبداللہ بن عمرو بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا لوگوں میں کون شخص سب سے بہتر ہے آپ نے فرمایا ہر وہ شخص جو مخموم القلب اور زبان کا سچا ہو۔ صحابہ نے عرض کیا، صدوق اللسان (زبان کا سچا) شخص تو ہم سمجھ گئے مخموم القلب ہماری سمجھ میں نہیں آیا اس کی تشریح آپ فرما دیں۔ فرمایا یہ وہ دل کا صاف اور ستھرا انسان ہے جس پر نہ گناہوں کا بوجھ ہو نہ ظلم تعدی کا اور نہ اس کے دل میں کسی کا کینہ ہو اور نہ حسد۔ (ابن ماجہ۔ شعب الایمان)

(۵۴۴) ابن مسعودؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تاکید فرمائی کہ میرے صحابہ میں سے مجھ سے کوئی شخص کسی کی کوئی بات نہ پہنچایا کرے کیونکہ میرا دل چاہتا ہے کہ جب میں تمہارے پاس آؤں تو میرا دل تم سب کی طرف سے صاف ہو۔ (ابوداؤد)

(۵۴۵) نبی کا اپنی سلامتی صدر صرف اپنے ہی فائدہ کے لئے نہیں ہوتا بلکہ پوری امت کے فائدے کے لئے بھی چاہتا ہے کیونکہ اس کے قلب مبارک میں اگر کسی امتی کی طرف سے کوئی ادنیٰ خلش بھی پڑ جائے تو وہ بھی اس امتی کے لئے ایک آفت عظیم کا موجب ہو سکتی ہے اعوذ من غضب اللہ وغضب رسولہ۔ غضب رسول غضب باری ہوتا ہے۔ حدیث میں یہ فرمایا ہے من عادی لی ولیا فقد آذنتہ بالحرب۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نبی کا قلب مبارک بھی بشری جذبات سے متاثر ہوتا ہے اور بار بار غلط خبروں سے متاثر بھی ہو سکتا ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کے لئے یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ اس کو ہر وقت ہر چیز کا علم حاصل ہو وہ روزمرہ کے معاملات سے بھی بے خبر رہ سکتا ہے اور اگر وہ غلط طور پر اس کے پاس پہنچ جائیں تو ان کا اثر بھی لے سکتا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ سلامتی صدر کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ غیر ضروری باتیں کسی کے متعلق نہ سنی جائیں۔ باقی جو باتیں نظم امور کے متعلق ہیں ان کا باب ہی علیحدہ ہے۔

تمام المؤمن لاهل الایمان

(۵۳۵) عن النعمان بن بشیرؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تری المؤمنین فی تراحمہم وتوادہم وتعاطفہم کمثل الجسد اذا اشتکی عضوا تداعی لہ سائر الجسد بالسہر والحمٰی۔ (متفق علیہ)

(۵۳۶) وعنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المؤمنون کرجل واحد ان اشتکی عینہ اشتکی کلہ وان اشتکی راسہ اشتکی کلہ۔ (رواہ مسلم)

(۵۳۷) عن ابی موسیٰ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال المؤمن للمؤمن کالبنیان یشد بعضہ بعضا ثم شبک بین اصابعہ۔ (متفق علیہ)

(۵۳۸) عن سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال

مسلمانوں کی تکلیف کا اپنی تکلیف کی برابر احساس کرنا

(۵۳۵) نعمان بن بشیرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایماندار وں کو باہم رحمدلی باہم محبت اور ایک دوسرے کی تکلیف کے احساس کے بارے میں تم ایسا دیکھو گے جیسا ایک قالب ایک عضو بیمار پڑ جائے تو سارا جسم بخار میں مبتلا ہو جاتا اور بیداری کیلئے تیار ہو جاتا ہے۔ (متفق علیہ)

(۵۳۶) نعمان بن بشیرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام مومن شخص واحد کی طرح ہیں اگر اس کی آنکھ دکھتی ہے تو اس کا تمام جسم بیمار پڑ جاتا ہے اگر اس کا سر دکھتا ہے تو بھی اس کا تمام جسم بیمار پڑ جاتا ہے۔ (مسلم)

(۵۳۷) ابوموسیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک مومن دوسرے مومن کے حق میں ایک عمارت کی طرح ہونا چاہئے اور ایک دوسرے کے لئے اس طرح مضبوطی اور قوت کا باعث ہونا چاہئے جیسا مکان کی ایک اینٹ دوسری اینٹ کے لئے۔ اس کے بعد آپ نے اپنے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈالدیں۔ (اور اس کا نقشہ دکھانے کے لئے فرمایا کہ اس طرح)۔ (متفق علیہ)

(۵۳۸) سہل بن سعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ مومنوں کی جماعت میں ایماندار آدمی کی شان ایسی ہونی چاہئے جیسے کہ سارے جسم میں سر کا۔ جیسا سر درد کی وجہ سے تمام جسم تکلیف میں

اَلْمُؤْمِنُ مِنْ اَهْلِ الْاِيْمَانِ بِمَنْزِلَةِ الرَّأْسِ مِنَ الْجَسَدِ يَأْلَمُ الْمُؤْمِنُ لِاَهْلِ الْاِيْمَانِ كَمَا يَأْلَمُ الْجَسَدُ لِمَا فِي الرَّأْسِ (رواہ احمد)

(۲۴۹) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَيْسَ الْمُؤْمِنُ

مبتلا ہو جاتا ہے اسی طرح ایماندار آدمی کو بھی اور مومنوں کی تکلیف سے تکلیف ہوتی ہے۔ (احمد)

(۲۴۹) ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے وہ بھی کیا

(۲۴۹) یعنی ہمدردی کا سب سے بڑا اور سب سے بڑا مظاہرہ یہ ہے کہ ایک انسان خود تو پیٹ بھرتا رہے اور اس کے پاس ہی اس کا پڑوسی بھوکا پڑا رہے۔ اسلام اس حسن اخلاق کی تعلیم دیتا ہے کہ اگر اپنے بھائی کا پیٹ نہیں بھر سکتا تو اس کو چاہئے کہ اپنا پیٹ کاٹ کر اس کی بھوک میں اس کا حصہ دار بن جائے۔ دیوار کی حقیقت بھی یہی ہے کہ اس کی اینٹیں باہم ایک دوسرے کے باعث استحکام ہوتی ہیں۔ یہ محبت کا وجہ بنانے میں بھی برابر کی شریک رہتی ہیں۔ مسلمانوں کو بھی چاہئے کہ وہ باہمی لوٹ ملی بھی اسی طرح باہم تقسیم کر لیا کریں اگر وہ ایسا کر لیں تو ان کا منتشر شیرازہ دنیا کے سامنے ایک متحد طاقت کی طرح بن جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایمان وحدت و اجتماع کی دعوت دیتا ہے اور کفر تحزب و تشتت کی۔ یہی وجہ ہے قرآن کریم نے جب صحابہ کے دور کفر کا نقشہ کھینچا تو اس کا جو پہلو سب سے نمایاں فرمایا وہ ان کی باہمی عداوت و تحزب تھا۔ پھر اسلام کے بعد جس نعمت کا سب سے نمایاں احسان جتایا وہ ان کی باہمی وحدت اور محبت و اخوت تھی ایسی وحدت و اخوت کہ اگر یہاں ان کے قالبوں کے درمیان مشرق و مغرب کا فاصلہ بھی ہوتا مگر پھر بھی وہ ایک دوسرے کی تکلیف کے احساس میں ایسے شریک ہوتے کہ مشرق کے ایک مسلمان کے پیر کے کانٹے کی چبھن مغرب کا ہر مسلمان اپنے دل میں محسوس کرتا۔ ان کا رشتۂ محبت و اخوت صرف الفاظ اور محض ایک رنگ آمیزی نہیں بلکہ ان کے احساسات کی صحیح ترجمانی ہے۔

وَاذْكُرُوْا اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا۔

یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تمہارے درمیان ایسی محبت پیدا کر دی کہ محض اس کی مہربانی کی بدولت تم ایک دوسرے کے بھائی بن گئے۔

دوسری جگہ کفار کے ظاہری اتحاد و اتفاق کی حقیقت اس طرح واشگاف فرمادی۔

تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى۔ تم ان کو متحد خیال کرتے ہو مگر ان کے دل سب پراگندہ ہیں۔

اس کے حساب آپ ہی لگا لیجئے کہ اگر حقیقت واحد قلوب میں یہ اخوت ایمانی موجود ہو تو اس میں محبت و وحدت کیوں نہیں بلکہ اس کے برعکس کفار کے تفرق و تشتت کا نقشہ کیوں ہے۔ اللھم الف بین قلوبنا واصلح ذات بیننا۔ یاد رکھئے کہ آپ کا ایمان جتنا کامل اور مستحکم ہوتا چلا جائے گا اتنا ہی آپ کا اتحاد اور ترقی و تعمیر بھی مستحکم ہوتی چلی جائیگی اور جتنا اس میں نقصان پیدا ہوتا رہے گا اسی قدر آپ کے اتحاد اور ترقی و تعمیر میں ضعف پیدا ہوتا رہے گا۔ آپ نقصان ایمان کے ساتھ اتحاد پر ہزار عمل کریں وہ صرف آپ کے قالب کا اتحاد ہوگا قلب کا نہیں اور اگر آپ کے قلوب رشتۂ ایمانی کی بدولت وحدت کا رنگ اختیار کر چکے ہیں تو قالب کے انتشار سے معلوم ہوا کہ یہ صرف آپ کے جسموں کا

الحمد والشکر لله عز وجل فی الاحوال کلها

(٥٥٦) عن سعد بن أبي وقاص قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم عجب للمؤمن إن أصابه خير حمد الله وشكر وإن أصابته مصيبة حمد الله وصبر فالمؤمن يؤجر في كل أمره حتى في اللقمة يرفعها إلى في امرأته۔
(رواه البيهقي في شعب الإيمان)

(٥٥٧) عن صهيب قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم عجبا لأمر المؤمن إن أمره كله له خير وليس ذلك لأحد إلا للمؤمن إن أصابته سراء شكر فكان خيرا له وإن أصابته ضراء صبر فكان خيرا له۔ (رواه مسلم)

ہر حالت میں خدا تعالیٰ کا شکرگذار رہنا

(٥٥٦) سعد بن ابی وقاصؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کا حال بھی قابل تعجب ہے اگر اس کو کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتا ہے اور اس کا شکر ادا کرتا ہے اور اگر اس کو مصیبت پیش آجاتی ہے تو بھی اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتا اور اس پر صبر کرتا ہے خلاصہ یہ کہ مومن کو ہر حال میں ثواب ملتا ہے حتی کہ اس لقمہ میں بھی جو وہ اٹھا کر اپنی بیوی کے منہ میں ڈالتا ہے۔ (شعب الایمان)

(٥٥٧) صہیبؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کا ہر معاملہ تعجب خیز اور حیرت انگیز ہے۔ مسرت کی بات ہو یا غم کی اس کے حق میں سب بہتری ہی بہتری ہوتی ہے، یہ مومن کے سوا کسی اور کو نصیب نہیں۔ اگر اس کو کوئی خوشی کی بات پیش آجائے تو وہ شکر کرتا ہے، یہ بھی اس کے لئے بہتر ہوتی ہے اور اگر کوئی تکلیف پیش آجائے تو صبر کر لیتا ہے یہ بھی اس کے حق میں بہتر ہوتی ہے۔ (مسلم شریف)

(٥٥٦) فراخی و تنگی اور صحت و مرض کے ہر حال میں اسی صبر و شکر کی بدولت اس امت کا لقب حمادون مشہور ہو گیا ہے۔ کیونکہ جس امت کا رسول احمد و محمد ہوں (صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی و امی) اس کی امت کا لقب حمادون ہی ہونا چاہیئے۔ وہ افراد کتنے خوش نصیب ہیں جو اس لقب کے ساتھ دنیا میں عمر گذاریں اور راحت و مصیبت میں حمد و شکر ادا کریں۔

رقۃ القلب

(۵۵۸) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَاءَ أَهْلُ الْيَمَنِ هُمْ أَرَقُّ أَفْئِدَةً الْإِيمَانُ يَمَانٍ وَالْفِقْهُ يَمَانٍ وَالْحِكْمَةُ يَمَانِيَةٌ (رواہ مسلم)

نرم دلی

(۵۵۸) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اہل یمن آگئے یہ لوگ بہت رقیق القلب ہوتے ہیں ایمان اور دین کی سمجھ اور حکمت تو یمن ہی کا حصہ ہے۔ (مسلم شریف)

(۵۵۸) صحیح بخاری میں اس حدیث کو ذرا مزید تفصیل کے ساتھ روایت کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ قبیلہ بنو تمیم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا اے بنو تمیم تم کو بشارت ہو ان بدقسمتوں نے اس کو مال کی بشارت سمجھا صرف یہ کہا تو ہمیں کچھ دلوائیے یہ آپ کو ان کی یہ بات ذرا بھی پسند نہ ہوئی اتنی دیر میں یمن کی ایک جماعت آگئی آپ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا اگر بنو تمیم نے تو بشارت قبول نہ کی تم لوگ اسے قبول کرو انھوں نے کہا یا رسول اللہ ہم تو بسر و چشم قبول کی اس کے بعد عرض کیا جئنا لنتفقہ فی الدین ہم اس لئے حاضر ہوئے ہیں کہ اپنے دین کے کچھ مسائل سیکھیں۔ ہم اس واقعہ سے صاف اندازہ ہو سکتا ہے کہ ان کے قلب میں دین اور احکام دین کے قبول کرنے کی کتنی صلاحیت تھی جو بشارت انھیں سنائی گئی اس کو کسی بحث اور کسی تفتیش کے بغیر فوراً قبول کر لیا اور اپنے آنے کا جو اصل مقصد آپ کے سامنے رکھا وہ بھی ایک فقہ (دین کی سمجھ) ہی کی طلب تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے اس طرح بے جھجک اپنی حاجت پیش کرنے پر بہت سے بہت متاثر ہوئے اور ان کی اس صلاحیت اور خوش استعدادی کو دیکھ کر فرمایا کہ ایمان اور فقہ اور حکمت تو حقیقت میں ان لوگوں کا حصہ ہے اور اسی کو یہاں رقت قلب سے تعبیر کیا گیا ہے اس کے بالمقابل بھی قساوت قلب ہے وہ جو نصیحت کے نفوذ کرنے کی اس میں کوئی صلاحیت نہ ہو بلکہ وہ اس خشک پتھر کی طرح ہو جس سے پانی کی ایک بوند بھی نہیں ٹپکتی۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً وَإِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْأَنْهَارُ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاءُ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ۔

پھر اس کے بعد تمہارے دل ایسے سخت ہو گئے گویا وہ پتھر ہیں یا ان سے بھی سخت تر اور پتھروں میں تو بعضے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ان سے نہریں نکلتی ہیں اور بعض پھٹ جاتے ہیں پھٹ جاتے ہیں پھر ان سے پانی نکل آتا ہے اور بعض پتھر ایسے بھی ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے خوف سے گر پڑتے ہیں۔

آیت بالا میں قلوب کی قساوت اور اس کے مختلف مدارج کو ایک بلیغ تشبیہ میں ادا کیا گیا ہے کہ قلب کی قساوت یہ ہے کہ اس میں اثر پذیری اور تاثر کی کوئی صلاحیت نہ رہے، دین کی فہم کے لئے اس میں کوئی حرکت نہ ہو وہ خشیت الٰہی سے بالکل خالی ہو جائے۔ یہی وہ بعض قلوب ہیں جن سے ہدایت کے چشمے تو کہاں بہتے ان کو کوئی تعلق ہی اس سے نہیں ٹپکتا گویا یہ بھی جو سخت سے سخت پتھروں سے بھی بڑھ کر ہیں کہ پتھروں میں تو پھر بھی کچھ آثار (زندگی) کچھ حرکت تو نظر آتی ہے۔

([illegible])

نزاهة اللسان

(۵۵۹) عن ابن مسعود قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ليس المؤمن بالطعان ولا باللعان ولا الفاحش ولا البذي. رواه الترمذي والبيهقي في شعب الايمان وفي اخرى له ولا الفاحش البذي وقال الترمذي هذا حديث غريب وفي له ايضا لا ينبغي للمؤمن ان يكون لعانا۔

(۵۶۰) عن ابي هريرة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لا ينبغي لصديق ان يكون لعانا۔ (رواه مسلم)

(۵۶۱) عن عائشة قالت مر النبي صلى الله عليه وسلم بابي بكر وهو يلعن بعض رقيقه فالتفت اليه فقال لعانين وصديقين كلا ورب الكعبة فاعتق ابو بكر يومئذ بعض رقيقه ثم جاء الى النبي صلى الله عليه وسلم فقال لا اعود۔ (رواه البيهقي في شعب الايمان)

پاکیزہ زبان ہونا

(۵۵۹) ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ ہر وقت طعن کرتا رہے اور نہ یہ کہ فحش کلامی اور بدزبانی کرتا رہے۔ (ترمذی، بیہقی)

(۵۶۰) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صدیق ہو کر یہ بات اس کی شایان شان نہیں کہ ہر وقت لعنت برسایا کرے۔ (مسلم)

(۵۶۱) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکرؓ کے پاس سے گزرے وہ اتفاقاً اپنے کسی غلام کے متعلق لعنت کا لفظ استعمال فرما رہے تھے آپ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا رب کعبہ کی قسم یہ ہرگز نہیں ہوگا کہ جو لوگ لعنتیں برسائیں وہ صدیق بھی شمار ہوں۔ اس واقعہ کے بعد ابوبکرؓ نے اس غلام کو آزاد کر دیا اور آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اب آئندہ ایسا قصور نہیں ہوگا۔ (بیہقی)

(بقیہ از صفحہ گذشتہ) اس کے برخلاف مومن کے قلب میں رقت رحمی کی صفت ہوتی ہے یہ صفت صرف اس کے قلب تک محدود نہیں رہتی بلکہ اس کے اعضاء و جوارح تک بھی سرایت کر جاتی ہے۔ وہ نرم خو، نرم مزاج، خیر پسند طبیعت، صاحب محبت و مروت اور ہر کس و ناکس کی بات سننے اور ماننے والا ہوتا ہے حتیٰ کہ مسلمانوں کے لئے بہت رحمت اور کفار کے مقابلہ میں بھی بجز شدت طبع [illegible] ہے۔ یہی صفت کو متعدد احادیث میں انکساری و حلم [illegible] سے ذکر کیا گیا ہے اور نیچے کی حدیث میں بھی اسی کے اسی رقت رحمی کے اثرات کا ذکر ہے۔

(۵۶۲) عن أبي الدرداء قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول إن اللعانين لا يكونون شهداء ولا شفعاء يوم القيامة۔ (رواه مسلم)

(۵۶۲) ابو الدرداء روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ بہت لعنت برسانے والوں کو نہ شہادت کا حق دیا جائے گا نہ شفاعت کا۔ (مسلم)

(۵۶۲) لعنت لغت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور کرنے کو کہتے ہیں۔ جو شخص دنیا میں دوسروں کو خدا تعالیٰ کی رحمت سے دور کرنے کا عادی ہو قیامت میں اسے شفاعت اور شہادت کا بھلا کیا حق ہو سکتا ہے۔ شفاعت لعنت کے برعکس اللہ تعالیٰ کی رحمت کے طلب کا نام ہے۔ دنیا میں قانون شہادت یہ ہے کہ مقدمہ میں گواہ وہ ہو سکتا ہے جو اس کا دشمن نہ ہو۔ پھر دنیا میں جو شخص خدا تعالیٰ کی رحمت سے دور کر کے اپنی دشمنی کا ثبوت دے چکا ہے وہ آخرت میں کب کسی کا گواہ بن سکتا ہے۔

نبی کے بعد صدیق کی شفاعت کا درجہ ہے اور اس کے بعد شہداء و صالحین کی شفاعت کا۔ صاحب نبوت نے سمجھایا کہ آخرت میں جس امت کو شفاعت اور شہادت دونوں کا منصب عطا ہوا ہو جب اس کے لئے بالعموم لعنت کا استعمال کرنا ناموزوں ہے تو پھر ان میں جو صدیق کہلاتے ہیں ان کے لئے تو کتنا کچھ ناموزوں ہوگا۔ صدیق اکبر نے اس نکتہ کو خوب سمجھ لیا تھا اسی لئے اس فعل کی ہر ممکن طریقہ پر تلافی کرنے کی کوشش کی۔ اس ضمن میں آپ کو باہم اسباب افتراق ختم کرنے کا بھی ایک بڑا سبق دیا گیا ہے۔ فرق یہ ہے کہ دنیا ان ظاہری معذرتوں کو اہمیت دیتی ہے اور شریعت آخرت کی معذرتوں کو۔ اس لئے شریعت اپنی نظر حقیقت میں کے مطابق ان اسباب و اثرات کا ذکر کرتی رہتی ہے اور ظاہر بین ان آثار ظاہری کے درپے رہتا ہے اور اسی کو فلسفہ سے تعبیر کرتا رہتا ہے۔ بس ایک ظاہر پرست کے نزدیک اگر اجتماع انسان کا فلسفہ صرف وحدت اتحاد اور دنیا کی اسباب نافرت کا ترک کرنا ہے، اور حدیث کی نظر میں یہ سب محض اور معلی نفع نقصان ہیں۔ ان کو سمجھنے کے لئے انسان کی عقل خود بھی کافی ہے جو اصل اور دائمی نقصان ہے اور ہماری اور آپ کی عقل سے بالاتر ہے۔ وہ امت کی امتیازی خصوصیت یعنی شفاعت سے محرومی ہے۔ حدیث اس کا انکار نہیں کرتی تم اس کا انکار مت کرو بلکہ اس حقیقت کو حاصل کرنے کی کوشش کرو جس کے پا جانے کے بعد تمہارا بنایا ہوا فلسفہ ـــــ بلا تعب و مشقت خود بخود حاصل ہو جائے گا۔

الصدق ووفاء العهد واداء الامانة

(۵۶۳) عن ابی امامة قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یطبع المؤمن علی الخلال کلہا الا الخیانة والکذب۔ رواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان عن سعد بن ابی وقاص

(۵۶۴) عن صفوان بن سلیم انہ قیل لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایکون المؤمن جبانا قال نعم فقیل لہ ایکون المؤمن بخیلا قال نعم فقیل لہ ایکون المؤمن کذابا قال لا۔ رواہ مالک والبیہقی فی شعب الایمان مرسلا

راست گو، امانت دار اور وفا شعار رہنا

(۵۶۳) ابو امامہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کی فطرت میں تمام عادتیں ہو سکتی ہیں مگر خیانت اور جھوٹ کی عادت نہیں ہو سکتی۔ (احمد، بیہقی)

(۵۶۴) صفوان بن سلیم روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کیا مومن بزدل ہو سکتا ہے فرمایا ہاں۔ پھر پوچھا گیا کیا بخیل ہو سکتا ہے فرمایا ہاں۔ پھر پوچھا گیا اچھا کیا اول نمبر کا جھوٹا بھی ہو سکتا ہے۔ فرمایا نہیں۔ (مالک، شعب الایمان)

(۵۶۳) واضح رہے کہ اتفاقیہ خیانت اور اتفاقیہ جھوٹ مومن سے بھی سرزد ہو سکتا ہے لیکن وہ اس کا عادی نہیں ہو سکتا۔ اگر اس میں یہ عادت پیدا ہو گئی ہے تو اس کو یقین کر لینا چاہئے کہ اب اس میں نفاق کے جراثیم داخل ہونے لگے ہیں اور اس کا ایمان زخمی ہو چکا ہے۔ باقی خیانت تو وہ تو امانت و ایمان کی ضد ہے یہ صفات ضدیں کبھی ایک جگہ اکٹھی نہیں ہو سکتیں۔ عارضی اثرات سے سب کچھ ممکن ہے۔ یہاں حدیث خلقت کی نفی کر رہی ہے۔

(۵۶۴) حدیث کی مراد یہ ہے کہ بزدلی اور شجاعت فطرت کی ایک تقسیم ہے جیسا سخاوت و بخل اسی طرح بزدلی اور بخل اگرچہ مذموم صفات ہیں مگر یہ غیر اختیاری ہیں اس لئے اگر ایک مومن میں پیدائشی طور پر حقوق اسلام ادا کرنے کے بعد اس میں سخاوت کا مضمون نہ ہو تو وہ مواخذے سے بری ہو سکتا ہے لیکن خیانت اور جھوٹ کی عادتیں غیر اختیاری صفات نہیں۔ ایمان امانت سے مشتق ہے جو خیانت کی ضد ہے اس لئے ایمان اور خیانت جمع نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح دروغ گوئی کی عادت نفاق کا شعبہ ہے ایمان یک رنگی کا طالب ہے اس لئے دو رنگی ایمان و اسلام کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی۔ اس لئے مومن نہ خیانت کا عادی ہو سکتا ہے نہ دروغ گوئی کا۔

(۵۶۵) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَلَّمَا خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا قَالَ لَا إِيْمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ وَلَا دِيْنَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهُ. (رواه البيهقي في شعب الإيمان)

(۵۶۶) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جَرَادٍ قَالَ قَالَ أَبُو الدَّرْدَاءِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلْ يَكْذِبُ الْمُؤْمِنُ قَالَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ مَنْ إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ. (الجامع الكبير)

(۵۶۷) عَنْ مَالِكٍ قَالَ بَلَغَنِيْ أَنَّهُ قِيْلَ لِلُقْمَانَ الْحَكِيْمِ مَا بَلَغَ بِكَ مَا نَرٰى يُرِيْدُوْنَ الْفَضْلَ قَالَ صِدْقُ الْحَدِيْثِ وَأَدَاءُ الْأَمَانَةِ وَتَرْكُ مَا لَا يَعْنِيْنِيْ. (رواه في الموطا)

(۵۶۸) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ كُنْتُ أَكْتُبُ كُلَّ شَيْءٍ أَسْمَعُهُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُرِيْدُ حِفْظَهُ فَنَهَتْنِيْ قُرَيْشٌ وَقَالُوْا أَتَكْتُبُ كُلَّ شَيْءٍ تَسْمَعُهُ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

---

(۵۶۵) انسؓ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی خطبہ ایسا کم دیا ہوگا جس میں یہ نہ فرمایا ہو کہ جس شخص میں امانت نہیں اس کا ایمان بھی کچھ نہیں اور جس میں وفائے عہد نہیں اس کا دین بھی کچھ نہیں۔ (شعب الایمان)

(۵۶۶) عبداللہ بن جراد روایت کرتے ہیں کہ ابوالدرداءؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا مومن جھوٹ بولتا ہے آپ نے ارشاد فرمایا جس شخص کی عادت یہ ہو کہ جب بات کرے تو جھوٹ ہی بولے وہ نہ تو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے اور نہ آخرت کے دن پر۔ (جامع کبیر)

(۵۶۷) امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ لقمان حکیم سے پوچھا گیا فرمائیے کہ یہ رتبہ بلند آپ کو کیسے نصیب ہوا انھوں نے جواب دیا، راست گوئی، ادائے امانت۔ اور بیکار باتوں سے کنارہ کشی کی بدولت۔ (موطا)

(۵۶۸) عبداللہ بن عمروؓ روایت کرتے ہیں کہ جو کچھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتا وہ سب کچھ لکھ لیا کرتا تھا اس سے میرا مقصد آپ کے کلمات کی حفاظت کرنی تھی قریش نے مجھے اس بات

---

(۵۶۶) : اس حدیث میں اس امر کی وضاحت ہو گئی کہ پہلی حدیثوں میں کذب سے مراد اتفاقاً جھوٹ بولنا نہیں بلکہ اس کا عادی ہونا مراد ہے اسی لیے صحیح حدیثوں میں جھوٹ کی عادت نفاق کی ایک خصلت قرار دی گئی ہے۔

(۵۶۷) لایعنی اور بیکار باتوں کی شرح حدیث من حسن اسلام المرء ترکہ ما لا یعنیہ کے ضمن میں مفصل گذر چکی ہے۔ ترجمان السنۃ جلد اول میں ملاحظہ کرلی جائے۔

(۵۶۸) انبیاء علیہم السلام کا کلام صرف سچا ہی نہیں ہوتا بلکہ جو کچھ بولتے ہیں وہ حق ہی ہوتا ہے سبحان اللہ وہ ذہن مبارک بھی کتنا مقدس ذہن ہوگا جس میں مزاح اور غصہ کے جذباتی حالات میں بھی غلط نطق کی صلاحیت ہی نہ تھی

الجنۃ۔ قال یا رسول اللہ وما عمل النار قال الکذب اذا کذب العبد فجر واذا فجر کفر واذا کفر دخل یعنی النار۔ (رواہ احمد)

(۵۷۱) عن عبد اللہ بن مسعود قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علیکم بالصدق فان الصدق یھدی الی البر وان البر یھدی الی الجنۃ وما یزال الرجل یصدق ویتحری الصدق حتی یکتب عند اللہ صدیقا وایاکم والکذب فان الکذب یھدی الی الفجور وان الفجور یھدی الی النار وما یزال الرجل یکذب ویتحری الکذب حتی یکتب عند اللہ کذابا۔ (متفق علیہ)

ہو جاتا ہے اور جب ایماندار بن جاتا ہے تو جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ پھر اس نے پوچھا اچھا دوزخ کا عمل کیا ہے؟ فرمایا جھوٹ بولنا۔ جب بندہ جھوٹ بولتا ہے تو صدود شریعت سے تجاوز کرنے لگتا ہے اور جب تجاوز کرنے لگتا ہے تو کفر میں گرفتار ہو جاتا ہے اور جب کفر میں گرفتار ہو جاتا ہے تو دوزخ میں داخل ہو جاتا ہے۔ (احمد)

(۵۷۱) عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا راست گوئی کی عادت اختیار کرو کیونکہ راست گوئی سے نیکی کرنے کی توفیق نصیب ہوتی ہے اور نیکی انسان کو جنت تک پہنچا دیتی ہے۔ آدمی سچ بولتا رہتا ہے اور تلاش کر کے سچ بولتا رہتا ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کا لقب صدیق پڑ جاتا ہے اور دیکھو جھوٹ سے بچو کیونکہ جھوٹ فسق میں مبتلا کر دیتا ہے اور فسق دوزخ میں پہنچا کر چھوڑتا ہے۔ انسان جھوٹ بولتا رہتا ہے اور ڈھونڈ ڈھونڈ کر جھوٹ بولتا رہتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کا لقب کذاب پڑ جاتا ہے۔ (متفق علیہ)

---

(۵۷۱) تشریح: یہ بتانا ہے کہ خیر و شر کے سلسلے ہیں۔ دو سلسلے ہیں اعمال صالحہ میں ایک کڑی اپنی دوسری کڑی سے متصل ہے۔ پھر سلسلہ خیر کے منتہی جنت ہے اور سلسلہ شر کا آخری حصہ دوزخ ہے کوئی انسان بھی دفعۃً جنت یا دوزخ میں نہیں پہنچ جاتا بلکہ اس کے اقدام میں خیر و شر کی کوئی معمولی سی کڑی آ جاتی ہے پھر اس کی وجہ سے اس میں اس سلسلہ کی دوسری کڑیوں کی استعداد پیدا ہوتی ہے اور اس طرح ان سے وہ بتدریج جنت یا دوزخ میں جا پہنچتا ہے پس نہ کسی خیر کو معمولی سمجھ کر چھوڑنا چاہئے نہ کسی شر کو ہلکا۔ ترمذی میں سلمہ بن الاکوع سے روایت ہے کہ تکبر کرتے کرتے ایک دن ایسا آ جاتا ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جباروں کی فہرست میں درج ہو جاتا ہے آخر اس پر بھی وہ عذاب آتا ہے جو جباروں پر آیا تھا۔ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ صادقین اور کاذبین کی ایک فہرست ہے یہ حدیث بتاتی ہے کہ انسان کو یہ کوشش کرنی چاہئے کہ اس کا نام صادقین کی فہرست میں آ جائے یا ایہا الذین آمنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین۔ اور اس سے ڈرنا چاہئے کہ اس کا نام کہیں کاذبین کی فہرست میں درج نہ ہو جائے۔ ان لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔ اور یہ اس لئے کہ صدق و کذب صرف معمولی خیر و شر نہیں بلکہ ان کا ثمرہ جنت اور دوزخ بھی ہو سکتا ہے۔

(۵۷۳) عَنْ اُمِّ كُلْثُوْمٍ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ الْكَذَّابُ الَّذِيْ يُصْلِحُ بَيْنَ النَّاسِ وَيَقُوْلُ خَيْرًا وَيَنْمِيْ خَيْرًا۔ (متفق علیہ)

وزاد مسلم قَالَتْ وَلَمْ اَسْمَعْهُ يُرَخِّصُ فِيْ شَيْءٍ مِمَّا يَقُوْلُ النَّاسُ اِنَّهُ كَذِبٌ اِلَّا فِيْ ثَلَاثٍ الْحَرْبِ وَالْاِصْلَاحِ بَيْنَ النَّاسِ وَحَدِيْثِ الرَّجُلِ امْرَاَتَهُ وَحَدِيْثِ الْمَرْاَةِ زَوْجَهَا (وروى احمد والترمذی عن اسماء بنت یزید مثلہ)

---

(۵۷۳) حضرت ام کلثومؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کذاب وہ نہیں جو لوگوں کے درمیان صلح جوئی کے ارادے سے کوئی کلمۂ خیر زبان سے کہہ دے اور کسی کو کسی دوسرے شخص کی طرف سے کوئی بھلی بات پہنچا دے۔ (متفق علیہ)

مسلم میں اتنا مضمون اور ہے کہ حضرت ام کلثومؓ فرماتی ہیں جو باتیں لوگوں کے درمیان جھوٹ شمار ہوتی ہیں ان میں سے صرف تین موقعوں پر میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت سنی ہے۔ جنگ میں۔ لوگوں کے درمیان صلح جوئی کے لئے۔ اور تیسرے شوہر کا اپنی بی بی سے اور بی بی کا اپنے شوہر کی رضا جوئی کے لئے۔ (مسند احمد)

---

(۵۷۳) صریح جھوٹ بولنے کی اجازت تو مشکل ہے کہ کہیں ثابت ہو البتہ کسی اہم مصلحت کے لئے ایسی ذو معنیین بات کہہ دینے کی اجازت ہے جس پر بظاہر جھوٹ کا گمان ہو سکے مگر اصل مراد کے لحاظ سے وہ سچی ہو۔ اس کا نام توریہ ہے۔ یہی توریہ کذب نہیں وہ صدق ہی کی ایک کذب نما صورت ہے۔ مسلم کی روایت میں مما یقول الناس انہ کذب کے لفظ میں ذرا اسی طرف اشارہ ہے۔ ایسے کلمات کے استعمال کی اجازت بھی عام طور پر نہیں بلکہ اس میں بھی صرف تین مقامات کو مستثنیٰ کیا گیا ہے۔ جنگ کی حالت میں (اس کی تفصیل جنگ کے بیان میں آئے گی) اور دوسرے دو مقام ایسے ہیں جن میں صاف گوئی موجب فتنہ ہو۔ اسی لئے مستثنیٰ رہے۔

دروغ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز

شافعیہ کے نزدیک یہاں کچھ زیادہ وسعت ہے۔ شیخ محی الدین نوویؒ نے امام غزالیؒ سے نقل کیا ہے کہ اگر کسی اچھے مقصد کے لئے صدق و کذب کے دونوں راستے ہوں تو ظاہر ہے کہ یہ کذب بلا حاجت ہوگا اس لئے یہاں جھوٹ بولنا حرام ہے لیکن اگر اس کے حصول کی جھوٹ کے سوا کوئی صورت نہیں تو دیکھنا چاہئے کہ وہ مقصد مباح ہے یا واجب۔ اگر مباح ہے تو جھوٹ بھی مباح رہے گا ورنہ واجب ہو جائے گا مثلاً ایک مسلمان کسی ظالم کے ڈر سے کہیں چھپا ہوا ہے تو واجب ہے کہ اس کو اس ظالم سے بچانے کے لئے جھوٹ بول دیا جائے۔ ہاں اس وقت بھی جہاں تک توریہ سے کام نکل سکے وہاں احتیاط اسی میں ہے کہ توریہ کرے۔ (مختصر کتاب الاذکار ص ۲۲۰) ابن قتیبہ نے کتاب مختلف الحدیث میں اس کی خوب تفصیل کی ہے۔ دیکھو ص ۴۴۲)

بينا هو ذات يوم وسارة إذ أتى على جبار من الجبابرة فقيل له إن ههنا رجلا معه امرأة من
أحسن الناس فأرسل إليه فسأله من هذه قال أختي فأتى سارة فقال لها إن هذا
الجبار إن يعلم أنك امرأتي يغلبني عليك فإن سألك فأخبريه أنك أختي
في الإسلام ليس على وجه الأرض مؤمن غيري وغيرك فأرسل إليها فأتي بها قام إبراهيم
يصلي فلما دخلت عليه ذهب يتناولها بيده فأخذ ويروى فغط حتى ركض برجله
فقال ادعي الله لي ولا أضرك فدعت الله فأطلق ثم تناولها الثانية فأخذ مثلها
أو أشد فقال ادعي الله لي ولا أضرك فدعت الله فأطلق فدعا بعض حجبته فقال

قول إني سقيم (یعنی بیمار ہونے والا ہوں) دوسرا بل فعلہ کبیرھم دو کلام اس نے کیا ہے جو ان میں بڑا ہے، اور
تیسرا اس وقت جبکہ وہ ایک دن سفر کر رہے تھے اور ان کی بی بی سارہ ان کے ہمراہ تھیں راستے میں ان کا ایک
ظالم بادشاہ کے ملک سے گذر ہوا اس بادشاہ سے کسی نے ذکر کیا کہ آپ کی قلمرو میں ایک شخص آیا ہوا ہے اس کے
ساتھ اس کی بی بی ہے اور وہ بڑی حسین ہے۔ یہ سن کر اس نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس اپنا آدمی
بھیجا اس نے پوچھا تمہارے ساتھ یہ کون ہیں انھوں نے فرمایا میری بہن ہیں۔ اس کے بعد حضرت سارہ کے
پاس تشریف لائے اور فرمایا اگر یہاں کے بادشاہ کو یہ علم ہو گیا کہ تم میری بی بی ہو تو وہ تم کو مجھ سے زبردستی
چھین لے گا لہٰذا اگر وہ تم سے پوچھے تو کہہ دینا کہ تم میری (دینی) بہن ہو کیونکہ اس خطۂ زمین پر میرے علاوہ تمہارے
سوا اس وقت کوئی مومن نہیں ہے بادشاہ نے حضرت سارہ کو بلا بھیجا وہ حاضر کر دی گئیں ادھر حضرت
ابراہیم علیہ السلام نماز کے لئے کھڑے ہو گئے جب وہ اس کے سامنے پیش کی گئیں تو اس بدبخت نے بدنیتی سے
ان کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا فوراً اس کا گلا پکڑا گیا اور ایک روایت میں ہے کہ گھٹ گیا یہاں تک کہ وہ اپنے
پیر پٹخنے لگا۔ دریں کہنے لگا میرے واسطے دعا کریں میں تجھے کچھ نہ ستاؤں گا حضرت سارہ نے دعا فرمائی فوراً وہ درست ہو گیا

کی طرف متوجہ ہو کر دیکھا گویا انھیں بھی علم نجوم میں بڑا دخل تھا پھر اپنا سر اوپر اٹھا کر فرمایا کہ إني سقيم میں تو بیمار ہونے
والا ہوں اب بھلا ایسا انسان کون ملے جو بیمار نہ ہوتا ہو۔ بات تو بالکل صاف اور سچی تھی لیکن وہ یہ سمجھے کہ انھوں نے
یہ بات ستاروں کو دیکھ کر کہی ہے سب یہ سمجھ کر ان کے پیچھے۔ انھوں نے بتوں کو توڑ کر ریزہ ریزہ کیا واپس آ کر جب انھوں
نے یہ ماجرا دیکھا تو اس وقت ان کے سوا دوسرا کوئی نظر نہ آتا تھا لہٰذا انھیں سے اس کا سبب دریافت کیا۔ حضرت ابراہیم
علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بڑی سادگی سے فرمایا اس کا تو ان کو معلوم ہوگا جو ان سب میں بڑا ہے۔ یہ بات بھی بالکل صاف
تھی کہ میرا بھی اپنا دعا ہے کہ انسان کو تیوریوں کی ضرورتی بزرگی حاصل ہے مگر ایسا استعمال فرمایا جس کے یہ معنی بھی
ہو سکتے تھے کہ یہ سب سے بڑے بت کا کام ہے اس سے پوچھو پھر اس طریقہ سے ان کو قائل کر کے منکر بنانا مقصود ہے

لَا يَفْتِكُ مُؤْمِنٌ (رواہ ابوداؤد)

لا يفرك مؤمن مؤمنة

(۵۸۳) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَفْرَكْ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً إِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِيَ مِنْهَا آخَرَ. (رواہ مسلم)

مومن کے ہاتھوں کی ہتھکڑی بن جاتا ہے۔ مومن کبھی اچانک قتل کر سکتا ہی نہیں۔ (ابوداؤد)

مومن مرد کا مومنہ بی بی سے بغض نہ رکھنا

(۵۸۳) ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مرد مومن کی یہ شان نہیں کہ وہ اپنی مومنہ بی بی سے بغض رکھے اگر اس کی ایک عادت اسے ناپسند ہوگی تو دوسری پسند بھی ہوگی۔ (مسلم)

کا کوئی تیز رو ہو تو تنہائی دھوکہ، دو بدترین قسم کی معصیت ہے۔ مومن قتل کے معاملہ میں کبھی جری نہیں ہوتا بعض مرتبہ حالت جنگ میں اس کا دل بے اختیار چاہتا ہے کہ وہ اپنے کافر دشمن کا سر اتار دے اگرچہ وہ اپنی زبان سے بھی کلمہ اسلام پڑھتا رہے لیکن اس کا ایمان آڑے آ کر اس کے ہاتھوں کی ہتھکڑی بن جاتا ہے۔ وہ قتل کرنا چاہے بھی تو وہ اس کو قتل کرنے نہیں دیتا۔ جب حالت جنگ میں اس کی کمزوری یہ ہے تو عام حالات میں بھلا وہ کہاں بے باک ہو سکتا ہے صحابہ کرامؓ کے جنگی کارناموں پر نظر کرو تو معلوم ہوگا کہ جہاد میں جو تلواریں نیام سے نکلنے کے بعد نیام میں جانے نہیں پاتی تھیں جب مسلمانوں میں باہمی جنگ شروع ہوئی تو وہی تلواریں نکلنے سے بھی پہلے رکتی تھیں اگر آج مسلمان اس ایک حدیث کو سمجھ لیتے تو اسلام کی طرف جو امور پیش کئے ہیں یہی ایک حدیث کافی ہو جاتی۔

(۵۸۳) حسن معاشرت شریعت میں ایک بہت بڑا باب ہے اور اس میں میاں بی بی کی معاشرت کو خاص طور پر اہمیت حاصل ہے حتیٰ کہ اس کی تحسین و تکمیل کو شریعت نے انسان کے ایمان کامل کا معیار قرار دیا ہے گویا اس سے تنافر رکھنا مومن کی شان ہی نہیں ہو سکتی اور اس کی تکمیل کے لئے یہ موثر اور مختصر اصول بتا دیا ہے کہ ایک انسان میں اگر کچھ خوبیاں بھی ہوں تو اس کی برائیاں قابل چشم پوشی ہو جانی چاہئیں۔ یہی مقتضائے انصاف ہے۔ ایسا کون ہوگا جس میں کوئی بھلائی نہ ہو۔ پس ایک شوہر کے لئے یہ امر قابل تسلی ہونا چاہئے کہ اس کی بی بی میں کچھ خوبیاں بھی تو ہیں مگر یہ واضح رہے کہ یہ حسن معاشرت اسی حد تک ہے جب تک بی بی مومنہ کا مصداق ہے اگر وہ اس لقب سے نکل کر نافرمان یا فاجرہ بن چکی ہے تو اس کے احکام اب دوسرے ہیں۔

لا يروع مسلم لاعبا او جادا

(۳۸۵) عن عبد الرحمن بن ابي ليلى عن رجال من الصحابة انهم كانوا يسيرون مع النبي صلى الله عليه وسلم فنام رجل منهم فانطلق بعضهم الى حبل معه فاخذه ففزع فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يحل لمسلم ان يروع مسلما. (اخرجه الامام احمد وابو داود والطبراني قال الذهبي العراقي حديث حسن ورمز السيوطي لصحته)

(۳۸۶) عن الواقدي قال اول مشهد شهده زيد بن ثابت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم الخندق وهو ابن خمس عشرة سنة وكان ممن ينقل التراب يومئذ مع المسلمين فغلبته عيناه يومئذ فرقد فجاء عمارة بن حزم فاخذ سلاحه وهو لا يشعر فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم من له علم بسلاح هذا الغلام فقال عمارة بن حزم يا رسول الله انا اخذته فرده فنهى رسول الله صلى الله عليه وسلم ان يروع المؤمن وان يؤخذ متاعه لاعبا وجادا. (اخرجه ابن عساكر)

کسی مسلمان کو ہنسی مذاق میں بھی پریشان نہ کرنا

(۳۸۵) عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ متعدد صحابہ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ کے صحابہ ایک مرتبہ آپ کے ساتھ کسی وقت سفر کر رہے تھے (جب کسی مقام پر قافلہ ٹھہرا تو ان میں) ایک شخص سو گیا دوسرا شخص ایک رسی جو وہ اپنے ساتھ لیکر (سو رہا) تھا اٹھا لایا اور اس طرح (مذاق میں) اس کو پریشان کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مسلمان کے لئے یہ بات حلال نہیں ہے کہ وہ کسی مسلمان کو ہنسی مذاق میں بھی پریشان کرے۔ (احمد)

(۳۸۶) واقدی بیان کرتے ہیں کہ سب سے پہلا غزوہ جس میں زید بن ثابت شریک ہوئے غزوۂ خندق تھا اس وقت ان کی عمر صرف پندرہ سال کی تھی۔ عام مسلمانوں کے ساتھ یہ بھی (خندق کھودنے اور) مٹی ڈھونے کی خدمت انجام دے رہے تھے اتفاقاً انہیں نیند آ گئی اور یہ سو رہے۔ کہیں عمارہ بن حزم (ادھر) آ نکلے اور ان کی بے خبری میں (پیچھے سے) ان کے ہتھیار لے لئے۔ (جب یہ بیدار ہوئے تو آپ کی خدمت میں آ کر ماجرا بیان کیا) آپ نے پوچھا اس نوجوان کے ہتھیاروں کی کسی کو خبر ہے؟ اس پر عمارہ بن حزم بولے یا رسول اللہ جی ہاں میں نے لے لئے ہیں اور فوراً ان کو واپس کر دیئے۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی ممانعت فرما دی کہ (آئندہ) کسی مومن کو ڈرایا جائے اور ہنسی میں یا واقعی طور پر کسی کا کوئی سامان لیا جائے۔ (ابن عساکر)

حقوق المسلم

(۵۸۵) عن انس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم انصر اخاك ظالما او مظلوما فقال رجل يا رسول الله انصره مظلوما فكيف انصره ظالما قال تمنعه من الظلم فذلك نصرك اياه . (متفق عليه)

(۵۸۶) عن ابي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان احدكم مرآة اخيه فان رأى به اذى فليمط عنه رواه الترمذي وضعفه وفي رواية له ولابي داؤد المؤمن مرآة المؤمن والمؤمن اخو المؤمن يكف عنه ضيعته ويحوطه من ورائه ۔

مسلمانوں کے حقوق

(۵۸۵) انس روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے مسلمان بھائی کی ہر حال میں مدد کیا کرو۔ خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ ایک شخص نے سوال کیا یا رسول اللہ مظلوم ہونے کی حالت میں تو میں اس کی مدد کرتا ہوں۔ ظالم ہونے کی صورت میں اس کی کیسے مدد کروں۔ آپ نے فرمایا اس طرح کہ اس کو ظلم سے روکو کیونکہ ظالم کو ظلم کرنے سے روک دینا ہی اس کی مدد کرنی ہے۔ (متفق علیہ)

(۵۸۶) ابوہریرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں ہر شخص اپنے بھائی مسلمان کے لئے آئینہ کی مثل ہوتا چاہیئے یعنی اگر وہ اس میں کوئی عیب کی بات دیکھے تو اس کو چاہیئے کہ اس کا ازالہ کرے۔ ترمذی ابوداؤد میں یہ مضمون اس طرح ہے کہ ایک مومن دوسرے مومن کا آئینہ ہوتا ہے اور مومن مومن کا بھائی ہوتا ہے جو بات اس کے نقصان کی ہو وہ اس کو روکتا ہے اور اس کی غیبت میں اس کی نگرانی کیا کرتا ہے۔ (ابوداؤد)

(۵۸۶) بعض علماء نے اس حدیث کا مضمون حسب ذیل اشعار میں بصورت نظم یوں ادا کیا ہے۔

صديقي مرآة اميط بها الاذى　　　وعضب حسام ان منعت حقوقي

میرے لئے میرا دوست آئینہ کی طرح ہے جسے دیکھ کر میں اپنی عیبناک کی اصلاح کر لیتا ہوں اور ایک تیز تلوار کی طرح ہے جبکہ کوئی شخص میرے حقوق ادا کرنے سے انکار کرے۔

وان ضاق امر او المت ملمة　　　لجأت اليه دون كل شقيق

اگر کوئی برا وقت آجائے یا مصیبت نازل ہو تو میں اپنے حقیقی بھائی کو چھوڑ کر اسی کی پناہ لیتا ہوں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جس طرح آئینہ انسان کے عیب دکھا کر اس کی اصلاح کا موجب ہوتا ہے اسی طرح ایک مسلمان کو اپنے بھائی مسلمان کے لئے ہونا چاہیئے۔

(٥٨٧) عن ابن عمر ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال المسلم اخو المسلم لا يظلمه ولا يسلمه ومن كان في حاجة اخيه كان الله في حاجته ومن فرج عن مسلم كربة فرج الله عنه كربة من كربات يوم القيامة ومن ستر مسلما ستره الله يوم القيامة ۔ (متفق عليه)

(٥٨٨) عن ابي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يحل لمؤمن ان يهجر مؤمنا فوق ثلث فان مرت به ثلث فليلقه فليسلم عليه فان رد عليه السلام فقد اشتركا في الاجر وان لم يرد عليه فقد باء بالاثم وخرج المسلم من الهجرة ۔ (رواه ابو داود)

(٥٨٩) عن ابي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم للمسلم على المسلم ست خصال يعوده اذا مرض ويشهده اذا مات ويجيبه اذا دعاه ويسلم عليه اذا لقيه ويشمته اذا عطس وينصح له اذا غاب او شهد ۔ (ذكره صاحب المشكوة برواية النسائي)

(٥٨٧) ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان مسلمان سب بھائی بھائی ہیں۔ نہ ایک دوسرے پر ظلم کرتا ہے نہ اس کو کسی مصیبت میں ڈال سکتا ہے۔ جو شخص کسی بھائی کی حاجت روائی کی فکر میں رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حاجت روائی کرتا رہتا ہے اور جو کسی مسلمان کی کوئی مشکل آسان کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کی مشکلات میں اس کی مشکل آسان کر دیتا ہے اور جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کر لیتا ہے اللہ تعالیٰ بھی آخرت کے دن اس کی پردہ پوشی فرما لیتا ہے۔ (متفق علیہ)

(٥٨٨) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کو یہ جائز نہیں کہ وہ تین دن سے زیادہ اپنے مومن بھائی سے بات چیت کرنا بند کر دے اگر اس درمیان میں اس کو ملاقات کی نوبت نہ آئے تو اسے چاہیے کہ قصداً اس سے ملاقات کرے اور اس کو سلام کرے اب اگر وہ اس کے سلام کا جواب دیدے تو دونوں ثواب میں شریک ہو گئے ورنہ تو گناہ اسی کے سر رہے گا اور سلام کرنے والا گناہ سے بری الذمہ ہو جائے گا۔ (ابوداؤد)

(٥٨٩) ابوہریرہؓ روایت فرماتے ہیں کہ ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حق واجب ہیں۔ بیمار ہو تو اس کی عیادت کرے۔ مر جائے تو اس کے جنازہ میں شرکت کرے۔ اگر بلائے تو اس کے یہاں چلا جائے۔ ملاقات ہو تو اس کو سلام کرے۔ چھینکے اور الحمد للہ کہے تو اس کے جواب میں یرحمک اللہ کہے اور حاضر و غائب ہر حال میں اس کی خیر خواہی کرتا رہے۔ (نسائی)

(٥٨٧) حدیث میں جزاء من جنس العمل کا ایک بہت بڑا درس دیا گیا ہے۔ یہ حدیث بھی اسی باب کی ایک جز ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ عمل اور اس کی جزا میں ہمیشہ ایک مناسبت کی رعایت رکھی جاتی ہے۔ جیسا انسان عمل کرتا ہے اسی کی بناء پر بھی اسی عمل کے مناسب اس کو جزا دی جاتی ہے۔

(۵۹۶) عَنْ سَعِيدِ بْنِ زَيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ مِنْ أَرْبَى الرِّبَا الِاسْتِطَالَةَ فِي عِرْضِ الْمُسْلِمِ بِغَيْرِ حَقٍّ. (رواه ابو داؤد والبيهقي في شعب الايمان)

(۵۹۷) عَنْ خَالِدِ بْنِ مَعْدَانَ عَنْ مُعَاذٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ عَيَّرَ أَخَاهُ بِذَنْبٍ لَمْ يَمُتْ حَتَّى يَعْمَلَهُ يَعْنِي مِنْ ذَنْبٍ قَدْ تَابَ مِنْهُ. رواه الترمذي وقال هذا حديث غريب وليس اسناده بمتصل لان خالدا لم يدرك معاذ بن جبل)

(۵۹۸) عَنْ مُعَاذِ بْنِ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَمَى مُؤْمِنًا مِنْ مُنَافِقٍ بَعَثَ اللهُ مَلَكًا يَحْمِي لَحْمَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ نَارِ جَهَنَّمَ وَمَنْ رَمَى مُسْلِمًا

---

(۵۹۶) سعید بن زید روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ایک سود تو تم جانتے ہی ہو لیکن) سب سے بدتر سود مسلمان کی عزت برباد کرنے میں ناحق زبان چلانا ہے۔ (ابوداؤد، بیہقی)

(۵۹۷) خالد بن معدان معاذ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اپنے مسلمان بھائی کو کسی بری حرکت پر عار دلائی تو وہ اس وقت تک ہرگز نہیں مرے گا جب تک کہ اس حرکت کو خود بھی نہ کرے۔ راوی اس کی تشریح کرتے ہوئے کہتا ہے کہ یہاں اس حرکت پر عار دلانا مراد ہے جس سے وہ غلطی سے گزرا تھا اور اس پر اظہار ندامت اور توبہ بھی کر چکا تھا (توبہ کے بعد اب پھر عار دلانا خوشنما اسلامی کے خلاف ہے)۔ (ترمذی)

(۵۹۸) معاذ بن انس روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے کسی مومن کو کسی منافق کی نکتہ چینی سے بچا لیا اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ مقرر کرے گا کہ وہ قیامت میں اس کے

---

(۵۹۶) اس اسلوب بیان میں ایک طرف مسلمان کے آبرو کی حفاظت کی ترغیب دینا تو تھا مزید برآں مضمون کو دوسری طرف اس کی آبرو ریزی کو سود سے تشبیہ دے کر سود کی حرمت کو بھی خوب ذہن نشین کرانا بھی ایک اہم مقصد ہے۔ گویا یہاں یہ باریک نکتہ مضمر ہے کہ جب کسی بات سے روکنا منظور ہو تو اس سے نفرت دلانے کے لئے جس سے کامل نفرت ممکن ہو سکتی ہے وہ سود ہی ہے۔

(۵۹۷) حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی جب ندامت کے آثار لئے بر یوسف گئے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے چشم پوشی کر کے فرمایا لا تثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم خدا بھی اور تمہیں معاف کرے اب میں تمہیں ملامت کرنا نہیں چاہتا۔ اسی طرح آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب غلام بدکاری کر بیٹھے تو اس کے بعد اس کو ملامت نہ کرو (اس حدیث کی شرح صفحہ پر کی گئی ہے۔

(از حاشیہ ترجمان السنہ)

(٦٠٠) عن جابر ان النبي صلى الله عليه وسلم قال ما من امرئ يخذل امرأ مسلما في موضع ينتهك فيه حرمته وينتقص فيه من عرضه الا خذله الله تعالى في موطن يحب فيه نصرته وما من امرئ ينصر مسلما في موضع ينتقص فيه من عرضه وينتهك فيه من حرمته الا نصره الله في موطن يحب فيه نصرته۔ (رواه ابوداؤد)

(٦٠١) عن ابي الدرداء قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول ما من مسلم يرد عن عرض اخيه الا كان حقا على الله ان يرد عنه نار جهنم يوم القيامة ثم تلا هذه الآية وكان حقا علينا نصر المؤمنين۔ (رواه في شرح السنة)

---

(٦٠٠) جابر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلمان کسی مسلمان کی امداد کرنے سے ایسے موقع پر بیٹھ جاتا ہے جہاں اس کی عزت کی دھجیاں اڑائی جا رہی ہوں اور اس کی آبرو ریزی کی جا رہی ہو تو اللہ تعالیٰ بھی ایسے (نازک) مقام پر اس کی امداد و نصرت ترک کر دیتا ہے جہاں وہ چاہتا ہے کہ کوئی شخص اس کی طرف سے مدافعت کے لئے کھڑا ہو جائے۔ اور جو مسلمان کسی مسلمان کی مدد کرنے کے لئے ایسی جگہ کھڑا ہو جاتا ہے جہاں اس کی آبرو ریزی کی جا رہی ہو اور اس کی مٹی خراب کی جا رہی ہو تو اللہ تعالیٰ بھی ایسے مقام پر اس کی نصرت و مدد فرماتا ہے جہاں وہ چاہتا ہو کہ کوئی اس کی نصرت و مدد کرے۔ (ابوداؤد)

(٦٠١) ابوالدرداء کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے یہ فرماتے خود سنا ہے کہ جو مسلمان کسی مسلمان بھائی کی آبرو کی حفاظت کے لئے جواب دہی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ پر یہ حق ہو جاتا ہے کہ قیامت کے دن وہ آتش دوزخ سے اس کی حفاظت کرے۔ اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ کہ مومنین کی مدد کرنا ہمارے ذمہ لازم ہے۔ (شرح السنہ)

---

(٦٠١) ان دونوں حدیثوں سے ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر سب سے بڑا حق یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ معاشرہ میں اس کی آبرو کا نگران بنا رہے۔ جس دن سے مسلمانوں نے اس چیز کو نظر انداز کیا ہے ان کی حالت دن بدن زبوں ہوتی چلی جا رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو تعلیمات اسلامی پر صحیح طور سے عمل پیرا ہونے کی توفیق ارزانی فرمائے۔

الاشراك بالله تعالیٰ واقسامه

شرک کی حقیقت اور اس کی اقسام

دین اسلام کے بدیہی مسلمات کو دل سے ماننا اور زبان سے ان کا اقرار کرنا ایمان ہے اور ان بدیہی مسلمات میں
کسی ایک بات کا انکار کا نام کفر ہے پس ایمان کی صرف یہی ایک صورت ہے کہ دین کے تمام بدیہی مسلمات
قلب وزبان سے مان لئے جائیں۔ اور کفر کی صورتیں بہت ہیں۔ لیکن دین کی بدیہیات میں سے اگر کسی
ایک بات کا بھی انکار کر دیا جائے خواہ بقیہ سب کا اقرار موجود ہے تو بھی کفر عائد ہو جاتا ہے اس کی مثال
ترازو کے دو پلوں کی سی ہے کہ ان کے اعتدال کی صرف ایک ہی صورت ہوتی ہے اور اختلاف کی
بہت۔ عجب نہیں کہ عالم میں مومنوں کی قلت اور کافروں کی کثرت کا ایک راز یہی ہو ورنہ بظاہر
عالم میں مومنوں کی تعداد کافروں سے زیادہ ہونی مناسب تھی۔ پھر علماء نے یہ تصریح کی ہے کہ کفر صرف
قول ہی کے ساتھ خاص نہیں بعض افعال بھی موجب کفر ہو سکتے ہیں۔ جو خاص خاص افعال انسان کے
قلبی کفر کے صریح ترجمان سمجھے گئے ہیں ان کے صدور کے بعد زبانی انکار کی ضرورت نہیں بلکہ ان کا
صدور ہی کفر کی مستقل دلیل ہے۔ اسی لئے ہمارے فقہاء ایسے افعال کے صدور سے بھی کفر کا حکم لگا دیتے
ہیں۔ بعض افعال ایسے ہوتے ہیں جو قلبی کفر کی کوئی صریح دلیل تو نہیں ہوتے مگر عموماً کافروں کے افعال
سمجھے جاتے ہیں۔ ایسے افعال پر فقیہ تو کفر کا حکم نہیں لگاتا مگر حدیث ان پر بھی کفر کا اطلاق کر دیتی ہے۔
اس کی وجہ یہ ہے کہ تمام احادیث کا اسلوب بیان صرف وہ نہیں جو ایک آئینی کتاب کا ہوتا ہے بلکہ ان
میں اکثر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عام گفتگو کا مجموعہ بھی ہیں اس لئے ان کا اسلوب بیان بھی وہی ہے جو
عام گفتگو کا ہوا کرتا ہے۔ اس میں ترغیب و ترہیب کے موقعہ پر تمام شروط و قیود کا استیفار نہیں ہوتا بلکہ
ایسی تعبیرات اختیار کی جاتی ہیں جو متکلم کے مقصد پر عمل پیرا ہونے کے لئے زیادہ سے زیادہ محرک ہوں۔ حضرت
شاہ اسمٰعیل شہید نے انبیاء علیہم السلام کے اظہار دعوت کے ذیل میں جو کچھ لکھا ہے وہ بہت زیادہ قابل قدر
تحقیق ہے۔ اس مضمون کی طرز دعوت کی بڑی تفصیل کی ہے اور خوب سمجھایا ہے کہ ان کے کلام کا اسلوب بیان
کیا ہوتا ہے اور اسی طرح اس کے سمجھنے کا اسلوب کیا ہونا چاہئے۔ (دیکھو منصب امامت ص ۳۴)
حدیث و قرآن میں کفر کا اطلاق کچھ لغت کے قریب قریب ہے۔ کفر لغت میں حق ناشناسی کو کہتے ہیں
اس لئے جہاں جہاں حق شناسی کی زیادہ ضرورت ہے اگر وہاں اس فریضہ کی ادائیگی میں کوتاہی ہو جائے تو

حدیث ایسی حق ناشناسی کو کفر کہہ دیتی ہے۔ مثلاً ایک بیوی اگر اپنے شوہر کے احسانات کا حق نہیں پہچانتی تو وہ
بھی بے شبہ بڑی حق ناشناسی کی مرتکب ہے اس لئے اس کو بھی حدیث میں کفر کہا گیا ہے۔ اسی طرح ایک
غلام اگر اپنے آقا سے منہ موڑ کر بھاگ جاتا ہے تو اس کی حق ناشناسی کو بھی کفر سے تعبیر کیا گیا ہے اور سب سے بڑی
حق ناشناسی یہ ہے کہ بندہ اپنے مولائے حقیقی سے منہ پھیر کر بھاگ جائے۔ بارش ہو اور یہ ستاروں کا
شکر گذار ہو، تمام بندگیوں اور عظمتوں کا مرکز تو اس کی ذات ہو اور دوسروں کی جبہ سائی میں مستغرق ہو، ان
کی نعمتوں کی قسمیں اٹھائے اور ان کے ناموں سے جانور ذبح کرے، تمام نفع و نقصان کا مالک تو وہ ہو لیکن
یہ مصیبتوں میں اس کی بنائی ہوئی مخلوق کو پکارے انہی سے مرادیں مانگے اور اپنی رغبت و رہبت کا
اصل رشتہ انہی کے ساتھ قائم کرے۔ یہ جس قسم کی تمام باتیں حدیث شریف میں کفر کے ذیل میں بیان ہوئی ہیں جہاں نیت کچھ بھی ہو
اس تحقیق کی بنا پر کفر کی بہت سی اقسام اسلام و ایمان کے ساتھ بھی جمع ہو سکتی ہیں لیکن ہمارے فقہاء صرف اسی
قسم کے کفر سے بحث کرتے ہیں جس سے ایک انسان ملت اسلام سے خارج ہو جاتا ہے اس لئے ان کے
نزدیک اسلام اور کفر کی کوئی قسم قابل اجتماع نہیں۔

اس کے علاوہ حدیثوں میں ایسے افعال جو کافروں میں بہ نیت شرک و کفر کئے جاتے تھے مطلقاً کفر ہی
کے افعال سمجھے گئے ہیں خواہ ان میں اس درجہ کی فاسد نیت نہ ہو، بعض افعال کا قالب اتنا خطرناک ہو کہ
ان میں صریح کفر کی اتنی قریب استعداد موجود ہو کہ ذرا غفلت کر لے تو وہ کھلا کفر و شرک بن جائیں شریعت
ان میں منطقی تحلیل کرنی پسند نہیں کرتی بلکہ ان کو بھی کفر ہی کے ذیل میں شمار کر لیتی ہے۔ اس اختلاف نظر اور
اختلاف اسلوب کی وجہ سے فقیہ مزاج اس قسم کی بہت سی حدیثوں میں تاویل کرتا نظر آتا ہے۔ ناواقف یہ
دیکھ کر سمجھتا ہے کہ شاید یہاں درحقیقت مسئلہ کا کوئی اختلاف ہوگا حالانکہ یہاں مسئلہ کا کوئی اختلاف نہیں ہوتا
اپنے اپنے موضوع و فن کے لحاظ سے صرف اختلاف نظر اور طریقۂ تعبیر کا اختلاف ہوتا ہے۔ مثلاً وہ حدیث
جو ایک معمولی سی بیوی کی ناشکری پر کفر کا اطلاق کر دیتا ہے اگر آپ اس سے پوچھیں کہ کیا یہ عورت دائرہ اسلام سے
خارج ہو گئی تو اس کے جواب میں وہ آپ کو ٹھیک ایک فقیہ کے ہم آہنگ نظر آئے گا اور جواب نفی ہی میں دیتا
ہے گا۔ اسی طرح محدث کے نزدیک ایک مسلمان میں کفر کی باتیں پائی جا سکتی ہیں مگر اس کے باوجود اس کو
کافر نہ کہا جائے گا بلکہ یوں کہا جائے گا کہ اس مسلمان میں خصلت کفر کی ہے اسی طرح ایک کافر میں اسلام کے
شعبے پائے جا سکتے ہیں مگر صرف ان شعبوں کی وجہ سے اس کو مسلمان نہ کہا جائے گا۔ ہاں یہ کہا جائے گا کہ اس
کافر کے بہت سے کام اسلام کے ہیں۔ محدث کے نزدیک اسلام اور کفر علیحدہ علیحدہ عقائد اور اعمال کا ایک
ایک مجموعہ ہیں۔ اس مجموعہ میں بہت سے اجزاء ہیں اور یہ اجزاء بیش و کم ہوتے رہتے ہیں بلکہ کبھی اسلام کے

اجزاء کافر میں اور کفر کے مسلمان میں یکساں پائے جاتے ہیں مگر صرف ان اجزاء کے ہونے سے ایک کافر مسلمان
بنتا ہے اور نہ کوئی مسلمان کافر۔ ہاں ان کی یہ دو زندگیاں ضرور کافر یا مسلمان کی زندگیوں کے مشابہ
ہو جاتی ہیں۔ البتہ جب ان اجزاء میں اشتراک ہوتے ہوتے عقائد میں بھی اشتراک کی نوبت آ جاتی ہے
تو اس مرحلہ پر پہنچ کر اسلام و کفر کی سرحدیں مٹ جاتی ہیں اب یا کافر ٹھیٹ مسلمان کہلانے لگتا ہے اور یا
مسلمان پر صاف ارتداد کا حکم لگا دیا جاتا ہے۔ نتیجہ کے زیر بحث کفر و اسلام کا صرف وہی ایک نقطہ ہوتا ہے
جس میں کفر و اسلام کے مابین اشتراک کا کوئی احتمال نہیں ہوتا کیونکہ جس چیز کے لحاظ سے احکام دنیا میں فرق
پیدا ہو سکتا ہے وہ یہی ایک نقطہ ہوتا ہے۔ بقیہ اجزاء اگر مسلمان یا کافر میں کم و بیش ہوتے رہیں تو ان پر احکام
دنیا میں کوئی تفاوت نہیں پڑتا۔ یعنی مسلمان پر اسلام کے اور کافر پر کفر ہی کے احکام جاری رہتے ہیں۔ علاوہ
ازیں حدیث کی نظر میں صرف دنیوی احکام نہیں ہوتے وہاں تو عقائد و عمل کی پسندیدگی ناپسندیدگی اور جنت
کے مراتب بھی حاوی ہوتی ہے۔ اس لئے جن اجزاء سے اس پہلو کے لحاظ تفاوت پیدا ہو سکتا ہے وہ
بھی دنیوی احکام کی طرح اس کے دائرہ نظر میں داخل رہتے ہیں۔

اس کی نظر میں مسلمان و کافر کی دو زندگیاں بالکل جداگانہ ہی جداگانہ ہی نہیں بلکہ باہم معاشرت
کے ایک ایک جزء میں بھی۔ اس لئے وہ کبھی ایک مسلمان میں کافر کی زندگی کے شائبہ تک بھی برداشت نہیں
کر سکتا خواہ دنیوی احکام کے لحاظ سے اس کا حکم کچھ بھی رہے۔ مگر فقیہ بھی ان صورتوں کو بہ نگاہ نفرت تو
سے دیکھے گا مگر وہ ان میں کسی تاویل نہیں کرے گا اور اگر یہاں ایک محدث فقیہ کی جگہ آ جائے تو یہی
وہی رنگ اختیار کرے گا جو یہاں ایک فقیہ اختیار کرتا ہے پس ان دونوں میں نفس مسئلہ کا کوئی اختلاف
نہیں ہے ان میں یہ اختلاف صرف تعبیرات اور اپنے اپنے موضوع و فن کا ہے۔

اس تحقیق کے بعد اب یہ غلط فہمی نہ رہنی چاہئے کہ فلاں کافر سے جبکہ بہت سے نیک کام صادر ہوتے
ہیں بلکہ بعض مرتبہ ایسے اچھے اچھے کام صادر ہوتے ہیں جو مسلمانوں سے بھی صادر نہیں ہوتے تو پھر ایسے
انسان کو کافر کیسے کہا جا سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جتنے اچھے کام ہیں بلاشبہ وہ اچھے ہی کام ہیں بلکہ
ہو سکتا ہے کہ بعض مرتبہ وہ اسلام کے شعبے بھی ہوں مگر سوال یہ ہے کہ اسلام کے بنیادی عقائد کے بغیر کیا
صرف ان شعبوں کے وجود سے کسی پر اسلام کا حکم لگایا جا سکتا ہے۔ اس کے برعکس بعض مسلمانوں میں کافروں
سے بڑھ کر زشت کاریاں نظر آتی ہیں مگر دیکھنا تو یہ ہے کہ کیا وہ مرحلہ بھی آ گیا ہے جس کے بعد ایک شخص حریم
اسلام سے قطعی طور پر باہر ہو جاتا ہے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو ان تمام زشت کاریوں کے باوصف اس کو مسلمان
ہی کہا جائے گا۔ اگرچہ اس کا یہ اسلام کتنا ہی ناقص ہو مگر اس کو ہرگز کافر نہیں کہا جا سکتا۔ یہ اختلاف نظر

تو وہ تھا جو علمی دائرہ میں داخل تھا۔ اس سے آگے چل کر اختلافِ جذبات و مذاق کا نمبر آتا ہے۔ ایک دور وہ تھا جبکہ ہمارا اسلامی مذاق اتنا بلند تھا کہ حنظلہؓ جیسے صحابی کو اپنے نفس کے متعلق نفاق کا شبہ ہونے لگتا تھا اور ان کو اتنا مضطرب بنا دیتا تھا کہ اس کی شکایت وہ بارگاہِ نبوت تک میں پیش کرنے کی نوبت آجاتی تھی اور ایک دورِ انحطاط یہ ہے جبکہ ہمارا اسلامی مذاق اتنا گر چکا ہے کہ اس میں عقائد کی کوئی بحث ہی باقی نہیں رہی ایک شخص کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خواہ کتنا ہی گندا ہو، اس کی ذات و صفات سے وہ کتنا ہی جاہل ہو، رسول کے مقامِ رفیع سے وہ کتنا ہی ناواقف ہو، عالمِ غیب اور اس کے ایک ایک جزء کا وہ کتنا ہی منکر ہو، اور اعمالِ شرعیہ کی ادائیگی میں وہ کتنا ہی مقصر ہو، نماز کے قریب نہ جاتا ہو، سا قرآن منہ سے ادا نہ کرتا ہو، مگر منصف ہو، ہمدرد ہو، متواضع ہو، ایثار پیشہ ہو اور سلسلۂ انسانی کا خادم کہلاتا ہو، وہ ایک پکا مسلمان کہلا سکتا ہے بلکہ اس کا یہ اسلام ایک سچے مسلمان سے کہیں زیادہ ارفع و اعلیٰ سمجھا جا سکتا ہے۔ حضرت حذیفہؓ کی ایک صحیح حدیث میں اس دور کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا گیا ہے۔

ويقال للرجل ما اعقله وما اظرفه وما اجلده وما في قلبه حبة خردل من ايمان۔	یعنی ایک زمانہ آئے گا جبکہ آدمی کی تعریف صرف اس پر ہوا کرے گی کہ وہ کتنا بڑا عاقل، کیسا خوش مزاج اور کتنا قوی و چالاک ہے لیکن اس کے دل میں ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان کا پتہ نہ ہوگا۔

؏ اسی دورِ انحطاط ۔ ۔ کی طرف اشارہ ہے۔ اس لئے جو حدیثیں صحابہ کے ارفع و اعلیٰ مذاق پر آئی ہیں وہ کبھی ہمارے دور میں قابلِ تاویل نظر آنے لگی ہیں ان کی تاویل کرنا بھی غلط ہے۔ اگر آج ہمارا مذاق بھی اتنا ہی بلند ہو جائے تو ہم بھی وہی تعبیرات اختیار کرلیں گے جو صحابہ نے کی تھیں۔ خلاصہ یہ کہ محدثین و فقہاء کے اختلافِ نظر، ہمارے اور سلف کے اختلافِ مذاق کی وجہ سے جو حدیثیں زیرِ بحث آگئی ہیں ان میں اصل مقصد کا اختلاف نہیں ہے وہ سب ایک ہی اصول کے ماتحت ہیں۔ ان میں کسی قسم کا اختلاف بھی اختلاف واقع ہے۔

یوں تو کفر کی ہر قسم انسانیت کے لئے سب سے بڑا داغ ہے لیکن اس کی جو قسم سب سے بدترین ہے وہ شرک ہے یعنی خدا تعالیٰ کی ذات، اس کی صفات، اس کی عبادت اور اس کی حدودِ عظمت میں کسی اور کو شریک بنانا۔ قرآن و حدیث اس کا اعلان کرتے ہیں کہ قدرت نے ہر انسان کی فطرت شرک کی ہر قسم کی آلودگی سے پاک و صاف بنائی ہے اس کو اس قسم کی نجاستوں سے ملوث کرنے کا مجرم یا تو وہ خود ہے یا اس کے والدین ہیں۔ پروردگارِ عالم نے تخلیقِ عالم سے پہلے یہ طے کرلیا ہے کہ اس کی بارگاہ میں ہر گناہ کی بخشش

قابل معافی ہو سکتی ہے مگر کفر و شرک کا جرم ہرگز قابل معافی نہیں ہوگا۔ اس کی سزا اس کو ضرور بھگتنی ہوگی اور خدا تعالیٰ کی پاک جنت میں اس کے لیے کوئی جگہ نہ ہوگی۔

(۱) إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَاءُ۔

بے شبہ خدا تعالیٰ اس بات کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ کوئی شریک ٹھہرایا جائے۔ اس کے سوا جس گناہ کو چاہے بخش دے گا۔

(۲) إِنَّهُ مَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ۔ (المائدہ)

بے شک جس نے اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرایا سو اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت حرام کر دی اس کا ٹھکانا دوزخ ہے گا اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اس کے حق میں شفاعت کی اجازت بھی نہ ہوگی۔

قرآن کریم کہتا ہے کہ شرک خدا تعالیٰ پر سب سے بڑا افترا، سب سے بڑھ کر بے دلیل بات اور نفس انسانی کے لیے ایک ابدی موت ہے جو روح قالب انسانی جیسے اشرف قالب میں بھی شرک کرتے نہیں شرمائی وہ اس قابل نہیں ہے کہ نفس عنصری سے آزادی کے بعد اس کو کوئی عروج میسر ہو۔ اب وہ ذلتوں کی تاریک گہرائیوں میں ہمیشہ ہمیشہ گرتی ہی چلی جائے گی۔ اسی لیے قرآن حکیم میں مشرک کی مثال ان الفاظ میں بیان فرمائی گئی ہے۔

وَمَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ أَوْ تَهْوِي بِهِ الرِّيحُ فِي مَكَانٍ سَحِيقٍ۔

اور جس کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنایا تو اس کا حال ایسا ہے جیسا وہ آسمان سے گر پڑا پھر یا تو اس کو پرندے اچک لے جائیں یا ہوا اس کو کسی دور جگہ لے جا کر ڈال دے۔

شرک انسانی فطرت سے سعادت کا تخم چھڑے فنا کر دیتا ہے اور اس کی روحانی ترقی کی تمام استعدادیں باطل کر دیتا ہے۔ شدہ شدہ اس کی فطرت کا یہ استعدادی نقصان اس کے حواس ظاہرہ کو بھی اتنا متاثر کر دیتا ہے کہ وہ پوری صحت و سلامتی کے باوجود اپنے فطری احساس سے بھی یکسر محروم اور معطل ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اسی کو قرآن کریم نے یوں ادا فرمایا ہے۔

لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ۔

ان کے دل ہیں مگر ان سے سمجھتے نہیں ان کی آنکھیں ہیں مگر ان سے دیکھتے نہیں ان کے کان ہیں مگر ان سے سنتے نہیں۔ یہ لوگ چارپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ بہکے ہوئے۔

چونکہ ان کے حواس ظاہرہ کا یہ تعطل ان کے قلبی استعداد کے نقصان سے شروع ہوتا ہے اسی لیے آیت بالا

میں سب سے پہلے ان کی قلبی موت اور عقلی بے حسی کو ذکر کیا گیا ہے۔ جب کسی کے ظاہری اور باطنی حواس اس طور پر معطل ہو جاتے ہیں تو اب اس سے عالمِ قدس کی طرف طیران کی کوئی توقع باقی نہیں رہتی اسی کو ختم اور قلبی مہر سے تعبیر کیا گیا ہے اسی حقیقت کو ذیل کی آیت میں ادا فرمایا گیا ہے۔

صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ۔	وہ بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے ہیں سو وہ ہدایت کی طرف لوٹ نہیں سکتے۔

حضرت شاہ عبدالقادرؒ تحریر فرماتے ہیں اگر راہ گیر کے کان بہرے ہوں تو وہ کسی کے بتانے سے راستہ پر آ سکتا ہے اگر اس میں زبان ہو تو اوروں سے پوچھ سکتا ہے۔ اور اگر اس کی آنکھیں ہوں تو خود راستہ دیکھ بھی سکتا ہے لیکن جس کے یہ تمام حواس بیکار ہو چکے ہوں اس کے لئے راہ یاب ہونے کی کیا صورت ہے اس کے لئے تو یہی ایک صورت ہے کہ وہ ہمیشہ کے لئے اسفل السافلین میں جا پڑے اور ان حیوانات سے بھی نیچے کے طبقے میں چلا جائے جن کے حواس اپنے آقا کی شناخت میں اس درجہ تو معطل نہیں ہوتے۔

حافظ ابن قیمؒ نے شرک پر ایک بسیط مقالہ سپردِ قلم کیا ہے مختصر لفظوں میں اس کا خلاصہ یہ ہے کہ شرک کی اصل حقیقت کسی مخلوق کو خالق کے مشابہ بنا دینا یا اپنے نفس کو خالق کے مشابہ سمجھ لینا ہے۔ یہ مشابہت ان صفات کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے جو خدائے قدوس کی خصوصیات میں شمار ہوتی ہیں۔ مثلاً اس کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ نفع و نقصان اور عطا و منع کا مالک وہی ہے۔ اس خصوصیت کو قرآن کریم میں جگہ جگہ نمایاں کیا گیا ہے اور مشرکین کو یہی الزام دیا گیا ہے کہ جب تمہارے معبود اس خصوصیت کے حامل نہیں تو تم نے کیوں کر ان کو خدا کا شریک تسلیم کر لیا ہے۔

قُلْ أَتَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا (المائدہ)	آپ کہیے کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اس کی عبادت کرتے ہو جو نہ تمہارے ضرر کا مالک ہو نہ نفع کا۔
قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُونِهِ فَلَا يَمْلِكُونَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيلًا۔ (بنی اسرائیل)	آپ کہیے کہ جن کو تم اللہ کی ذات پاک کے سوا معبود کہتے ہو ان کو بلاؤ بھی وہ نہ تو تمہاری کوئی تکلیف دور کر سکتے ہیں اور نہ اس کے بدلنے کی قدرت رکھتے ہیں۔
وَلَا تَدْعُ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ۔ (یونس)	اور اللہ کی ذات کے سوا کسی کو نہ پکارو جو تم کو نہ نفع دے سکتا ہے نہ نقصان۔
قُلِ اللَّهُ يُنَجِّيكُمْ مِنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ أَنْتُمْ تُشْرِكُونَ۔ (الانعام)	آپ کہیے کہ اللہ تعالیٰ ہی تم کو اس سے اور ہر سختی سے بچاتا ہے اس پر بھی تم شرک کرتے ہو۔

ان آیات سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اس صفت کا تقاضا یہ ہے کہ مصیبتوں میں اسی کو پکارا جائے، خوف و رجا کا تعلق اسی کی ذات کے ساتھ رکھا جائے اور اسی کی ایک ذات وحدہٗ لاشریک پر بھروسہ کیا جائے۔

خدا تعالیٰ کی ایک اور خصوصی صفت اس کے سامنے انتہا درجہ کی عجز ہے۔ عبودیت اور بندگی کی صفت نہ چیزیں ہیں (انتہائی محبت اور انتہائی عجز و نیاز) اس صفت کا تقاضا یہ ہے کہ اسی کو رب کہا جائے، اسی کے نام کی قسم کھائی جائے اور اسی کی ذات پر بھروسہ کیا جائے۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی ذات وہ ہے جو ہر پہلو سے کامل ہی کامل ہو اور اس میں عیب و نقصان کا کوئی شائبہ نہ ہو اس کے انتہائی محبت اور انتہائی عجز و نیاز بھی اسی کا حق ہو سکتا ہے اسی کا نام عبادت ہے۔ نہ اس کمال میں اس کا کوئی شریک ہے نہ عبادت میں اس کا کوئی اور شریک ہونا چاہئے۔ اب اگر کوئی شخص ان کو یا ان امور میں کسی مخلوق کو اس کا شریک ٹھہرا دے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ ان میں اس کی الوہیت کی صفت بھی تسلیم کرتا ہے۔ شرک کی یہ صورت تو مخلوق کو خالق کے ساتھ مشابہ بنانے کی تھی، اب خود خالق کے مشابہ بننے کی صورت یہ ہے کہ غرور و تکبر کی وجہ سے لوگوں سے اپنی مدح سرائی کا طلبگار ہو، اس کا خواہشمند ہو کہ وہ اس سے خوف کھائیں، اس سے امیدیں وابستہ رکھیں اور اسی کو مشکلات میں اپنا مرجع و ماویٰ سمجھیں، یہ تو خاص الوہیت کی خصوصیات میں تشبیہ یا تشبہ کی صورتیں تھیں، خدائے قدوس کی بارگاہ بلند میں تو ناموں کی تشبیہ کی بھی اجازت نہیں ہے۔ اسی بنا پر حدیثوں میں ملک الاملاک و شاہان شاہ نام رکھنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ (الجواب الکافی ص ۱۸۲ تا ۱۹۲)

شرک کی انواع و اقسام اور عالم کے مختلف فرقوں پر اگر تفصیلی نظر ڈالی جائے تو بڑا مضمون بہت طویل ہو جائے گا اس لئے ہم یہاں صرف اس مختصر بیان پر کفایت کرتے ہیں جو حضرت شاہ عبدالعزیز نے تفسیر فتح العزیز میں تحریر فرمایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مشرکین عالم کے مشہور فرقے یہ ہیں۔

ثنویہ:- یہ دو خالق مانتا تھا ایک خیر کا خالق دوسرا شر کا۔ اس کے سوا کوئی فرقہ خدا تعالیٰ کی ذات میں شرکت کا قائل نہ تھا۔ البتہ شرک کی الوہیت کی مختلف صورتوں میں گرفتار رہے۔

صابئین:- ان کا عقیدہ تھا کہ خدا تعالیٰ کی خاص صفات جیسے صفت وجوب، قدرت اور علم و حکمت میں اگرچہ اس کا کوئی شریک و سہیم نہیں مگر چونکہ اس نے عالم کا نظم و نسق ارواح کواکب کے حوالہ کر دیا ہے اس لئے تعظیم و تکریم اور عبودیت و نیاز کے جتنے آداب ہیں وہ سب ان ہی کے سامنے ادا کرنے چاہئیں۔ اس فرقے کی مفصل تحقیق ابوبکر رازی نے جن کو جصاص بھی کہا جاتا ہے احکام القرآن میں بیان فرمائی ہے وہاں دیکھ لی جائے۔

حافظ ابن تیمیہ نے صابئین اور اہل اسلام کی عبادت میں ایک اہم فرق پر تنبیہ کی ہے وہ تحریر فرماتے ہیں کہ یہ گروہ کواکب اور ملائکہ کی عبادت میں مبتلا تھا۔ وہ ان کا نام عقول اور نفوس رکھا کرتا تھا اور خالق و مخلوق کے مابین ان کو ایک واسطہ تصور کرتا تھا ان کے مقابلہ میں ملت حنیفیہ تھی۔ جب ملت حنیفیہ نے ان کو خدا تعالیٰ کی عبادت اور رسولوں کی اطاعت کا حکم دیا تو انھوں نے الزام کے طور پر کہا کہ خدا اور مخلوق کے درمیان واسطہ تو تم بھی تسلیم کرتے ہو۔ فرق یہ ہے کہ تم بشر کا واسطہ مانتے ہو یعنی رسول کا اور ہم روحانیات کا۔ اس لئے ہم تم سے افضل ہیں۔ شہرستانی نے اپنی کتاب ملل و نحل میں ان کے جواب میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ روحانیات کی نسبت سے بشر ہی کو واسطہ بنانا افضل ہے۔ حافظ ابن تیمیہ تحریر فرماتے ہیں کہ ان کے اس معارضہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شہرستانی کو بھی دین حنیف کی اصلی حقیقت منکشف نہیں ہوئی حقیقت یہ ہے کہ دین حنیف میں خدا تعالیٰ کی عبادت میں واسطہ کسی کو بھی نہیں بنایا جاتا نہ کسی ملک کو نہ کسی بشر کو اور نہ کسی کی روحانیت کو۔ یہاں اگر رسولوں کا واسطہ ہوتا ہے تو صرف خدا تعالیٰ کے احکام پہنچانے کے لئے ہوتا ہے نہ کہ اس کی عبادت کے لئے۔ رسول کی مثال ایسی ہوتی ہے جیسے نماز کے امام کی یا حاجی کے ساتھ مسئلہ بتانے والے معلم کی جیسا معلم حاجی کو صرف احکام حج بتاتا چلتا ہے ایسا ہی رسول بھی صرف خدا تعالیٰ کی عبادت کے طریقوں کی تعلیم کرتا ہے۔ حاجی کا معلم ہو یا نماز کا امام دونوں خدا تعالیٰ کی عبادت میں قطعاً واسطہ نہیں ہوتے بلکہ وہ خود بھی اور لوگوں کے ساتھ خدا تعالیٰ کی بلا واسطہ عبادت کرنے میں شریک ہوتے ہیں اس کے برعکس صابئین عبادت ہی میں روحانیات کا واسطہ تسلیم کرتے ہیں۔ (کتاب الرد علی المنطقیین ص ۲۸۳)

حافظ ابن تیمیہ کی یہ تحقیق نہایت قابل قدر ہے اور اس سے اسلام کی توحید کی پاکیزگی اور بھی زیادہ واضح ہو جاتی ہے۔ آج مسلمانوں میں بھی بعض جاہل فرقے صابئین کی طرح انبیاء اور اولیاء کو خدا تعالیٰ کی عبادت میں شریک کرتے ہیں اور اسی کو اپنی عبادت کی قبولیت کا معیار سمجھتے ہیں بلکہ ان کا شرک صابئین سے بھی زیادہ سنگین ہے ان کا حال ان مشرکین سے بہت ہی مشابہ ہے جو یہ کہتے تھے کہ

مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى۔	ہم ان کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ وہ ہم کو خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں قریب کر دیں۔

ہنود۔ ان میں جو فرقہ قدیم ترین مانا جاتا تھا اس کا عقیدہ یہ تھا کہ مدبر عالم در حقیقت حسین و جمیل روحانیات ہیں جو مجرد ہیں آنکھوں سے نظر نہیں آتیں اس لئے ہم پر لازم ہے کہ ہم ان کے جسم کے سونے اور چاندی کے خوبصورت خوبصورت بت تراش کر ان کے سامنے آداب عبودیت بجا لائیں تاکہ ان کا تقرب حاصل ہو اور وہ ہم سے خوش ہو کر ہمارے کاموں میں ہماری مدد کیا کریں۔

دوسرا فرقہ جو ان میں زیادہ جاہل ہے اس کا خیال یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی ذات پاک خود تو اپنی بزرگی و برتری کی وجہ سے ہماری عبادت سے مستغنی اور بے نیاز ہے اب اس کی عبادت کی یہی ایک صورت ہو سکتی ہے کہ دوسری مخلوق میں سے کسی کو اپنا قبلہ توجہ بنا لیں لہٰذا ملائکہ، نباتات اور جمادات میں جو بھی انھیں عمدہ اور خوش نما یا کامل نظر آیا اسی کو انھوں نے اپنی عبادت کا قبلہ توجہ مقرر کر لیا جیسے دریا، گنگا، یا کسی کا درخت پیپل وغیرہ

ایک فرقہ کا عقیدہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے مقدس و بزرگ بندے ریاضات و مجاہدات کے بعد جب منازل قرب طے کر لیتے ہیں تو وفات کے بعد ان کی روحوں کو ایسی وسعت اور قدرت حاصل ہو جاتی ہے کہ وہ ہر جگہ حاضر و ناظر بن جاتے ہیں اور عالم میں پورے پورے تصرف کے مالک ہو جاتے ہیں اس لئے وفات کے بعد ان کی خوشنودی کے لئے ان کی تعظیم و تکریم کرنی چاہئے اور ان کو سجدہ کرنا چاہئے تاکہ وہ ہم سے خوش رہیں اور دین و دنیا میں ہماری مدد کریں۔ ان سب فرقوں کا شرک یہ نہیں تھا کہ وہ خدا کی ذات میں تعدد کے قائل تھے بلکہ شرک یہ تھا کہ خدائی تصرفات اور خدا کی صفات میں دوسروں کو شریک کیا کرتے تھے چنانچہ قرآن کریم میں ہے۔

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۔

اگر آپ ان سے پوچھیں کہ کس نے زمین اور آسمانوں کو بنایا اور کس نے سورج اور چاند کو کام میں لگایا تو یہی جواب دیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے۔

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۔ (العنکبوت)

اور اگر آپ ان سے پوچھیں کس نے آسمان سے بارش نازل کی پھر اس سے زمین کو زندہ کیا تو یہی کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے۔

اس مضمون کی آیات قرآن کریم میں متعدد جگہ موجود ہیں ان میں کھول کر واضح کر دیا گیا ہے کہ جب خالق کی اصل صفات تمہارے نزدیک بھی ایک ہی ذات میں منحصر ہیں تو پھر تم الوہیت اور خالقیت کے حقوق میں دوسروں کو کیسے شریک کرتے ہو۔

قرآن کریم میں جو بات بہت صاف صاف اور بار بار بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے سوا نفع و نقصان پہنچانے کی طاقت اور کسی میں نہیں اس کی مالک صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات پاک ہے یہ طاقت نہ کسی دوسرے میں بالذات موجود ہے اور نہ اپنی جانب سے خدا تعالیٰ نے کسی اور مخلوق کے حوالے کی ہے حتیٰ کہ دنیا میں سب سے بزرگ ہستیاں انبیاء علیہم السلام کی ہیں پھر ان میں سب سے بزرگ تر

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے مگر یہ طاقت و قدرت آپ کو اپنے جان و مال کے بارے میں بھی عطا نہیں کی گئی۔ بلکہ آپ کو یہ حکم دیا گیا کہ آپ اس بارے میں اپنے عجز کا دنیا کے سامنے صاف صاف اعلان کر دیں تاکہ عجائب پرست دنیا نہ تو آپ سے اس قسم کے تصرفات کی فرمائش کر کے آپ کو تنگ کرے اور نہ آپ کی زندگی میں حوادثات کا مشاہدہ کر کے آپ کی رسالت میں شکوک و شبہات نکالے۔ شاید انبیاء علیہم السلام کی شکست میں ایک بڑی حکمت ان کے اسی عجز کا اظہار بھی ہو۔ اسی لئے فتح و ظفر کے عظیم الشان مظاہرے اور ہزیمت و شکست کے حوصلہ شکن مواقع پر ہمیشہ یہ ایک بات دہرائی جاتی تھی کہ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ اترانے یا گھبرانے کی ضرورت نہیں اگر کامیابی ہو تو مت سمجھو کہ تمہاری طاقت کے بل بوتے پر ہوئی ہے اور اگر ناکامی ہو تو بھی ہمت مت ہارو کیونکہ فتح کے اسباب مہیا ہونے کی وجہ سے ہوتی۔ فتح و نصرت کا تمام معاملہ صرف اسی کی ذات پر منحصر ہے وہ چاہے تو جیتے کو ہرا دے اور چاہے تو ڈوبتے کو تیرا دے۔ اور خوب سمجھ لو کہ جو تھوڑی بہت قسمت تم کو عطا ہوئی ہے وہ صرف تمہارے کام چلانے کے لئے عطا ہوئی ہے وہ اتنی نہیں کہ تم دنیا کے تمام فائدوں کو حاصل کر سکو اور نقصانات سے اپنے کو بچا کر رکھ سکو۔

قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا	آپ کہہ دیجئے کہ میں تو اپنی جان کے نفع و نقصان کا بھی مالک
إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ۔ (اعراف)	نہیں ہوں مگر جتنا اللہ تعالیٰ چاہے صرف اتنا ہی میرا اختیار ہے۔

اسی کے ساتھ دوسری جگہ یہ بھی واشگاف کر دیا گیا کہ جن کے متعلق تمہارا یہ خیال خام ہے کہ وہ بھی اس کے مالک نہیں بلکہ خود بھی خوف و ہراس کے چکر میں پڑے ہوئے ہیں

قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُونِهِ	کہہ دو ذرا ان کو پکارو جن کو تم نے اس کے سوا (خدا)
فَلَا يَمْلِكُونَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا	سمجھ رکھا ہے وہ اس کا اختیار نہیں رکھتے کہ تم سے تکلیف
تَحْوِيلًا۔ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ	کو دور کر دیں اور نہ اس کا کہ اس کو بدل کر کسی دوسرے پر
يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ	ڈال دیں۔ یہ جن کو پکارا کرتے ہیں یہ لوگ ڈھونڈتے ہیں وہ
أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ	ذریعہ اپنے رب تک، کہ کون سا بندہ وسیلہ ڈھونڈتے ہیں کہ کون سا
عَذَابَهُ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ	بندہ بہت نزدیک ہے اور اس کی مہربانی کی امید رکھتے
كَانَ مَحْذُورًا۔ (بنی اسرائیل)	ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔

صحیح بخاری میں روایت ہے کہ کچھ لوگ جنات کی عبادت کرتے تھے وہ جن تو مسلمان ہو گئے اور یہ اپنی قدیم جہالت پر قائم رہے اس پر یہ آیت اتری یا یوں کہا جائے کہ جن، فرشتے اور حضرت مسیح علیہ السلام وغیرہ سب

اس میں شامل ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ جن کو تم خدا کے سوا معبود سمجھ کر پکارتے ہو وہ نہ مستقل کوئی اختیار رکھتے ہیں اور نہ قیامت تک نفع و نقصان پہنچانے کی ان میں قدرت ہے۔ وہ تو خود اللہ تعالیٰ کے تقرب کی تلاش میں لیل و نہار سرگرداں ہیں اور اس فکر میں رہتے ہیں کہ کس عمل کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنے لئے تقرب کا ذریعہ اور وسیلہ بنائیں جو خود اپنی فکروں میں ہیں وہ تمہارے تفکرات بھلا کیا دور کرسکتے ہیں وہ تو خود ہی رجاء و بیم کے چکر میں پڑے ہوئے ہیں۔

اصل یہ ہے کہ انسان کی فطرت میں خدا تعالیٰ کی محبوب و مرغوب ذات کی طرف اگر کوئی میلان ابھرتا پیدا ہوتا ہے تو وہ صرف اسی لئے کہ اس کے نزدیک اس کے نفع و نقصان کا رشتہ اسی کی قادر و توانا ذات کے ساتھ وابستہ ہے اور اگر اس کے اس اعتقاد میں ضعف پیدا ہو جاتا ہے تو اس کا یہ میلان بھی ختم ہو جاتا ہے اور وہ بندۂ خدا ہونے کے بجائے بندۂ اسباب بن جاتا ہے۔ اس کی زبان پر اگر ذکر ہوتا ہے تو اسباب کا۔ اس کے قلب میں اگر محبت ہوتی ہے تو ان ہی کی، خوف ہوتا ہے تو ان ہی سے۔ حتیٰ کہ اس کے جلوت و خلوت رنج و راحت کا مرکز بھی اسباب بن جاتے ہیں۔ مرشد شدہ ترقی یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ نفع و نقصان کے اصلی مالک کو اس کو زیادہ ذہول ہو جاتا ہے کہ اس کے تذکرے سے بھی اسے کوئی لگاؤ نہیں رہتا بلکہ انقباض ہونے لگتا ہے جو کیف اور ذوق و شوق اس کو یا رسول اللہ یا غوث کے نعروں میں میسر آتا ہے وہ نعرہ یا اللہ میں نصیب نہیں ہوتا جس بشاشت سے وہ بزرگوں کی نذر و نیاز کرتا ہے اس کے عشر عشیر سے خدا کی واجب کردہ قربانی ادا نہیں کرتا۔ یہ توحید کا عشق نہیں بلکہ ہمارے کفر و شرک ہیں۔ ذیل کی آیات میں اسی طرف اشارہ ہے۔

ومن الناس من يتخذ من دون الله	انسانوں میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو غیروں سے اتنی محبت کرتے
اندادا يحبونهم كحب الله والذين	ہیں جتنی خدا تعالیٰ کی ذات سے مگر جو لوگ ایمان لاچکے ہیں
آمنوا اشد حبا لله۔	ان کو سب سے زیادہ محبت اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہے۔
واذا ذكر الله وحده اشمأزت	اور جب نام لیا جاتا ہے ایک اللہ کا تو جو لوگ آخرت پر ایمان
قلوب الذين لا يؤمنون	نہیں رکھتے ان کے دل رک جاتے ہیں اور جب اس کے سوا
بالآخرة ... (الزمر)	اوروں کا نام لیا جائے تو خوش ہونے لگتے ہیں۔
وجعلوا لله مما ذرأ من الحرث	اور ٹھہرایا اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی کھیتی اور مویشیوں میں اس کے
والانعام نصيبا فقالوا هذا	نام کا ایک حصہ کہتے ہیں یہ اپنے خیال کے مطابق یہ حصے ہیں۔ یہ
لله بزعمهم وهذا لشركائنا	حصہ ربانی تو اللہ تعالیٰ کا ہے اور یہ حصہ شریکوں کا سو جو
فما كان لشركائهم فلا يصل الى	حصہ ربانی ان کے شریکوں کا ہو گا وہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں پہنچتا

وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ إِلٰى شُرَكَائِهِمْ	اور جو خدا تعالیٰ کا ہوتا ہے وہ ان کے شریکوں کی طرف پہنچ جاتا
سَاءَ مَا يَحْكُمُوْنَ - (الانعام)	کیسا برا فیصلہ کرتے ہیں۔

اسفل السافلین یہی وادی شرک کا نام ہے جو ضلالت کی تنگ گلی میں جا پڑا۔ یعنی کہ وہ مخلوقات کے سب سے نیچے طبقے میں جا پہنچا اب وہ اشرف المخلوقات نہیں رہا بلکہ سب سے ذلیل تر مخلوق بن گیا ہے۔ سورۃ والتین میں اسفل السافلین سے اسی سوء انجام کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ عالم میں ایسے نادان فرقے بہت ہی شاذ و نادر گزرے ہیں جو خدا تعالیٰ کی ذات میں شرکت کے قائل ہوں۔ اکثر فرقے عبادت ہی میں شرک کیا کرتے تھے اور اس ضلالت میں یہاں تک تجاوز کر گئے تھے کہ ان کے نزدیک معبود حقیقی کا نمبر باطل معبودوں سے بھی پیچھے گر گیا تھا۔ اس تمام گمراہی کی بنیاد صرف یہی تھی کہ ان کے عقیدے میں ان کے نفع و نقصان کا رشتہ غیر اللہ کے ساتھ قائم ہو گیا تھا اسی لئے انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا اصل مرکز بھی شرک فی العبادۃ کی تردید ٹھہر گیا تھا۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ	یعنی اس جہان میں جو رسول بھی آیا وہ یہی ایک سبق لے کر آیا کہ جب
رَسُوْلٍ إِلَّا نُوْحِيْ إِلَيْهِ أَنَّهُ	الٰہ ایک ہی ہے بجز اس کے کوئی الٰہ نہیں تو پھر تم صرف اسی
لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُوْنِ -	ایک ہی کی عبادت کیا کرو اور اس کے سوا کسی کو
	اس کا شریک نہ ٹھیراؤ۔

آیت بالا میں یہ بتایا گیا ہے کہ توحید الوہیت کا اصل منشا توحید فی العبادۃ ہی کی تعلیم تھی۔ الوہیت کی توحید امر مسلم ہونے کی وجہ سے اس وقت ایک ثانوی چیز سمجھی گئی تھی۔ مشرکین عرب اگرچہ بہت سے خدا تسلیم کرتے تھے مگر صاحب تصرف ایک ہی کو مانتے تھے بقیہ سب کو اس کا ماتحت سمجھتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمران بن حصین سے پوچھا تھا کہ کفر کے زمانہ میں تم کتنے خداؤں کی پوجا کیا کرتے تھے انہوں نے عرض کیا سات خداؤں کی چھ زمین میں اور ایک آسمان میں۔ آپ نے فرمایا اچھا تو امید و بیم کے ساتھ کس کو پکارا کرتے تھے انہوں نے عرض کیا اس کو جو آسمان میں ہے۔

فَإِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ	جب کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو بڑے خلوص سے خدا کو پکار
مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ	تے ہیں پھر جب وہ ان کو نجات دے کر خشکی میں لے آتا ہے
إِلَى الْبَرِّ إِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ.	تو بات ہی بات میں شرک کرنے لگتے ہیں۔

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ جب کبھی کفار کسی نرغے میں پھنس جاتے تو اس وقت سب کو بھول کر اللہ ہی کی ذات پاک کو یاد کرتے۔

بلا اشتباہ نہیں کہ قرآن کریم یا انبیاء علیہم السلام کی دعوت میں شرک فی الصفات کی تردید شامل ہی نہ تھی
بلکہ مقصد یہ ہے کہ ان کے کلام میں جس امر پر زیادہ زور دیا گیا تھا وہ شرک فی العبادت کی تردید تھی۔ اسلام
کے جملہ ابواب میں اور ہر باب کے جملہ فصول میں جس نکتہ کی ہر جگہ رعایت ملحوظ رہی ہے وہ یہی شرک فی
العبادۃ ہے۔ اس کا راز یہ ہے کہ مخلوق کی پیدائش سے اصل مقصد توحید فی العبادۃ ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ   ہم نے جنات اور انسانوں کو صرف عبادت کے لئے بنایا ہے۔

اس لئے شیطانی طاقتیں ہمیشہ اسی مقصد میں خلل اندازی کی فکر میں رہتی ہیں اور اسی لئے انبیاء علیہم السلام بھی
کو بھی ہمیشہ اسی کے مقابلہ کے لئے آنا پڑا۔ انہیں لوگوں کی بساط شریعت بھی اتنی صاف ہونی چاہئے کہ
اس میں شرک فی العبادت کی کوئی ادنیٰ شکل بھی پیدا ہونے کا امکان نہ رہے۔ اسی لئے قرآن حکیم میں سب سے
کامل شریعت وہی ہونی چاہئے جس کے حدود توحید سب سے زیادہ مستحکم ہوں۔ اسی نکتہ کے پیش نظر اسلام
نے ہر اس رگ کو جڑ سے کاٹ دیا ہے جس میں کفر و شرک کی ادنیٰ سی بھی پیدا ہونے کا احتمال تھا۔ عیسائی حضرت
عیسیٰ علیہ السلام کی تعظیم میں حد سے تجاوز کرنے کی بدولت شرک میں مبتلا ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
صرف اپنی ذات کے متعلق اطراء اور مبالغہ آمیز کلمات سے منع فرمایا بلکہ عام تعظیمی الفاظ بھی ممنوع کر دیئے
قربانی کی ہر اس راستہ سے کفر و شرک کا کوئی احتمال ہی نہ رہا۔ اسلام میں الوہیت کا تخیل صرف محبوبیت
محبوبیت تھا اس میں خوف و طمع کے مخفی جذبات بھی شامل تھے اس لئے یہاں بھی ایسے مضبوط بند
لگا دیئے کہ اب نفع و نقصان اور خوف و طمع کے لحاظ سے ایک مسلم کی نظر میں کوئی دوسری ہستی ہی باقی نہ رہ گئی
مگر اس کو نہیں سکھایا کہ وہ کسی سے محبت نہ کرے کسی کا خوف نہ رکھے بلکہ یہ سکھایا کہ محبت کرے تو خدا کی
خاطر اور ڈرے تو اسی ایک خدا کی خاطر۔ اس تعلیم نے نفع و نقصان کے تمام رشتے توڑ ڈالے اور
صرف مالک حقیقی سے بیم و رجا کا ایک رشتہ رہنے دیا۔ اس کے دماغ کو صرف صریح شرک و
کفر کی نجاستوں ہی سے پاک و صاف نہیں کیا بلکہ اس کو ایسا نازک بنا دیا کہ اگر اس کے گرد و پیش میں کہیں کفر و
شرک کا احتمال بھی ہو تو ایسے شخص کے اس کا دماغ پھٹنے لگا۔ وہ اپنا نام غلام غوث اور عبد النبی رکھنے میں
وہی ناگواری محسوس کرنے لگا جو عبد المطلب یا عبد شمس یا عبد مناف یا عبد العزیٰ جیسے نام رکھنے میں محسوس
کرے۔ اس کی نظر میں سب سے پیارا نام وہ بن گیا جس میں اس کی نسبت عبدیت اسی ذات کی طرف ہو
جس کا وہ درحقیقت عبد تھا یعنی عبد اللہ اور عبد الرحمن اسے جان آفرین کے سوا کسی اور کے نام پر جان
قربان کرنے میں غیرت آنے لگی۔ وہ خدا کے گھر کی طرح اپنے گھروں کو لباس پہنانے سے شرمانے لگا
بتوں کی طرح اینٹوں اور پتھروں پر غلاف چڑھانے سے نفرت کرنے لگا جب اس کے کان میں یہ آواز

المصور کی آواز آئی تو مصور حقیقی کی نقالی کرنے سے اس کی آنکھیں نیچی ہوگئیں اس کے ہاتھوں میں رعشہ پیدا ہوگیا اور اس کا قلم تصویر ہاتھوں سے چھوٹ گیا۔

اسلامی توحید کی ان نزاکتوں کا اندازہ آپ کو ذیل کی احادیث سے ہوگا۔ نسائی شریف میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک دن کسی شخص نے آپ کے سامنے یہ لفظ کہہ دیا ما شاء اللہ وشئت (جو اللہ تعالیٰ چاہے اور آپ چاہیں) آپ نے فوراً اس کو منع کیا اور ان الفاظ میں تنبیہ فرمائی "جعلتنی للہ ندا" (تو نے تو مجھے اللہ تعالیٰ کا ایک شریک ٹھہرا دیا) "قل ما شاء اللہ وحدہ" (یوں کہو کہ جو صرف ایک اللہ چاہے۔)

امام احمد، ابوداؤد اور نسائی وغیرہ نے حذیفہؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا تقولوا ما شاء اللہ وشاء فلان قولوا ما شاء اللہ ثم شاء فلان۔ یعنی اگر سبب حقیقی کے ساتھ تم کسی وقت سبب ظاہری کا بھی ذکر کرنا چاہو تو اس کا طریقہ یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نام کے بالکل برابر اس شخص کا نام ذکر کرو جو ظاہر میں اس کا سبب بنتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی توحید کا ادب یہ ہے کہ پہلے تم صرف اللہ تعالیٰ کا نام لو اس کے بعد پھر دوسرے نمبر میں اس شخص کا نام بھی لے سکتے ہو۔ حدیث شریف میں تین آدمیوں کے امتحان کا ایک طویل قصہ مذکور ہے ان میں ایک کوڑھی تھا دوسرا گنجا اور تیسرا اندھا۔ ان کا امتحان یوں مقصود ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ بصورت آدمی ہر ایک کے پاس علیحدہ علیحدہ آیا اور اس نے اپنی حاجت ان الفاظ میں ظاہر کی فلا بلاغ لی الیوم الا باللہ ثم بک۔ تو آج کے دن میری حاجت براری کے لئے پہلے اللہ تعالیٰ کی ذات ہے یا پھر اس کے بعد ظاہری اسباب میں آپ کی ذات نظر آتی ہے۔ بس جب اسلامی توحید کی نزاکت اتنا بھی برداشت نہیں کرتی کہ اللہ تعالیٰ کے اسم مبارک کے ساتھ کسی مخلوق کے نام کی صرف عبارتی اور لفظی مساوات بھی گوارا کی جائے تو اس کے حقوق میں کسی کی مساوات کب برداشت کر سکتی ہے۔ اسلام نے توحید صرف علمی دائرہ میں نہیں سکھلائی بلکہ اس کو عملی جامہ پہنانے کی بھی تاکید کی ہے اور قدم قدم پر اس کا لحاظ رکھا ہے کہ کس طرح اس کا نقش انسان کے قلب و دماغ پر جم سکتا ہے اسی لئے اس نے عام گفتگو میں بھی کسی کو یہ آزادی نہیں دی کہ وہ خدا تعالیٰ کے اسم مبارک کو دوسرے ناموں کی طرح جس طرح بھی چاہے زبان پر لے آئے بلکہ یہ تنبیہ کی ہے کہ اس کی ہستی کا نقش عظمت اس کے قلب میں اتنا گہرا ہونا چاہئے کہ جب کبھی بات کرتے کرتے وہ اس کے باعظمت نام پر جا پہنچے تو یہاں پہنچ کر اس کی زبان لکنت کرجائے اور وہ کسی بڑے سے بڑے شخص کے نام کے ساتھ اس کی تعبیری مساوات بھی گوارا نہ کرسکے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ جب تک انسان کے ایک ایک عمل سے توحید اس طرح نہ ٹپکنے لگے اس وقت تک

اس کی توحید بھی صرف ایک دماغی فلسفہ کہلانے کی علمی دائرہ میں اس کو شرک سے کیا امتیاز ہوگا۔

ایک سطحی نظر کا شخص تو حدیث مذکور کو صرف ایک تعبیری اصلاح سمجھے گا مگر ایک علم النفس کا ماہر اس کا پورا ادراک کرے گا کہ فطری طور پر کسی حقیقت کے ذہن نشین کرنے کی اس سے زیادہ موثر کوئی اور صورت نہیں نکل سکتی۔ اگر آپ کو کتاب الایمان میں احسان کی بحث ابھی تک فراموش نہیں ہوئی تو ذرا اور سمجھ لیجئے کہ آپ کو اس مقام پر احسان کا ایک لو سبق دیا گیا ہے اور مقصد یہ ہے کہ ایک مومن کے قلب و دماغ پر حق تعالیٰ کی ذات قدسی صفات کی محبت کا اس درجہ استحضار اور غلبہ ہو جانا چاہئے کہ کچھ عبادات ہی میں نہیں بلکہ عام بات چیت میں بھی اس کی غیرت ۔ اس کی عظمت و توحید کے خلاف کوئی ادنیٰ شبہہ برداشت نہ کر سکے۔ بقول شخصے ؎

شرکت غم بھی نہیں چاہتی غیرت میری
غیر کی ہو کے رہے یا شب فرقت میری

؎ غیرت از چشم برم روئے تو دیدن ندہم
گوش را نیز حدیث تو شنیدن ندہم

جب تک ایک مومن کا قلب خدا تعالیٰ کے شریک ٹھہرانے پر اسی درجہ غیور نہ ہو جائے وہ مقام محبت سے آشنا نہیں ہوتا اور جب تک وہ اس وادی سے آشنا نہیں ہوتا اس وقت تک ذوق احسان سے بھی آشنا نہیں ہوتا جب اس تصور کے ساتھ آپ اپنی زبان سے ماشاء اللہ و شاء فلاں کا فقرہ ادا کریں گے تو اس وقت اس معمولی سے کلمہ کی تلخی آپ کی زبان محسوس کرے گی اور اسی وقت حدیث کی اس تعبیری صرف کی حکمت بھی آپ پر روشن ہو سکے گی۔ اسی قسم کے جزئی مقامات سے ایک فہیم شخص کو یہ اندازہ لگانا چاہئے کہ اس نبی عظیم الشان کی معرفت کا عالم کیا ہوگا جس کی شریعت میں توحید باری کا ایک عام ادب یہ ہو کہ سرسری بول چال میں بھی مخلوق کے نام کے ساتھ شرکت و مساوات قائم کرنا حقیقی شرک کی پیش بندی کر دہ سمجھا جاتا ہو۔ اسلام کی توحید سمجھنے کے لئے آپ کھلی کھلی آیات اور واضح احادیث کی طرف مت جائیے یہ تو اس کے ابتدائی اسباق ہیں بلکہ ان عملی گوشوں کو ذرا غور سے ملاحظہ کیجئے جن کی سطح میں بظاہر توحید کا کوئی سبق نظر نہیں آتا مگر جب ذرا غور کیجئے تو اس کے عمق میں اصل مقصد یہی ایک درس توحید ثابت ہوتا ہے۔ انسان کی فطرت ہے کہ وہ مسلسل ایک نوع کا عمل نہیں کر سکتا اس کی طبیعت اکتا جاتی ہے اس لئے شریعت نے اس کے لئے مختلف لذتوں کی مختلف عبادتیں مقرر فرما دی ہیں لیکن ان سب کا اصل مقصد یہی ایک نقطہ توحید پیدا کرنا ہے اب آپ ذرا جنازہ کی نماز ہی کو ملاحظہ کیجئے وہ بھی ایک قسم کی نماز ہی تو ہے اور اسی ذات پاک کے لئے ہوتی ہے جس کے لئے اور فرض نمازیں پھر کیا بات ہے کہ رکوع اور سجود جو نماز کی اصل روح تھے وہ یہاں سے غائب ہیں۔ اگر آپ غور سے کام لیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا

کہ اس میں ایک مصلحت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ایک جنوبیت کو سامنے رکھ کر اس کی طرف رکوع و سجود کرنا شاید اسلام کی توحید برداشت نہیں کرتی بجز اس کے کہ ایک نشان تھا جس کو جاہل قومیں کبھی سجدہ کرتی بھی ہیں مگر ایک معمولی خشک لکڑی جس کی کوئی عبادت نہیں کرتا اگر سترہ کے لئے سامنے گاڑ دی جائے تو اس کے متعلق بھی مقدس اسلام کی ہدایت یہ ہے کہ وہ بھی ٹھیک سامنے نہ ہونی چاہئے بلکہ ذرا داہنی یا بائیں سمت مائل ہونی چاہئے تاکہ اس قوم کے سامنے جس کو پتھروں کو سجدہ کرنے کی عادت تھی کوئی عمل بھی ایسا نہ ہونے پائے جو ان کی قدیم رسم کی یاد دلانے والا یا اس کی ممد و معاون ہو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب قوم بنی اسرائیل کو دریائے نیل کے پار لیکر اترے تو وہاں ان کی قوم نے دیکھا کہ کچھ لوگ بت پرستی میں مشغول ہیں یہ دیکھ کر ان کے منہ میں پانی بھر آیا اور بڑے حسرت کے انداز میں یہ درخواست کرنے پر مجبور ہو گئے۔

قَالُوْا يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ۚ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ۔ (اعراف پ ۹)

وہ کہنے لگے اے موسیٰ ہماری عبادت کے لئے بھی ایسا ہی ایک بت بنا دیجئے جیسے بت ان کے ہیں موسیٰ نے فرمایا تم لوگ بڑے ہی جاہل ہو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیر صحبت تربیت یافتہ صحابہ اتنے تو نہیں گرے لیکن ایک موقعہ پر جب انھوں نے دیکھا کہ مشرکین نے ایک درخت مقرر کر رکھا ہے جس پر وہ اپنے ہتھیار لٹکا دیا کرتے ہیں اور اس کی مناسبت سے اس کو ذات انواط کہا کرتے تھے تو وہ بھی بے ساختہ یہ درخواست کرنے پر مجبور ہو گئے کہ یا رسول اللہ ہمارے لئے بھی ایک ایسا ہی درخت مقرر فرما دیجئے ہم بھی اس پر اپنے ہتھیار لٹکایا کریں گے ذرا سوچئے یہ ایسی شرک کی کیا بات تھی لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنی سی بات کو بھی نہایت اہمیت دی اور بہت تشدید آمیز لہجہ میں اس طرح تنبیہ کی کہ تمہاری یہ درخواست ٹھیک ایسی ہی ہے جیسی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بنی اسرائیل کی یہ درخواست تھی اجعل لنا الٰہا کما لہم آلھۃ۔ یہی راز تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سب معاملات میں جن میں آپ کی کوئی خاص شریعت نازل نہ ہوتی مشرکین عرب کی نسبت اہل کتاب کی موافقت کرنی زیادہ پسند فرماتے۔ پس اسلام نے ہر ہر موقعہ پر جہاں کسی رو سے علاقہ سے بھی شرک کی رگ متحرک ہو سکتی تھی اس کو جڑ سے کاٹ دینے کی کوشش کی ہے۔ ہمارے فقہاء نے اس حقیقت کو خوب سمجھا تھا اسی لئے انھوں نے فرمایا کہ جو حیوان کبھی کسی قوم کا معبود رہ چکا ہو یا کوئی اور ایسی چیز جو کبھی معبود غیر اللہ بن چکی ہو اس کو بھی سترہ نہ بنانا چاہئے اور اس کی طرف بھی نماز نہ ادا کرنی چاہئے۔ اسی طرح طلوع و غروب میں نماز سے ممانعت کی حکمت بھی یہی ہے کہ یہ اوقات بھی مشرکین کی عبادت کے اوقات ہیں ہماری عبادت جہاں ان سے مقصد،

نیت اور اپنی ترتیب و صورت میں ممتاز ہے اسی طرح وقت میں بھی ممتاز رہنی چاہیئے۔ کوئی تنگ نظری نہیں بلکہ شرک فی العبادۃ کے بعید سے بعید رشتوں کے قطع کرنے کی سب سے بہتر صورت ہے۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے لا تأتوا الصلوٰۃ وانتم تسعون وأتوها وعلیکم السکینۃ تم نماز کے لئے دوڑتے بھاگتے نہ آیا کرو بلکہ اس طرح پر وقار کے ساتھ آیا کرو گویا تم سراپا سکون و وقار ہو۔

شیخ اکبر تحریر فرماتے ہیں کہ اس مخصوص ادب میں جو بڑی حقیقت پنہاں ہے وہ یہ ہے کہ نماز کے لئے جب ایک مخصوص مکان مقرر کر دیا گیا، اس کے لئے ایک اعلان بھی کیا گیا اور اس کے بعد نظر آنے لگا کہ مختلف سمتوں سے مختلف جماعتیں کسی ایک مقصد کے لئے کسی ایک جگہ جمع ہونے جا رہی ہیں اگر وہ بہت زیادہ بھاگ کر جائیں گی تو دیکھنے والوں کے دماغ میں یہ نقشہ آسکتا ہے کہ جس طرح اور مذاہب والوں کے معبود کسی ایک جگہ رکھے ہوئے مل جاتے ہیں شاید ان کا بھی اپنا معبود کسی مسجد وغیرہ میں رکھا ہوا مل گیا ہے جس کی طرف یہ ایسے وارفتہ انداز میں بھاگے جا رہے ہیں اس لئے فرمایا کہ تم بھاگا مت کرو بلکہ اس طرح چلا کرو کہ ہر دیکھنے والا سمجھ جائے کہ جہاں تم جا رہے ہو وہاں کچھ بھی نہیں ہے تم کسی ایسے معبود کی تلاش میں ہو جو اس مکان میں بھی ہے اور اس سے باہر بھی۔ ہر حال میں وہ تمہارے ساتھ ہے۔ وہ تمہاری رگ جان سے بھی زیادہ تم سے قریب ہے۔ شیخ اکبر کے اس مضمون کی تائید ایک اور حدیث سے بھی ہوتی ہے ایک مرتبہ صحابہ کرام شدت شوق میں کسی سفر میں چیخ چیخ کر نعرہائے تسبیح و تہلیل لگا رہے تھے آپ نے ان کو اتنے چیخنے سے منع فرمایا اور کہا کہ تمہاری اس حرکت سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمہارا رب شاید تمہارے پاس نہیں کہیں غائب ہے یا اگر موجود ہے تو سنتا نہیں ہے اس کو آہستہ پکارو کیونکہ وہ تمہارے اونٹ کی گردن سے بھی تمہارے قریب ہے اونٹ پر سواری کے وقت جو چیز سوار کو سب سے قریب نظر آتی ہو وہ اس کی گردن ہی ہوتی ہے اس لئے تمثیلی طور پر اس کے قرب کا نقشہ جمانے کے لئے یہی سب سے عمدہ مثال تھی فرمایا انکم لا تدعون اصم ولا غائبا۔ تم تو اس کو پکار رہے ہو جو ہر وقت سنتا ہے اور جواب دیتا ہے پس اسلامی توحید تو اس کو بھی برداشت نہیں کرتی کہ تمہارے کسی عمل سے خدا تعالیٰ کی ذات یا اس کی صفات کے متعلق کوئی ایسا موہوم سے موہوم نقش بھی پیدا ہو سکے جو اس کی شان تقدیس و تنزیہ کے خلاف ہو۔ چہ جائیکہ اس میں شرک کے آثار صاف صاف نمایاں ہو رہے ہوں۔ کیا ایسا مقدس مذہب جو نماز جنازہ میں رکوع و سجود سے منع کرے قبروں کو سجدہ کرنا برداشت کر سکتا ہے جہاں صرف ان کی تعظیم جسد صاحب زمین میں مدفون ہو چکا ہے۔

یہی حقیقت مشرکین کے لباس وضع و قطع اور معاشی و معاشرتی مخالفت میں بھی پنہاں ہے اس کا مقصد

بھی یہ ہے کہ توحید و شرک کا امتیاز صرف علمی مرتبہ ہی میں نہیں ہے بلکہ ایک موحد و مسلم کی رگ رگ سے بھی ٹپکنے لگے۔ اس کے معنی یہ نہیں کہ جو حق تعالیٰ کا مشترکہ طریقہ عبادت ہو اگر مشرکین بھی اسے اختیار کرلیں تو ہمیں اس کو چھوڑ دینا چاہئے کیونکہ اس کے معنی تو یہ ہوں گے کہ ہمارا خود کوئی اصل مرکز اور مقام ہی نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس راہ مستقیم کے ہم مالک ہیں اگر اس میں دوسرے لوگ ہماری اتباع کرتے ہیں تو یہ ان کے شرک میں اسلامی تعلیم کا ایک عکس ہوگا اگر اس میں کچھ ناگواری کی بات ہو تو ان کے لئے ہونی چاہئے نہ کہ ہمیں اپنا مقام چھوڑ کر اس سے ہٹ جانا چاہئے۔ اسی لئے مشرکین کی مخالفت میں اسلام نے ملت حنیفیہ کی اتباع ترک نہیں کی بلکہ الٹا ان کو یہ الزام دیا ہے کہ یہ تو ہمارا حق ہے اس میں تم ہمارے متبع ہو اگر تم اس کی اتباع کرتے ہو تو اس وجہ سے ہم اپنے اصل حق سے دست بردار نہیں ہو جائیں گے۔

إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيمَ لَلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ وَهَٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِينَ آمَنُوا۔ (آل عمران)

ابراہیم کے ساتھ خصوصیت کے سب سے زیادہ حقدار تو وہ لوگ تھے جنہوں نے ان کی پیروی کی اور یہ پیغمبر آخر الزماں اور مسلمان (جو ایمان لائے)

یہ فرق اس صورت سے ظاہر ہو سکتا ہے کہ تم ملت حنیفیہ کا دعویٰ تو کرتے ہو مگر اس کے ساتھ شرک بھی کرتے ہو اور ہم بھی دعویٰ کرتے ہیں مگر اس کے ساتھ شرک سے اپنی بیزاری کا اظہار کرتے ہیں آؤ دیکھیں ملت حنیفیہ کی صحیح اتباع کیا ہے۔

وَقَالُوا كُونُوا هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ تَهْتَدُوا قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ۔ (بقرہ)

کہتے ہیں کہ یہودی یا نصرانی ہو جاؤ تو تم ہدایت پاؤ گے آپ کہہ دیجئے کہ نہیں بلکہ ہم نے حضرت ابراہیم کی راہ اختیار کی جو یکسو ہو کر حق کے تھے اور وہ مشرک نہ تھے۔

اس بیان سے واضح ہو گیا کہ تم تو صرف مدعی ہو مگر ان کے متبع ہم ہی ہیں لہٰذا ان کی اتباع کا بڑا حق ہمارا ہے اس لئے ہم کسی حالت میں اپنے حق سے دست بردار نہیں ہو سکتے۔ جو شعار و مسلمات حضرت خلیل اپنی ذریت میں بطور یادگار چھوڑ گئے وہ تو یہ ہے۔

قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ۔

تم کہہ دیجئے کہ میری نماز میری عبادت، میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ ہی کے لئے ہے جو سارے جہان کا پروردگار ہے کوئی اس کا شریک نہیں اور مجھکو اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں اس کے فرمانبرداروں میں پہلا فرمانبردار ہوں۔

مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَٰكِن كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ

حضرت ابراہیم نہ تو یہودی تھے نہ نصرانی بلکہ حنیف تھے یعنی سب جھوٹے مذہبوں سے بیزار اور حکم کے فرمانبردار تھے

مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۔ | اور مشرک نہ تھے ۔

ان تعلیق اور حقیقت سے لبریز کلمات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلامی توحید کا پورا پورا نقشہ صرف زبان سے کلمہ توحید پڑھ لینے سے عیاں نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ انسانی زندگی کے ہر ہر چھوٹے بڑے گوشے سے بھی ظاہر نہ ہونے لگے اور اس کا ہر ہر عمل اسی ایک ذات پاک کے لئے اس طرح خالص ہو کر رہ جائے کہ اس میں مقدار ذرہ برابر غیر کی شرکت نہ رہے کہ مثبت اور منفی ہر دو پہلو جدا جدا ممتاز نظر آنے لگیں یعنی اس کا مثبت پہلو بھی نمایاں ہو جائے اور شرک کے خلاف جو پہلو ہے وہ بھی اسی حد تک نمایاں ہو جائے۔ توحید کے دعوے کے ساتھ جہاں جھگڑا مداہنت کی ادنیٰ سی ادنیٰ گنجائش بھی ختم ہو جاتی ہے وہ اس کا یہی منفی پہلو ہے اور اسی پہلو کے نمایاں ہو جانے سے اسلام و کفر میں کھلا ہوا امتیاز ہو جاتا ہے۔ شرک کی مسموم فضاؤں میں جب بھی حق کے پیغمبر یا داعی آئے قرآن کا مقصد صرف توحید کا پرچم لہرا دینے سے پورا نہیں ہوا جب تک کہ انہوں نے علم کفر کو سرنگوں بھی نہیں کر دیا۔ اس لئے ان کے دعووں میں بھی کوئی ایسا تحمل نہیں ہوا جس کے بعد کفر کو ان سے اپنے ساتھ سازگاری کی کوئی ادنیٰ سی طمع بھی باقی رہ گئی ہو۔ وہ ہمیشہ ایک مخصوص اور علیحدہ جماعت بن کر سامنے دنیا میں آئے اور جب تک ان کا یہ مقصد پورا نہ ہو گیا وہ روز و شب اسی کے لئے سرگرم عمل رہے ان کی اس پالیسی سے اگر کسی فرد یا جماعت نے اتفاق نہ کیا اور دونوں طرف لگے رہنے کا ارادہ کیا تو انہوں نے ان کو منافق کا لقب دے کر اپنی جماعت سے ہمیشہ ایک علیحدہ جماعت کہا۔ خلاصہ یہ کہ توحید کے مرحلے پر جتنا اس کا مثبت پہلو اہم ہوتا ہے اتنا ہی اہم اس کا منفی پہلو بھی ہو جاتا ہے اگر آپ اتنی بات سمجھ گئے ہیں تو اب سورۂ قل یا ایہا الکافرون میں ایک ہی مضمون کو متعدد پہلوؤں سے ادا کرنے کا راز بھی سمجھ گئے ہوں گے یعنی کفر و اسلام کے دو راستوں کی واضح علیحدگی کے لئے یہی ایک تعبیر تھی جس کے بعد ان کے مابین سازگاری کی کوئی توقع باقی نہیں رہ سکتی۔

یہ بات بھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ اسلام و کفر کے درمیان کوئی نقطہ مشترک نہیں نکلتا جس جگہ کفر ہو وہاں اسلام نہیں اور جہاں اسلام ہے وہاں کفر کی کوئی گنجائش نہیں۔ اسلام کے ساتھ ساتھ کفر کی کسی ایک ادا کو بھی نبھایا نہیں جا سکتا اسی لئے قرآن کریم نے ایمان پر امن مرتب ہونے کے لئے یہ شرط لگا دی ہے کہ اس میں شرک کا کوئی میل نہ ہونا چاہئے۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ | جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان میں
بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ | شرک کی آمیزش نہیں کی ہے یہی لوگ امن کے مستحق ہیں
مُّهْتَدُوْنَ ۔ (انعام) | اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔

ایک نصرانی شخص صرف کلمۂ توحید پڑھ کر مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کا بھی صاف و صریح اقرار نہ کرے کہ حضرت مسیح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ایک بندہ ہی تھے یہ اسی حقیقت پر مبنی ہے کہ توحید الٰہی کے ساتھ وحدہٗ لا شریک لہٗ کا مظاہرہ ہونا بھی ضروری ہے۔ جب تک جملہ شرکاء پر لا کی شمشیر نہیں چلائی جاتی اس وقت تک صحیح طور پر نعرۂ توحید بلند نہیں ہوتا۔

اسلام نے جہاں ظاہری اعمالِ شرک سے منع کیا ہے اسی طرح ان باریک باریک فریبکار راستوں سے بھی روکا ہے جن سے ایک موحد کا اچھا خاصا عمل مشرک کے عمل کے مشابہ بن جاتا ہے مثلاً ریاء و شہرت پسندی جو عمل خواہ وہ اپنی شکل و صورت میں کتنا ہی توحید کا عمل سمجھا جائے لیکن اگر وہ ریاء و شہرت سے آلودہ ہو جائے تو اسلامی نظر میں وہ بھی ایک قسم کا شرکیہ عمل سمجھا جاتا ہے اسی اہمیت کے پیش نظر قرآن کریم نے عمل کے صالح ہونے کے لئے یہ شرط لگا دی ہے کہ وہ شرک کی اس قسم سے بھی پاک و صاف ہونا چاہئے اور ایسے ہی عمل کا نتیجہ لقاء رب ہو سکتا ہے۔

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ	(جس کو اپنے پروردگار سے ملنے کی آرزو ہو
عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ	(اسے چاہئے کہ نیک عمل کرے اور کسی کو اپنے
رَبِّهٖ أَحَدًا۔ (کہف)	پروردگار کی عبادت میں شریک نہ کرے۔

یہاں "لا یشرک" کی تفسیر لا یرائی سے کی گئی ہے یعنی جس شخص کے پیش نظر لقاء رب جیسا اہم مقصد ہو اس کے لئے لازم ہے کہ نیک عمل کیا کرے اور اپنی عبادت میں کسی کو بھی شریک نہ بنایا کرے۔ اس آیت میں یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ جس امر پر یہاں زیادہ زور دیا گیا ہے وہ وہی خدا تعالیٰ کی عبادت میں شرکت کی ممانعت ہے۔ ذاتی شرکت کا مسئلہ گو کم اہمیت نہیں رکھتا وہ بھی ایک بدترین کفر ہے لیکن شرک کی جس خطرناک بیماری میں ایک مدعیٔ توحید بھی الجھ سکتا ہے وہ صرف شرک فی العبادۃ ہے اور اس کی ایک نہایت دقیق اور منحوس قسم ریاء و شہرت پسندی ہے قرآن کریم نے شرک میں عام ابتلاء کا شکوہ ان الفاظ میں کیا ہے۔

وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ إِلَّا	(اور اکثر لوگوں کا حال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان بھی
وَهُمْ مُشْرِكُوْنَ۔ (یوسف)	رکھتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ شرک بھی کرتے رہتے ہیں۔

یعنی ایسے لوگ بہت ہی کم ہیں جو ایمان کے زبانی دعوے کے ساتھ شرک جلی اور شرک خفی کے ہر ہر شعبے سے احتراز رکھتے ہوں۔ غرض قرآن عزیز یہ اعلان کرتا ہے کہ محبوب حقیقی کے متلاشی کہاں مارے مارے پھرتے ہیں ان کے لئے اس کی ملاقات کا صرف یہی ایک راستہ ہے کہ نیک عمل کریں یہ تو اس کا مثبت پہلو ہوا اور

اس کا منفی پہلو یہ ہے کہ اس کی عبادت میں شرک کے کسی نوع کی آلودگی بھی پیدا نہ ہونے دیں یہ منفی پہلو اس لئے ضروری ہے کہ بسا اوقات نیک عمل میں بھی شرک خفی کے جراثیم پیدا ہو جاتے ہیں ایسا عمل گو نیک نظر آئے مگر درحقیقت نیک نہیں ہوتا۔ ٹھیک اسی طرح خدا تعالیٰ کی توحید بھی اس وقت تک خالص توحید نہیں کہلاتی جب تک کہ اس کے ساتھ لا شریک لہٗ اور ما انا من المشرکین کا اعلان بھی صاف صاف نہیں کر دیا جاتا۔ آج بھی اگر آپ اپنے پاؤں کا جائزہ لیں تو اس میں بھی آپ کو توحید کا مثبت پہلو جتنا صاف اور واضح نظر آئے گا اتنا واضح اس کا دوسرا منفی پہلو نظر نہیں آئے گا خوب یاد رکھئے جب تک کہ اس کا یہ پہلو بھی اتنا ہی واضح نہ ہو جائے اس وقت تک آپ کی توحید کا نقشہ بھی نامکمل رہے گا۔ مشکل دعویٰ توحید نہیں اس میں تو اکثر قومیں آپ کی ہم آہنگ ہیں جو مرحلہ مشکل ہے وہ تمام شرکا اور باریک سے باریک شرکیوں سے بیزاری ہے اور اس سے بڑھ کر اس بیزاری کا اعلان ہے اسی لئے کلمۂ لا الٰہ الا اللہ میں مثبت پہلو کی بنیاد منفی پہلو پر قائم کی گئی ہے۔ اتنی وضاحت کے بعد غالباً اب آپ خوب سمجھ گئے ہوں گے کہ اسلامی توحید کو ان مذاہب کی توحید سے کتنا امتیاز ہے ان کی توحید فردانیت اور تثلیث کے عقیدہ کے باوجود قائم رہ سکتی ہے مگر اسلام کی توحید ریا و شہرت پسندی کے بار کی بھی متحمل نہیں ہو سکتی یہاں جس شرک کو ایک مسلمان کو بچنا ہے وہ صرف خدا کی ذات میں شرک نہیں۔ اس کی عبادت میں شرک بھی نہیں بلکہ شرک کی وہ نوع بھی ہے جو اس کے خلوص سے خالص عمل میں بھی خفیہ طور پر پیدا ہو جاتی ہے اور ایک مسلم کو بھی اس سے رستگاری نصیب نہیں ہوتی ہے

برا یہی نظر پیدا مگر مشکل سے ہوتی ہے ہوس چھپ چھپ کے سینہ میں بنا لیتی ہے تصویریں

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ شرک فی الذات شرک فی الصفات (یعنی خدا تعالیٰ کی مخصوص صفات میں کسی کو اس کے برابر سمجھنا) اور شرک فی العبادت تو حقیقی شرک کے اقسام تھے۔ شرک فی التصرف، شرک خفی (یعنی ریاء و شہرت پسندی) اور عقیدۂ توحید کے ساتھ بعض اور نازیبا طریقے جو اگرچہ شرک نہ ہوں مگر عملاً شرک حقیقی کے مشابہ ہوں یہ سب شرک اور وہ بھی شرک ہی سمجھنے چاہئیں کیونکہ ان کی سرحدیں حقیقی شرک کے ساتھ اتنی مل جل جاتی ہیں کہ ان میں ذرا سی لغزش سے حقیقی شرک میں جا پڑنے کا ہر وقت احتمال ہوتا ہے اس لئے مذہب کی صحیح اتباع یہ نہیں کہا ہے افراط کرتا ہوا یکے یا جائے اور خوب احتراز کے ساتھ کیا جائے صحیح اتباع یہ ہے کہ جن افعال سے کفر کی بو بھی آئے ان کو بھی کفر کی طرح ترک کر دیا جائے۔ تاکہ وما انا من المشرکین کا دعویٰ پوری حقیقت کے ساتھ نمایاں ہو جائے اور کرہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان کا پورا پورا نقشہ سامنے آ جائے۔ اس کے بعد یہاں شرک کی ایک قسم اور بھی ہے جس کی طرف عام نظریں نہیں پہنچیں اس پر بھی آ

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے خاص طور پر توجہ فرمائی ہے۔

شاہ صاحب موصوف فرماتے ہیں کہ شرک کی ایک قسم شرک فی الطاعت بھی ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے سوا کسی مخلوق کی اطاعت کرنی ایسی اطاعت کہ اس میں خلق اللہ کے دیگر احوال کی تبیع ہونے کی حیثیت بھی ملحوظ نہ ہو حتیٰ کہ اگر اس کا حکم خداوند عالم کے حکم کے خلاف بھی ہو جب بھی اسی کی اطاعت کی جائے اس کا نام مستقل اطاعت ہے یہ صرف ایک خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کا حق ہے اس لئے اس میں بھی کسی کو شریک بنانا ایک قسم کا شرک ہی ہے۔ اسی لئے قرآن کریم نے اہل کتاب کی اس نوع کی اطاعت کو شرک ہی سے تعبیر کیا ہے۔

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۔ (توبہ)

انہوں نے خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو خدا بنا رکھا ہے۔

آیت بالا کی تفسیر میں منقول ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ اہل کتاب نے تو اپنے احبار علماء کو کبھی ارباب نہیں بنایا تھا اس کے جواب میں آپ نے فرمایا کیوں نہیں، کیا انہوں نے اپنے احبار کو مستقل مطاع کی حیثیت نہیں دی کیا نہیں کہ انہوں نے حلال کہہ دیا انہوں نے اس کو حلال نہیں سمجھ لیا اور جس کو حرام بتا دیا اس کو حرام نہیں سمجھ لیا۔ اطاعت کا یہ منصب صرف ایک رب العزت کے لئے زیبا تھا جب انہوں نے یہ منصب اٹھا کر اپنے احبار کے سپرد کر دیا تو یہی اتخاذ ارباب اور شرک ہے۔ اسی مضمون سے حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ استنباط فرمایا کہ قرآنی نظر میں اس درجہ کی اطاعت بھی شرک کی ایک قسم ہے جس کو مستقل اطاعت کہا جاتا ہے۔ اسی قسم کی اطاعت کو قرآن کریم نے شرک سے تعبیر فرمایا ہے۔

وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ۔ اگر تم ان کی اطاعت کرو گے تو تم مشرک ہو گے۔

رہی غیر مستقل اطاعت جس میں مطاع کی کوئی مستقل حیثیت نہیں ہوتی بلکہ یہ اطاعت رب العزت کے حکم کے ماتحت ہوتی ہے جیسے رسول، مجتہدین امت، سلاطین و امراء، شوہر، والدین اور غلام کی اپنے مالک کی اطاعت اس لئے یہ شرک بھی نہیں بلکہ بعض مراتب فرض اور واجب بھی ہوتی ہے عبادت اور اطاعت میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ عبادت کی حقیقت نہایت تذلل اور انتہائی خشوع و خضوع کا اظہار ہے۔ یہ اسی کے لئے مناسب ہے جس میں نہایت درجہ عظمت موجود ہو ایسی عظمت کہ وہم و گمان میں نہ آسکے۔ اس درجہ کی عظمت صرف ایک ذات میں منحصر ہے اس لئے اس میں غیر مستقل طور پر بھی کسی کی شرکت کے لئے گنجائش نہیں اس میں ہر قسم کی شرکت شرک ہے۔ اور اطاعت کے لئے صرف حکمرانی کی لیاقت درکار ہے یہ بطریق نیابت مخلوق میں بھی پیدا ہو سکتی ہے اس لئے نیابۃً غیر اللہ کی اطاعت

شرک نہیں۔ اس فرق کو نہ سمجھنے کی وجہ سے امت کے چند فرقے افراط و تفریط میں مبتلا ہو گئے ہیں ایک نے
تاویل کر کے غیر اللہ کی عبادت جائز سمجھ لی اور دوسرا اطاعت مجتہدین کو شرک سمجھ بیٹھا اور کوئی
اطاعت رسول کو بھی شرک کا ایک شعبہ قرار دے بیٹھا۔ یہ تمام راہیں حقیقت سے نا آشنا ہونے کی
دلیل ہیں۔ قرآن کریم نے اس مسئلہ کو علمی اور عملی ہر دو پہلوؤں سے پورے طور پر صاف کر دیا ہے۔
علمی لحاظ سے تو اس نے یہ واضح کر دیا ہے کہ رسول کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے علیحدہ
اطاعت نہیں ہوتی اس کو مستقل اطاعت کہنا ہی غلط ہے اس لئے وہ شرک کیسے ہو سکتی ہے۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ — جس نے رسول کا کہا مانا اس نے خدا ہی کا حکم مانا۔

اور عبادت کے متعلق اس قسم کا کہیں ایک حرف بھی نہیں فرمایا جس سے یہ خطرہ بھی گذر سکے کہ غیر اللہ کی عبادت
کسی حالت میں بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت کہی جا سکتی ہے اور عملی دائرہ میں رسول کی اطاعت اور اولوا الامر کی
اطاعت کو خود قرآن ہی نے فرض و واجب قرار دیا پھر اس کو شرک کیسے کہا جا سکتا ہے۔ اس کے برعکس
عبادت میں کسی کی شرکت کو کسی نہج سے بھی گوارا نہیں کیا بلکہ ایک ادنیٰ سی ریا کی نیت کو بھی شرک سے تعبیر
فرمایا اور تعویذ و تمائم کے لئے اس سے بھی احتراز کرنا شعار اہل قرار دیا یہی جتنی بات قرآن کریم سے
کسی تاویل کے بغیر صاف اور صریح طور پر کہی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ اس کے حکم کے ماتحت کسی شخص
یا جماعتوں کی اطاعت تو مناسب ہے اور عبادت میں اس کا حکم یہی ہے کہ اس میں کسی کو شریک
نہ کیا جائے۔

اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ — اللہ تعالیٰ نے اس بات کا حکم دیا ہے کہ عبادت بجز اس کے
اور کسی کی نہ کی جائے۔

پس مسئلہ تو اتنا صاف اور واضح ہے جتنا کہ ہو سکتا ہے لیکن تاویل کا دروازہ کب بند ہوا اس کو
عبادت غیر اللہ کے مشتاق اور اطاعت رسول سے بیزار دونوں جماعتیں کھڑی کرتی رہی ہیں
اللہ تعالیٰ دونوں کو صحیح فہم مرحمت فرمائے اطاعت رسول کے متعلق ہم حجیت حدیث کے
ذیل میں زیادہ بسط کے ساتھ گفتگو کر چکے ہیں ملاحظہ کیجئے۔

الاشراك بالله تعالىٰ مما لم يفطر عليه الانسان

(۳۰۶) عن عياض بن حمار المجاشعي أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ذات يوم في خطبته ألا إن ربي أمرني أن أعلمكم ما جهلتم مما علمني يومي هذا كل مال نحلته عبدا حلال وإني خلقت عبادي حنفاء كلهم وإنهم أتتهم الشياطين فاجتالتهم عن دينهم وحرمت عليهم ما أحللت لهم وأمرتهم أن يشركوا بي ما لم أنزل به سلطانا وإن الله نظر إلى أهل الأرض فمقتهم عربهم وعجمهم إلا بقايا من أهل الكتاب وقال إنما بعثتك لأبتليك وأبتلي بك وأنزلت عليك كتابا لا يغسله الماء تقرؤه نائما ويقظان وإن الله أمرني أن

شرک انسان کی فطرت نہیں

(۳۰۶) عیاض بن حمار مجاشعی سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ میں فرمایا میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ جو کچھ آج اس نے مجھے بتایا ہے اس میں کوئی حصہ جو تم کو نہیں معلوم تم کو بتا دوں (اس نے فرمایا ہے) کہ جو مال میں نے کسی بندہ کو دیا وہ اس کے لئے حلال ہے اور فرمایا کہ میں نے اپنے تمام بندوں کو دین فطرت پر پیدا کیا ہے پھر ان کے پاس شیطان آئے اور ان کو اپنے دین سے ہٹا کر جو چیزیں میں نے ان کے لئے حلال بنائی تھیں حرام کر دیں اور ان پر اصرار کیا کہ میرا شریک ٹھیرائیں جس کی میں نے کوئی دلیل نہیں اتاری اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام روئے زمین پر نظر ڈالی تو عرب و عجم سب کو قابل نفرت سمجھا بجز ان چند لوگوں کے جو اہل کتاب میں سے باقی رہ گئے تھے اور فرمایا کہ میں نے تم کو رسول بنا کر اس لئے بھیجا ہے تاکہ تمہاری بھی آزمائش کروں اور تمہارے ذریعہ دوسروں کی بھی آزمائش کروں اور میں نے تم پر ایسی کتاب نازل کی ہے جس کو پانی دھو نہیں سکتا تم سوتے جاگتے ہر وقت اس کو پڑھ سکتے ہو (قرآن حافظ کے سینہ میں ہوتا ہے پانی سے دھو سکتا ہے نہ اس کے پڑھنے کے لئے آنکھوں سے دیکھنے کی ضرورت ہے) اور اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کا بھی حکم دیا کہ

(۳۰۶) عرب بحیرہ اور سائبہ وغیرہ بعض جانوروں کو بتوں کے نام کے بت سے جانوروں کو اپنے اوپر حرام کر لیا کرتے تھے حدیث کہتی ہے کہ جو جانور اللہ تعالیٰ نے حلال کئے ہیں ان کو حرام کرنے کا حق کسی کو بھی نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کی فطرت شرک سے پاک رکھ کے پیدا فرمائی ہے اس لئے شرک کرنے میں کسی کا کوئی عذر مسموع نہیں۔

إن الله أمرك بخمس كلمات تعمل بها وتأمر بني إسرائيل أن يعملوا بها فإما أن
تأمرهم وإما أن آمرهم فقال يحيى أخشى إن سبقتني بها أن يخسف بي أو أعذب
فجمع الناس في بيت المقدس فامتلأ وقعدوا على الشرف فقال إن الله أمرني
بخمس كلمات أن أعمل بهن وآمركم أن تعملوا بهن أولهن أن تعبدوا الله ولا
تشركوا به شيئا وإن مثل من أشرك بالله كمثل رجل اشترى عبدا من خالص
ماله بذهب أو ورق فقال هذه داري وهذا عملي فاعمل وأد إلي فكان يعمل
ويؤدي إلى غير سيده فأيكم يرضى أن يكون عبده كذلك وإن الله أمركم بالصلوة
فإذا صليتم فلا تلتفتوا فإن الله ينصب وجهه لوجه عبده في صلوته ما لم
يلتفت وآمركم بالصيام فإن مثل ذلك كمثل رجل في عصابة معه صرة فيها
مسك فكلهم يعجب أو يعجبه ريحها وإن ريح الصائم أطيب عند الله من

اللہ تعالیٰ نے آپ کو پانچ باتوں کے متعلق یہ حکم دیا تھا کہ آپ خود بھی ان پر عمل کریں اور بنی اسرائیل
سے بھی عمل کرنے کے لئے کہیں تو یا تو آپ ہی ان سے کہہ دیجئے یا پھر میں ان سے کہہ دوں۔ حضرت
یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ (چونکہ حکم مجھے ہوا ہے اس لئے) مجھے خطرہ ہے اگر اس بارے میں آپ نے
سبقت کی تو کہیں میں زمین میں دھنسا نہ دیا جاؤں یا کسی اور عذاب میں گرفتار ہو جاؤں اس کے بعد
انہوں نے فوراً لوگوں کو بیت مقدس میں جمع کیا جب وہ خوب بھر گیا اور لوگ گیلریوں تک میں بیٹھ
گئے تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے پانچ باتوں پر خود عمل کرنے کا حکم دیا ہے اور اس کا کہ میں تم کو بھی
ان پر عمل کرنے کی تاکید کر دوں۔ پہلی بات یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرو اور کسی کو اس کا
شریک نہ ٹھیراؤ کیونکہ جو شخص کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنائے اس کی مثال ایسی ہے جیسے اس غلام کی
جس کو ایک شخص صرف اپنے سونے چاندی کے مال سے بلا شرکت غیرے خریدے اور اس کو یہ بتا دے
کہ دیکھ یہ تو میرا گھر ہے اور یہ میرا کام ہے تو مزدوری کرنا اور اس کی اجرت مجھے دے دیا کرنا۔ یہ غلام
مزدوری تو کرے مگر اس کی اجرت اپنے آقا کی بجائے کسی اور شخص کو دے دیا کرے بھلا تم میں کون شخص یہ پسند
کر سکتا ہے کہ اس کا غلام ایسا ہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو نماز کا حکم دیا ہے لہٰذا
جب تک نماز میں رہو ادھر ادھر دیکھا نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کی طرف پورا پورا متوجہ رہتا ہے
جب تک وہ ادھر ادھر نہیں دیکھتا تیسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو روزہ کا حکم دیا ہے

ريح المسك وآمركم بالصدقة فإن مثل ذلك كمثل رجل أسره العدو فأوثقوا
يده إلى عنقه وقدموه ليضربوا عنقه فقال أنا أفديه منكم بالقليل والكثير ففدى
نفسه منهم وآمركم أن تذكروا الله فإن مثل ذلك كمثل رجل خرج العدو في أثره
سراعا حتى إذا أتى على حصن حصين فأحرز نفسه منهم كذلك العبد لا يحرز نفسه من
الشيطان إلا بذكر الله قال النبي صلى الله عليه وسلم وأنا آمركم بخمس الله أمرني
بهن السمع والطاعة والجهاد والهجرة والجماعة فإنه من فارق الجماعة قيد شبر فقد خلع
ربقة الإسلام من عنقه إلا أن يراجع ومن ادعى دعوى الجاهلية فإنه من جثى جهنم
فقال رجل يا رسول الله وإن صلى وصام فقال وإن صلى وصام فادعوا بدعوى الله
الذي سماكم المسلمين المؤمنين عباد الله. (رواه الترمذي وقال هذا حديث حسن صحيح غريب)

روزہ کی مثال ایسی ہے جیسے کسی جماعت میں اس شخص کی جس کے پاس ایک تھیلی ہو اس تھیلی میں مشک ہو
تو ہر شخص کو اس کی خوشبو اچھی معلوم ہوگی اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو روزہ دار کے منہ کی بو مشک سے
بھی زیادہ پیاری ہوتی ہے۔ چوتھی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو صدقہ کا حکم دیا ہے اس کی مثال ایسی
ہے جیسے اس شخص کی جس کو دشمن نے قید کر لیا ہو اور اس کے ہاتھ اس کی گردن سے باندھ دیئے ہوں
اور اس کی گردن مارنے کے لئے اس کو لئے جا رہے ہوں۔ یہ شخص کہے کہ میں اپنی جان کے عوض میں تھوڑا
بہت مال (جو کچھ مال میرے پاس ہے) سب دیتا ہوں اور اس طرح فدیہ دے کر اپنی جان کو ان سے
چھڑا لے اور پانچویں بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو ذکر اللہ کا حکم دیا ہے کیونکہ ذکر کی مثال ایسی ہے
جیسے اس شخص کی جس کے تعاقب میں دشمن تیزی کے ساتھ آ رہا ہو اور یہ دوڑتے دوڑتے کسی مضبوط
قلعہ کے اندر آ جائے اور اس میں آ کر اپنی جان کو دشمن سے بچا لے اسی طرح بندہ بجز ذکر اللہ کے اور
کسی طرح اپنے آپ کو شیطان سے بچا نہیں سکتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لوگو! میں تم کو اُن
پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں جن کا حکم خدا تعالیٰ نے مجھ کو دیا ہے۔ اپنے حاکم کا حکم بغور سننا اور بخوشی ماننا
جہاد کرنا، ہجرت اور مسلمانوں کی جماعت جو اپنے امام کے ساتھ رہے۔ ان کے ساتھ تم بھی لگے رہنا کیونکہ
جو امام وقت کی جماعت سے بالشت بھر بھی علیحدہ رہا اس نے گویا اسلام کا طوق اپنی گردن سے اتار پھینکا
مگر یہ کہ وہ اپنی اس حرکت سے باز آ جائے اور پھر اس کی اطاعت کرنے لگے اور پانچویں بات یہ کہ جس نے
اسلام میں پھر زمانہ جاہلیت کی آوازیں لگانی شروع کیں وہ شخص دوزخ کے خس و خاشاک میں داخل ہو گیا

ہو۔ ایک شخص بولا یا رسول اللہ اگرچہ وہ نمازیں بھی پڑھے اور روزے بھی رکھے۔ فرمایا اگرچہ نمازیں بھی پڑھے اور روزے بھی رکھے۔ اس لئے اللہ کے بندو! تم اسی اللہ کی مرضی کے مطابق نعرے لگاؤ جس نے
تمہارا نام مسلم اور مومن رکھا ہے۔ (ترمذی شریف)

الاشراك بالله اقبح الاشياء عند الله

(۴۰۴) عن عمرو بن شرحبيل عن عبد الله قال قلت يا رسول الله اى الذنب اعظم قال ان تجعل لله ندا وهو خلقك ثم قال اى قال ان تقتل ولدك خشية ان ياكل معك ثم قال اى قال ان تزانى حليلة جارك فانزل تصديقها قول الله والذين لا يدعون مع الله الها آخر۔ (بخاری شریف)

(۴۰۵) عن عبد الله قال سألت رسول الله صلى الله عليه وسلم اى الذنب اعظم عند الله قال ان تجعل لله ندا وهو خلقك قال قلت له ان ذلك لعظيم قال قلت ثم اى قال ثم ان تقتل ولدك مخافة ان يطعم معك قال قلت ثم اى قال ثم ان تزانى حليلة جارك. رواه مسلم وفى طريق آخر فانزل الله عز وجل تصديقها والذين لا يدعون مع الله الها آخر ولا يقتلون النفس التى حرم الله الا بالحق ولا يزنون ومن يفعل ذلك يلق اثاما)

شرک اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑا جرم ہے

(۴۰۴) عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ فرمایا یہ کہ تو اس خدا کا شریک ٹھہرائے جس نے تجھ کو تنہا بلا شرکت پیدا کیا ہے پوچھا اس کے بعد فرمایا یہ کہ تو اپنے جگر گوشہ کو اس خوف سے مار ڈالے کہ کہیں وہ تیرے ساتھ تیرے کھانے میں شریک نہ ہو جائے۔ اس نے کہا پھر اس کے بعد فرمایا یہ کہ تو اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرے۔ آپ کے اس کلام کی تصدیق میں آیت ذیل بھی نازل ہوگئی۔ والذین لا یدعون الخ

(۴۰۵) عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا اللہ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کونسا ہے؟ فرمایا یہ کہ تو اس کا شریک ٹھہرائے حالانکہ تجھ کو پیدا اسی نے کیا ہے میں نے کہا بیشک یہ تو بہت بڑا جرم ہے میں نے عرض کیا اس کے بعد فرمایا یہ کہ تو اپنی اولاد کو اس خطرہ سے مار ڈالے کہ وہ بڑا ہو کر کھانے میں تیرا شریک ہوگا۔ میں نے عرض کیا پھر فرمایا یہ کہ تو اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرے۔ صحیح مسلم کے دوسرے طریقے میں ہے کہ آپ کے اس ارشاد کی تصدیق اللہ تعالیٰ نے آیت ذیل میں نازل فرمائی۔ والذین لا یدعون مع اللہ الخ

(۶۰۶) عن أبي الدرداء قال أوصاني خليلي أن لا تشرك بالله شيئا وإن قطعت وحرقت ولا تترك صلوٰة مكتوبة متعمدا فمن تركها متعمدا فقد برئت منه الذمة ولا تشرب الخمر فإنها مفتاح كل شر. رواه ابن ماجه

(۶۰۷) عن أبي أيوب الأنصاري قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ما من عبد يعبد الله ولا يشرك به شيئا ويقيم الصلوٰة ويؤتي الزكوٰة ويجتنب الكبائر إلا دخل الجنة قال فسألوه ما الكبائر قال الإشراك بالله والفرار من الزحف وقتل النفس. رواه الحاكم في المستدرك

(۶۰۸) عن أبي ذر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إن الله تعالى يغفر لعبده ما لم يقع الحجاب قالوا يا رسول الله وما الحجاب قال أن تموت النفس وهي مشركة. رواه البيهقي في كتاب البعث والنشور

(۶۰۹) عن أبي ذر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من لقي الله لا يعدل به شيئا في الدنيا ثم كان عليه مثل جبال ذنوب غفر الله له. ( )

---

(۶۰۶) ابوالدرداءؓ سے روایت ہے کہ میرے سب سے بزرگ محبوب نے یہ وصیت فرمائی ہے کہ کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہ ٹھہرانا اگرچہ تمہاری بوٹی بوٹی کردی جائے اور تم کو جلا کر خاک ہی کردیا جائے اور دیکھو جان بوجھ کر کوئی فرض نماز نہ چھوڑنا کیونکہ جو شخص جان کر نماز چھوڑ دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے بری الذمہ ہوجاتا ہے اور شراب کبھی نہ پینا کیونکہ اس سے تمام برائیوں کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ (ابن ماجہ)

(۶۰۷) ابوایوب انصاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی بندہ ایسا نہیں جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور اس میں کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائے، نماز اچھی طرح پڑھے زکوٰۃ ادا کرے، کبائر سے بچتا رہے مگر وہ ضرور بالضرور جنت میں جائے گا۔ لوگوں نے دریافت کیا یا رسول اللہ کبائر کی تفصیل کیا ہے فرمایا خدا کے ساتھ کسی کو شریک کرنا جہاد سے بھاگ جانا اور کسی کو ناحق قتل کرنا یہ سب کبیرہ ہیں۔ (مستدرک)

(۶۰۸) ابوذرؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کے گناہ برابر بخشتا رہتا ہے جب تک اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے بندہ کے درمیان پردہ نہیں پڑتا صحابہؓ نے پوچھا وہ پردہ کیا چیز ہے فرمایا وہ یہ ہے کہ شرک کے عقیدہ پر کسی کی موت آجائے (کتاب البعث والنشور)

(۶۰۹) ابوذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص دنیا میں کسی کو اللہ تعالیٰ کے برابر نہ ٹھیرائے اللہ تعالیٰ اس کی بخشش فرمادے گا اگرچہ اس کے سر پر پہاڑوں کے برابر بھی گناہ ہوں۔ ( )

(۶۱۰) عن ابی ایوب الانصاری قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من مات لا یشرک باللہ شیئاً دخل الجنۃ۔ (رواہ احمد والطبرانی)

(۶۱۱) عن ابن عباس عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال قال اللہ تعالیٰ من علم انی ذو قدرۃ علی مغفرۃ الذنوب غفرت لہ ولا ابالی ما لم یشرک بی شیئاً (رواہ فی شرح السنۃ)

(۶۱۲) عن عائشۃ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الدواوین ثلاثۃ دیوان لا یغفر اللہ الا الاشراک باللہ یقول اللہ عز وجل ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ۔ ودیوان لا یترکہ اللہ ظلم العباد فیما بینہم حتی یقتص بعضہم من بعض ودیوان لا یعبأ اللہ بہ ظلم العباد فیما بینہم وبین اللہ فذاک الی اللہ ان شاء عذبہ وان شاء تجاوز عنہ۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

(۶۱۳) عن معاذ قال اوصانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعشر کلمات قال

---

(۶۱۰) ابوایوب انصاری روایت فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے جو شخص شرک سے پاک وصاف مرجائے گا وہ ضرور جنتی ہوگا۔ (احمد، طبرانی)

(۶۱۱) ابن عباسؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث قدسی نقل فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جو شخص یہ یقین رکھے کہ میں تمام گناہوں کی بخشش پر قدرت رکھتا ہوں میں اس کو بخش دوں گا بشرطیکہ اس نے کسی کو میرا شریک نہ ٹھہرایا ہو اور میں بڑا بے نیاز ہوں۔ (شرح السنۃ)

(۶۱۲) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اعمال کے دفاتر تین قسم کے ہیں ایک شرک کا دفتر اس کی بخشش کا تو کوئی امکان ہی نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرما چکا ہے کہ خدا تعالیٰ اس بات کی ہرگز مغفرت نہیں کرے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے۔ دوسرا دفتر وہ ہے جس کا انتقام لئے بغیر اللہ تعالیٰ نہیں چھوڑے گا یہ بندوں کے باہم ایک دوسرے پر حقوق ہیں۔ تیسرا دفتر ان حقوق کا ہے جو اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان ہیں۔ اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی مرضی پر موقوف ہے چاہے تو ان پر گرفت فرمائے اور چاہے درگذر فرمادے۔ (شعب الایمان)

(۶۱۳) معاذؓ سے روایت ہے کہ مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دس باتوں کی وصیت فرمائی ہے آپ نے فرمایا ہے۔ (۱) اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا اگرچہ تمہیں جان سے مار ڈالا جائے اور جلا کر خاک ہی کر دیا جائے۔ (۲) اپنے والدین کی نافرمانی نہ کرنا اگرچہ وہ بیوی، مال چھوڑ دینے

لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَاِنْ قُتِلْتَ وَحُرِّقْتَ وَلَا تَعُقَّنَّ وَالِدَيْكَ وَاِنْ اَمَرَاكَ اَنْ تَخْرُجَ مِنْ اَهْلِكَ وَمَالِكَ وَلَا تَتْرُكَنَّ صَلٰوةً مَكْتُوْبَةً مُتَعَمِّدًا فَاِنَّ مَنْ تَرَكَ الصَّلٰوةَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ ذِمَّةُ اللّٰهِ وَلَا تَشْرَبَنَّ خَمْرًا فَاِنَّهُ رَأْسُ كُلِّ فَاحِشَةٍ وَاِيَّاكَ وَالْمَعْصِيَةَ فَاِنَّ بِالْمَعْصِيَةِ حَلَّ سَخَطُ اللّٰهِ وَاِيَّاكَ وَالْفِرَارَ مِنَ الزَّحْفِ وَاِنْ هَلَكَ النَّاسُ وَاِذَا اَصَابَ النَّاسَ مَوْتٌ وَاَنْتَ فِيْهِمْ فَاثْبُتْ وَاَنْفِقْ عَلٰى عِيَالِكَ مِنْ طَوْلِكَ وَلَا تَرْفَعْ عَنْهُمْ عَصَاكَ اَدَبًا وَاَخِفْهُمْ فِى اللّٰهِ۔ (رواه احمد)

(٣١٦) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَهْوَنُ اَهْلِ النَّارِ عَذَابًا اَبُوْ طَالِبٍ وَهُوَ مُنْتَعِلٌ بِنَعْلَيْنِ يَغْلِىْ مِنْهُمَا دِمَاغُهُ۔ (رواه البخاری)

حکم دیں۔ (۳) کوئی فرض نماز نہ چھوڑنا کیونکہ جو شخص قصداً نماز چھوڑتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے بری الذمہ ہو جاتا ہے۔ (۴) شراب نہ پینا کیونکہ یہ تمام بے حیائیوں کا سرچشمہ ہے۔ (۵) خدا کی نافرمانی سے دور رہنا کیونکہ نافرمانی کرنے سے خدا کا غضب اترتا ہے۔ (۶) جہاد میں ہرگز نہ بھاگنا اگرچہ اور لوگ بھاگ جائیں۔ (۷) جب لوگوں میں وبا پھیلے اور تم ان میں موجود ہو تو ثابت قدم رہنا اور بھاگنا مت۔ (۸) اپنی اولاد پر اپنی وسعت کے موافق خرچ کرتے رہنا۔ (۹) بغرض ادب اپنا ڈنڈا ان سے نہ ہٹانا (۱۰) اور اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں انہیں ڈراتے ہی رہنا۔ (احمد)

(۳۱۶) ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دوزخیوں میں سب سے زیادہ ہلکا عذاب ابوطالب کو ہوگا وہ صرف آگ کے دو چپل پہنے ہوئے ہوں گے اس کی وجہ سے ان کا دماغ کھولتا رہے گا۔ (اعاذنا اللہ منہ) (بخاری شریف)

---

(۳۱۶) اگر شرک کے متعلق حتمی وعید میں قدرت کوئی استثنا گوارا کرتی تو شاید ان سے بڑھ کر اس کا کوئی اہل نہ ہوتا مگر جیسا کہ صحیح حدیثوں سے خدا کی وعید میں کوئی استثنا ثابت نہیں ہوتا۔ بعض روایات میں جو تخفیف مذکور ہیں وہ حد ثبوت کو نہیں پہنچتیں۔ یہ حدیث بالفاظ مختلف وارد ہوئی ہے چونکہ اس کے مختلف الفاظ سے مختلف فوائد اخذ کئے ہیں اس لئے اس کو کئی جگہ ذکر کیا ہے مگر ہر جگہ ملتے ہیں۔

(٦١٥) عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ تَعَالَى لَيَطَّلِعُ فِي لَيْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَيَغْفِرُ لِجَمِيعِ خَلْقِهِ إِلَّا لِمُشْرِكٍ أَوْ مُشَاحِنٍ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَهْ وَرَوَاهُ أَحْمَدُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ وَفِي رِوَايَتِهِ إِلَّا اثْنَيْنِ مُشَاحِنٍ وَقَاتِلِ نَفْسٍ.

(٦١٦) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُفْتَحُ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَيَوْمَ الْخَمِيسِ فَيُغْفَرُ لِكُلِّ عَبْدٍ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا إِلَّا رَجُلٌ كَانَتْ بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَخِيهِ شَحْنَاءُ فَيُقَالُ أَنْظِرُوا هٰذَيْنِ حَتَّى يَصْطَلِحَا. (رواه مسلم)

لا ينفع الإيمان مع الإشراك بالله

(٦١٧) عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ لَمَّا نَزَلَتِ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ

---

(٦١٥) ابوموسیٰ اشعری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نصف شعبان کی شب میں اپنے بندوں کی طرف خاص طور پر توجہ فرماتا ہے اور سب کی مغفرت کر دیتا ہے بجز مشرک اور کینہ ور کے۔ (ابن ماجہ۔ احمد)

(٦١٦) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت کے دروازے پیر اور جمعرات کے دن کھولے جاتے ہیں اور ان میں تمام ان بندوں کی بخشش کر دی جاتی ہے جو کسی کو خدا تعالیٰ کا شریک نہیں ٹھہراتے بجز ان کے جن کے دل میں اپنے بھائی کا کینہ ہو۔ ایسے دو شخصوں کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ ان کا معاملہ ملتوی رکھو تا آنکہ وہ دونوں صلح کر لیں۔ (مسلم)

شرک و کفر کی ملاوٹ کے ساتھ ایمان بھی سودمند نہیں

(٦١٧) ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ جب آیت الذین آمنوا (جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے

---

(٦١٦) آسمانوں میں دروازے ہیں وہ کھولے بھی جاتے ہیں اور بند بھی کئے جاتے ہیں یہ سب عالم غیب کے حقائق ہیں ان میں فکر مت الجھئے۔ آخر کلی طور پر آپ کو عالم غیب کا وجود تسلیم ہو چکا ہے تو یہ سب اسی کی معمولی جزئیات ہیں اور اگر ابھی اس کے وجود ہی میں کچھ تردد ہے تو پہلے اسی کو طے کر لیجئے ——— یہاں مقصود یہ ہے کہ ارحم الراحمین کی مہربانیوں کی ایسی خاص ساعات میں بھی شرک کرنے والا محروم رہ جاتا ہے اپنے ایک مسلمان بھائی سے بغض رکھنے والا شخص بھی کتنا بدنصیب ہے جو محرومی میں ایک مشرک کا شریک بن جاتا ہے۔

(٦١٧) یہاں میں شرک ملانے کی مختلف صورتیں ہیں۔ سب سے خطرناک یہ ہے کہ خدا بن پر خدا کی توجہ کا دعویٰ

شَقَّ ذٰلِكَ عَلٰى أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَيُّنَا لَمْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ ذٰلِكَ إِنَّمَا هُوَ الشِّرْكُ أَلَمْ تَسْمَعُوْا قَوْلَ لُقْمَانَ لِابْنِهٖ يَا بُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَيْسَ هُوَ كَمَا تَظُنُّوْنَ إِنَّمَا هُوَ كَمَا قَالَ لُقْمَانُ لِابْنِهٖ ۔ (متفق علیہ)

(٨١٦) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ امْرَأَةَ ثَابِتِ بْنِ قَيْسٍ أَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ثَابِتُ بْنُ قَيْسٍ مَا أَعْتِبُ عَلَيْهِ فِيْ خُلُقٍ وَلَا دِيْنٍ وَلٰكِنِّيْ أَكْرَهُ الْكُفْرَ فِي الْإِسْلَامِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَرُدِّيْنَ عَلَيْهِ حَدِيْقَتَهٗ قَالَتْ نَعَمْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اقْبَلِ الْحَدِيْقَةَ وَطَلِّقْهَا تَطْلِيْقَةً (رواہ البخاری)

اپنے ایمان میں کسی قسم کا ظلم شامل نہیں کیا ہو) نازل ہوئی تو آپ کے صحابہؓ کو سخت پریشانی لاحق ہوئی اور انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم میں ایسا کون شخص ہوگا جس نے کوئی بھی ظلم (گناہ) نہ کیا ہو۔ آپ نے فرمایا یہاں ظلم سے یہ ظلم مراد نہیں بلکہ (سب سے بڑا ظلم) شرک مراد ہے۔ کیا تم نے لقمان کا قول نہیں سنا جو انھوں نے بطور وصیت اپنے لڑکے سے فرمایا تھا اے ولد عزیز دیکھو شرک نہ کرنا کیونکہ بڑا ظلم ہے۔ (متفق علیہ)

(٨١٦) ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ ثابت بن قیس کی زوجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ مجھے ثابت بن قیس اپنے شوہر کی عادت یا ان کے دین پر کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن مجھے اسلام میں کفر کرنا گوارا نہیں۔ آپ نے فرمایا کیا ان کا وہ باغ جو انھوں نے تم کو مہر میں دیا تھا واپس کر سکتی ہو؟ انھوں نے عرض کیا جی ہاں۔ آپ نے ثابت بن قیس سے فرمایا میرا مشورہ یہ ہے کہ تم وہ باغ لے لو اور ان کو ایک طلاق دیدو۔ (بخاری شریف)

در حقیقت اس کی عبادت میں کسی کو اس کا شریک بھی بنایا جائے۔ قرآن کریم نے حسب ذیل الفاظ میں ایسے ہی ایمان کا ذکر فرمایا ہے۔ وما یؤمن اکثرھم باللہ الا وھم مشرکون۔ ان میں اکثر لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں رکھتے مگر اس کے ساتھ ساتھ شرک بھی کرتے جاتے ہیں۔ جس کے ایمان میں کسی قسم کا بھی شرک شامل ہوگا وہ نہ تو ہدایت یافتہ ہے اور نہ آخرت میں اس کو امن و اطمینان نصیب ہوگا۔ ایمان اسی وقت ثابت و مستحکم ہوتا ہے جبکہ اس میں شرک کا کوئی شائبہ نہ ہو کیونکہ جس عمل میں شرک خفی بھی پیدا ہوگیا وہ پورا کا پورا آخرت میں معدوم ہو جائے گا۔

(٨١٧) ثابت بن قیس بہت تند تھے ان کی بی بی کا دل ان سے ملتا نہ تھا جب دل نہیں ملتا تو معاشرتی زندگی میں بے حساب مشکلات پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ ([illegible])

لا تقبل الشفاعة في المشرك

(۶۱۹) عن عوف بن مالك قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم أتاني آت من عند ربي فخيرني بين أن يدخل نصف أمتي الجنة وبين الشفاعة فاخترت الشفاعة وهي لمن مات لا يشرك بالله شيئا. (رواه الترمذي وابن ماجه)

(۶۲۰) عن أبي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال يلقى إبراهيم أباه آزر يوم القيامة وعلى وجه آزر قترة وغبرة فيقول له إبراهيم ألم أقل لك لا تعصني فيقول

مشرک کے حق میں شفاعت قبول نہیں

(۶۱۹) عوف بن مالک روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے پاس میرے پروردگار کی طرف سے ایک فرشتہ آیا اور اس نے مجھے اختیار دیا کہ اگر میں چاہوں تو میری نصف امت جنت میں داخل ہو جائے اور چاہوں تو امت کیلئے شفاعت اختیار کروں۔ میں نے شفاعت کو پسند کر لیا ہے اور یہ اس شخص کیلئے ہو کر رہے گی جو اس حالت پر مر جائے کہ کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہ ٹھہرائے۔ (ترمذی۔ ابن ماجہ)

(۶۲۰) ابوہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ محشر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنے والد آزر سے جب اس حالت میں ملاقات ہوگی کہ ان کے چہرہ پر تاریکی چھائی ہوگی اور غبار آلود

(بقیہ از صفحہ گذشتہ) ۔ بلکہ کتنی ہی کنواری لڑکیاں اور کتنی بیاہتا عورتیں کہ اپنی مقصد براری کیلئے اپنے شوہر کے سر پر الٹی سیدھی [illegible] تہمت لگاتی ہیں بلکہ بڑی صفائی سے اپنی قطعی باتوں کا اظہار کرتی ہیں کسی دنیا [illegible] کی درخواست اس لئے پیش نہیں کرتیں کہ کوئی دنیوی نفع ان کے پیش نظر ہے بلکہ اس لئے کہ وہ بے اسلام [illegible] بھی برداشت نہیں کر سکتیں۔ جس اس وضعیت کو ان کا اسلام تقاضا کرتا ہے وہ [illegible] ان کو [illegible] ایک مسلم کے ساتھ تعلق کی نسبت ہی ایک قسم کا کفر ہے جو [illegible] خدا تعالیٰ کے ساتھ کفر سے [illegible] ہے وہ اپنے شوہر کے ساتھ بھی کفر سے روکتی ہے۔ اسلام کے ساتھ کفر کا کوئی [illegible] مسلمان کے اسلام کو برباد کر دیتا ہے [illegible] اسلام سے [illegible] تعالیٰ کی [illegible] بھیجئے اسی وقت اس کا اسلام سچا ہو سکتا۔ مسلم کہلانے کا مستحق ہے۔

(۶۱۹) یعنی آپ کی شفاعت کیلئے [illegible] کی تفصیل کی ضرورت نہیں صرف اتنی بات کافی ہے کہ شرک سے کلیۃً اجتناب رہے کیونکہ مشرک آپ کی شفاعت کیلئے [illegible] ہوگا۔

(۶۲۰) [illegible] کے ساتھ [illegible] اس کی ممانعت [illegible]

وَعِنْدَهُ أَبُو جَهْلٍ فَقَالَ أَيْ عَمِّ قُلْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ كَلِمَةً أُحَاجُّ لَكَ بِهَا عِنْدَ اللّٰهِ فَقَالَ أَبُو جَهْلٍ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ أَبِي أُمَيَّةَ يَا أَبَا طَالِبٍ أَتَرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَلَمْ يَزَالَا يُكَلِّمَانِهِ حَتّٰى قَالَ آخِرَ شَيْءٍ كَلَّمَهُمْ بِهِ عَلٰى مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ مَا لَمْ أُنْهَ عَنْهُ فَنَزَلَتْ — مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبٰى مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ - وَنَزَلَتْ. إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ. (رواه البخاری)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لے گئے۔ اس وقت ان کے پاس ابوجہل بھی موجود تھا۔ آپ نے ان سے کہا چچا جان لا الٰہ الا اللہ کہہ دیجئے تاکہ اس کلمہ کی وجہ سے مجھے اللہ تعالیٰ کی جناب میں آپ کے لئے کچھ گفت و شنید کا موقع مل جائے۔ اس پر ابوجہل اور عبد اللہ بن امیہ فوراً بولے ابوطالب کیا تم عبد المطلب کا آبائی دین چھوڑ دو گے اور اس سلسلہ میں وہ ابوطالب کو اتنا ورغلاتے رہے یہاں تک کہ انہوں نے جو سب سے آخری بات اپنی زبان سے کہی وہ یہ تھی کہ میں عبد المطلب ہی کی ملت پر ہوں آپ نے فرمایا اس کے باوجود میں آپ کے حق میں استغفار کرتا رہوں گا تا آنکہ مجھے اس سے صاف طور پر روک نہ دیا جائے اس پر یہ آیت اتری۔ نبی اور مومنوں کے لئے یہ نامناسب ہے کہ وہ مشرکوں کیلئے استغفار کریں خواہ وہ ان کے قریبی رشتہ دار کیوں نہ ہوں بعد اس کے کہ ان پر یہ بات واضح ہو چکی ہو کہ مشرک دوزخی جماعت ہیں نیز یہ آیت بھی نازل ہوئی جسے آپ چاہیں اسے ہدایت نہیں دے سکتے۔ (بخاری شریف)

الکافر یجازی بحسناتہ فی الحیوۃ الدنیا

کافروں کی نیکیوں کا بدلہ دنیا ہی میں دیدیا جاتا ہے

قرآن کریم نے اس حقیقت کا بار بار اعلان کر دیا ہے کہ کافر کے اعمال آخرت میں سب اکارت ہو جائیں گے کیونکہ عمل صالح کی ہستی صرف ان کو عمل صالح کا جامہ پہنا دینے سے قائم نہیں ہوتی بلکہ روح ایمانی سے قائم ہوتی ہے . . . . روح ایمانی کے بغیر وہ صرف ایک بے جان قالب اور عمل صالح کا ایک خول رہتا ہے جس میں نہ کچھ حقیقت ہوتی ہے نہ وزن۔ اسی کو قرآن میں حبط سے تعبیر کیا گیا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ کافر کے وہ اعمال جو دنیا میں بظاہر حسنات نظر آتے تھے قیامت میں روشن ہو جائے گا کہ وہ اس کی شامت کفر کی وجہ سے حسنات کا صرف ایک ڈھانچا تھے ان میں حقیقت کی کوئی روح نہ تھی اسی لئے ان اعمال پر وہ کسی ثواب کے مستحق بھی نہ ہوں گے اور اسی لئے ان کو میزان آخرت میں تولا بھی نہیں جائے گا کیونکہ وزن ہمیشہ اسی چیز کا ہوا کرتا ہے جو کوئی مقدار رکھتی ہو۔ جو کوئی مقدار ہی نہ رکھتی ہو اس کا وزن کرنا بھی ممکن نہیں۔ ہاں ان کے اعمال چونکہ حسنات کی صورت ضرور رکھتے ہیں اس لئے آئین رحمت کے ماتحت ان کا بھی کچھ نہ کچھ فائدہ حاصل ہو جائے گا۔ اب وہ خواہ دنیوی وسعت کی شکل میں ہو یا عذاب اخروی کی تخفیف کی صورت میں بہر حال نجات ابدی جس کو قرآن کریم میں فوز عظیم کہا گیا ہے، کافر کے اعمال پر کبھی مرتب نہیں ہو سکتی ہاں تخفیف عذاب ہو سکتی ہے اور وہ بھی ان کے اعمال کے صلہ میں نہیں بلکہ محض فضل ایزدی کے صدقہ میں اور وہ بھی ہر کس و ناکس کیلئے نہیں بلکہ اسی کے لئے جس کے حق میں مولائے کریم فضل کرنا چاہے۔ کافر و مومن کے درمیان اس تفریق کی وجہ بھی خود قرآن کریم نے وضاحت سے بیان کر دی ہے۔ پہلے آپ ان آیات کو ملاحظہ کیجئے جن میں اعمال کفار کی حیثیت اعمال کے حبط ہونے کی تصریح کر دی گئی ہے اس کے بعد وہ آیات ذکر کی جائیں گی جن میں اس تفریق کی وجہ بیان کی گئی ہے۔

(۱) وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (البقرۃ ۲۱۷)	جو تم میں اپنے دین سے برگشتہ ہوگا اور کفر ہی کی حالت میں مر جائے گا تو ایسے لوگوں کا کیا کرایا سب دنیا و آخرت دونوں میں اکارت ہوا اور یہی ہیں دوزخی اور وہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ ہی میں رہیں گے۔

فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ	پس آیا تو اس کو کچھ بھی نہ پایا، اور اللہ کو پایا تو سمجھ گیا
(النور - ۳۹)	اور دیکھا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے اعمال کا حساب پورا پورا چکا دیا۔
(۱۴) كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ	دنیا کی زندگی کی مثال بارش کی سی ہے کہ اس سے کھیتی
يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا ۭ	لہلہانے لگتی ہے اور کاشتکار کھیتی کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے
وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۔	لیکن پھر پک کر خشک ہو جاتی ہے تو اسے زرد دیکھو
(الحدید - ۲)	کہ وہ چورا چورا ہو جاتی ہے پھر آخرت کا سخت عذاب آجاتی ہو گا

ان آیات میں صاف طور پہ بتا دیا گیا ہے کہ کافروں کی سب نیکیاں آخرت میں بیکار ہو جائیں گی اور ان کیلئے ہرگز نجات بخش نہ ہوں گی ان کی امیدیں سب غلط ہیں۔ ان کو نقصان ہی نقصان اور خسارہ ہی خسارہ رہے گا۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے قابل قبول اعمال کو بے وجہ یونہی رد کر دے گا بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ آخرت کے مارکیٹ میں اس بے قدر سکہ کو لانے میں خود انھوں نے غلطی کی ہے۔ سورۂ محمد کی آیتوں میں کافروں کے اعمال کے نامقبول ہونے کی ذمہ داری خود ان ہی کے سر ڈالی گئی ہے اور یہ کہا گیا ہے کہ جب کافروں نے اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کو نفرت سے دیکھا تو پھر اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو رغبت کی نظر سے کیسے دیکھتا انھوں نے خدا کے احکام سے نفرت اختیار کی تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے اعمال سے نفرت اختیار کی۔ جب انھوں نے اس کی ناراضگی کو پسند کیا اور اس کی رضا جوئی کو مکروہ سمجھا تو اس نے بھی ان کے اعمال کو مکروہ سمجھا اور ان کا اجر حبط کر دیا۔

ان کے اس معاندانہ رویہ کی سزا تو یہ تھی کہ انھیں الٹا عذاب دیا جاتا مگر شان رحمت نے ان بے روح اعمال پر بھی علی الحساب دنیوی انعامات دے کر ان کا منہ بند کر دیا ہے تاکہ آخرت میں ان کو ثواب کے مطالبہ کا کوئی حق ہی باقی نہ رہے۔ اب حسب ذیل آیات پڑھئے اس کے بعد اس باب کی حدیثوں کو مطالعہ فرمائیے۔

(۱۵) اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	جن لوگوں نے دین حق کو نہ مانا اور اللہ کے راستے سے لوگوں کو
اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ۔ (محمد)	روکا، خدا نے ان کے کئے کرائے اعمال اکارت کر دیے۔
(۱۶) ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا	مومن کے اعمال کی قبولیت اور کفار کے اعمال کی نامقبولیت
الْبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا	اس وجہ سے ہے کہ جن لوگوں نے دین حق سے انکار کیا وہ غلط
الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۭ	راستے پر چلے اور جو ایمان لائے وہ اپنے رب کی طرف سے آئے
(محمد)	ہوئے ٹھیک راستے پر چلے۔

(١٧) وَالَّذِينَ كَفَرُوا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَأَضَلَّ أَعْمَالَهُمْ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَرِهُوا مَا أَنزَلَ اللّٰهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ۔ (محمد)

اور جو لوگ دین حق سے منکر ہیں ان کیلئے ہلاکت ہے اور ان کا سارا کیا دھرا خدا تعالیٰ برباد کر دیگا اور یہ اس سبب سے کہ خدا نے جو چیز اتاری اس کو انہوں نے ناپسند کیا تو خدا نے ان کے اعمال اکارت کر دیئے۔

(١٨) ذٰلِكَ بِأَنَّهُمُ اتَّبَعُوا مَا أَسْخَطَ اللّٰهَ وَكَرِهُوا رِضْوَانَهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ۔ (محمد)

یہ (غارت) اس لئے آئی کہ جو بات خدا کی ناراضگی کی تھی یہ لوگ اسی کے پیچھے چلے اور اس کی رضامندی کو ناپسند کیا تو خدا نے بھی ان کے اعمال ضائع کر دیئے۔

(١٩) أُولٰئِكَ الَّذِينَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَنَتَجَاوَزُ عَن سَيِّئَاتِهِمْ فِي أَصْحَابِ الْجَنَّةِ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِي كَانُوا يُوعَدُونَ ...... وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ أَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُم بِهَا فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنتُمْ تَفْسُقُونَ۔ (الاحقاف۔٢)

یہ ایسے لوگ ہیں کہ جن کے ساتھ ہم ان کے نیک عمل کو قبول فرمائیں گے اور ان کی خطاؤں سے درگذر کریں گے۔ اس سچے وعدہ کے مطابق جو ان سے دنیا میں کیا جاتا تھا...... اس دن جبکہ کافر دوزخ کے سامنے لائے جائیں گے تو ان سے کہا جائیگا کہ تم دنیا کی زندگی میں اپنے اعمال کے مزے لوٹ چکے اور ان کا خوب فائدہ حاصل کر چکے اب ان کے بدلے میں تم کو ذلت کی سزا دی جائیگی اس لئے کہ تم ناحق زمین میں اکڑا کرتے تھے اور اس لئے کہ تم نافرمانیاں کیا کرتے تھے۔

---

(٢٤) عَنْ عُمَرَ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا هُوَ مُضْطَجِعٌ عَلٰى رِمَالِ حَصِيرٍ لَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ فِرَاشٌ قَدْ أَثَّرَ الرِّمَالُ بِجَنْبِهِ مُتَّكِئًا عَلٰى وِسَادَةٍ مِنْ أَدَمٍ حَشْوُهَا لِيفٌ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ ادْعُ اللّٰهَ فَلْيُوَسِّعْ عَلٰى أُمَّتِكَ فَإِنَّ

(٢٤) حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ایک تکیہ کا سہارا لگائے ہوئے تھے جس میں کھجور کا چھال بھرا ہوا تھا اور ایک کھرے بوریئے پر لیٹے ہوئے تھے آپ کے جسم مبارک اور بوریئے کے درمیان کوئی کپڑا بھی نہ تھا اسلئے بوریئے کے بناوٹ کے نقش جسم نازک پر ابھر آئے تھے۔ یہ حال دیکھکر میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ سے دعا فرمایئے کہ آپ کی امت پر بھی کچھ

فارس والروم قد وسع عليهم وهم لا يعبدون الله فقال أوفي هذا أنت يا ابن الخطاب أولئك قوم عجلت لهم طيباتهم في الحياة الدنيا وفي رواية أما ترضى أن تكون لهم الدنيا ولنا الآخرة۔ (متفق عليه)

(۶۲۵) وعن زيد بن أسلم قال استسقى يوما عمر فجيء بماء قد شيب بعسل فقال إنه لطيب لكني أسمع الله عز وجل نعى على قوم شهواتهم فقال أذهبتم طيباتكم في حياتكم الدنيا واستمتعتم بها فأخاف أن تكون حسناتنا عجلت لنا فلم يشربه۔ (رواه رزين)

(۶۲۶) وعن أنس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إن الله لا يظلم مؤمنا حسنة يعطى بها في الدنيا ويجزى بها في الآخرة وأما الكافر فيطعم بحسنات ما عمل بها لله في الدنيا حتى إذا أفضى إلى الآخرة لم يكن له حسنة يجزى بها۔ (رواه مسلم)

وسعت فرمادے۔ دیکھئے تو سہی آخر فارس اور روم کی قومیں جو اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی نہیں کرتے وہ کس طرح پھل پھول رہے ہیں آپ نے فرمایا ابن الخطاب! اچھا کیا ابھی تک تم اسی بحث کی ہی بھول میں رہے ہو۔ ارے بھئی یہ تو وہ قوم ہے جن کی نیکیوں کا بدلہ جلدی طور پر دنیا ہی میں دے دیا گیا ہے۔ دوسری روایت میں ہے کیا تم اس تقسیم پر خوش نہیں کہ ان کے حصہ میں دنیا ہے اور ہمارے حصہ میں آخرت۔ (بخاری و مسلم)

(۶۲۵) زید بن اسلم بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت عمرؓ نے پینے کے لئے پانی مانگا تو ان کے سامنے شہد کا شربت پیش کیا گیا۔ فرمایا شربت تو بڑا مزیدار ہے لیکن کیا کروں کہ میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد سن رہا ہوں کہ اس نے کافروں کی من مانی خواہشات ملنے پر ان کی مذمت فرمائی ہے اور کہا ہے کہ تم تو اپنی نیکیوں کے مزے دنیا ہی میں اڑا چکے۔ اس لئے مجھے خطرہ ہے کہ ہماری نیکیوں کا بدلہ کہیں جلدی جلدی دنیا ہی میں نہ دیا جا رہا ہو۔ یہ کہہ کر شربت پھیر دیا۔ (رزین)

(۶۲۶) انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کسی مومن پر اس کی کسی نیکی کے بارے میں ظلم نہیں کرتا۔ اس کا بدلہ دنیا میں بھی دیا جاتا ہے اور آخرت میں بھی دیا جاتا ہے۔ رہا کافر تو جو نیکیاں اس نے اپنی دانست میں خدا تعالیٰ کے واسطے کی تھیں ان کا پورا بدلہ دنیا ہی میں لٹا دیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ آخرت میں پہنچتا ہے تو اس کی کوئی نیکی ایسی باقی نہیں ہوتی جس کا ثواب اس کو وہاں دیا جائے۔

(مسلم شریف)

(۶۲۷) عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيْمَ عَنْ أَبِيْهِ أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ عَوْفٍ أُتِيَ بِطَعَامٍ وَكَانَ صَائِمًا فَقَالَ قُتِلَ مُصْعَبُ بْنُ عُمَيْرٍ وَهُوَ خَيْرٌ مِّنِّيْ كُفِّنَ فِيْ بُرْدَةٍ إِنْ غُطِّيَ رَأْسُهٗ بَدَتْ رِجْلَاهُ وَإِنْ غُطِّيَ رِجْلَاهُ بَدَا رَأْسُهٗ وَأُرَاهُ قَالَ وَقُتِلَ حَمْزَةُ وَهُوَ خَيْرٌ مِّنِّيْ ثُمَّ بُسِطَ لَنَا مِنَ الدُّنْيَا مَا بُسِطَ أَوْ قَالَ أُعْطِيْنَا مِنَ الدُّنْيَا مَا أُعْطِيْنَا وَلَقَدْ خَشِيْنَا أَنْ تَكُوْنَ حَسَنَاتُنَا عُجِّلَتْ لَنَا ثُمَّ جَعَلَ يَبْكِيْ حَتّٰى تَرَكَ الطَّعَامَ۔ (رواه البخاری)

(۶۲۸) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا أَحْسَنَ مُحْسِنٌ مُّسْلِمٌ وَلَا كَافِرٌ إِلَّا أَثَابَهُ اللّٰهُ فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا إِثَابَةُ الْكَافِرِ قَالَ إِنْ كَانَ قَدْ وَصَلَ رَحِمًا أَوْ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ أَوْ عَمِلَ حَسَنَةً أَثَابَهُ اللّٰهُ الْمَالَ وَالْوَلَدَ وَالصِّحَّةَ وَأَشْبَاهَ ذٰلِكَ قَالَ فَقُلْنَا مَا إِثَابَتُهٗ فِي الْآخِرَةِ فَقَالَ عَذَابًا دُوْنَ الْعَذَابِ وَقَالَ وَقَرَأَ

---

(۶۲۷) سعد بن ابراہیم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا روزہ تھا جب افطار کے وقت ان کے سامنے نہایت نفیس کھانا رکھا گیا تو فرمانے لگے کہ مصعب بن عمیرؓ شہید ہوئے اور وہ مجھ سے بہتر تھے مگر ان کو کفن کیلئے صرف ایک چادر نصیب ہوئی وہ بھی اتنی تھی کہ جب ان کا سر ڈھکا جاتا تو دونوں پیر کھل جاتے اور جب پیر ڈھکے جاتے تو سر ننگا ہو جاتا تھا (راوی کہتا ہے کہ میرے خیال میں حضرت حمزہؓ کا بھی ذکر فرمایا) کہ وہ بھی شہید ہوئے اور وہ بھی مجھ سے بدرجہا افضل تھے اس عسرت و تنگی کے دور کے بعد پھر ہمارے لئے دنیا کی جو کچھ فراوانی ہونی تھی وہ ہوئی۔ ہمیں خطرہ ہے کہ ہماری نیکیوں کا بدلہ کہیں دنیا ہی میں نہ نمٹایا جا رہا ہو۔ یہ کہہ کر اتنا روئے کہ کھانا اسی طرح چھوڑ دیا۔ (بخاری)

(۶۲۸) حضرت ابن مسعودؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ مسلمان ہو یا کافر نیک عمل جو بھی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اس کا بدلہ ضرور دیتا ہے ہم نے پوچھا یا رسول اللہ کافر کے عمل کا بدلہ کیا ہے فرمایا جو کافر اپنے عزیزوں کے ساتھ سلوک کرتا ہے یا صدقہ دیتا ہے یا اور کوئی بھلا کام کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا بدلہ مال اولاد تندرستی اور اسی قسم کی دنیوی نعمتوں کی شکل میں دیدیتا ہے ہم نے عرض کیا

---

(۶۲۸) بظاہر آیت سے استدلال کی تقریب یہ ہے کہ جب اس آیت سے فرعونیوں کا سخت ترین عذاب میں گرفتار ہونا ثابت ہوا تو دوسروں کے حق میں ان کی نسبت سے عذاب کی تخفیف بھی مفہوم ہوئی لہٰذا ثابت ہوا کہ بعض کفار کو بعض کی نسبت عذاب میں تخفیف ہوگی اس تخفیف کا باعث کچھ ان کی نیکیاں بھی ہو سکتی ہیں۔

حسنات الکافر اذا لم یسلم

(۶۳۰) حَدَّثَنَا الْعَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَغْنَيْتَ عَنْ عَمِّكَ فَإِنَّهُ كَانَ يَحُوطُكَ وَيَغْضَبُ لَكَ قَالَ هُوَ فِي ضَحْضَاحٍ مِنْ نَارٍ وَلَوْلَا أَنَا لَكَانَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ (رواه البخاری فی قصۃ ابی طالب)

(۶۳۱) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَذُكِرَ عِنْدَهُ عَمُّهُ أَبُو طَالِبٍ فَقَالَ لَعَلَّهُ تَنْفَعُهُ شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُجْعَلُ فِي ضَحْضَاحٍ

اگر کافر اسلام نہ لائے تو کیا اس کی نیکیاں سود مند ہیں

(۶۳۰) عباس بن عبد المطلب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا آپ نے اپنے چچا ابو طالب کو کیا نفع پہنچایا، وہ آپ کی بڑی حمایت کرتے تھے اور آپ کی خاطر دوسروں سے ناراض ہو جایا کرتے تھے۔ فرمایا وہ ٹخنوں ٹخنوں تک عذاب میں ہیں اور اگر میری سفارش نہ ہوتی تو سب سے نیچے کے طبقے میں ہوتے۔ (بخاری)

(۶۳۱) ابو سعید خدری بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل میں آپ کے چچا ابو طالب کا ذکر آیا تو انہوں نے ان کے متعلق آپ کو یہ فرماتے سنا قیامت کے دن میری سفارش شاید ان کو کچھ نفع دیدے

(۶۳۱) ان احادیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کافر کی نیکیاں اصولی طور پر بھی تخفیف عذاب کا موجب ہو سکتی ہیں بلکہ صرف اتنا ثابت ہو سکتا ہے کہ خاص مواقع پر کسی سفارش کی وجہ سے اس کے حق میں تخفیف عذاب ہو سکتی ہے۔ اسی لئے آپ نے فرمایا ہے کہ اگر میری سفارش نہ ہوتی تو ان کے عذاب میں تخفیف نہ ہوتی۔ مسلم شریف میں اس حدیث پر یہ باب ہے "شفاعۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم لابی طالب والتخفیف عنہ بسببہ" اس میں اسی طرف اشارہ ہے کہ ابو طالب کے حق میں جو تخفیف ہوئی وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش کی بدولت ہی ہوئی۔ یہ دوسری بات ہے کہ آپ کی سفارش میں ان کی اس حمایت و تائید کا دخل بھی ضرور تھا۔

حافظ ابن تیمیہؒ نے رسول کی ذات سے منتفع ہونے کی دو صورتیں تحریر فرمائی ہیں۔ [illegible] (دیکھیں امامیہ عادہ الی صوان و الراجح: [illegible] فاذا کان [illegible] بہ [illegible] بامر الرسول صلی اللہ علیہ وسلم فابو طالب مع [illegible] لہ کان یحوطہ [illegible] شفاعتہ [illegible] حتی خفف عنہ العذاب. (کتاب الرد علی البکری صلا)

کسی وسیلہ کے ذریعہ کسی کو رسول کی ذات سے صرف دو طرح نفع پہنچ سکتا ہے یا تو اس کے حق میں خود رسول دعا و سفارش کرے یا یہ شخص خود ہی رسول پر ایمان رکھتا ہو، اس کی اطاعت اور اس سے محبت کرتا ہو لیکن اگر نہ تو رسول اس کے حق میں دعا کرے اور نہ یہ اس پر ایمان رکھے تو اب رسول کی ذات سے اس کو کوئی نفع نہیں پہنچ سکتا۔

مِنَ النَّارِ يَبْلُغُ كَعْبَيْهِ تَغْلِي مِنْهُ أُمُّ دِمَاغِهِ (رواه البخاري)

(۶۳۲) عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ الطَّائِيِّ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّ أَبِي كَانَ يَصِلُ الرَّحِمَ وَيَفْعَلُ وَيَفْعَلُ فَهَلْ لَهُ فِي ذٰلِكَ يَعْنِي مِنْ أَجْرٍ قَالَ إِنَّ أَبَاكَ طَلَبَ أَمْرًا فَأَصَابَهُ. رواه أحمد قال الهيثمي رجاله ثقات والطبراني في الكبير

(۶۳۳) عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّ ابْنَ جُدْعَانَ كَانَ يَقْرِي الضَّيْفَ وَيَصِلُ الرَّحِمَ وَيَفْعَلُ وَيَفْعَلُ أَيَنْفَعُهُ ذٰلِكَ قَالَ لَا إِنَّهُ لَمْ يَقُلْ يَوْمًا قَطُّ رَبِّ اغْفِرْ لِي خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ. رواه مسلم وابن جرير والحاكم وصححه

اور اس کی وجہ سے وہ ہلکی آگ میں رکھے جائیں جو صرف ان کے ٹخنوں تک رہے لیکن اس عذاب سے بھی ان کا دماغ تک کھولتا رہے گا۔ (بخاری شریف)

(۶۳۲) عدی بن حاتم طائی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا میرے والد صلہ رحمی کرتے اور بھی بہت اچھے اچھے کام کیا کرتے تھے انہیں کچھ ملے گا؟ راوی کہتا ہے کہ گویا ان کا ثواب ملے گا آپ نے جواب دیا کہ تمہارے والد کی جو نیت تھی وہ انہیں حاصل ہو گئی۔ (یعنی شہرت مقصود تھی وہ اتنی ہو گئی کہ دنیا میں ان کی سخاوت مشہور ہو گئی) [illegible] (احمد طبرانی الکبیر)

(۶۳۳) حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ انہوں نے پوچھا یا رسول اللہ ابن جدعان جاہلیت کے زمانہ میں بڑی صلہ رحمی کیا کرتا تھا اور بھی بہت اچھے اچھے کام کیا کرتا تھا۔ کیا یہ عمل اس کیلئے کچھ سود مند ہوں گے فرمایا نہیں اس نے کسی دن بھی یہ نہیں کہا اے میرے پروردگار قیامت کے دن میری خطاؤں کو درگذر کرنا۔ (ابن جریر حاکم مسلم)

ابو طالب باوجودیکہ کافر تھے لیکن چونکہ وہ آپ کی حمایت کیا کرتے تھے (اور آپ نے ان کے حق میں دعا فرمائی تھی) اس سے ان کے حق میں آپ کی سفارش کارگر ہوئی اور ان کے عذاب میں تخفیف کر دی گئی۔

یہاں ایک شبہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ احادیث بالا سے کافر کے حق میں بھی شفاعت کا نافع ہونا ثابت ہوتا ہے اور یہ بظاہر قرآن کی تصریح کے برخلاف ہے کہ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ۔ کا قول کہ شفاعت کرنے والوں کی شفاعت سود مند نہ ہوگی۔ چنانچہ اس کا سب سے بہتر اور سب سے محقق جواب امام قرطبی کا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

المراد بها في الآية لا تخرجهم من النار وفي الحديث المنفعة بالتخفيف۔

آیت کی مراد یہ ہے کہ شفاعت کی وجہ سے کسی کافر کو عذاب دوزخ سے نجات نہیں دی جائیگی اور حدیث میں شفاعت کا جو نفع مذکور ہے اس سے مراد صرف عذاب کی تخفیف ہے نہ نجات ہی۔

(فتح الباری)

(٦٣٤) عن الزهري قال أخبرني عروة بن الزبير أن ثويبة مولاة لأبي لهب وكان أبو لهب أعتقها فأرضعت النبي صلى الله عليه وسلم فلما مات أبو لهب أريه بعض أهله بشر حيبة قال له ماذا لقيت قال أبو لهب لم ألق بعدكم غير أني سقيت في هذه بعتاقتي ثويبة (رواه البخاري) وفي الفتح ذكر السهيلي أن العباس قال لما مات أبو لهب رأيته في منامي بعد حول في شر حال فقال ما لقيت بعدكم راحة إلا أن العذاب يخفف عني كل يوم اثنين قال وذلك أن النبي صلى الله عليه وسلم ولد يوم الاثنين وكانت ثويبة بشرت أبا لهب بمولده فأعتقها

(٦٣٥) عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده أن العاص بن وائل أوصى أن يعتق عنه مائة رقبة فأعتق ابنه هشام خمسين رقبة فأراد ابنه عمرو أن يعتق عنه الخمسين الباقية فقال حتى أسأل رسول الله صلى الله عليه وسلم فأتى النبي صلى الله عليه وسلم فقال يا رسول الله إن أبي أوصى أن يعتق عنه مائة رقبة وإن هشاما أعتق عنه خمسين

---

(٦٣٤) زہری سے روایت ہے کہ عروہ فرماتے تھے ثویبہ ابولہب کی باندی تھی جسے ابولہب نے آپ کی ولادت کی خوشی میں آزاد کر دیا تھا۔ اس آزاد شدہ باندی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا تھا جب ابولہب مر گیا تو اس کے گھر کے کسی آدمی نے اس کو بہت برے حال میں دیکھا اس سے پوچھا کہو کیا گذری ابولہب نے کہا تم سے جدا ہو کر مجھ کو کوئی راحت نہیں ملی بجز اس کے کہ ثویبہ کو چونکہ میں نے آزاد کیا تھا اس کے بدلہ میں مجھ کو تھوڑا سا پانی پلا دیا جاتا ہے۔ فتح الباری میں سہیلی سے منقول ہے کہ عباسؓ کہتے ہیں جب ابولہب مر گیا تو میں نے اسے ایک سال بعد بہت خراب حال سے خواب میں دیکھا اس نے کہا تم سے جدا ہو کر میں نے راحت کا ذائقہ تک نہیں چکھا۔ صرف پیر کے دن میرے عذاب میں ذرا سی تخفیف کر دی جاتی ہے۔ عباسؓ کہتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت پیر ہی کے دن ہوئی تھی جب ثویبہ نے ابولہب کو آپ کی ولادت کی خوشخبری سنائی تو اس نے خوشی میں آکر اس کو آزاد کر دیا تھا۔ (بخاری شریف)

(٦٣٥) عمرو بن شعیب اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ عاص بن وائل نے مرتے وقت یہ وصیت کی تھی میری طرف سے سو غلام آزاد کر دیئے جائیں ان کے ایک فرزند ہشام نے تو پچاس غلام آزاد کر دیئے تھے دوسرے فرزند عمرو نے بقیہ پچاس آزاد کرنے کا ارادہ کیا تو دل میں کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کئے بغیر مجھے یہ اقدام کرنا مناسب معلوم نہیں ہوتا آپ کی خدمت میں حاضر ہو

منتخب حدیث۔ قال الہیثمی رواہ احمد والطبرانی فی الکبیر ورجالہ رجال الصحیح ما خلا ابا الحسن ... سلم ... ولم یات
ابا ... فیطلبن من ... رجاء من عبد اللہ بن عمرو کتاب الصلاۃ۔

نیکی اس کو سود مند نہیں ہو سکتی۔ (یعنی اس کی مغفرت نہیں ہوگی)۔ (احمد، طبرانی)

ہوا ہے جس میں ما قبلہا نے بعض کا اسیر تیں کی تعلیم کرکے فرمایا کہ کافر کے اعمال کا نفع ہو سکتا ہے مگر یہ نفع اسی وقت ظاہر
ہوگا جبکہ وہ مسلمان ہو جائے ظاہر کے خلاف ہے۔ ہاں شیخ محی الدین نووی کی یہ تشریح صحیح ہے۔ ان کی سب نیکیاں معتبر ہیں جن
کا عبادت میں بھی شمار ہو ... متوسط فیصلہ یہ ہے کہ کافر کی عام نیکیاں تو معتبر ہو سکتی ہیں مگر اس کی عبادت کوئی معتبر شے نہیں ہو سکتی
عبادت اور دوسرے اچھے کاموں میں فرق یہ ہے کہ عبادت خاص اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ عبادت میں نیت اور صاحب حق کی معرفت
کی ضرورت ہے۔ کافر کو اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت کا ایک ذرہ بھی نصیب نہیں ہے۔ اس لئے اس کی عبادت خدا تعالیٰ کی عبادت
ہی نہیں ہوتی۔ وہ صرف ایک خیالی معبود کی عبادت ہوتی ہے۔ اور نیک کاموں سے مراد وہ کام ہیں جن کو انسان اپنی
فطرت سے مذہب کی قید و بند کے بغیر بھی اچھا سمجھتا ہے ان میں نیت کرنا شرط نہیں۔ احادیث بالا میں اسی قسم کے اعمال
کا ذکر ہے جیسے بنی نوع انسان کی ہمدردی، عدل و انصاف، صدقہ خیرات، صلہ رحمی، مہمان نوازی، غلام آزاد کرنا اور اسی
قسم کے اور اعمال۔ سلہ

(باقی حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

(بقیہ حاشیہ گزشتہ) قال البیہقی وقد یجوز ان یکون حدیث ابن جدعان وما ورد من الآیات والاخبار فی
بطلان خیرات الکافر اذا مات علی الکفر ورود انہ لا یکون لہا موقع التخلص من النار وادخال الجنۃ ولکن یخفف
عنہ من عذابہ الذی یستوجبہ علی جنایات ارتکبہا سوی الکفر بما فعل من الخیرات اھ۔ (عبارۃ شیخ امام بیہقی ترجمہ
یہ ہے کہ یہ ہو سکتا ہے کہ ابن جدعان کی حدیث اور سب آیتیں اور حدیثیں جن میں کہا گیا ہے کہ کافر کے بحالت کفر مر جانے کے بعد اس کی نیکیوں
کے برباد ہو جانے کا ذکر آیا ہے وہ اس پر محمول ہوں کہ ان نیکیوں کا نتیجہ اس کے حق میں عذاب دوزخ سے نجات اور جنت
نہ ہو سکے گا۔ مگر یہ ممکن ہے کہ اس کی نیکیوں کی وجہ سے کفر کے علاوہ اس کے دوسرے افعال کی سزا میں ایک گونہ تخفیف
کر دی جائے۔

امام بیہقی کی اس عبارت میں یہ اب صراحت ہوگئی کہ تخفیف عذاب صرف ان کے گناہوں کے عذاب میں تخفیف
ہے۔ کفر کے عذاب میں نہیں۔ گویا نیکیوں کا اثر کفر کے معاملہ میں کچھ نہیں ہوگا۔

حاشیہ صفحہ ہذا۔

سلہ شیخ محی الدین نووی ایک حدیث کے ضمن میں لکھتے ہیں۔ وصرح فی ہذا الحدیث بان یطعم فی الدنیا بما عمل
من الحسنات ای بما فعلہ متقربا بہ الی اللہ تعالیٰ مما لا یفتقر الی النیۃ کصلۃ الرحم والصدقۃ
والعتق والضیافۃ وتسہیل الخیرات ونحوہا۔ ([illegible])

یعنی اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ کافر کی نیکیوں کا بدلہ اسکو دنیا ہی میں دیا جاتا ہے اور یہ اسی قسم کی نیکیوں کا ذکر
ہے جن کو انسان ثواب کے لئے کرتا ہے مگر ان میں نیت شرط نہیں ہوتی جیسے عزیزوں کے ساتھ سلوک۔ صدقہ۔ غلام
آزاد کرنا، مہمانی وغیرہ

كَلِمَتَيْنِ تَنْفَعَانِكَ قَالَ فَلَمَّا أَسْلَمَ حُصَيْنٌ قَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ عَلِّمْنِي الْكَلِمَتَيْنِ اللَّتَيْنِ
وَعَدْتَنِي فَقَالَ قُلِ اللّٰهُمَّ أَلْهِمْنِي رُشْدِي وَأَعِذْنِي مِنْ شَرِّ نَفْسِي - (رواه الترمذی)

ان الله لا مکره له ولا یتعاظم عنده شئ

(۳۳۹) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَعَا أَحَدُكُمْ فَلَا
يَقُلِ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي إِنْ شِئْتَ وَارْحَمْنِي إِنْ شِئْتَ وَارْزُقْنِي إِنْ شِئْتَ وَلْيَعْزِمْ مَسْأَلَتَهُ
إِنَّهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ وَلَا مُكْرِهَ لَهُ (رواه البخاری)

یہ دو کلمے ایسے تعلیم کروں گا جو تم کو بڑے سود مند ہوں گے۔ راوی کہتا ہے کہ اس کے بعد جب حصین
جلدی اسلام میں داخل ہو گئے تو انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ بات یاد دلائی اور عرض کیا
یا رسول اللہ جن دو کلموں کا آپ نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا اب وہ مجھے بتا دیجئے۔ آپ نے فرمایا
اچھا یہ پڑھا کرو اللھم الھمنی الخ خدایا میرے مقصد کی ہدایت میرے دل میں ڈال دے (کہ میں اس پر
عمل پیرا ہو جاؤں) اور میرے نفس کے فریب سے مجھے بچا لے۔ (ترمذی)

اللہ تعالیٰ کی ذات پر جبر کرنے والا کوئی نہیں اور نہ کوئی بڑے سے بڑا کام اس کے نزدیک بڑا ہے

(۳۴۰) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم دعا مانگو تو یوں مت کہا
کرو کہ اے اللہ اگر تو چاہے تو مجھے بخش دے اور تو چاہے تو مجھ پر رحم فرما دے اور تو چاہے تو مجھے روزی دے دے
بلکہ خوب اصرار کے ساتھ کسی شرط و قید کے بغیر دعا مانگا کرو کیونکہ اس پر زبردستی کرنے والا کوئی نہیں وہ خود تو
جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ (بخاری شریف)

بجلی کی طرح پلٹ دیتی تھی، اسی نے حصین کے باطن میں بھی انقلاب پیدا کر دیا تھا۔ اس حدیث سے مشرکین عرب کے
شرک کی تفصیل بھی معلوم ہوتی ہے اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ان کا سب سے بڑا زعم فی العبادت ہے جب تک کہ
عبادت غیر اللہ کے ساتھ وابستہ رہے جو اپنی جگہ مستقل ہوتی اور اس کا تمام شرک ہی رہنا ہے اگر ہوا تو ہم ہی نفع
نقصان کا مالک ایک ہی ذات کو تصور کرتا ہوا اسی لئے اسلام کی توحید کا نمایاں پہلو توحید فی العبادت ہے۔ آج بھی
بہت سے مسلمان ہیں جو کلمہ لا الٰہ الا اللہ زبان سے پڑھ کر غیر اللہ کی عبادت میں مشغول ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں۔
درحقیقت یہ اسلام کی توحید نہیں۔ اگر اسلامی توحید کا صحیح مفہوم ذہن میں آ جائے تو پھر ان افعال کے قریب
پھٹکنا بھی ممکن نہیں ہوگا جن میں عبادت غیر اللہ کی نذر ہو سکے۔

(٦٣٠) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَعَا أَحَدُكُمْ فَلَا يَقُلْ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي إِنْ شِئْتَ وَلٰكِنْ لِيَعْزِمْ وَلْيُعَظِّمِ الرَّغْبَةَ فَإِنَّ اللهَ لَا يَتَعَاظَمُهُ شَيْءٌ أَعْطَاهُ۔ (رواہ مسلم)

(٦٣١) عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ أَخَذَ بِيَدِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنِّي لَأُحِبُّكَ يَا مُعَاذُ فَقُلْتُ وَأَنَا أُحِبُّكَ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ فَلَا تَدَعْ أَنْ تَقُولَ فِي دُبُرِ كُلِّ صَلٰوةٍ رَبِّ أَعِنِّي عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ۔ رواہ احمد وابوداؤد والنسائی الا ان اباداؤد لم یذکر قال معاذ وانا احبک۔

(٦٣٢) عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ كَعْبٍ قَالَ كُنْتُ أَبِيتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

---

(٦٣٠) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم دعا مانگا کرو تو یوں مت کہا کرو اے اللہ اگر تو چاہے تو مجھے بخش دے بلکہ بلا خوف دعا مانگا کرو اور اپنی رغبت بلند رکھا کرو، کیونکہ اللہ کو بڑی سے بڑی چیز دینی بھی کچھ بھاری نہیں ہوتی۔ (مسلم)

(٦٣١) معاذ بن جبل سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ اپنے دست مبارک میں پکڑ کر فرمایا اے معاذ میں تم سے بہت محبت رکھتا ہوں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں بھی آپ سے بڑی محبت رکھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا تو ہر نماز کے بعد یہ کلمات پڑھنا نہ چھوڑنا۔ اے اللہ اپنے ذکر و شکر اور اپنی عبادت اچھی طرح کرنے کے لئے میری مدد فرما۔ (نسائی، ابوداؤد)

(٦٣٢) ربیعہ بن کعب روایت کرتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کبھی سویا تھا

---

(٦٣٠) حدیث بالا میں کلمات دعا کے اندر اس شرط لگانے کے (اگر تو چاہے) دو ہی مفہوم نکل سکتے ہیں۔ یا تو متکلم اپنی شان بے نیازی کا اظہار چاہتا ہے اسی لئے وہ انداز استغنا میں سوال کرتا ہے اور لازمی طور پر اپنی درخواست کی منظوری کی حاجت ظاہر کرنا پسند نہیں کرتا یا مخاطب کی سہولت کی غرض سے ان الفاظ کا اضافہ کرتا ہے گویا اس درخواست کی اجابت مخاطب کی سہولت پر موقوف ہے۔ اللہ تعالیٰ کی جناب میں یہ دونوں باتیں بے محل اور لغو ہیں۔ اس کے سامنے نہ تو اظہار بے نیازی کا موقع ہے اور نہ اس کے لئے کسی اعلیٰ سے اعلیٰ منصب کے بخشنے میں کوئی دشواری ہے مجبوری ہے اس لئے ان الفاظ میں یہ کلمات شرط بے معنی اور سراسر گستاخی ہی ہو گئے۔

(٦٣٢) مطلب یہ ہے کہ بلند مقاصد صرف تمناؤں سے حاصل نہیں ہوا کرتے ان کے لئے مشقت اور مجاہدہ کی چکیوں میں پسنا پڑتا ہے مشہور ہے اصطفاء بالعمل من ابتلا یا ایسی اجابات حتیٰ کہ ترجیحاً نمازوں میں گزارنی نصیب ہوتی ہیں۔ کاہل دین و دنیا نہیں رکھ سکتا کہ تو زندہ فلاح کا راستہ بے عمل کے ساتھ صرف نوافل سے طے ہو جائے گا وہ مقبول اور محروم رہے گا۔ یہی سرافرازی اور بزرگوں کے تو سارے کے مجموعے ہر عمل سے تو افضل ہونا اسلامی تعلیم نہیں۔ کاہل و بخیل

أنقذوا أنفسكم من النار يا فاطمة أنقذي نفسك من النار فإني لا أملك لكم من الله شيئا غير
أن لكم رحما سأبلها ببلالها. (رواه مسلم وفي المتفق عليه بعض تغيير)

(۳۴۴) عن أبي هريرة قال قام فينا رسول الله صلى الله عليه وسلم ذات يوم
فذكر الغلول فعظمه وعظم أمره ثم قال لا ألفين أحدكم يجيء يوم القيامة على رقبته
بعير له رغاء يقول يا رسول الله أغثني فأقول لا أملك لك شيئا قد أبلغتك لا ألفين
أحدكم يجيء يوم القيامة على رقبته فرس له حمحمة فيقول يا رسول الله أغثني فأقول
لا أملك لك شيئا قد أبلغتك لا ألفين أحدكم يجيء يوم القيامة على رقبته شاة
لها ثغاء يقول يا رسول الله أغثني فأقول لا أملك لك شيئا قد أبلغتك لا ألفين

اے مرہ کی اولاد اپنی جانوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔ اے عبد شمس کی اولاد اپنی جانوں کو عذاب دوزخ
سے بچاؤ۔ اے عبد المطلب کی اولاد اپنی جانوں کو عذاب دوزخ سے بچاؤ (یہ تو عام قبائل کو دعوت تھی
اس کے بعد پھر اپنے خاص قبیلہ کو دعوت دی) اے فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) اپنی جان کو آتش دوزخ
سے بچا کیونکہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کسی کی مدد نہیں کر سکتا۔ ہاں میرے تمہارے درمیان جو رشتہ کا تعلق ہے
میں اس کے حقوق ضرور ادا کرتا رہوں گا۔ (مسلم شریف)

(۳۴۴) ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے سامنے خطبہ دینے
کے لئے کھڑے ہوئے اس میں آپ نے خیانت کے معاملہ پر خاص طور پر زور دے کر فرمایا دیکھو میں ایسا نہ دیکھوں
کہ قیامت کے دن تم میں کوئی شخص اس طرح آئے کہ اس کی گردن پر اونٹ لدا ہوا بڑبڑا رہا ہو اور وہ شخص مجھے
آواز دے یا رسول اللہ میری مدد فرمائیے تو میں اس کے جواب میں کہہ دوں آج بھلا میں تیری کیا مدد کر سکتا ہوں
میں تو تجھے دنیا ہی میں سب کچھ صاف صاف کہہ چکا تھا۔ دیکھو ایسا نہ ہو کہ تم میں کوئی شخص اس طرح آئے
کہ اس کی گردن پر گھوڑا لدا ہوا ہو اور وہ ہنہنا رہا ہو اور وہ شخص پکار رہا ہو یا رسول اللہ میری مدد فرمائیے
تو میں اس سے کہہ دوں آج بھلا میں تیری کیا مدد کر سکتا ہوں۔ میں تو تجھے دنیا ہی میں سب کچھ صاف صاف

---

(۳۴۴) اس حدیث میں ذی روح اور غیر ذی روح ہر قسم کے مال کا ذکر ہے۔ ذی روح کے بولنے اور غیر ذی روح
کی حرکت کے ذکر کرنے سے مقصود یہ ہے کہ اس دن کسی قسم کی خیانت پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ غلول کا ذخیرہ جو دراصل اعمال ہی
کب پوشیدہ رہ سکتا ہے پھر اگر جانور خاموش رہے تو بھی ممکن ہے کہ اس طرف کسی کا دھیان نہ جائے لیکن جب جانور بولتا
بھی رہے تو خواہ مخواہ کے لئے بھی ہر شخص کی نظر دوڑ اٹھتی ہے یہی حال کپڑے کی حرکت کا ہے۔ بہر حال اس حدیث میں اس پر

عمله قالوا ولا أنت يا رسول الله قال ولا أنا إلا أن يتغمدني الله برحمة فسددوا وقاربوا واغدوا وروحوا وشيء من الدلجة والقصد القصد تبلغوا (متفق عليه)

وغيره عنه ستة في الدعوات الكبير كما في باب قيام شهر رمضان من المشكوة۔

ليسأل العبد من ربه جميع حاجاته

(٢٢٣٦) عن أنس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ليسأل أحدكم ربه حاجته كلها حتى يسأل شسع نعله إذا انقطع زاد في رواية عن ثابت البناني مرسلا حتى يسأله الملح وحتى يسأله شسعه إذا انقطع (رواه الترمذي)

(٢٢٣٧) عن ثوبان قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من يكفل لي أن لا يسأل

اس کا عمل آخرت میں نجات نہیں دیگا۔ لوگوں نے تعجب سے پوچھا یا رسول اللہ کیا آپ کو بھی فرمایا ہاں مجھکو بھی بجز اس صورت کے کہ اللہ تعالیٰ مجھکو اپنی رحمت میں ڈھک لے ابتدا میانہ روی کے ساتھ عمل کرتے رہو اور زیادہ بلند پروازیاں نہ کرو نیز کچھ صبح و شام کچھ شب کی تاریکی میں میانہ رفتاری کے ساتھ چلتے رہو منزل مقصود کو جا پہنچو گے۔ (متفق علیہ)

بندہ کو چاہیے کہ وہ اپنی سب مرادیں اللہ تعالیٰ سے مانگے

(۲۲۳۶) انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تم کو چاہیے کہ اپنی سب حاجتیں اللہ تعالیٰ ہی سے مانگا کرو یہاں تک کہ اگر جوتی کا تسمہ ٹوٹ جائے تو وہ بھی خدا تعالیٰ سے مانگو۔ اور ایک روایت میں ثابت بنانی سے مرسل طور پر اتنا اور اضافہ منقول ہے کہ نمک بھی اسی سے مانگو حتیٰ کہ

(۲۲۳۷) ثوبانؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس بات کا کون ضامن ہوتا ہے کہ وہ کسی شخص سے کچھ سوال نہ کیا کرے گا تو میں اس کیلئے جنت کا ضامن ہوتا ہوں۔ ثوبانؓ نے

یہاں درجہ طالبین کے ساتھ جب بار بار سب صالحین کا ذکر آتا ہے تو یہ عقیدہ رحمت کی طرف احتیاج میں اپنی ذات کو بھی کوئی استثنا نہیں فرماتے اسی لئے حضرات انبیاء علیہم السلام بھی فرماتے تھے کہ ہم الٰہی کی رحمت کا [illegible] بھی یہاں رحمت کے [illegible] رحمت کا [illegible] لازم ہے کہ رحمت کی طرف نظر اٹھائے ہوئے میانہ روی کے ساتھ قدم اٹھاتے چلے وہ اپنی منزل مقصود پر ضرور جا پہنچے گا۔

إلى النبي صلى الله عليه وسلم فذكرنا ذلك له فقال ما أنا حملتكم بل الله حملكم وإني والله لا أحلف على يمين فأرى غيرها خيرا منها إلا كفرت عن يميني وأتيت الذي هو خير وكفرت عن يميني۔ (رواه البخاري)

(۶۵۳) عن المغيرة بن شعبة أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يقول في دبر كل صلاة مكتوبة لا إله إلا الله وحده لا شريك له له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير اللهم لا مانع لما أعطيت ولا معطي لما منعت ولا ينفع ذا الجد منك الجد۔ (متفق عليه)

آپ نے نہ دینے کی قسم کھائی تھی پھر غالباً بھول گئے آپ نے ہم کو یہ اونٹ دے دیئے ہیں چلو پھر لوٹ چلیں تاکہ آپ کو آپ کی قسم کی یاد دہانی کرادیں۔ چنانچہ ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے ہماری گفتگو سن کر فرمایا میں نے تو تم کو یہ اونٹ نہیں دیئے بلکہ تم کو اللہ تعالیٰ نے دیئے ہیں اگر بالفرض میں کسی ایسی بات پر قسم کھالوں پھر اس کے خلاف میں بہتری دیکھوں تو میں یقیناً اپنی قسم کا کفارہ دے دوں گا اور جس بات میں بہتری ہوگی وہ کرلوں گا یا پہلے وہ کام کرلوں گا اس کے بعد اپنی قسم کا کفارہ ادا کروں گا۔ (راوی کو ان دو باتوں کے درمیان صحیح ترتیب یاد نہیں رہی) (بخاری شریف)

(۶۵۳) مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرض نمازوں کے بعد یہ کلمات پڑھا کرتے تھے معبود کوئی نہیں مگر صرف ایک اللہ اس کا کوئی شریک نہیں ملک اسی کا ہے اور تمام تعریفیں بھی اسی کے لئے ہیں اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اے اللہ جو تو دیدے اس سے روکنے والا کوئی نہیں اور جو تو روک لے اس کا دینے والا کوئی نہیں اور تیرے سامنے کسی صاحب ثروت کی دولت بھی اس کے لیے کچھ سودمند نہیں

انکار تھا جب یہ اونٹ میرے پاس آگئے تو میں نے تم کو دیدیئے یہ تو سب اللہ کی تقسیم ایزدی ہے۔

(۶۵۳) سبحان اللہ! اسلام کی توحید بھی کتنی بلند ہے یہی نہیں بلکہ اعمال کی ادنیٰ صورتوں میں بھی شرکت کی کوئی گنجائش نہیں رکھی گئی۔ ایک مسلمان ہر نماز کے بعد اسی کا اعادہ کرتا ہے کہ وہ نفی و اثبات کی صورت میں خدا کی الوہیت کا ذکر کر کے [illegible] پیدا کرے یعنی جس طرح وہ لا الہ الا اللہ کی صورت میں معبود باطل کی شرکت کی نفی کرتا ہے اسی طرح لا مانع لما اعطیت کی شکل سے وہ دینے کی ان دو صفتوں میں بھی شرکت کی نفی کیا کرے۔ کیونکہ جب ملک اسی کا ہے تو حکم بھی اسی کا چلنا چاہئے روکنے دینے والا ہے اور وہی کھینچنے والا۔ پھر اس کی بارگاہ دنیوی بادشاہوں کی طرح نہیں جہاں قرب کا مدار دولت پر ہو بلکہ صرف اخلاص و عمل کا دارومدار ہوگا کسی کی ثروت و دولت کچھ کام نہ آئے گی۔

الاعتقاد بان لغیر اللہ اثرا فوق ما اراد منہ کفر

(۶۵۵) عن زید بن خالد الجهنی انه قال صلی لنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوۃ الصبح بالحدیبیة علی اثر سماء کانت من اللیل فلما انصرف النبی صلی اللہ علیہ وسلم اقبل علی الناس فقال هل تدرون ماذا قال ربکم قالوا اللہ ورسوله اعلم قال اصبح من عبادی مؤمن بی وکافر فاما من قال مطرنا بفضل اللہ ورحمته فذلک مؤمن بی وکافر بالکوکب واما من قال بنوء کذا وکذا فذلک کافر بی مؤمن بالکوکب۔ (رواہ البخاری)

(۶۵۶) عن ابی هریرۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ما انزل اللہ من السماء من

کسی مخلوق کے متعلق ظاہری سببیت سے بڑھ کر حقیقی تاثیر کا اعتقاد رکھنا کفر ہے

(۶۵۵) زید بن خالد جہنی کہتے ہیں کہ شب کو بارش برس چکا تھا اس کی صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام حدیبیہ میں ہم لوگوں کو نماز پڑھائی۔ جب نماز سے فارغ ہو چکے تو لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کچھ جانتے ہو تمہارے پروردگار نے کیا فرمایا ہے۔ سب نے عرض کیا اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ہی زیادہ جاننے والے ہیں۔ آپ نے کہا یہ فرمایا ہے کہ آج صبح میرے بندوں میں دو فریق ہو گئے، ایک مومن ہو گیا اور ایک کافر ہو گیا۔ جس نے یہ کہا کہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے پانی برسا وہ تو مجھ پر ایمان لایا اور ستاروں کا منکر ہوا اور جس نے یہ کہا کہ فلاں فلاں ستارہ کی وجہ سے پانی برسا وہ ہمارا منکر ہو گیا اور ستاروں پر ایمان لایا۔ (بخاری شریف)

(۶۵۶) ابوہریرۃ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ جو برکت بھی آسمان سے

(۶۵۶) یہاں حدیث کے ظاہر، مضمون کو ذکر کرنا ہے۔ مقصود یہ ہے کہ اس کی باطنی کا کچھ اثر نہیں تھا کی کہ بارش تو جیسے پہلے ہی کی کسی مخلوق کی طرف نسبت کرے جس کو تاثیر کوئی بھی دخل نہ ہو۔

واضح رہے کہ جہاں کہیں حدیث میں کسی مخلوق کی جانب حقیقی یا اضافت واقع تاثیر کا اعتقاد رکھی ہے وہاں شریعت اپنا سب سے پہلا سبق توحید ہی کا سمجھ رہی ہے جب کہ زمانہ جاہلیت میں ستاروں کے متعلق عرب کا اعتقاد تھا وہ بعض اچھے برے امور کی بارش یا عالم کے بہت سے حوادث میں اسی طرح موثر سمجھتے تھے جیسے کہ آج بہت سے ضعیف الاعتقاد مسلمان بزرگوں کو سمجھتے ہیں اور تاثیر کو ایسی ہی جو بعض ان کے دعا ... ترتیب معروف وہی ہوئی۔ شریعت نے عالم اسباب میں اشیاء کے اسباب خود مقرر فرمائے ہیں مگر ... ہوتا ہے کہ سبب کو سبب یا مسبب کو ... عالم موثر حقیقی کے برابر ہو جائے۔ اس سے عالم میں ایک غیر مرتبط سلسلہ کا بھی وجود ہے کے ساتھ قائم رہے اور بعض کی

بركة إلا أصبح فريق من الناس بها كافرين ينزل الله الغيث فيقولون بكوكب كذا وكذا (رواه مسلم)

(۶۵۶) عن ابن عباس قال أخبرني رجل من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم

نازل فرماتا ہے لوگوں میں ایک نہ ایک فرقہ اس کا منکر ہو کر رہتا ہے (کتنا ظلم ہے کہ) بارش تو خدا بھیجے اور لوگ یہ کہیں کہ فلاں فلاں ستاروں کی رفتار کی وجہ سے ہوئی ہے۔ (مسلم شریف)

(۶۵۷) ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی نے جو قبیلۂ انصا

قدرت کا واسطہ ایک کا وجود دوسرے کے ساتھ وابستہ کر کے اسی کا نام عالم اسباب ٹھہرایا ہے اور جب کبھی انسان اس کی کوشش کرتا ہے کہ وہ اصل کارفرما اسی کی قدرت کو سمجھتا ہے۔ اسلام کی توحید اس تغافل کو برداشت نہیں کرتی کہ کوئی شخص عالم میں ایک ذرہ کی جنبش بھی کسی بھی قدرت کے سوا کسی اور کو حقیقۃً محرک سمجھے اس کا ایک ایک ذرہ اسی کی مخلوق ہے اور اسی کی قدرت سے حرکت کرتا ہے۔

عرب میں انسانی زندگی کے لئے سب سے اہم مسئلہ چونکہ بارش ہی کا تھا اس لئے اس کے تذکرے اکثر ستاروں کی رصد اور بچاؤ کے قلب میں اپنے حقیقی خالق کی طرف کیا کشش باقی رہ سکتی ہے۔ مسائل خوف و رجا کے دو بازو ایسے ہیں جو مخلوق کو طوعاً و کرہاً اپنے خالق کی عبادت کی طرف کھینچے لئے جاتے ہیں۔ اگر ان دونوں میں ایک بھی کمزور ہو جاتا ہے تو انسان کی دلی جاذب مخلوق کی طرف جھکنے لگتی ہے پھر یہ توقع باطل ہے کہ اس کو خالق کے ساتھ قرب کرنے پر فطرۃً مجبور ہونا پڑتا ہے اسی لئے شریعت نے جابجا تنبیہ کی ہے کہ حوادث عالم میں صرف اسی کی ذات موثر ہے اور اسی کو موثر سمجھنا چاہئے اور اسی حقیقت کو اتنا ذہن نشین کیا ہے کہ بعض بعض وقت کسی کو تلاوا انگیزی کے سبب گزرنے لگتا ہے کہ شاید سلسلۂ اسباب ہی کی منکر ہے حالانکہ یہی حقائق پر صرف وہم پرستی ہو جاتی ہے ایسی ہی ہوتا جاتا ہے اگر شریعت یہاں تعبیرات میں اتنی شدت اختیار نہ کرتی تو یہ قوم مخلوقات ہی کی تاثیر میں الجھ کر رہ گئی تھی وہ موثر حقیقی تک کیسے پہنچتی۔

شیخ نووی فرماتے ہیں کہ اگر بارش کی نسبت ستاروں کی طرف تاثیر کے اعتقاد کے ساتھ کی ہے جب تو صریح کفر ہے اور اگر صرف ایک علامت ہونے کی بنا پر ہے جب بھی ایسے لفظ کے استعمال کی ممانعت کی ہے جو کفر اور غیر کفر دونوں کا محتمل ہو (کتاب الاذکار) مگر افسوس جو لوگ توحید ایمانی نہیں رکھتے وہ ان نزاکتوں کو بھی نہیں سمجھتے اسباب محسوسہ اسباب پر کلی اعتماد کا نام روشن خیالی اور علم اور وسعت قدرت کی اصلی طاقت پر بھروسہ کرنے کا نام جمود اور جہل رکھ چھوڑا ہے یہ بڑا قصور نظر ہے۔ خدا تعالیٰ انصاف عطا فرمائے۔

(۶۵۷) آفتاب و ماہتاب اور ستاروں کے متعلق غلط اعتقادات ہی نے عرب کے قلوب میں ان کی بے جا عظمت پیدا کر دی تھی ان میں کسی کے متعلق اس کی حد سے زیادہ اعتقاد عظمت ہی درحقیقت اس کی عبادت کا پیش خیمہ ہو جاتا ہے اسی لئے قرآن و حدیث نے جگہ جگہ سلسلۂ سببیت کو اتنا بے وقعت بنایا ہے کہ بعض کو غلطی کو زور سے پڑھنے لگتا ہے کہ شاید شریعت سرے سے اس سلسلہ ہی کا انکار کرتی ہے۔ یاد رکھو خدا تعالیٰ کی

من الأنصار أنهم بينا هم جلوس ليلة مع رسول الله صلى الله عليه وسلم رُمي بنجم فاستنار فقال لهم رسول الله صلى الله عليه وسلم ماذا كنتم تقولون في الجاهلية إذا رُمي بمثل هذا قالوا الله ورسوله أعلم كنا نقول وُلد الليلة رجل عظيم ومات رجل عظيم فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم فإنها لا يُرمى بها لموت أحد ولا لحياته ولكن ربنا تبارك اسمه إذا قضى أمرا سبّح حملة العرش ثم سبّح أهل السماء الذين يلونهم حتى يبلغ التسبيح أهل هذه السماء الدنيا ثم قال الذين يلون حملة العرش لحملة العرش ماذا قال ربكم فيخبرونهم ماذا قال فيستخبر بعض أهل السماوات بعضا حتى يبلغ هذه السماء الدنيا فتخطف الجن السمع فيقذفون إلى أوليائهم ويرمون فما جاؤ

میں کا تھا۔ مجھ سے بیان کیا کہ وہ ایک شب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک ستارہ ٹوٹا اور روشن ہوگیا۔ آپ نے ان سے پوچھا جب زمانہ جاہلیت میں اسی طرح کوئی ستارہ ٹوٹا کرتا تھا تو تم لوگ اس کے متعلق کیا عقیدہ رکھتے تھے؟ پہلے تو انھوں نے عرض کیا کہ خدا اور اس کا رسول زیادہ عالم ہیں اس کے بعد کہا کہ ہمارا عقیدہ تھا کہ اس شب میں یا تو کوئی بڑا شخص پیدا ہوا ہے یا اس کی وفات ہوئی ہے۔ آپ نے فرمایا ستارہ نہ تو کسی کی پیدائش کی وجہ سے ٹوٹتا ہے نہ کسی کی موت کی وجہ سے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کوئی حکم صادر فرماتے ہیں تو (بارگاہ الوہیت کے ادب کے موافق) پہلے عرش کے فرشتے تسبیح پڑھنا شروع کر دیتے ہیں پھر ان کی تسبیح سن کر ان کے متصل آسمان کے فرشتے تسبیح میں مشغول ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ فرشتوں کی تسبیح کا یہ سلسلہ اس دنیا کے آسمان تک متصل اور مسلسل ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد جو فرشتے عرش والے فرشتوں کے متصل ہیں ان سے دریافت کرتے ہیں تمہارے پروردگار نے کیا حکم صادر فرمایا وہ جو کچھ ارشاد ہوا تھا ان کو بتا دیتے ہیں۔ اسی کے جیسا ایک آسمان والے دوسرے آسمان والوں سے اسی طرح پوچھتے چلے آتے ہیں یہاں تک کہ نوبت اس آسمان دنیا تک آجاتی ہے (یہاں شیاطین ان خبروں کو سننے کے لیے چھپ کر کھڑے رہتے ہیں) وہاں میں کوئی اڑتی بات سن کر اچک لے جاتے ہیں پھر

تو پھر کیا اعتقاد صحیت اثری نہیں کہ وہ ایک بے تکی بے معنی سی بات جو کبھی کبھی چل جاتی ہے وہ درحقیقت اسی ایک کا تصرف ہے حدیث کا مضمون اور دل لگا کر بار بار پڑھئے تو آپ کا قلب تمام مخلوق کی عظمت سے خالی ہو کر ایک فنا در علی الاطلاق ہستی کی عظمت سے معمور ہو جائے گا۔

یہی بات کہ شیاطین کو آسمانوں تک رسائی ہونا اور غیب کی سو فی خبریں خدا کے دو ورک تباہی کے تصرف کے اعمال

عَلٰى وَجْهِهٖ فَهُوَ حَقٌّ وَلٰكِنَّهُمْ يَقْرِفُوْنَ فِيْهِ وَيَزِيْدُوْنَ ۔ (رواه مسلم)

(۶۵۸) عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ يَوْمًا مُسْتَعْجِلًا اِلَى الْمَسْجِدِ وَقَدِ انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ فَصَلّٰى حَتَّى انْجَلَتْ ثُمَّ قَالَ اِنَّ اَهْلَ الْجَاهِلِيَّةِ كَانُوْا يَقُوْلُوْنَ اِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَا يَنْخَسِفَانِ اِلَّا لِمَوْتِ عَظِيْمٍ مِّنْ عُظَمَاءِ اَهْلِ الْاَرْضِ وَاِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَا يَنْخَسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَّلَا لِحَيَاتِهٖ وَلٰكِنَّهُمَا خَلِيْقَتَانِ مِنْ خَلْقِهٖ يُحْدِثُ

وہی بات اپنے ماخوں کے پاس لے آتے ہیں اس اثنا میں ان کو مار بھگایا جاتا ہے۔ اب جو کلمہ وہ پہلا
ہو لے آتے ہیں وہ تو درست نکلتا ہے لیکن وہ اپنی طرف سے) اس میں بہت کمی بیشی کر دیتے ہیں اس لئے
ان کی بہت باتیں غلط نکلتی رہیں۔ (مسلم)

(۶۵۸) نعمان بن بشیر سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جلدی جلدی مسجد میں
تشریف لائے اس وقت آفتاب کو گہن لگ چکا تھا آپ نے اتنی دیر تک نماز پڑھی کہ آفتاب صاف ہو گیا اس
کے بعد فرمایا کہ جاہلیت کے زمانہ میں لوگوں کا یہ اعتقاد تھا کہ چاند اور سورج جب گہن ہوتے ہیں تو کسی ایسے
شخص کی موت پر گہن ہوتے ہیں جو اس وقت زمین میں سب سے بڑی ہستی ہوتی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ نہ
ان کو کسی کی موت کی وجہ سے گہن لگتا ہے نہ پیدائش کی وجہ سے۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی مخلوق
ہیں اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہی تبدیلی اپنی مخلوق میں پیدا کر دیتا ہے۔ لہذا جب کسی کو گہن لگ جائے تو

کرنے ہوا ان سے اتنی بات کی تصدیق ہو سکتی ہے۔ آپ کا علم تو یہی ہے کہ جس چیز کا آپ کو علم نہیں درحقیقت وہ چیز ہی
نہیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ جس چیز کا دنیا کی ترقی یافتہ اقوام کو علم ہے وہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے مگر اس کا آپ کو
ادنیٰ سا علم بھی نہ ہو۔ آپ کے اقرار و انکار کے درمیان یہ فیصلہ آپ کی اجتہادی انصاف پر چھوڑتا ہوں۔

(۶۵۸) یہ مسئلہ کا دوسرا حصہ ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ جس دن حضرت ابراہیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادہ کا
انتقال ہوا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے اس کسوف کے موقعہ پر جو آپ کی شریعت تھی وہ ادا فرمائی اس کے بعد نہایت
اہتمام کے ساتھ خطبہ دیا۔ چونکہ کوئی شخص زمانہ جاہلیت کے خیال کے مطابق یہ سمجھ بیٹھے کہ آج یہ گرہن آپ کے صاحبزادہ
کے انتقال کی وجہ سے ہوا ہے اس لئے آپ نے اس خیال کی تردید کی اور بتایا کہ یہ بالکل خلاف واقع بات ہے کبھی کسوف
کسی مخلوق کی موت وغیرہ سے کوئی اثر نہیں پڑتا بلکہ یہ خدائی تصرفات میں وہ ایک سنت ہے کہ جس کو خطرناک طرح سے
دکھایا کرتا ہے لہذا یہ خیال مخلوق کی تعظیم میں ڈوبا ہوا اللہ تعالیٰ کے تصرفات کی عظمت پر سراسر ظلم ہے۔ مخلوق تو
کسی مخلوق کا اثر قبول ہی کیا کرتی ہے ایک قسم کا شرک و کفر ہے۔ مخلوق اور اس کے محدود اختیارات بالکل محدود ہیں اور خالق کے
کے تصرفات لامحدود۔ ان دونوں میں خلط کرنا بڑی جہالت ہے۔ یہ معلوم ہے کہ دنیا میں جو کچھ بھی ہے وہ سب اسباب و
مسببات کے سلسلہ میں داخل ہے۔ صرف یہ دعویٰ نہیں کیا گیا کہ گرہن کا کوئی سبب نہیں ہوتا بلکہ یہ سمجھایا ہے کہ گرہن

(۶۶۳) عَنْ نُبَيْشَةَ الْهُذَلِيِّ قَالَ قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّا كُنَّا نَعْتِرُ عَتِيرَةً فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَمَا تَأْمُرُنَا قَالَ اذْبَحُوا لِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ فِي أَيِّ شَهْرٍ كَانَ وَبَرُّوا لِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَأَطْعِمُوا - رواه النسائی

(۶۶۴) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقِيَ زَيْدَ بْنَ عَمْرِو بْنِ نُفَيْلٍ بِأَسْفَلِ بَلْدَحٍ قَبْلَ أَنْ يَنْزِلَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْوَحْيُ فَقُدِّمَتْ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُفْرَةٌ فَأَبَى أَنْ يَأْكُلَ مِنْهَا ثُمَّ قَالَ زَيْدٌ إِنِّي لَسْتُ آكُلُ مِمَّا تَذْبَحُونَ عَلَى أَنْصَابِكُمْ وَلَا آكُلُ إِلَّا مَا ذُكِرَ اسْمُ اللهِ عَلَيْهِ وَأَنَّ زَيْدَ بْنَ عَمْرٍو كَانَ يَعِيبُ عَلَى قُرَيْشٍ ذَبَائِحَهُمْ وَيَقُولُ الشَّاةُ خَلَقَهَا اللهُ وَأَنْزَلَ لَهَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً وَأَنْبَتَ لَهَا مِنَ

---

(۶۶۳) نبیشہ ہذلی روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ ہم کفر کے زمانہ میں ماہ رجب میں بتوں کے نام کی قربانی کیا کرتے تھے اب اس کے متعلق آپ کا ارشاد کیا ہے۔ فرمایا پس جب جانور ذبح کرو تو ایک خدا کے واسطے ذبح کیا کرو خواہ وہ کسی مہینہ میں ہو اور اللہ تعالیٰ ہی کی فرمانبرداری کیا کرو اور اسی کے نام پر کھانا کھلایا کرو۔ (نسائی)

(۶۶۴) عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ مقام بلدح کی تحتانی سمت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زید بن عمرو بن نفیل سے ملاقات ہوئی اس وقت تک آپ پر وحی کا نزول شروع نہیں ہوا تھا آپ کے سامنے کھانے کا دسترخوان پیش کیا گیا آپ نے اس کو کھانے سے انکار فرمادیا۔ اس کے بعد زید بولے جو جانور تم لوگ اپنے بتوں کے سامنے ذبح کرتے ہو میں ان کا گوشت نہیں کھاتا میں تو صرف اس جانور کا گوشت کھاتا ہوں جو اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔ زید قریش کے ذبیحوں پر نکتہ چینی فرمایا کرتے اور کہا کرتے تھے عجیب بات ہے کہ بکری کو پیدا تو اللہ تعالیٰ کرے اور وہی اس کے لئے آسمان سے بارش بھیجے

---

(۶۶۳) یعنی یہ سب مصارف خیر ہیں بشرطیکہ ان میں نیت اللہ تعالیٰ کی ہو۔ مگر نیت بدل جائے تو پھر یہ اچھے کام بھی نیکی نہیں رہتے۔ غیر اللہ کے نام پر قربانی کرنا کفر کی سب قدیم رسم تھی اور اس کی مخالفت ہوتی رہی تھی شریعت نے یہاں ایک قاعدہ کلیہ بتا کر ان سب کو رد کیا ہے اور وہ قاعدہ یہ ہے کہ بجز اللہ تعالیٰ کے اور کسی کے نام کا جانور ذبح کرنا حرام ہے۔

(۶۶۴) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو نبوت سے قبل بھی بت پرستی کی رسم سے علیحدہ رہا کرتے تھے لیکن آپ کے علاوہ خال خال ایسے لوگ بھی موجود تھے جو صرف ملت ابراہیمی کے آثار سے اتنا اثر لے کر شرک سے محترز رہا کرتے تھے ان میں سے ایک یہ زید بن عمرو بھی تھے۔ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے لکھا ہے کہ غیر اللہ کے نام کا جانور ذبح کرنا ... ایک حکم تھا (دیکھو ترجمان السنہ ج ۲ ص ...)

الأرض ثم تذبحونها على غير اسم الله إنكارا لذلك وإعظاما له. (رواه البخاري)

(٤٦٥) عن جابر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم عرضت علي النار فرأيت فيها امرأة من بني إسرائيل تعذب في هرة لها ربطتها فلم تطعمها ولم تدعها تأكل من خشاش الأرض حتى ماتت جوعا ورأيت عمرو بن عامر الخزاعي يجر قصبه في النار وكان أول من سيب السوائب. (رواه مسلم)

الحلف بغير الله كفر من الشرك

(٤٦٦) عن ابن عمر عن النبي صلى الله عليه وسلم قال ألا من كان حالفا

اور پھر اس کے لیے سبزہ اگائے پھر یہ کس قدر ظلم ہے کہ تم اس کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کرو اس تقریر سے زید کا مقصد ان کے اس فعل پر انکار کرنا تھا۔ (بخاری شریف)

(٤٦٥) جابر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے سامنے دوزخ پیش کی گئی تو میں نے دیکھا اس میں ایک عورت کو عذاب ہو رہا ہے اس بنا پر کہ اس نے اپنی بلی کو باندھ رکھا تھا اور نہ تو اس کو خود کچھ کھانے کو دیتی اور نہ اس کو چھوڑتی تھی کہ وہ خود چل پھر کر زمین کے کیڑے مکوڑے کھا لیتی یہاں تک کہ وہ بھوک کے مارے مر گئی اور میں نے اس میں عمرو بن عامر خزاعی کو بھی دیکھا کہ وہ دوزخ میں اپنی آنتیں کھینچے پھر رہا ہے یہ پہلا وہ شخص تھا جس نے بتوں کے نام پر جانور چھوڑنا ایجاد کیے۔ (مسلم شریف)

غیر اللہ کے نام کی قسم کھانا ایک قسم کا شرک ہے

(٤٦٦) ابن عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا سن لو جس کو قسم کھانا ہی ہو صرف ایک اللہ تعالیٰ کے نام ہی کی قسم کھائے۔ قریش کی عادت تھی کہ وہ اپنے باپ

---

(٤٦٦) اس روایت سے معلوم ہوا کہ قسمیں کھانے کی عادت شریعت میں ناپسندیدہ ہے پس چاہیے کہ بے ضرورت قسمیں نہ کھائی جائیں اور اگر کسی مجبوری سے کھانا ہی ہو تو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کی قسم کھائی جائے باپ دادے یا کسی اور کی قسم نہ کھائی جائے۔ امام بخاری نے [illegible] کے باب میں [illegible] سے نقل کیا ہے کہ والشہادۃ والعہد ... اس بات پر تنبیہ کی گئی ہے کہ گفتگو میں شہادت یا عہد وغیرہ کے الفاظ کا استعمال نہ کریں تاکہ ان کی اہمیت بچوں کے ذہنوں سے نہ نکل جائے۔

فَلْيَحْلِفْ إِلَّا بِاللّٰهِ وَكَانَتْ قُرَيْشٌ تَحْلِفُ بِآبَائِهَا فَقَالَ لَا تَحْلِفُوا بِآبَائِكُمْ (رواه البخاري ومسلم)

(٦٦٧) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللّٰهِ فَقَدْ أَشْرَكَ (رواه الترمذي)

سباب المسلم فسوق وقتاله كفر

(٦٦٨) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ وَقِتَالُهُ كُفْرٌ (رواه البخاري وغيره)

(٦٦٩) عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا تَرْجِعُوا بَعْدِي

دادوں کی قسمیں کھایا کرتے تھے آپ نے منع فرمایا کہ ان کے نام کی قسمیں مت کھایا کرو۔ (بخاری)

(۶۶۷) ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی قسم کھائی اس نے شرک کیا۔ (ترمذی)

مسلمان کو سخت و سست کہنا فسق کی بات ہے اور اس سے جنگ کرنی کفر کی حرکت ہے

(۶۶۸) عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان کو برا بھلا کہنا فسق کی بات ہے اور اس سے لڑنا تو کفر کی بات ہے۔ (بخاری)

(۶۶۹) ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ میرے بعد

---

(۶۶۷) امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہاں حلف بغیر اللہ کو ایسا ہی شرک کہا گیا ہے جیسا دوسری حدیث میں ریا کو شرک کہا گیا ہے۔ دونوں حدیثوں کا مطلب شرک کا حقیقۃً مرتکب بنانا نہیں ہے بلکہ ان افعال کی ہیبت ذہن نشین کرنا ہے اس لئے ان کو تغلیظاً شرک کہا گیا ہے۔ بات یہ ہے کہ جس کی قسم کھائی جاتی ہے اس کی غیر معمولی عظمت قلب میں جاگزیں ہوتی ہے۔ اس لئے اگر کوئی شخص غیر اللہ کی قسم کھاتا ہے تو اس کے یہی معنی ہیں کہ اس کے قلب میں غیر اللہ کی عظمت اللہ تعالیٰ کے برابر ہے یہی شرک ہے۔

(۶۶۸) گو باہمی سب و شتم کی برداشت تو کسی حد تک قابل برداشت ہو سکتی ہے لیکن مسلمان سے قتل و قتال کرنا قابل برداشت نہیں ہو سکتا یہ کفر کی حرکت ہے اور بڑی حد تک رشتۂ اسلامی کو قطع کر دیتی ہے۔

(۶۶۹) ہم بتا چکے ہیں کہ جس طرح اسلام صرف ابتداءً شہادتین کا نام ہے مگر اس کے کچھ عناصر اعمال بھی ہیں جو اس کی اس شہادت اعلیٰ کے گواہ کہلاتے ہیں۔ ان اعمال کو شہادتین کے ساتھ ایک گہرا تعلق ہے کہ گویا یہ اعمال ان کا ایک قالب ہیں اس لئے ان کا ضائع کر دینا اسلام ہی کو ترک کر دینا کفر سے موسوم ہوتا ہے اسی طرح کفر اگرچہ

كفارًا يضرب بعضكم رقاب بعض۔ (رواه البخاري عن ابن عباس وابي بكرة ايضا متفق عليه)

صنع صور الحيوان تشبه بخالقية الله تعالى

(٦٧٠) عن عائشة ان النبي صلى الله عليه وسلم قال اشد الناس عذابا يوم القيامة الذين يضاهون بخلق الله. (متفق عليه)

(٦٧١) عن ابي هريرة قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول قال الله تعالى ومن اظلم ممن ذهب يخلق كخلقي فليخلقوا ذرة او ليخلقوا حبة او شعيرة (متفق عليه)

(٦٧٢) عن ابن عباس قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول كل مصور

پھر کافروں کی سی حرکتیں نہ کرنے لگنا کہ آپس ہی میں ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔

تصویر کشی اللہ تعالیٰ کی صفت خالقیت کی نقالی ہے

(٦٧٠) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب ان لوگوں کو ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی خالقیت کی نقلیں اتارنا چاہتے ہیں (یعنی مصور)۔ (متفق علیہ)

(٦٧١) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے بھلا اس سے بڑھکر ظالم آدمی کون ہوگا جو مخلوق ہوکر میری طرح خالق بننے کا ارادہ رکھتا ہو اچھا تو ایک چیونٹی ہی بنا کر دکھا دے (یہ بھی نہیں) ایک دانہ یا ایک جو ہی بنا کر دکھا دے۔ (متفق علیہ)

(٦٧٢) ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے خود سنا ہے کہ جتنے

اسلامی معاشرے کے برخلاف معاشرہ کا نام ہے لیکن کفر کی زندگی کے بھی کچھ لوازم ہیں جو بعض اوقات خود تو کفر نہیں ہوتے مگر انسان کے کافر ہونے کا یقینی ثبوت شمار ہوتے ہیں۔ حدیث میں اسی قسم کے افعال کو بھی کفر کے افعال کہا گیا ہے اور مومن کے لئے پسند نہیں کیا گیا کہ اس کی زندگی میں یہ افعال نظر آئیں۔ اسلام کے بعد اسی قسم کے افعال سے گو مرتد نہیں کہا جا سکتا مگر یہی کفر یا اسلام کا اسلام کبھی ایسی شکل پر ہو جاتا ہے۔ مسلمان کو مشورہ ہے کہ جس طرح وہ شرک و کفر سے بچتا ہے اسی طرح ایسے افعال سے بھی بچا رہے جن کو کفر کی زندگی کے افعال سے نسبت ہی قریبی تعلق ہو۔

(٦٧٢) خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت اور اس کی قدرت کا ذکر سب سے بڑا مفکر انسان ہے اسی لئے قرآن کریم نے جابجا انسان کی پیدائش پر غور و فکر کی دعوت دی ہے اور اسی کی اپنی ہستی کا یقین دلانے کا سب سے آسان راستہ یہی بتایا ہے پھر بت پرستی کی ابتدا تصویروں سے ہی شروع ہوئی۔ فرق صرف یہ ہے کہ ان تصویروں سے تراشیدہ

الضرب كتاب الله بعضه ببعض كفر

(۴۷۶) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ سَمِعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَوْمًا يَتَدَارَءُونَ فِي الْقُرْآنِ فَقَالَ إِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِهٰذَا ضَرَبُوا كِتَابَ اللهِ بَعْضَهُ بِبَعْضٍ وَإِنَّمَا نَزَلَ كِتَابُ اللهِ يُصَدِّقُ بَعْضُهُ بَعْضًا فَلَا تُكَذِّبُوا بَعْضَهُ بِبَعْضٍ فَمَا عَلِمْتُمْ مِنْهُ فَقُولُوا وَمَا جَهِلْتُمْ فَكِلُوهُ إِلَى عَالِمِهِ۔ (رواه احمد وابن ماجه)

قرآن کی آیتوں میں باہم اختلاف پیدا کرنا کفر کی بات ہے

(۴۷۶) عمرو بن شعیب اپنے والد وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا کہ کچھ لوگ قرآن کریم میں اس طرح بحث کر رہے ہیں کہ ایک شخص ایک آیت پڑھتا ہے دوسرا شخص اس کے مقابلہ میں دوسری آیت پڑھتا ہے جو اس کے خیال میں اس کے مخالف مضمون پر مشتمل ہوتی ہے۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا اسی حرکت کی بدولت تم سے پہلی قومیں گمراہ ہوئی اور ہلاک ہوئی ہیں وہ یہی کیا کرتی تھیں کہ خدا کی کتاب کے ایک حصہ کو دوسرے سے ٹکرایا کرتی تھیں حالانکہ اللہ کی تمام کتاب باہم ایک دوسرے کیلئے مصدق ہو کر اتری ہے اس لئے تم اس میں باہم اختلاف پیدا کرکے اس کی تکذیب نہ کرو اس کا جو حصہ سمجھو وہ تو بیان کرو اور جو تم نہ سمجھو اسے اس کے حوالہ کر دو جو اس کا جاننے والا ہے۔ (احمد۔ ابن ماجہ)

(۴۷۷) دارمی کی ایک طویل حدیث میں ابو الدرداء سے روایت ہے کہ جو چیزیں اسلام کو فنا کر دینے والی ہیں ان میں ایک بات منافق کا قرآن میں جھگڑا ڈالنا بھی ہے۔ امام احمد ابو داؤد اور حاکم ابو ہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ المراء فی القرآن کفر (قرآن میں جھگڑنا کفر ہے) ان احادیث میں جدال اور مراء کا مصداق بحث ہی کا وہ طریقہ ہے جو قرآنی آیات میں اختلاف پیدا کرتا ہے۔ جن قراءت کے الفاظ بظاہر مختلف ہیں ان کے متعلق زہری ارشاد فرماتے ہیں انما ہی فی الامر یکون واحدا لا یختلف فی حلال ولا حرام (بخاری ومسلم) یہ تمام قراءتیں صرف الفاظ میں مختلف ہیں ان میں حکم ایک ہی رہتا ہے۔ مثلاً حرام کے بارہ میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا۔ یہ حدیث کی بات ہے کہ قرآن حکیم دوسری کتابوں کی طرح صرف بحث نہ بنانا چاہئے۔ خدا کی کتاب کا معاملہ نازک ہے یہاں جو بات طے شدہ اور سب سے پہلے مسلم ہونی چاہئے وہ یہ ہے کہ اس میں کوئی اختلاف و تناقض ممکن نہیں ہے اس لئے جہاں کہیں بظاہر اختلاف معلوم ہوتا ہے اسے اپنی قصور علم سمجھنا چاہئے اور اسلوب بحث وہ اختیار کرنا چاہئے جس میں ان آیات کے درمیان آویزش نہ ہو بلکہ تطبیق کی راہ نکلے خواہ مخواہ آیتوں میں اختلاف پیدا کرنا اس کے کفر اور صدر اول کے دلوں میں تذبذب پیدا کرنے والی بات ہے اسی لئے اس کو ہادم الاسلام قرار دیا ہے۔

الرياء شرك خفي

(۶۷۵) عن أبي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم قال الله تعالى أنا أغنى الشركاء عن الشرك من عمل عملا أشرك فيه معي غيري تركته وشركه وفي رواية فأنا منه بريء هو للذي عمله (رواه مسلم)

(۶۷۶) عن أبي سعيد بن أبي فضالة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال إذا جمع الله الناس يوم القيامة ليوم لا ريب فيه نادى مناد من كان أشرك في عمل عمله لله أحدا فليطلب ثوابه من عند غير الله فإن الله أغنى الشركاء عن الشرك (رواه أحمد)

(۶۷۷) عن شداد بن أوس قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول من صلى يرائي فقد أشرك ومن صام يرائي فقد أشرك ومن تصدق يرائي فقد أشرك (رواه أحمد)

ریاکاری بھی ایک قسم کا خفی شرک ہے

(۶۷۵) ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تمام شرکاء میں سب سے زیادہ شرکت سے بے نیاز میں ہوں جو شخص کوئی عمل کرتا ہے اور اس میں میرے ساتھ کسی غیر کو بھی شریک کر لیتا ہے تو میں اس کو اس شریک ہی کے لئے چھوڑ کر علیحدہ ہو جاتا ہوں اور ایک روایت میں یوں ہے کہ میں ایسے عمل سے بیزار ہوں بس وہ اسی کے لئے رہے جس کے لئے اس نے کیا ہے۔ (مسلم شریف)

(۶۷۶) ابوسعید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں جب اللہ تعالیٰ قیامت میں سب لوگوں کو جمع کرے گا جس میں کوئی شبہ نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک منادی یہ اعلان کریگا جس جس نے کوئی عمل اللہ تعالیٰ کے لئے کیا ہو پھر اس میں کسی اور کی بھی نیت کی ہو تو اسے چاہئے کہ وہ آج اس کا ثواب اسی غیر سے جا کر مانگے کیونکہ تمام شریکوں میں سب سے زیادہ شرکت سے بے نیاز اللہ کی ذات پاک ہے۔ (احمد)

(۶۷۷) شداد ابن اوس کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ جس شخص نے نمائش کے لئے نماز پڑھی اس نے شرک کیا جس نے نمائش کے لئے روزہ رکھا اس نے شرک کیا اور جس نے نمائش کے لئے صدقہ دیا اس نے بھی شرک کیا۔ (احمد)

(٦٧٨) وعنه انه بكى فقيل له ما يبكيك قال شيء سمعت من رسول الله صلى الله عليه وسلم يقوله فذكرته فابكاني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول اتخوف على امتي الشرك والشهوة الخفية قال قلت يا رسول الله اتشرك امتك من بعدك قال اما انهم لا يعبدون شمسا ولا قمرا ولا حجرا ولا وثنا ولكن يراءون باعمالهم والشهوة الخفية ان يصبح احدهم صائما فتعرض له شهوة من شهواته فيترك صومه (رواه احمد والبيهقي في شعب الايمان)

(٦٧٩) عن محمود بن لبيد ان النبي صلى الله عليه وسلم قال ان اخوف ما اخاف عليكم الشرك الاصغر قالوا يا رسول الله وما الشرك الاصغر قال الرياء رواه احمد وزاد البيهقي في شعب الايمان يقول الله لهم يوم يجازي العباد باعمالهم اذهبوا الى الذين كنتم تراءون في الدنيا فانظروا هل تجدون عندهم جزاء وخيرا۔

---

(٦٧٨) شداد کے متعلق بیان کیا گیا کہ ایک مرتبہ ان پر گریہ طاری ہو گیا لوگوں نے سبب دریافت کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ مجھے ایک بات یاد آگئی جس کو میں نے آپ کو فرماتے ہوئے سنا تھا اس نے مجھے رونے پر مجبور کر دیا میں نے آپ کو فرماتے سنا تھا کہ مجھے اپنی امت کے متعلق شرک خفی اور شہوت خفی کا بڑا ڈر ہے وہ کہتے ہیں میں نے پوچھا یا رسول اللہ کیا آپ کے بعد آپ کی امت بھی شرک میں مبتلا ہو جائیگی آپ نے فرمایا ہاں لوگ نہ تو آفتاب و ماہتاب کی عبادت کریں گے اور نہ کسی پتھر اور بت کی لیکن اپنے اعمال میں ریاکاری کا شکار ہو جائیں گے (یہ تو شرک خفی ہوا) اور شہوت خفیہ یہ ہے کہ کوئی شخص تم میں سے صبح کے وقت روزہ دار ہو پھر اس کے سامنے کوئی ایسی چیز آ جائے جو اس کی مرغوب خاطر ہو وہ صرف اسی کی خاطر اپنا روزہ توڑ ڈالے۔ (احمد۔ شعب الایمان)

(٦٧٩) محمود بن لبید سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خوب یاد رکھو مجھے تمہارے متعلق سب سے زیادہ خوف ہے تو شرک اصغر کا ہے لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ شرک اصغر کیا چیز ہے فرمایا ریا۔ (مسند امام احمد) بیہقی نے اس میں اتنا اضافہ اور کیا ہے کہ جس دن اللہ تعالی بندوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دیگا اس دن ریاکاروں سے کہے گا جاؤ ان کے پاس جاؤ جن کی خاطر تم دنیا میں ریاکاری کیا کرتے تھے اور دیکھو کہ کیا ان کے پاس تمہیں اس عمل کا بدلہ اور کچھ ثواب ملتا ہے؟

(۶۸۰) عن أبي سعيد الخدري قال خرج علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم ونحن نتذاكر المسيح الدجال فقال ألا أخبركم بما هو أخوف عليكم عندي من المسيح الدجال قال قلنا بلى يا رسول الله قال الشرك الخفي أن يقوم الرجل فيصلي فيزين صلوته لما يرى من نظر رجل (رواه ابن ماجة)

النهي عن السجود لغير الله عز وجل

(۶۸۱) عن قيس بن سعد قال أتيت الحيرة فرأيتهم يسجدون لمرزبان لهم فأتيت رسول الله صلى الله عليه وسلم فقلت إني أتيت الحيرة فرأيتهم يسجدون

---

(۶۸۰) ابو سعید خدری روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس باہر تشریف لائے اس وقت ہم مسیح دجال کا ذکر کر رہے تھے آپ نے فرمایا کیا میں تم کو وہ شے نہ بتاؤں جس کا مجھے تمہارے متعلق دجال سے بھی زیادہ خوف ہے۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ضرور بتائیے فرمایا وہ شرک خفی ہے اور شرک خفی یہ ہے کہ مثلاً ایک آدمی نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہوا وہ اپنی نماز کو اس لئے سنوار بنا کر پڑھے کہ کوئی دوسرا شخص اس کو دیکھ رہا ہے۔ (ابن ماجہ)

غیر اللہ کو سجدہ کرنے کی ممانعت

(۶۸۱) قیس بن سعد بیان کرتے ہیں کہ میں مقام حیرہ میں پہنچا تو میں نے وہاں کے باشندوں کو دیکھا کہ اپنے سردار کو سجدہ کرتے ہیں۔ جب میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے عرض کیا میں مقام حیرہ

---

(۶۸۰) مسیح دجال بلاشبہ بہت بڑا فتنہ ہوگا لیکن اس کا تعلق بہت کم زمانہ اور محدود افراد کے ساتھ ہوگا۔ بالخصوص صحابہ کرام کو تو اس فتنہ سے کوئی تعلق ہی نہیں اور شرک خفی کا فتنہ ہر زمانہ اور ہر فرد کیلئے تھا اس لئے جو کہ نہ بدلنے والا ایک مستقل فتنہ کا ذکر بڑی شان کے ساتھ آ رہا تھا ان کو آپ نے تنبیہ فرما کر ایک ایسے فتنہ کی طرف متوجہ کیا جس کا اندیشہ ہر زمانہ میں ہر مکلف بجا طور پر کر ہی سکتا ہے۔ دینی طور پر متاثر و مغلوب کرنے کا اندیشہ معاملہ سے متاثر کرنے کا یہ بھی ایک فطری انداز ہے کہ جو تاثر ان میں پہلے سے موجود ہے اس کا رخ بدل کر اس کو کسی دوسرے معاملہ کے ساتھ قائم کر دیا جائے۔

(۶۸۱) اسلام سے قبل اپنے بادشاہوں اور سرداروں کو سجدۂ تعظیمی بجا لانے کا عام رواج تھا قیصر و کسریٰ اور ابو سفیان کے طویل واقعہ کے آخر میں اس کی قوم کو سجدہ کرنا اسی رسم کے ماتحت تھا اسلام نے اس رسم کو تو

لِمَرْزُبَانٍ لَّهُمْ فَاَنْتَ اَحَقُّ بِاَنْ يُّسْجَدَ لَكَ فَقَالَ لِيْ اَرَاَيْتَ لَوْ مَرَرْتَ بِقَبْرِيْ اَكُنْتَ تَسْجُدُ لَهٗ
فَقُلْتُ لَا فَقَالَ لَا تَفْعَلُوْا لَوْ كُنْتُ اٰمِرًا اَحَدًا اَنْ يَّسْجُدَ لِاَحَدٍ لَاَمَرْتُ النِّسَآءَ اَنْ يَّسْجُدْنَ

گیا تھا میں نے ان لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ اپنے سردار کو سجدہ کرتے ہیں، آپ تو اس کے سب سے زیادہ مستحق ہیں کہ آپ کو سجدہ کیا جائے۔ آپ نے مجھ سے فرمایا: بتاؤ اگر تم میری قبر پر گزرتے تو کیا اس کو سجدہ کرتے؟ میں نے کہا نہیں۔ فرمایا تو پھر اب بھی مت کرو، اگر میں کسی کو یہ حکم دیتا کہ کسی کو سجدہ کرے تو یقیناً عورتو

استعمال کیا ہی تھا لیکن نبی کے ساتھ اس نے اس کی بھی ممانعت کر دی کہ ایک انسان دوسرے انسان کے سامنے دست بستہ کھڑا رہے یا اپنا سر جھکائے۔ ترمذی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت انس سے روایت کیا ہے کہ صحابہ کرام کی نظروں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی شخص بھی محبوب و محترم نہ تھا جب کبھی وہ آپ کو دیکھتے تو بے اختیار ان کا جسم وا ہو کے لیے کھڑا ہونا چاہتے مگر ایسا نہ کرتے، وجہ یہ تھی وہ سمجھ جاتے تھے کہ ان کا قیام آپ کو ناپسند ہے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت انس نے پوچھا یا رسول اللہ کیا ہم باہم ملاقات کے وقت ایک دوسرے کے سامنے تواضعاً جھک سکتے ہیں؟ تو آپ نے اس سے بھی منع فرما دیا۔ پس جہاں قیام اور عام ملاقاتوں میں جھکنا جھکانا بھی ناپسند کیا گیا ہو وہاں تعظیمی سجدوں کی بھلا کیا اجازت مل سکتی ہے۔

اسلام کا بڑا کمال یہ ہے کہ اس نے ہر امر میں اعتدال ملحوظ رکھا ہے جذبات قوی کتنا ہی سرشار ہوں مگر عبادت و محبت اور تعظیم و تکریم کی معمولی سی عادتوں میں بھی۔ سجدہ انسان کی انتہائی تعظیم کی آخری حد ہے اس لئے اسلام نے اس کو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے مخصوص کر دیا ہے وہ توحید کا سب سے بڑا مظہر ہو سکتا ہے اس لئے اس نے سجدہ معبود کے حقوق متعین کر دیئے ہیں۔ خالق کے حقوق مخلوق کے حقوق سے اور مخلوق کے حقوق خالق کے حقوق سے ان حقوق میں کامل ممانعت ہے خالق کا ایک واضح حق سجدہ بھی ہے اسی لئے قرآن حکیم نے اس حقیقت کا بار بار اعلان کیا ہے کہ سجدہ کرنا صرف ایک اپنے خالق کو زیبا ہے۔ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ نہ آفتاب کو سجدہ کرو نہ ماہتاب کو بلکہ اس کو سجدہ کرو جس نے ان کو پیدا کیا ہے۔ پس سجدہ خالق اور صرف خالق کا حق ہے اس میں مخلوق کے لئے شرکت کی کوئی گنجائش نہیں۔ وہ رسمیں جو شاید پچھلی کامل شریعت کے نزول سے پہلے قابل مواخذہ نہ ہوں گی اب سب ختم ہو گئیں اب دین ان تمام حقیقتوں کے ساتھ جلوہ گر ہو چکا ہے جو خالق کی نظر میں پسندیدہ ہیں۔ یہی وجہ ہے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل شاگردوں میں کہیں بھی یہ ثبوت نہیں ملتا کہ انہوں نے آپ کو سجدہ کرنے کی سنت قائم کی ہو بلکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان فیض ترجمان سے ان یہود و نصاریٰ پر لعنت ثابت ہے جنہوں نے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا تھا۔ مذکورہ بالا حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جو صحابی صرف دنیوی زندگی میں آپ کو سجدہ کرنے کے لئے مضطرب تھا آپ کی قبر کو سجدہ کرنا اس کے بھی وہم و گمان میں نہ تھا۔ ـــــ نیز آپ کے جواب سے ایک لطیف اشارہ حیات نبی کے مسئلہ کی طرف بھی نکل سکتا ہے اور وہ اس طرح کہ اگر انبیاء علیہم السلام کی موت عام انسانوں کی موت کی طرح ہوتی تو آپ کا اس سے یہ سوال کرنا کہ اگر تو میری قبر پر گزرتا تو کیا

وَثَنًا يُعْبَدُ اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلٰى قَوْمٍ اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ (رواه مالك مرسلا)

(۶۸۹) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا اشْتَكَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَكَرَتْ بَعْضُ نِسَائِهِ كَنِيْسَةً يُقَالُ لَهَا مَارِيَةُ وَكَانَتْ اُمُّ سَلَمَةَ وَاُمُّ حَبِيْبَةَ اَتَتَا اَرْضَ الْحَبَشَةِ فَذَكَرَتَا مِنْ حُسْنِهَا وَتَصَاوِيْرَ فِيْهَا فَرَفَعَ رَأْسَهُ فَقَالَ اُولٰئِكَ اِذَا مَاتَ فِيْهِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ بَنَوْا عَلٰى قَبْرِهِ مَسْجِدًا ثُمَّ صَوَّرُوْا فِيْهِ تِلْكَ الصُّوَرَ اُولٰئِكَ شِرَارُ خَلْقِ اللّٰهِ (متفق عليه)

(۶۹۰) عَنْ جُنْدُبٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَلَا وَاِنَّ مَنْ كَانَ

ایک بت نہ بنا دینا کہ اس کی عبادت کی جائے۔ خدا تعالیٰ کا غضب ان لوگوں پر بھڑک اٹھا جنھوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مسجدیں بنا ڈالا۔ (مالک)

(۶۸۹) حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم علیل ہوئے تو آپ کی بعض بیویوں نے اس گرجے کا قصہ ذکر کیا جس کا نام ماریہ تھا۔ یہ گرجا حبشہ میں تھا اور حضرت ام سلمہؓ اور حضرت ام حبیبہؓ پہلے وہاں ہو چکی تھیں جب انھوں نے اس کے حسن وخوبی اور تصویروں کا حال بیان کیا تو آپ نے اپنا سر مبارک اٹھایا اور فرمایا یہ وہ لوگ تھے کہ جب ان میں کسی نیک آدمی کا انتقال ہو جاتا تو وہاں کی قبر پر ایک مسجد بنا دیتے اور اس میں ان کی تصویر بنا دیتے تھے یہ لوگ خدا کی مخلوق میں سب سے بدتر مخلوق ہیں۔ (متفق علیہ)

(۶۹۰) جندبؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا ہے آپ فرماتے تھے

---

(۶۸۹) حضرت ام حبیبہؓ و حضرت ام سلمہؓ اپنے اپنے پہلے شوہروں کے ساتھ مکہ مکرمہ سے ہجرت کرکے حبشہ چلی گئی تھیں۔ حضرت ام حبیبہؓ کے شوہر کا وہیں انتقال ہو گیا تھا پھر شاہ حبشہ نے ان کا عقد آپ کے ساتھ کر دیا تھا اور ان کا مہر بھی اپنی جانب سے ادا کرکے ان کو آپ کی خدمت میں روانہ کر دیا تھا۔ حضرت ام سلمہؓ کے شوہر کا انتقال وہاں سے واپس آکر ہوا تھا اس کے بعد وہ آپ کے نکاح میں آگئی تھیں۔ اس تقریب سے ان دونوں نے کنیسہ مریہ دیکھا تھا۔ مریض کی خاطر داری میں عام طور پر متفرق باتوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے اسی طرح آپ کی مجلس میں اس کا ذکر بھی آگیا تھا مگر حضرت کے مقدس رسول کو جس بات سے سب سے زیادہ دلچسپی تھی وہ خدا تعالیٰ کے بندوں کو شرک سے نجات دلانا تھا اس لئے آپ کی زبان اپنی حیات کے آخری لمحات تک جس بات کے لئے بے اختیار متحرک رہی وہ یہی خدا کی توحید تھی۔

(۶۹۰) ابتدا میں ان بزرگوں کی تصویریں جن سے عقیدت ہوتی یادگار کے طور پر رکھی جاتی تھیں پھر رفتہ رفتہ انھوں نے ان کی عبادت بھی شروع کر دی اور ان کی قبروں پر اس طرح مسجدیں بنائیں کہ جب سجدہ کرتے تو سجدہ ان کی طرف ہوتا تھا۔ پہلی امتوں کے یہ زشت کارنامے دیکھ کر آپ نے اپنی امت کو اپنی حیات کے آخری سانس تک مذکورہ بالا افعال ہی کی سخت ممانعت فرمائی۔ پھر بعد میں یہ اہتمام کیا گیا کہ آپ کی قبر مبارک کو کھلا ہوا نہیں رکھا گیا۔

قَبْلَكُمْ كَانُوا يَتَّخِذُونَ قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ وَصَالِحِيهِمْ مَسَاجِدَ أَلَا فَلَا تَتَّخِذُوا الْقُبُورَ مَسَاجِدَ إِنِّي أَنْهَاكُمْ عَنْ ذَلِكَ. (رواه مسلم)

(۶۹۱) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَعَنَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَائِرَاتِ الْقُبُورِ وَالْمُتَّخِذِينَ عَلَيْهَا الْمَسَاجِدَ وَالسُّرُجَ. (رواه ابوداود والترمذی والنسائی)

النهی عن کسوة الحجارة والطین

(۶۹۲) عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ فِي غَزَاتِهِ فَأَخَذْتُ نَمَطًا فَسَتَرْتُهُ عَلَى الْبَابِ فَلَمَّا قَدِمَ فَرَأَى النَّمَطَ جَذَبَهُ حَتَّى هَتَكَهُ ثُمَّ قَالَ إِنَّ اللهَ لَمْ

بلکہ جو لوگ تم سے پیشتر تھے اپنے نبیوں اور نیک لوگوں کی قبروں کو مسجدیں بنا لیا کرتے تھے۔ دیکھو تم قبروں کو مسجدیں نہ بنانا میں تم کو اس حرکت کی سختی سے ممانعت کئے جاتا ہوں۔ (مسلم)

(۶۹۱) ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان عورتوں پر لعنت فرمائی ہے جو قبروں پر جاتی ہیں اور جو ان کو سجدے کرتے اور چراغ جلاتے ہیں۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی)

گارے اور پتھروں کی تعمیر پر چادریں ڈالنے کی ممانعت

(۶۹۲) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک غزوہ کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ میں نے آپ کے پیچھے ایک نقشین چادر لے کر دروازہ کے اوپر ڈال دی۔ جب آپ تشریف لائے

صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ اگر صحابہ کی یہ باخوف امیدی کا خطرہ نہ ہوتا تو آپ کی قبر مبارک کھولی رکھی جاتی۔ پھر جب مسجد میں ترمیم اور وسیع کی گئی تو احتیاطاً قبر کی گرد اس کے اردگرد سہ انداز سے حجرہ کے گرد کے ایک چہار دیواری بھی کھنچوا دی گئی تاکہ ان کی جانب قبر کی کوئی صورت ہی نہ رہے۔ سلف نے تو اتنی احتیاط کی تھی مگر افسوس کہ امت کے ناخلف افراد نے یہ کمال دکھایا کہ جب تک قبر پرستی کے وقت اسی عمارت ہی کی طرف سجدہ نہیں کر لیتے ہی خاطر مرادیں کا رہ سکتے ہیں۔ معلوم نہیں کہ کل اس رسول عربی کو کیا جواب دیں گے جس نے جینے کی صورت سے کسی کا قبر پوجنا بھی پسند نہیں کیا اور مرتے ہوئے یہ وصیت کر دی کہ دیکھنا یہود و نصاریٰ کی طرح تم میری قبر کو سجدہ نہ کرنا۔ واللہ المستعان علی ما تصفون۔

(۶۹۲) معلوم ہوا کہ پتھر کی عمارت میں آپ کو اپنے گھر کی دیوار پر بھی زینت پسند نہ آئی تو کیا بعد وفات کے بعد بھی قبر کی پسند ہو سکتی ہے حضرت نے اس کو پھاڑ دیا پھر کیا حیثیت ہیں قبر کی نقاشی کی تعریف کرانی چاہئے

عن الصلوة فإن حينئذ تسجر جهنم فإذا أقبل الفيء فصل فإن الصلوة مشهودة
محضورة حتى تصلي العصر ثم أقصر عن الصلوة حتى تغرب الشمس فإنها تغرب
بين قرني الشيطان وحينئذ يسجد لها الكفار فقلت يا نبي الله فالوضوء حدثني
عنه قال ما منكم رجل يقرب وضوءه فيتمضمض ويستنشق فينتثر إلا خرت خطايا وجهه
وفيه وخياشيمه ثم إذا غسل وجهه كما أمره الله إلا خرت خطايا وجهه من
أطراف لحيته مع الماء ثم يغسل يديه إلى المرفقين إلا خرت خطايا يديه من أنامله مع
الماء ثم يمسح رأسه إلا خرت خطايا رأسه من أطراف شعره مع الماء ثم يغسل
قدميه إلى الكعبين إلا خرت خطايا رجليه من أنامله مع الماء فإن هو

نماز میں خدا تعالیٰ کے فرشتے آتے اور شریک ہوتے ہیں اس کے بعد نماز نہ پڑھو کیونکہ اس وقت
دوزخ دہکائی جاتی ہے جب سایہ ڈھل جائے تو پھر نماز پڑھ سکتے ہو یہاں تک کہ عصر کی
نماز سے فارغ ہو جاؤ کیونکہ اس نماز میں فرشتے آتے اور شریک ہوتے ہیں پھر جب تک آفتاب غروب
نہ ہو جائے نماز نہ پڑھو یہاں تک کہ آفتاب غروب نہ ہو جائے کیونکہ جب وہ غروب ہوتا ہے تو شیطان کے
سر کی دو جانبوں کے درمیان غروب ہوتا ہے اور اسی وقت کافر اس کی عبادت کرتے ہیں۔ پھر میں نے
عرض کیا یا نبی اللہ مجھے وضو کے ثواب کے متعلق کچھ ارشاد فرمائیے۔ فرمایا تم میں جو شخص بھی اپنے وضو کے لئے
پانی لے کر وضو کرتا اور ناک میں پانی ڈال کر ناک صاف کرتا ہے تو اس کے منہ اور اس کے نتھنوں کی
ساری کوتاہیاں نکل کر گر جاتی ہیں پھر جب اس کے بعد شریعت کے حکم کے موافق منہ دھوتا ہے تو پانی کے
ساتھ ساتھ اس کے چہرہ کی کوتاہیاں بھی اس کی داڑھی کے کناروں سے ٹپک جاتی ہیں اس کے بعد جب
کہنیوں تک اپنے دونوں ہاتھ دھوتا ہے تو پانی کے ساتھ اس کی انگلیوں کے پوروں سے اس کے ہاتھوں کی
کوتاہیاں بھی نکل جاتی ہیں پھر جب سر کا مسح کرتا ہے تو سر کی کوتاہیاں بھی پانی کے ساتھ اس کے بالوں کے
کناروں سے نکل جاتی ہیں پھر جب وہ اپنے دونوں پیر ٹخنوں تک دھوتا ہے تو پانی کے ساتھ اس کے پیروں کی

دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔ جنتوں کے دروازے آسمانوں پر کھلے رہتے ہیں اور فرشتوں کا نزول ہوتا ہے
اسی طرح [illegible] کہ بعض اوقات خصوصی شریعت سے اوقات رحمت کی اطلاع دے کر ان میں عبادت کی ترغیب
دی ہے اور اوقات شیطانی میں نمازوں سے روکا ہے اس کے برخلاف [illegible] ان ہی اوقات کی ترغیب [illegible]
جن میں شیطانی طاقتوں کا ہجوم ہوتا ہے [illegible] دونوں [illegible] کے عبادت گذاروں کو اپنی اپنی
عبادتوں [illegible] اپنے مذاق کے موافق [illegible] قبولیت سمجھے رہتے ہیں۔

قَامَ فَصَلَّى فَحَمِدَ اللّٰهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ وَمَجَّدَهُ بِالَّذِي هُوَ لَهُ أَهْلٌ وَفَرَّغَ قَلْبَهُ لِلّٰهِ إِلَّا انْصَرَفَ مِنْ خَطِيئَتِهِ كَهَيْئَتِهِ يَوْمَ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ. (رواه مسلم)

النهى عن الصلوة الى السترة

(۶۹۹) عَنِ الْمِقْدَادِ بْنِ الْأَسْوَدِ قَالَ مَا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي إِلَى عُوْدٍ وَلَا عَمُوْدٍ وَلَا شَجَرَةٍ إِلَّا جَعَلَهُ عَلَى حَاجِبِهِ الْأَيْمَنِ أَوِ الْأَيْسَرِ وَلَا يَصْمُدُ لَهُ صَمْدًا. (رواه ابوداؤد)

گناہ یاں اس کے پیر کی انگلیوں کے پوروں سے نکل جاتی ہیں اب اگر کہیں وہ کھڑا ہو گیا: در نماز بھی پڑھ لی اور سبحانک اللہم پڑھ کر خدا کی حمد و ثنا کی ایسی حمد و ثنا جس کا وہ مستحق ہے اور اپنا دل اسکے واسطے خالی کر لیا تو جب وہ نماز سے فارغ ہوگا تو گناہوں سے ایسا پاک صاف ہوگا جیسا اپنی ماں سے پیدائش کے دن پاک صاف تھا۔ (مسلم)

نماز کی حالت میں سترہ ٹھیک سامنے رکھنے کی ممانعت

(۶۹۹) مقداد بن اسودؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کسی لکڑی یا ستون یا درخت کی طرف نماز پڑھتے دیکھا تو ہمیشہ یہی دیکھا کہ آپ اس کو اپنے داہنی یا بائیں جانب کر لیا کرتے تھے اور اس کو ٹھیک اپنے سامنے نہ رکھتے۔ (ابوداؤد)

بت کا پجاری گھنٹی بجا بجا کر اس کی آواز میں مست ہے۔ وہ ایک معبود حقیقی کا عبادت گزار، موذن کی صدائے اللہ اکبر میں سرشار ہے۔ انبیاء علیہم السلام شریعت لاکر اس اشتباہ کو دور کر دیتے ہیں۔ معبود حقیقی کا ایسا نقش بٹھا دیتے ہیں کہ پھر ہوائے [illegible] ہے [illegible] زبان [illegible] ثابت کی [illegible] لیکن [illegible] کی [illegible] کے لئے جہاں کی باطنی [illegible] ہے وہاں کی نادان انسان [illegible] ! بے [illegible] خیال کے [illegible] اسباب [illegible] طبیعت [illegible] بجائے جنگ و جدل کے کتنے راستے تلاش کر لیتی۔

(۶۹۹) کسی چیز کو سترہ بنا کر سامنے رکھنا بھی اگرچہ مصلحت کی بنا پر ضروری تھا مگر اس سے پہلے یہ ضروری تھا کہ غیر اللہ کے لئے سجدہ کرنے کی عادت جو اسلام سے پہلے [illegible] کو کہیں دیکھ [illegible] اسی لئے اس مصلحت کے تحت رکھے اور اس [illegible] سے بچنے کے لئے یہ صورت تجویز کی گئی کہ سترہ تو رہے مگر اس کو دائیں بائیں کر لیا جائے تاکہ جس جگہ معبود حقیقی کے لئے سجدہ ادا کیا جاتا ہے وہاں کسی کا تصور بھی دل میں نہ ہو۔

النھی عن عتق بعض العبد لئلا یکون فیہ شریک اللہ عزوجل

(۷۰۰) عن ابی الملیح عن ابیہ ان رجلا اعتق شقصا من غلام فذکر ذلک للنبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال لیس للہ شریک فاجاز عتقہ۔ (رواہ ابوداؤد)

ترک الصلوۃ من غیر عذر کفر

(۷۰۱) عن جابر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بین العبد وبین الکفر ترک الصلوۃ (رواہ مسلم)

ناتمام غلام آزاد کرنے کی ممانعت کیونکہ اس میں غلام کی مالکیت میں اللہ تعالیٰ کیساتھ شرکت کا شبہ پڑتا ہے

(۷۰۰) ابوالملیح اپنے والد بزرگوار سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنے غلام کا ایک حصہ آزاد کیا اور اس کا تذکرہ آپ کی خدمت میں کیا آپ نے فرمایا اللہ کا شریک کوئی نہیں یہ کہہ کر اس کے پورے غلام کی آزادی کا حکم دیدیا۔ (ابوداؤد)

کسی عذر کے بغیر نماز قضا کر دینا کفر ہے

(۷۰۱) جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندہ اور کفر کے درمیان واسطہ صرف نماز چھوڑ بیٹھنا ہے۔ (یعنی جو بے نماز چھوڑ بیٹھا وہ کفر کی سرحد میں داخل ہوا) (مسلم)

---

(۷۰۰) توحید کی منزل جتنی قطع ہوتی جاتی ہے اتنا ہی مسلم کفر و شرک کی بو سونگھنے میں اتنا ہی تیز ہوتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ اس کی طبعی نفرت کا عالم یہ ہو جاتا ہے کہ کسی صورت نفرت پھیلانے کے لئے اس کے سامنے شرک کا نام آجانا ہی کافی ہوتا ہے اس مرحلہ پر پہنچ کر اس کے حق میں کسی امر کی نفرت و رغبت دلانے کا سب سے زیادہ مؤثر طریقہ یہ ہوتا ہے کہ اس کو یہ بتلا دیا جائے کہ فلاں بات میں شرک کی بو ہے اور فلاں میں نہیں۔ دیکھئے یہاں حدیث مذکور میں بظاہر شرک کی کیا بات تھی لیکن شریعت کو منظور یہ تھا کہ اس کے بعد ضرورت اس کا بقیہ حصہ بھی آزاد کرا دیا جائے مگر اس طرح آزاد کرایا جائے کہ اس کی طبیعت پر ذرا میل نہ آنے پائے بلکہ وہ خود ہی اس کے آزاد کرنے کیلئے مضطرب ہو جائے۔ اس لئے جو تعبیر اس کے سامنے اختیار کی گئی وہ یہی کہ تیری غیرت کا عجب ہے کہ اب اس کی ملکیت میں تو اور خدا دونوں شریک بن گئے آدھا تیرا اور آدھا اس کا۔ کیا تیری غیرت توحید اجازت دیتی ہے کہ یہ شرکت برداشت کر لی جائے، اس تعبیر کا لطف آپ اس وقت تک ہرگز نہیں اٹھا سکتے جب تک آپ کی نظر میں معلومات شرعیہ کی باتیں طبیعت کی جگہ نہ آجائیں۔

[illegible]

(۷۰۲) عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ أَوْصَانِي خَلِيلِي أَنْ لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ شَيْئًا وَإِنْ قُطِّعْتَ وَحُرِّقْتَ وَلَا تَتْرُكْ صَلٰوةً مَكْتُوبَةً مُتَعَمِّدًا فَمَنْ تَرَكَهَا مُتَعَمِّدًا فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ الذِّمَّةُ وَلَا تَشْرَبِ الْخَمْرَ فَإِنَّهَا مِفْتَاحُ كُلِّ شَرٍّ ۔ (رواہ ابن ماجہ)

(۷۰۳) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ شَقِيقٍ قَالَ كَانَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَرَوْنَ شَيْئًا مِنَ الْأَعْمَالِ تَرْكُهُ كُفْرٌ غَيْرَ الصَّلٰوةِ ۔ (رواہ الترمذی)

(۷۰۴) عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَهْدُ الَّذِي بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلٰوةُ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ ۔ (رواہ احمد والترمذی والنسائی وابن ماجہ)

---

(۷۰۲) ابوالدرداء فرماتے ہیں کہ دنیا میں سب سے زیادہ محبوب ہستی نے مجھے یہ وصیت فرمائی ہے کہ دیکھ خدا تعالیٰ کا کسی کو شریک نہ ٹھہرانا اگرچہ تیری بوٹی بوٹی اڑا دی جائے یا تجھے جلا کر خاک بھی کر دیا جائے اور کوئی فرض نماز جان بوجھ کر ترک نہ کرنا کیونکہ جو قصداً نماز چھوڑتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے بری الذمہ ہو جاتا ہے اور ایک بات یہ (نہ بھولنا) کہ شراب ہرگز نہ پینا کیونکہ وہ تمام گناہوں کی کنجی ہے۔ (ابن ماجہ)

(۷۰۳) عبداللہ بن شقیق بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ بجز نماز کے کسی اور چیز کو ایسا نہیں سمجھتے تھے جس کا چھوڑ دینا کفر ہو۔ (ترمذی)

(۷۰۴) بریدہؓ کہتے ہیں کہ ہمارے اور ان کے درمیان جس چیز کی بنا پر عہد ہے وہ نماز ہے تو جس نے نماز چھوڑ دی اب (اس سے عہد باقی نہیں رہا) وہ کافر ہو گیا۔ (نسائی)

---

(۷۰۲) اس حدیث میں شرک، شراب اور ترک صلوٰۃ کو ایک ہی جگہ ذکر کیا گیا ہے۔ شراب تمام برائیوں کی کنجی ہے اور نماز تمام برائیوں پر قفل ہے۔ جس نے نماز پابندی کے ساتھ شروع کر دی اس نے گویا برائیوں کے دروازوں پر قفل ڈال دیا۔ آیت ذیل میں نماز کی اسی خصوصیت کی طرف اشارہ ہے ان الصلوٰۃ تنہیٰ عن الفحشاء والمنکر۔ اس کے برخلاف شراب کی خاصیت ہے۔ اس بیان سے ان دونوں کے درمیان مناسبت بھی ظاہر ہو گئی۔

(۷۰۴) بعض علماء کا خیال ہے کہ یہاں منکرین مراد منافقین ہیں چونکہ یہ جماعت در اصل کافر تھی مگر مسلمانوں کے ساتھ نماز ظاہر میں شریک بھی ہوتی تھی اس لئے اس صورت میں ان کو عملاً کافر کہنا آئین اسلام کے تحت مشکل تھا۔ جب ان سے یہ عمل چھوٹ گئے تو اب ان کے کافر کہنے میں کوئی امر مانع نہیں رہا۔ عقیدہ کے لحاظ سے تو وہ پہلے ہی کافر تھے اب عمل کے لحاظ سے بھی کافر ہو گئے لہٰذا اب ان کے جان و مال کے احترام کا جو عہد ظاہری طور پر تھا ہمارے اور ان کے درمیان وہی معاملہ ہونا ہے جو ایک کافر کے ساتھ ہونا چاہئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک کا جو نقشہ ہے اس کے مطابق تو ان حدیثوں میں کوئی اشکال ہی نہیں۔ اس میں اور بھی قسم کی تاویلیں نظر آتی ہیں جن کا مقصد یہ ہے کہ مومن یا کافر کہہ دینا نماز کے معنی ہی کہہ سکتا ہے۔ (ملا حاشیہ مجمع البحار)

النهي عن اطراء النبي صلى الله عليه وسلم كما اطرت النصارى ابن مريم عليه الصلوة والسلام

(٧٠٥) عَنْ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُطْرُوْنِيْ كَمَا اَطْرَتِ النَّصَارٰى اِبْنَ مَرْيَمَ فَاِنَّمَا اَنَا عَبْدُهٗ فَقُوْلُوْا عَبْدُ اللهِ وَرَسُوْلُهٗ۔ (متفق عليه)

(٧٠٦) عَنْ مُطَرِّفِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ الشِّخِّيْرِ قَالَ انْطَلَقْتُ فِيْ وَفْدِ بَنِيْ عَامِرٍ اِلٰى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْنَا اَنْتَ سَيِّدُنَا فَقَالَ السَّيِّدُ اللهُ فَقُلْنَا وَاَفْضَلُنَا فَضْلًا وَّاَعْظَمُنَا طَوْلًا فَقَالَ قُوْلُوْا قَوْلَكُمْ اَوْ بَعْضَ قَوْلِكُمْ وَلَا يَسْتَجْرِيَنَّكُمُ الشَّيْطَانُ۔ (رواه احمد وابو داؤد)

(٧٠٧) عَنْ اَنَسٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا خَيْرَ الْبَرِيَّةِ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان مبارک میں ایسی مبالغہ آمیز باتیں کرنے کی ممانعت جیسی نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ کی شان میں کیں

(٧٠٥) ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری اتنی زیادہ مبالغہ آمیز تعریفیں نہ کیا کرو جتنی نصاریٰ نے ابن مریم کی شان میں کیں، میں تو صرف اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا ایک رسول ہوں لہٰذا مجھ کو عبد اللہ اور رسول اللہ کہا کرو۔ (متفق علیہ)

(٧٠٦) مطرف بن عبد اللہ بن شخیر روایت کرتے ہیں کہ میں وفد بنی عامر کے ہمراہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو ہم نے آپ سے عرض کیا کہ آپ ہمارے سید و آقا ہیں آپ نے فرمایا دراصل سید و آقا تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے ہم نے عرض کیا اچھا تو سب میں افضل اور سب سے بڑھ کر سخی ہیں اس پر آپ نے فرمایا ہاں یہ کلمہ کہہ سکتے ہو یا اس سے بھی کچھ اور مختصر اور دیکھو کہیں شیطان تم کو زیادہ جری و بے باک نہ بنا دے۔ (مسند احمد۔ ابو داؤد)

(٧٠٧) انس بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ) اس نقطۂ نظر کے مطابق کافر کی سب سے کھلی ہوئی علامت ترک صلوٰۃ ہی تھی بعد انقلاب و احوال زمانہ اب مسلمانوں میں ایک طبقہ ایسا پیدا ہو گیا ہے جو مسلمان ہونے کے ساتھ تارک صلوٰۃ بھی ہے اس نے ان حدیثوں میں اشکال پیدا کر دیا اور اتنا اشکال پیدا کر دیا کہ بعض علماء کے نزدیک صلوٰۃ اسلام کا ایک ایسا لازمی جزو نہیں سمجھا گیا کہ اس کے ترک سے کفر کا اطلاق کسی تاویل کے بغیر ہی جائز سمجھا گیا ہے اگرچہ اکثر کا رجحان اسی کی تاویل ہی کی طرف ہے۔ بہرحال نماز کو شریعت میں اتنی اہمیت حاصل ہے جتنی کسی دوسرے عمل کو نہیں کفر کی تاویل و عدم تاویل کی بحث سے علیحدہ ہو کر رہنا تو بہرحال ترجیح ہو جانا چاہئے کہ ان ایسے عمل سے دور بھی ہے جس پر حدیثوں میں کفر کا اطلاق آ چکا ہو۔

فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاكَ اِبْرَاهِيْمُ۔ (رواہ مسلم)

(۸۰۰) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ تَلَقّٰى عِيْسٰى حُجَّتَهٗ وَلَقَّاهُ اللّٰهُ فِیْ قَوْلِهٖ يَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قَالَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَقَّاهُ سُبْحَانَكَ مَا يَكُوْنُ لِیْ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِیْ بِحَقٍّ الآیۃ۔ (رواہ الترمذی)

اس نے آپ کو یوں خطاب کیا : اے مخلوق میں سب سے بہتر ہستی آپ نے (از راہِ کسر نفسی) فرمایا یہ کلمہ تو حضرت ابراہیم خلیل اللہ ہی کے شایانِ شان ہے۔ (مسلم)

(۸۰۰) ابوہریرۃ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جب محشر میں سوال ہوگا کہ اانت قلت ۔۔ کیا لوگوں سے تم نے کہا تھا کہ خدا کو چھوڑ کر مجھے اور میری ماں کو معبود ٹھہرالو، تو اس کا جواب ان کو حق تعالیٰ ہی کی جانب سے یہ تعلیم ہوگا کہ تیری ذات پاک ہے میری کیا مجال تھی کہ میں ایسی بات زبان سے نکال سکتا جس کا مجھے کوئی حق نہ تھا۔ (ترمذی شریف)

---

(۸۰۰) دیکھئے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ان عقیدت مندوں نے بات کہاں سے کہاں پہنچادی آخر یہ تم حساب ہے جب ان جاہلوں نے اتنا بار ربوبیت کی تہمت اس معصوم رسول کے سر رکھ ہی دی تو انصاف الٰہی کا تقاضا تھا کہ مخلوق سے کہدو تم اس کی صفائی تو طلب کر لی جائے پھر جواب دہی کا معاملہ وہ بھی عبد اللہ ہی کیا مشکل ہوجاتا ہے یہ تو حکم الحاکمین کی بارگاہ ہے کس کے منہ میں زبان ہے کہ جواب دیتا۔ آخر جس نے حضرت آدم علیہ السلام کو کلمات توبہ کی تلقین فرمائی اور حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے شکم میں تسبیح کی تلقین فرمائی تھی۔ اسی نے آج حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی استمال فرمائی وہ انھوں نے بڑے ادب و نیاز کے ساتھ سب سے پہلے خدائے تعالیٰ کی تمام عیوب سے پاکی بیان فرما کر عرض کیا کہ ایسی بات میں بھلا کب منہ سے نکال سکتا تھا جس کا مجھے کوئی حق ہی نہیں پہنچتا۔ اس کے بعد یہ جواب بڑی تفصیل فرمائی جو قرآن کریم میں مذکور ہے۔ ابتدائی میں اس عجیب انداز میں اپنی براءت کے ساتھ ان تمام امت کی سفارش کی طرف بھی اشارہ فرمایا کہ یہ کلمات خاتم الانبیاء علیہم السلام کو ایسے پیارے معلوم ہوتے کہ ایک مرتبہ آپ نے ساری شب انہی کلمات کے تکرار میں گذار دیا اور اتنا ہی مبالغہ فرمایا کہ رکوع میں جاتے تو یہی کلمات زبان پر ہوتے اور جب سجدے میں جاتے تو بھی وہی زبان پر ہوتے۔

یہ معلوم ہوا کہ محشر میں حق تعالیٰ نے اپنے علم ازلی پر فیصلے صادر فرمانے کا وعدہ نہیں فرمایا بلکہ اس دن کے لئے ثبوت اور جواب دہی کا آئین مقرر فرمایا ہے اور اپنا لقب احکم الحاکمین رکھا ہے۔ اس لئے کاش آج رسولِ کریم بھی جواب دہی کرنی ہوگی خواہ دنیا ان کو خدا کے برابر بنادے یا ان کی ابنیت کا کوئی لقب بھی دیا کرے (العیاذ باللہ)

---

(۷۰۹) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کُلُّ بَنِیْ اٰدَمَ یَطْعَنُ الشَّیْطَانُ فِیْ جَنْبَیْهِ بِاِصْبَعَیْهِ حِیْنَ یُوْلَدُ غَیْرَ عِیْسَی بْنِ مَرْیَمَ ذَهَبَ یَطْعَنُ فَطَعَنَ فِی الْحِجَابِ (متفق علیہ)

(۷۱۰) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ اسْتَبَّ رَجُلٌ مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ وَرَجُلٌ مِّنَ الْیَهُوْدِ فَقَالَ الْمُسْلِمُ وَالَّذِی اصْطَفٰی مُحَمَّدًا عَلَی الْعَالَمِیْنَ فَقَالَ الْیَهُوْدِیُّ وَالَّذِی اصْطَفٰی مُوْسٰی

(۷۰۹) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جتنی اولاد ہے پیدائش کے ساتھ ہر ایک کے پہلوؤں میں شیطان اپنی انگلیاں مارتا ہے بجز حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کہ اس نے یہاں بھی اس کا ارادہ کیا تھا تو اس کے اور ان کے درمیان قدرت نے ایک حجاب ڈال دیا جس کی وجہ سے اس کی انگلیاں اس حجاب میں رہ گئیں اور ان کا اثر ان کی ذات تک نہ پہنچ سکا۔ (متفق علیہ)

(۷۱۰) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک مسلمان اور ایک یہودی میں باہم کچھ تیز تیز باتیں ہو گئیں مسلمان نے کہا اس ذات کی قسم جس نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ساری مخلوق پر فضیلت بخشی اور یہودی بولا اس ذات کی قسم جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ساری مخلوق پر فضیلت بخشی۔ یہ سننا تھا کہ مسلمان

(۷۰۹) عام انسانوں کی پیدائش کے مقابلہ میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ خصوصیت کہ اس لئے خاص طور پر ذکر کی گئی ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ ان کے حق میں حسب ذیل دعا پوری ہوئی اور اس طرح پوری ہوئی تھی۔

اِنِّیْ اُعِیْذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔	میں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے بچانے کے لئے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔

خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے حق میں نہ تو کمال یہ ہے کہ سرے سے ان کی خصوصی امتیازات ہی کا انکار کیا جائے اور نہ یہ کہ جو کمال ان کی ذات کے لئے کوئی کمال نہ ہو اس کو محض اپنی قوت اعتقادی کی راہ سے زبردستی ان کے سر تھوپ دیا جائے۔ دیکھئے جن حدیثوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بندگی کا اقرار ایمان کی شرط اولیٰ قرار دیا گیا ہے ان ہی میں ان کے اس خاص کمال کا بھی برملا اظہار کیا گیا ہے انبیاء علیہم السلام کی شانوں میں زیادہ مبالغہ اور غلو کی گستاخی بعض بڑی خطرناک غلطیاں ہیں۔ یہ وہ امر واقعہ ہے جس کی دونوں ہی طرف آثار واضح ہے۔

(۷۱۰) انبیاء علیہم السلام کی صداقت کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ ان سارے جماعت میں اول سے لیکر آخر تک ایک نوعیت کا اختلاف نہیں ملتا جن کی تعلیم میں اصولاً کوئی ادنیٰ اختلاف بھی ہو اور ان میں کوئی ایسا نہیں ہے جو ایک دوسرے کا اعزاز کے منافی کوئی کلمہ بھی برداشت کر سکتا ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سب ایک ہی صداقت کی کڑیاں ہیں مد د

أن يقول إني خير من يونس بن متى۔ (متفق عليه)

(۱۳۷) عن أبي هريرة قال سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم أي الناس أكرم قال أكرمهم عند الله أتقاهم قالوا ليس عن هذا نسألك قال فأكرم الناس يوسف نبي الله ابن نبي الله ابن نبي الله ابن خليل الله قالوا ليس عن هذا نسألك قال فعن معادن العرب تسألوني قالوا نعم قال فخياركم في الجاهلية خياركم في الإسلام إذا فقهوا (متفق عليه)

نہیں کہ وہ یہ کہے کہ میں یونس بن متی سے بہتر ہوں۔ (متفق علیہ)

(۱۳۷) ابوہریرہؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا لوگوں میں بزرگ ترین کس کی ہے۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بزرگ تر وہ ہے جو سب میں زیادہ متقی ہو انھوں نے عرض کیا اس سوال سے ہمارا یہ منشا نہیں آپ نے فرمایا تو پھر بزرگ ترین حضرت یوسف علیہ السلام ہیں جو خود نبی اور ان کے باپ بھی نبی اور ان کی چوتھی پشت خلیل اللہ ہیں۔ انھوں نے عرض کیا ہم یہ بھی نہیں پوچھتے آپ نے فرمایا اچھا تو قبائل عرب کے متعلق پوچھتے ہو انھوں نے عرض کیا جی ہاں فرمایا جو تم میں کفر کے زمانہ میں بہتر تھا وہی اسلام میں بھی بہتر ہے بشرطیکہ دین کی سمجھ حاصل کرے۔ (متفق علیہ)

قسم کی جتنی حدیثیں یہاں ہیں سب کا تعلق انبیاء کی افضلیت اور تخیر سے ہے جس سے دوسری جانب میں کسی نقصان کا شبہ گذرنے کی گنجائش نکل سکتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قصہ کے سیاق سے آپ کو اس خیال کی مزید تصدیق ہو گئی ہوگی۔ بہرحال نبی کا ذہن ہمیشہ افراط و تفریط سے خالی رہتا ہے وہ کسی نبی کے متعلق اظہار کی کوئی کمی سن سکتا ہے اور نہ اپنے نفس کے متعلق ادنیٰ سا مبالغہ آمیزی برداشت کر سکتا ہے اتنی احتیاط طلب جگہ اور جو انصاف سے دیکھئے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ امت کے بیشتر افراد ہی جنھوں نے رسول کے صحیح مقام کو نہیں پہچانا یا ان کو خالق کی جانب میں اتنا بلند کیا کہ پھر وہاں کا تصور بھی ان کے نزدیک کفر ہو گیا اور یا عوام بشر میں ان کو اتنا ملایا کہ مقام رسالت بھی معنی سے خالی ہو کر رہ گیا۔ واللہ یہدی الی الحق ویہدی السبیل۔

(۱۳۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس طرح نبی کا ذہن خاص اپنے ماحول سے بھی اتنا اعلیٰ ہوتا ہے کہ اس کو اپنے مخاطب سے اس کے سوال کی بھی تشخیص کرانی پڑتی ہے۔ جب اور یہ مرحلہ طے ہو جاتا تو علیحدہ بات ہے یہاں یہ بات بھی خاص طور پر قابل لحاظ ہے کہ انسانی شرف کے متعلق نبی کا تخیل کتنا بلند ہوتا ہے کہ وہ صرف نسبی شرف کو شرف ہی نہیں گنتا اس کے نزدیک کسی انسان کی شرافت کا معیار دین کے کمالات ہیں یا اس کی ذاتی صفات ہوتی ہیں اور ان ہی کی بنا پر اس کی نظر میں انسانوں کی تقسیم ہوتی ہے۔ جب یہاں مخاطبین نے آپ پر اس قدر بلند لقبی ان کے جواب میں آپ نے اپنے نفس نفیس کو پیش نہیں کیا جو بظاہر جملہ کائنات سب سے زیادہ جامع تھا بلکہ حضرت تعالیٰ کے ایک اسد رسول کا ذکر فرمایا جن میں انسان کے ظاہری کمالات کے سوا یہ خصوصیت بھی تھی (باقی حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

(۱۷۳) عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ مِنْ عِنْدِهَا لَيْلًا قَالَتْ فَغِرْتُ عَلَيْهِ فَجَاءَ فَرَأَى مَا أَصْنَعُ فَقَالَ مَا لَكِ يَا عَائِشَةُ أَغِرْتِ فَقُلْتُ وَمَا لِي لَا يَغَارُ مِثْلِي عَلَى مِثْلِكَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقَدْ جَاءَكِ شَيْطَانُكِ قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَمَعِيَ شَيْطَانٌ قَالَ نَعَمْ قُلْتُ وَمَعَكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ نَعَمْ وَلٰكِنْ أَعَانَنِي اللّٰهُ عَلَيْهِ

(۱۷۳) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک شب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر سے کہیں تشریف لے گئے مجھے آپ پر غیرت آئی (اور اس خیال میں پڑ گئی کہ آپ کہیں کسی دوسری بی بی کے یہاں تشریف نہ لے گئے ہوں) اتنے میں آپ تشریف لے آئے اور آپ نے میری پریشانی کا حال دیکھ کر فرمایا اے عائشہ! ایسی پریشان کیسے ہو گیا تم کو بھی غیرت آگئی۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھ جیسی (بی بی) آپ جیسے شوہر پر بھلا غیرت کیسے نہ کرتی آپ نے فرمایا تمہارے دل میں یہ وسوسہ شیطان نے ڈالا ہے جو تمہارے (اور ہر انسان کے ساتھ ایک ایک) رہتا ہے۔ میں نے پوچھا یا رسول اللہ کیا میرے ساتھ کوئی شیطان ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں پھر میں نے پوچھا یا رسول اللہ کیا آپ کے ساتھ بھی ہے؟ فرمایا میرے ساتھ بھی ہے مگر اللہ تعالیٰ

کہ اس کی چار پشتیں اسی مسلک کے مقدس رسول گذرے تھے اس پر بھی جب مخاطبین کا سوال حل نہ ہوا تو پھر آپ نے قبائل عرب کے متعلق جواب دیا مگر یہاں بھی اسی معیار کو سامنے رکھا جو انبیاء علیہم السلام کا معیار ہونا چاہئے یعنی دین میں تفقہ فی الدین اور تقویٰ اس کے بعد آپ نے ان کے فطری جذبات کو بھی پامال نہیں فرمایا انہیں مطلع کیا کہ نسلاً قدیم شرف بھی ضرور محفوظ ہے مگر وہ اسی شرط کے ساتھ ہے جبکہ شرافتوں کا اصلی مرکز باقی رہے۔ انصاف کیجئے کہ سلسلہ انسانی کے کمالات و فضائل کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نفس کتنا مقدس ہوگا جس کو تین مرتبہ میں اپنی بلندی کے بیان کرنے کا ایک بار بھی خیال نہ آیا۔ ہاں خدائے تعالیٰ کی اس بخشی ہوئی نعمت کو تحدیث بالنعمۃ کے طور پر ضرور ذکر فرمایا ہے مگر وہ بھی صرف بیان واقعہ کی حد تک اپنی مدح سرائی کی غرض سے نہیں۔ کیا اس مقدس رسول کی بزرگی اور صداقت پرکھنے کے لئے اس کی یہی ایک صفت کافی نہیں ہے۔

(۱۷۳) اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح اور انسانوں کی پیدائش کے ساتھ ساتھ خیر و شر کا جذبہ ابھرنے والی دو طاقتیں قوتیں پیدا کی جاتی ہیں اسی طرح انبیاء علیہم السلام بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام عام افراد سے اپنی خلقت میں جدا نہیں ہوتے البتہ عصمت میں جدا ہوتے ہیں۔ خدائی امداد اس طرح ان کے شامل حال ہوتی ہے کہ گمراہی کی قوتیں ان پر کبھی غالب نہیں آسکتیں۔ دیکھئے انبیاء علیہم السلام میں سب سے مقدس نبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے مگر یہاں بھی یہ وسوسہ کا ہونا ثابت ہوتا ہے اور اسی طرح شر کی طرف میلان سے بچتے رہنے اور خیر کی طرف میلان کی ترغیب سے قریب استعداد بھی ایک صفت سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کی ذات ہمیشہ سے ربانی تربیت کے تحت رہی ہے۔ لیکن ان کا کمال یہ ہے کہ کسی شیطان نہیں ہوتے

أَتُوبُ إِلَيْكَ وَلَا أَتُوبُ إِلَى مُحَمَّدٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَرَفَ الْحَقَّ لِأَهْلِهِ۔

(رجالہ محتج بہم کما فی ترجمۃ الصلاۃ ورواہ ابو عبید فی الاموال عن عبد الرحمن بن مہدی عن سلام)

حاضر کیا گیا اس نے کہا اے اللہ میں تیرے سامنے توبہ کرتا ہوں۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سامنے نہیں کرتا۔ آپ نے فرمایا اس شخص نے تو جس کا حق تھا اس کو پہچان لیا۔ (مسند احمد)

توحید خداوندی کی زیادہ توضیح کرنے سے بھی رسول کی عظمت شان کو کوئی ٹھیس نہیں لگتی ہے وہ اگر اپنی زبان سے ایک مرتبہ یا اللہ کہہ دیتے ہیں تو جب تک سو مرتبہ یا رسول اللہ نہیں کہہ لیتے ان کو چین نہیں پڑتا۔ حتیٰ کہ بعض مزارات پر جاکر دیکھو تو تم کو محسوس ہوگا کہ اس فضا میں جہاں کبھی صرف ایک اللہ ہی کا نام پاک گونجا کرتا تھا آج یا اللہ کہنا سب سے بڑا کفر بنا ہوا ہے۔ یہ دونوں راہیں افراط و تفریط کی راہیں ہیں۔

حافظ ابن تیمیہ نے یہاں بہت لمبی بحث کی ہے اور بتایا ہے کہ تعظیم کے مواقع کہاں ہیں اور تنقیص کے مواضع کیا اور اس کی بڑی تفصیل کی ہے بعض مرتبہ نیت کے بدل جانے سے کلمۂ تنقیص تنقیص نہیں رہتا جیسے "راعنا" یہود جب اس کلمہ کو اپنی زبان سے ادا کرتے تو چونکہ ان کی نیت فاسد ہوتی تھی اس لئے ان کی زبان سے یہ تنقیص تھا لیکن چونکہ مسلمانوں کی یہ نیت نہ تھی اس لئے ان کی زبان سے یہی کلمہ تنقیص کا موجب بھی نہ تھا۔ یہ دوسری بات تھی کہ یہود چونکہ اس کو غلط طور پر استعمال کرتے تھے اس لئے مسلمانوں کو بھی اس کے استعمال سے روک دیا گیا تھا۔

اسی طرح جہاں گفتگو سیاق توحید میں ہو تو اس مقام پر اللہ تعالیٰ کی خصوصیات کو خاص طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے سلب کرنا موجب کسر شان شمار نہیں ہو سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ یگانہ ذات ہے کہ جہاں وہ ہو وہاں کوئی نہیں اس لئے اس کی ذاتی خصوصیات سلب کر دینے میں کسی کی کوئی کسر شان نہیں ہوتی۔ مثلاً اگر یہ کہا جائے کہ رسول کا یہ کام نہیں کہ وہ کسی کی مغفرت کرے یہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جو سب کی مغفرت کر سکتی ہے۔ رہا رسول کا مغفرت کی سفارش کرنا تو وہ حق تعالیٰ کی عبدیت کا اثر ہے رسول کی سفارش کبھی خالی نہیں جاتی تو اس میں رسول کی کوئی کسر شان نہ ہوگی۔ کیونکہ یہاں جس صفت کو رسول کی ذات سے سلب کیا گیا ہے درحقیقت وہ اس کے لئے ثابت ہی نہیں تھی وہ خاص خدائے تعالیٰ کی صفت ہے۔

ہاں یہ حاجت ان صفات کی نفی کا مشغلہ لے کر بیٹھنا بھی سوء ادب ہے گستاخی اور انتہا درجہ کی غلطی ہے مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نصاریٰ نے خدا بنا لیا تو ان کی ذات سے خدائی صفات کی نفی کرنا عین حکمت ہے۔ لیکن جن انبیاء علیہم السلام کے حق میں نہ کسی کا اس قسم کا عقیدہ ہو اور نہ اس کا اندیشہ تو ان کے حق میں ایسے امر کی بیجا تعیین توہین کی حد تک بھی داخل ہو سکتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے اس سلسلہ میں جو اسلوب بیان حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں اختیار کیا ہے وہ اور رسولوں کے لئے اختیار نہیں کیا حالانکہ جب تک خود اللہ تعالیٰ ہو اور معاملہ رسولوں کا آ جائے تو دونوں توہین کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا پس بے وجہ رسولوں کی ذات سے خدائی صفات کی نفی کا مشغلہ بھی توحید کا تقاضہ نہیں بلکہ ترجمہ کنندہ کا رسولوں کی کوئی عظمت کی بات ہے۔

(کتاب الرد علی البکری)

(۷۱۹) عن ابي هريرة انه سمع النبي صلى الله عليه وسلم يقول ان ثلاثة في
بني اسرائيل ابرص واقرع واعمى فاراد الله ان يبتليهم فبعث اليهم ملكا فاتى
الابرص فقال اي شيء احب اليك قال لون حسن وجلد حسن ويذهب عني الذي
قد قذرني الناس قال فمسحه فذهب عنه قذره واعطي لونا حسنا وجلدا حسنا فقال
فاي المال احب اليك قال الابل او قال البقر شك اسحاق الا ان الابرص والاقرع قال
احدهما الابل وقال الآخر البقر قال فاعطي ناقة عشراء فقال بارك الله لك فيها
قال فاتى الاقرع فقال اي شيء احب اليك قال شعر حسن ويذهب عني هذا الذي
قد قذرني الناس قال فمسحه فذهب عنه قال واعطي شعرا حسنا قال فاي المال
احب اليك قال البقر فاعطي بقرة حاملا قال بارك الله لك فيها قال فاتى الاعمى
فقال اي شيء احب اليك قال ان يرد الله الي بصري فابصر به الناس قال فمسحه

(۷۱۹) ابوہریرہؓ بیان فرماتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے خود
سنا ہے کہ بنی اسرائیل میں تین شخص تھے ایک مبروص، ایک گنجا اور ایک اندھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی آزمائش
کا ارادہ فرمایا تو ان کے پاس ایک فرشتہ بھیجا۔ پہلے وہ مبروص کے پاس گیا اور اس سے پوچھا کہ
آپ کی سب سے بڑی تمنا کیا ہے اس نے کہا خوبصورت رنگت اور خوبصورت کھال اور یہ بات کہ
جس بیماری کی وجہ سے لوگ مجھ سے نفرت کرتے ہیں یہ جاتا رہے۔ فرشتے نے اس کے جسم پر ہاتھ پھیرا
اور وہ ساری بیماری ختم ہو گئی اس کا رنگ اور کھال دونوں خوشنما ہو گئے۔ اس کے بعد پوچھا کہ آپ کو
مال کونسا پسند ہے اس نے اونٹ یا گائے بتلائے۔ راوی حدیث اسحٰق کو اس بارے میں شک ہے لیکن وہ
یقینی ہے کہ ابرص اور گنجے میں ایک نے اونٹ بتلائے تھے تو دوسرے نے گائے۔ غرض اس کو ایک ایسی
اونٹنی مل گئی جس کے حمل کی دس ماہ کی مدت پوری ہو گئی تھی اور وہ بیانے والی تھی اس کے بعد اس فرشتے
نے یہ دعا دی۔ جا تجھے اللہ تعالیٰ آپ کی اونٹنی میں برکت دے۔ اس کے بعد وہ گنجے کے پاس گیا اور اس
سے پوچھا آپ کو کیا چیز سب سے زیادہ پیاری ہے اس نے کہا خوبصورت بال اور یہ بات کہ جس بیماری
کی وجہ سے لوگ مجھے گندہ سمجھتے ہیں یہ بیماری جاتی رہے۔ اس نے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرا اور وہ ساری بیماری
جاتی رہی اور اس کے بال نہایت خوبصورت ہو گئے۔ اس کے بعد پوچھا کہ آپ کو مال کونسا پسند ہے
اس نے کہا گائے۔ اسے بھی ایک حاملہ گائے مل گئی۔ فرشتے نے اس کو بھی دعا دی کہ اللہ تعالیٰ آپ کی

فرد الله إليه بصره قال فأي المال أحب إليك قال الغنم فأعطي شاة والدا فأنتج
هذان وولد هذا فكان لهذا واد من الإبل ولهذا واد من البقر ولهذا واد من الغنم
قال ثم إنه أتى الأبرص في صورته وهيئته فقال رجل مسكين قد انقطعت بي
الحبال في سفري فلا بلاغ لي اليوم إلا بالله ثم بك أسألك بالذي أعطاك اللون الحسن
والجلد الحسن والمال بعيرا أتبلغ به في سفري فقال الحقوق كثيرة فقال إنه كأني
أعرفك ألم تكن أبرص يقذرك الناس فقيرا فأعطاك الله مالا فقال إنما ورثت هذا
المال كابرا عن كابر فقال إن كنت كاذبا فصيرك الله إلى ما كنت. قال وأتى الأقرع في
صورته فقال له مثل ما قال لهذا ورد عليه مثل ما رد هذا فقال إن كنت كاذبا
فصيرك الله إلى ما كنت. قال وأتى الأعمى في صورته وهيئته فقال رجل مسكين

گھر میں برکت دے۔ اس کے بعد نابینا کے پاس آیا اور اس سے بھی پوچھا کہ صاحب آپ کو سب سے
زیادہ کیا بات پسند ہے اس نے کہا یہ کہ اللہ تعالیٰ میری بینائی پھیر دے تاکہ میں لوگوں کو دیکھ
سکوں۔ فرشتہ نے اس کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا اور اس کی بینائی لوٹ آئی اس کے بعد پوچھا آپ کو کونسا
مال مرغوب ہے بولا بکریاں اسے بھی ایک بچے والی تیار بکری مل گئی کچھ دنوں بعد ہی وہ اونٹنی اور گائے
بیا گئیں اور اس بکری کے بھی بچہ پیدا ہو گیا (اور اللہ نے برکت بھی دی) کہ کوڑھی کے پاس ایک وادی بھر کے
اونٹ ہو گئے اور گنجے کے پاس ایک وادی بھر گائیں اور اس نابینا کے پاس بھی ایک وادی بھر کر بکریاں
ہو گئیں اس کے بعد وہی فرشتہ اپنی اسی شکل میں کوڑھی کے پاس پہنچا اور بولا میں ایک مسکین ہوں سفر
کی حالت میں جتنے اسباب و ذرائع تھے سب ختم ہو چکے ہیں اب منزل مقصود تک رسائی کا ذریعہ کوئی نہیں
بجز اللہ تعالیٰ کے یا پھر بظاہر اسباب آپ کی ذات کے۔ میں آپ سے اس خدا کا واسطہ دے کر ایک
اونٹ مانگتا ہوں جس نے آپ کو یہ خوشنما رنگ اور یہ خوشنما کھال مرحمت فرمائی۔ اس نے کہا میرے
ذمہ داریاں بہت ہیں۔ اس نے کہا مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں آپ کو پہچانتا ہی ہوں۔ کیا آپ
کوڑھی نہ تھے لوگ آپ سے نفرت کرتے تھے محتاج تھے پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ مال و دولت بخشا
اس نے کہا یہ مال تو میرے باپ دادے سے مجھے وراثت میں پہنچا ہے۔ اس نے کہا بہت اچھا اگر تو جھوٹا ہے
تو خدا تجھ کو ویسا ہی کر دے جیسا تو پہلے تھا اس کے بعد وہ اپنی اسی شکل میں گنجے کے پاس پہنچا اور
اور وہی سوال اس سے بھی کیا اس نے بھی وہی جواب دیا اس پر فرشتے نے کہا کہ اگر تو جھوٹا ہے تو اللہ تعالیٰ

وَابْنُ سَبِيلٍ انْقَطَعَتْ بِيَ الْحِبَالُ فِي سَفَرِي فَلَا بَلَاغَ لِيَ الْيَوْمَ إِلَّا بِاللّٰهِ ثُمَّ بِكَ أَسْأَلُكَ بِالَّذِي رَدَّ عَلَيْكَ بَصَرَكَ شَاةً أَتَبَلَّغُ بِهَا فِي سَفَرِي فَقَالَ قَدْ كُنْتُ أَعْمٰى فَرَدَّ اللّٰهُ إِلَيَّ بَصَرِي فَخُذْ مَا شِئْتَ وَدَعْ مَا شِئْتَ فَوَاللّٰهِ لَا أَجْهَدُكَ الْيَوْمَ بِشَيْءٍ أَخَذْتَهُ لِلّٰهِ فَقَالَ أَمْسِكْ مَالَكَ فَإِنَّمَا ابْتُلِيتُمْ فَقَدْ رُضِيَ عَنْكَ وَسُخِطَ عَلٰى صَاحِبَيْكَ. (متفق علیہ)

(۲۰) عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ أَنَّ رَجُلًا مِنَ الْمُسْلِمِينَ رَأَى فِي النَّوْمِ أَنَّهُ لَقِيَ رَجُلًا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ فَقَالَ نِعْمَ الْقَوْمُ أَنْتُمْ لَوْلَا أَنَّكُمْ تُشْرِكُونَ تَقُولُونَ مَا شَاءَ اللّٰهُ وَشَاءَ مُحَمَّدٌ وَذَكَرَ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ أَمَا وَاللّٰهِ إِنْ كُنْتُ لَأَعْرِفُهَا لَكُمْ قُولُوا مَا شَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ شَاءَ مُحَمَّدٌ (رواہ ابن ماجہ، ... ... کذا فی ترجمان السنۃ ...)

تجھ پر ایسا ہی کردے جیسا تو پہلے تھا اس کے بعد وہ اپنی اسی صورت میں نابینا کے پاس پہنچا اور بولا میں ایک مسکین مسافر ہوں سفر کی حالت میں میرا کوئی وسیلہ باقی نہیں رہا۔ اب بجز اللہ تعالیٰ کے منزل مقصود تک پہنچنے کا کوئی ذریعہ نظر نہیں آتا یا بظاہر اسباب بجز آپ کی ذات ہے۔ میں اس خدا کا واسطہ دے کر جس نے آپ کو بینائی عطا کی ایک بکری کا سوال کرتا ہوں تاکہ اس کے ذریعے اپنے اس سفر کی ضروریات پوری کر لوں اس نے کہا بیشک میں نابینا تھا اور بیشک اللہ ہی نے مجھے پھر سے بینائی بخشی۔ جو تو ان بکریوں میں سے جتنی چاہے لے جا اور جتنی چاہے چھوڑ دے آج جتنی بکریاں تو اللہ کے نام کی لے لیگا میں تجھے بلا کسی مشقت کے بڑی خوشی سے دے دوں گا۔ فرشتے نے کہا جاؤ اپنی بکریاں اپنے پاس رکھو اصل واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو صرف تمہارا امتحان مقصود تھا تجھ سے تو خدائے تعالیٰ راضی ہو گیا اور تیرے ساتھ والے دو شخص یا دونوں ساتھیوں سے ناراض ہو گیا۔ (متفق علیہ)

(۲۰) حذیفہ بن یمان سے روایت ہے کہ ایک شخص نے مسلمانوں میں سے خواب میں دیکھا کہ کسی اہل کتاب سے اس کی ملاقات ہوئی اس نے کہا تم لوگ بہت اچھے تھے اگر کہیں تم شرک نہ کرتے تم یہ کہتے ہو جو اللہ تعالیٰ نے چاہا اور جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا (وہ ہوا) اس خواب کا ذکر انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کیا آپ نے فرمایا بخدا تمہاری اس فروگذاشت کو میں بھی محسوس کر رہا تھا لہذا آئندہ اب یہ تذکرہ (ایسی عبارت کے ساتھ کیا کرو جس میں لفظ شرکت کا بھی ابہام نہ رہے) اور ماشاء محمد کی بجائے ثم شاء محمد کہا کرو۔ (ابن ماجہ)

(۱۹ ع) اس حدیث میں تو فرشتے کی زبان سے وہی غلط ورد بے سہارا کلمہ نکلا ہے جو پہلے صرف شرع میں اتہم کرتا آیا تھا بھی اس سے بدہ اعتبار خوشامد کے مرقع پر بھی اللہ کے نام کے ساتھ کسی کی بھی مساوات بیان کی اور یہی کہا میری اس مشکل کشا اس کی ذات ہے ان ظاہری اسباب میں آپ کا سہارا بھی ہے۔

(۷۲۱) عن قتيلة امرأة من جهينة ان يهوديا اتى النبي صلى الله عليه وسلم فقال انكم تنددون وانكم تشركون تقولون ما شاء الله وشئت وتقولون والكعبة فامرهم النبي صلى الله عليه وسلم اذا ارادوا ان يحلفوا ان يقولوا ورب الكعبة ويقولوا ما شاء الله ثم شئت رواه النسائي ملخصا واخرجه ابن سعد ايضا من الكل في الدر المنثور ج۱ تحت قوله تعالى فلا تجعلوا لله اندادا۔

(۷۲۲) عن طفيل بن سخبرة انه رأى فيما يرى النائم كأنه مر برهط من اليهود فقال انتم نعم القوم لولا انكم تزعمون ان عزيرا ابن الله فقالوا وانتم نعم القوم لولا انكم تقولون ما شاء الله وشاء محمد ثم مر برهط من النصارى فقال انتم نعم القوم لولا انكم تقولون المسيح ابن الله قالوا وانتم نعم القوم لولا انكم تقولون ما شاء الله وشاء محمد فلما اصبح اخبر النبي صلى الله عليه وسلم فخطب فقال ان طفيلا رأى رؤيا وانكم تقولون كلمة كان يمنعني الحياء منكم فلا تقولوها ولكن قولوا ما شاء الله وحده

(۷۲۱) قبیلہ جہینہ کی ایک بی بی مسماۃ قتیلہ بیان کرتی ہیں کہ ایک یہودی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور اس نے کہا تم خدا تعالیٰ کا ہمسر تجویز کرتے ہو اور دوسروں کو اس کا شریک ٹھہراتے ہو ایک تو تم یوں کہتے ہو ما شاء اللہ وشئت (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مشیت اور اللہ کی مشیت برابر ذکر کرتے ہیں) اور دوسرے کعبہ کی قسم کھاتے ہو حالانکہ کعبہ مخلوق ہے۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو حکم دیدیا کہ آئندہ جب قسم کھانے کا ارادہ کریں تو رب کعبہ کی قسم کھایا کریں اور آپ کی مشیت کا تذکرہ خدا کی مشیت کے ساتھ ہرگز ہرگز نہ کیا کریں بلکہ خدا کی مشیت کے بیان کے بعد لفظ ثم سے ذکر کیا کریں

(۷۲۲) طفیل بن سخبرۃ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک خواب میں دیکھا کہ ان کا ایک یہودی جماعت کے پاس سے گذر ہوا انہوں نے ان سے کہا اگر تم لوگ حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا نہ سمجھتے تو کیا اچھے لوگ ہوتے۔ وہ بولے اگر تم مسلمان بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مشیت کا ایک ساتھ تذکرہ نہ کیا کرتے تو تم بھی بہت اچھے لوگ ہوتے۔ جب صبح ہوئی تو انہوں نے اس خواب کا ذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا۔ اس پر آپ نے خطبہ دے کر فرمایا کہ طفیل نے ایک خواب دیکھا ہے تم ایک ناموزوں کلمہ کہا کرتے ہو مجھے تم کو اس سے روکنے میں ذرا لحاظ تھا۔ مگر اب آئندہ یہ کلمہ نہ کہا کرو بلکہ صرف ایک اللہ تعالیٰ کی مشیت کا ذکر

فَقَالَ طَبِيبُهَا الَّذِي خَلَقَهَا. (رواہ احمد واخرجہ صاحب المشکوٰۃ فی باب القصاص)

النھی عن التسمیۃ بملک الاملاک

(۲۴۶) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخْنَعُ الْأَسْمَاءِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عِنْدَ اللّٰهِ رَجُلٌ تَسَمَّى مَلِكَ الْأَمْلَاكِ. رواہ البخاری وفی روایۃ مسلم قَالَ أَغْيَظُ

میں اس کا علاج کر دوں آپ نے فرمایا اس کا طبیب تو وہی ہے جس نے اس کو پیدا فرمایا ہے۔ (احمد)

شہنشاہ نام رکھنے کی ممانعت

(۲۴۶) ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ قابلِ شرم وہ شخص ہوگا جس کا نام ملک الاملاک ہو (شہنشاہ) (بخاری شریف) اور مسلم کی ایک روایت میں یوں آتا ہے قیامت میں جس شخص پر اللہ تعالیٰ کو سخت غصہ آئے گا اور وہ سب سے

حضرت ابن مسعودؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی بہت سی فتوحات میں شریک رہے ہیں ان میں سے ایک فتح [illegible] بھی تھا۔ [illegible] آپ [illegible] جب [illegible] تو [illegible] معلوم ہوا کہ ابن مسعودؓ [illegible] کے [illegible] میں شریک ہونے [illegible] آئے [illegible] بیمار [illegible] حضرت عثمان غنیؓ ان کی عیادت کے لیے تشریف لائے۔ [illegible] ان سے [illegible] آپ کو کیا تکلیف ہے فرمایا اپنے گناہوں کی۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا آپ کی خواہش کیا ہے؟ حضرت ابن مسعودؓ نے جواب دیا اپنے پروردگار کی رحمت کی۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا آپ کے لیے کسی طبیب کو نہ بلائیں؟ انہوں نے جواب دیا طبیب ہی نے تو مجھے بیمار ڈالا ہے۔ پھر حضرت عثمانؓ نے فرمایا آپ کا وظیفہ [illegible] سال سے [illegible] فرمایا مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا تو آپ کی لڑکیوں کے کام آجائے گا۔ فرمایا کیا آپ کو میری لڑکیوں کے متعلق فقر و فاقہ کا خطرہ ہے میں نے ان سب کو کہہ دیا ہے کہ ہر شب سورۃ الواقعہ پڑھا کریں۔ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ جو ہر شب سورۃ الواقعہ پڑھا کرے گا اس کو کبھی فاقہ نہ ہوگا۔ ([illegible])

ان اولو العزم اور مقدس ہستیوں کے بعد جب امت کے اندر [illegible] شروع ہوا تو انہوں نے بھی اپنے زمانہ کے تمام طبیبوں سے بے نیاز ہو کر طبیب حقیقی ہی کو ان الفاظ میں یاد کیا ہے ؎

اے طبیب جملہ علتہائے ما ۔۔ اے تو افلاطون و جالینوس ما

یہ تمام تاثرات جواب تک آپ نے ملاحظہ فرمائے قرآن کی اس ایک آیت کی تفسیر ہیں۔ وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ۔ (جب میں بیمار پڑتا ہوں تو وہی مجھ کو شفا دیتا ہے)۔

(۲۴۶) ہمارے معدے [illegible] میں کوئی تاثیر نہیں [illegible] مگر شریعت یہ کہتی ہے کہ ان کو کسی نفس کی اصلاح [illegible]

(۳۳) عن عمران بن حصين وأبي برزة قالا خرجنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فرأى قوما قد طرحوا أرديتهم يمشون في قمص فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم أبفعل الجاهلية تأخذون أو بصنيع الجاهلية تشبهون لقد هممت أن أدعو عليكم دعوة ترجعون في غير صوركم قال فأخذوا أرديتهم ولم يعودوا لذلك (رواه ابن ماجه)

(۳۴) عن عبد الله بن مسعود قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ليس منا من ضرب الخدود وشق الجيوب ودعا بدعوى الجاهلية۔ (متفق عليه)

(۳۵) عن عائشة قالت كان عاشوراء يوما تصومه قريش في الجاهلية وكان النبي صلى الله عليه وسلم يصومه فلما قدم المدينة صامه وأمر بصيامه فلما نزل

---

(۳۳) عمران بن حصینؓ اور ابو برزہؓ روایت فرماتے ہیں کہ ہم دونوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی جنازہ میں شرکت کے لئے نکلے تو آپ نے دیکھا کہ کچھ لوگوں نے اپنی چادریں اتار کر پھینک دی ہیں اور صرف قمیصوں میں ننگے (سر) جنازہ کے ساتھ ساتھ جا رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کیا تم جاہلیت کے طریقے سیکھ رہے ہو یا جاہلیت کے رنگ ڈھنگ سے مشابہت مقصود ہے میرے دل میں آیا تھا کہ میں تمہیں ایسی بددعا دوں کہ تمہاری صورتیں بگڑ جائیں۔ راوی بیان کرتا ہے کہ یہ سن کر انھوں نے پیچھے سے اپنی اپنی چادریں اٹھا لیں اور پھر کبھی ایسی حرکت کی جرأت نہ کی۔ (ابن ماجہ)

(۳۴) عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو اپنے رخساروں پر مارے پیٹے اور گریبان چاک کرے اور جاہلیت کے زمانہ کی طرح چیخ و پکار کی آوازیں نکالے اس کا ہم سے کوئی واسطہ نہیں۔ (متفق علیہ)

(۳۵) حضرت عائشہؓ روایت فرماتی ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں قریش دسویں محرم کا روزہ رکھا کرتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس دن روزہ رکھتے تھے جب آپ مدینہ تشریف لائے تو آپ نے خود

---

(۳۳) عرب قوم رحمت نعمت تھے ورنہ رسوم ان کی رگ رگ میں سرایت کئے ہوئے تھیں۔ بہ نظر حکمت رسول نے چاہا کہ ان کے مزاج کے مناسب ان کو تنبیہ کریں۔ ورنہ ایسی تنبیہ کرے کہ یہ رسوم جاہلیت ان کی سرشت سے ہمیشہ کے لئے مٹ جائیں۔

(۳۵) یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اتنا روزہ رکھا کرتے تھے کہ کسی اچھے کام میں شریک ہونا بھی قرآن کی مخالفت میں اچھا کام ترک نہیں کیا جائے گا۔ اسی لئے موافقت اور مخالفت کے صحیح پہچان سے کے لئے بڑا علم درکار ہے

خدا کرے سر چشمہ قلم کے دائم

رَمَضَانُ كَانَ مَنْ شَاءَ صَامَهُ وَمَنْ شَاءَ لَا يَصُوْمُهُ (رواه البخاری وغیرہ)

(۴۳۶) عَنْ اَبِیْ وَاقِدٍ اللَّیْثِیِّ اَنَّهُمْ خَرَجُوْا مِنْ مَكَّةَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِلٰی حُنَیْنٍ قَالَ وَكَانَ لِلْكُفَّارِ سِدْرَةٌ یَعْكُفُوْنَ عِنْدَهَا وَیُعَلِّقُوْنَ بِهَا اَسْلِحَتَهُمْ یُقَالُ لَهَا ذَاتُ اَنْوَاطٍ قَالَ فَمَرَرْنَا بِسِدْرَةٍ خَضْرَاءَ عَظِیْمَةٍ قَالَ فَقُلْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اجْعَلْ لَنَا ذَاتَ اَنْوَاطٍ كَمَا لَهُمْ ذَاتُ اَنْوَاطٍ فَقَالَ قُلْتُمْ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ كَمَا قَالَ قَوْمُ مُوْسٰی لِمُوْسٰی اجْعَلْ لَنَا اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ اِنَّ هٰٓؤُلَاءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِیْهِ وَبَاطِلٌ مَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ

(رواہ ابن کثیر ج ۲ ص ۲۴۳ وابن جریر واحمد وابن ابی حاتم)

(۴۳۷) عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَصُوْمُ یَوْمَ السَّبْتِ وَیَوْمَ الْاَحَدِ

اس دن کا روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم فرمایا لیکن جب رمضان المبارک کے روزے فرض ہو گئے تو پھر جس نے چاہا یہ روزہ رکھا اور جس نے چاہا نہ رکھا۔ (بخاری شریف)

(۴۳۶) ابو واقد لیثی بیان کرتے ہیں کہ صحابہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ سے حنین کی جانب روانہ ہوئے۔ راوی کہتا ہے کہ کفار نے ایک بیری کا درخت مقرر کر رکھا تھا یہاں آکر وہ ٹھہرا کرتے اور اس پر اپنے ہتھیار لٹکایا کرتے تھے۔ اسی مناسبت سے اس کو ذات انواط (یعنی ہتھیاروں کے لٹکانے کا درخت) کہا جاتا تھا۔ راوی کہتا ہے کہ جب صحابہ ایک بیری کے درخت کے پاس سے گزرے جو بہت بڑا اور سرسبز و شاداب تھا تو بولے یا رسول اللہ ہمارے لئے بھی ویسا ہی ایک ذات انواط مقرر کر دیجئے جیسا مشرکین کیلئے ہے۔ آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے یہ بات تو تم نے ایسی ہی کہی جیسی موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے (ایک قوم کو بت پرستی کرتے دیکھ کر) کہی تھی کہ اے موسیٰ ہمارے لئے بھی ایک ایسا ہی معبود بنا دے جیسا ان کا ہے موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تم لوگ بڑے ہی جاہل ہو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (ابن کثیر)

(۴۳۷) ام سلمہ بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ روزے شنبہ اور یکشنبہ کے

(۴۳۷) ایک وہ وقت تھا جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اہل کتاب کی موافقت کرنا پسند فرمایا کرتے تھا یہ جو محبت و طلب عرفی کے ان اخلاق سے کہ شاید اسی کی بنا اسلام کو اپنے قریب تر دیکھ کر اس کو قبول کر لیں لیکن جب آپ کی موافقت سے ان پر کوئی اثر نہ کیا تو پھر آپ نے اس طریقہ کو چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کیا جس سے امتیاز بین الفریقین کا دوسرا اصل ذریعہ اسلام جو اب تک باقی ہے حافظ ابن حجر نے اس تغییر کی تاریخ کو محققانہ طور پر بیان فرمایا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے کس حد تک طبعی موافقت جاری رکھا اور آخر تک کس طرح دوسرا راستہ اختیار فرمایا۔ حدیث میں تصریح ہے کہ آپ کی موافقت کا

أكثر ما يصوم من الأيام يوم السبت ويوم الأحد وكان يقول إنهما يوما عيد للمشركين فأنا أحب أن أخالفهم (رواه أحمد)

(۳۸) عن أبي أمامة قال قلنا يا رسول الله إن أهل الكتاب يتسرولون ولا يأتزرون فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم تسرولوا وائتزروا وخالفوا أهل الكتاب (رواه أحمد)

دن رکھا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ یہ دونوں مشرکین کے عید منانے کے دن ہیں اس لئے میں چاہتا ہوں کہ ان کی مخالفت کیا کروں۔ (احمد)

(۳۸) ابوامامہ روایت کرتے ہیں کہ ہم نے پوچھا یا رسول اللہ اہل کتاب پاجامہ پہنتے ہیں اور ازار نہیں پہنتے (ہم کیا کریں) آپ نے فرمایا تم پاجامہ اور ازار دونوں پہنا کرو اور اہل کتاب کی مخالفت کرو۔ (احمد)

واضح ہو کہ یہ صرف ان امور تک محدود تھا جن میں آپ کی مخصوص شریعت نازل نہ ہوئی اور جہاں نازل ہو جاتی پھر کسی کی موافقت و عدم موافقت کا کوئی سوال ہی نہ رہتا۔

(۳۸) یہ بات بڑی اہمیت سے یاد رکھنی چاہئے کہ شریعت نے کسی موقعہ پر بھی کسی قوم کی نفس مخالفت کو نصب العین نہیں بتایا بلکہ ہمیشہ اس نے ایک نہایت معتدل اور خوبصورت عمل کی تعلیم دی ہے جس کو اس قوم نے ناحق چھوڑ دیا تھا۔ اسی عمل کی اس نے تاکید فرمائی اور اس کا عنوان صرف مخالفت رکھ لیا ہے۔ اسی مذکورہ بالا حدیث ہی کو ملاحظہ کر لیجئے اگر شریعت کا نصب العین صرف مخالفت ہوتا تو یہاں آپ پاجامہ پہننے کی بھی ممانعت فرما دیتے مگر آپ نے ایسا نہیں کیا بلکہ اہل کتاب کا پاجامہ پہننے پر اصرار کرنا چونکہ ایک نامعتدل حرکت تھی اس لئے آپ نے ازار اور پاجامہ دونوں پہننے کی اجازت دیدی اور اسی کا عنوان مخالفت رکھا۔ اسی طرح اس سے پہلی حدیث میں شنبہ اور یکشنبہ کے دن روزہ رکھنے میں صرف مخالفت مطلوب نہ تھی بلکہ اس پر تنبیہ کرنی مقصود تھی کہ یہود و نصاریٰ نے جو ہفتہ کے انتخاب میں ایک اصولی اور تکوینی غلطی کی تھی یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یوم عید کے انتخاب کرنے میں قوموں کا امتحان تھا اس سے غلطی کی اور صرف امت محمدیہ کامیاب رہی۔ درحقیقت روز جمعہ کا دن تھا پھر کسی نے اس کو شنبہ اور کسی نے یکشنبہ بنالیا۔ اب سوچئے کہ اسی مقصد کے پیش نظر روزہ رکھ کر مخالفت کس درجہ اہم ہو گئی۔ اسی طرح اس باب کی جملہ حدیثوں کو قیاس کر لیجئے ہر جگہ کسی نہ کسی اہم غلطی کی اصلاح مد نظر رہی ہے مگر اس کا عنوان مخالفت اس لئے رکھ لیا کہ یہ بات پوری وضاحت سے ثابت ہو جائے کہ اب وہ کتاب آچکی ہے جو جملہ ادیان کی ناسخ ہے اگر اصول میں وہ پہلی کتابوں کی مصدق ہے تو فروعات میں ان کے لئے ناسخ ہونے کا بھی حق رکھتی ہے اور دین کے ان پہلوؤں میں اس کے کمال ہی کا ثبوت ملتا ہے کہیں موافقت اور کہیں مخالفت۔ یہ دونوں اس کے حق میں ہیں بہر حال مخالفت صرف عنوان ہی ہے مقصد اصل مخالفت کے مرتکب وہ لوگ ہی مقبول ہیں جنہوں نے ایک معتدل طریقہ کو چھوڑ کر غیر معتدل طریقہ اختیار کیا ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ جس طرح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سلف کی تکمیل شریعت کیلئے لازم ہے اسی طرح حق کی موافقت اور ناحق کی مخالفت کے لئے بعض اوقات ایک خوشنما عنوان ہے صرف عنوان سے بہکا نہیں جانا چاہئے بلکہ اس پر غور کیا جانا چاہئے کہ جہاں مخالفت کا امر آیا ہے وہ مقام درحقیقت مخالفت کا محل ہے بھی یا نہیں پھر جہاں مخالفت کی حکمت آپ کی فہم میں نہ آسکے اس کو اہل علم سے دریافت کیجئے صرف اپنی عقل نارسا اور علم ناتمام پر فیصلہ کر ڈالنا بھی انصاف نہیں۔ وفوق کل ذی علم علیم۔

(۴۴۳) عن ابن عباس قال كان النبي صلى الله عليه وسلم يحب موافقة أهل الكتاب فيما لم يؤمر فيه وكان أهل الكتاب يسدلون أشعارهم وكان المشركون يفرقون رءوسهم فسدل النبي صلى الله عليه وسلم ناصيته ثم فرق بعد. (متفق عليه)

(۴۴۴) عن الحجاج بن حسان قال دخلنا على أنس بن مالك فحدثتني أختي المغيرة قالت وأنت يومئذ غلام ولك قرنان أو قصتان فمسح رأسك وبرك عليك وقال احلقوا هذين أو قصوهما فإن هذا زي اليهود. (رواه أبو داود)

(۴۴۵) عن زيد بن أرقم أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال من لم يأخذ من شاربه فليس منا. (رواه أحمد والترمذي)

(۴۴۶) عن ابن عباس قال كان النبي صلى الله عليه وسلم يقص أو يأخذ من شاربه وكان إبراهيم خليل الرحمن صلوات الرحمن عليه يفعله. (رواه الترمذي)

(۴۴۷) عن عبد الله بن عمرو بن العاص قال رأى رسول الله صلى الله عليه وسلم علي ثوبين معصفرين فقال إن هذه من ثياب الكفار فلا تلبسهما وفي رواية قلت أغسلهما قال

---

(۴۴۳) ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جن باتوں کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت نازل نہ ہوتی ان میں آپ مشرکین کی بہ نسبت اہل کتاب کی موافقت کرنا زیادہ پسند فرماتے تھے۔ اہل کتاب کا دستور یہ تھا کہ وہ پیشانی کے بال سامنے لٹکاتے اور مشرکین بیچ سے مانگ نکالتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی اصول کے ماتحت پہلے اپنے بال پیشانی پر لٹکاتے پھر بعد میں مانگ نکالنا شروع کر دی۔ (متفق علیہ)

(۴۴۴) حجاج بن حسان کہتے ہیں کہ ہم انس بن مالکؓ کے پاس گئے اس وقت میری ہمشیرہ مغیرہ نے فرمایا کہ تم اس وقت بچے تھے اور تمہارے سر پر بالوں کے دو گچھے تھے۔ انہوں نے تمہارے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعائے برکت فرمائی اور فرمایا یا تو ان دونوں کو منڈوا دو یا کٹوا دو کیونکہ یہ طریقہ تو یہود کا ہے۔ (ابوداؤد)

(۴۴۵) زید بن ارقمؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اپنی مونچھوں کے بال نہ ترشوائے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (احمد۔ ترمذی)

(۴۴۶) ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مونچھوں کے بال ترشوایا کرتے تھے اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ بھی ایسا ہی کرتے تھے۔ (ترمذی)

(۴۴۷) عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے جسم پر دو

بَلْ أَحْرِقْهُمَا۔ (رواہ مسلم)

(۴۸ ے) عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَا أَعْلَمُهُ إِلَّا رَفَعَ الْحَدِيثَ أَنَّهُ كَانَ يَأْمُرُ بِقَتْلِ الْحَيَّاتِ وَقَالَ مَنْ تَرَكَهُنَّ خَشْيَةَ ثَائِرٍ فَلَيْسَ مِنَّا۔ (رواہ فی شرح السنۃ)

(۴۹ ے) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا سَالَمْنَاهُمْ مُنْذُ حَارَبْنَاهُمْ وَمَنْ تَرَكَ شَيْئًا مِنْهُمْ خِيفَةً فَلَيْسَ مِنَّا۔ (رواہ ابوداؤد)

(۵۰ ے) عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اقْتُلُوا الْحَيَّاتِ كُلَّهُنَّ فَمَنْ خَافَ ثَأْرَهُنَّ فَلَيْسَ مِنِّي۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی)

(۵۱ ے) عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَلَّ عَلَيْنَا السَّيْفَ فَلَيْسَ مِنَّا۔ (رواہ مسلم)

زرد رنگ کے عصفر میں رنگے ہوئے کپڑے دیکھے تو فرمایا: یہ کفار کا لباس ہے ان کو مت پہنو۔ ایک روایت میں ہے میں نے عرض کیا ان کو دھو ڈالوں فرمایا بلکہ جلا دو۔ (مسلم)

(۴۸ ے) عکرمہ ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں اور کہتے ہیں جہاں تک میرا گمان ہے انھوں نے یہ مضمون آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی ہی نقل کیا تھا کہ آپ سانپوں کے مارنے کا حکم دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ جو شخص انتقام کے ڈر سے انھیں مارنا چھوڑ دے وہ ہم میں سے نہیں۔ (شرح السنہ)

(۴۹ ے) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سانپوں سے ہماری جنگ جاری ہے جنگ کے بعد کبھی ہم نے صلح نہیں کی جو ڈر کے مارے انھیں مارنا چھوڑ دے وہ ہم میں سے نہیں۔ (ابوداؤد)

(۵۰ ے) ابن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر قسم کے سانپوں کو مار دیا کرو جو ان کے بدلے کے خوف سے ڈر جائے وہ ہمارے مشرب کا آدمی نہیں۔ (ابوداؤد و نسائی)

(۵۱ ے) سلمہ بن اکوعؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص مسلمانوں پر تلوار نکالے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (مسلم)

(۵۰ ے) جس طرح کسی کی حد سے زیادہ تعظیم اس کی عبادت کا ذریعہ بن جاتی ہے اسی طرح حد سے زیادہ خوف بھی عبادت کا ذریعہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اہل ہند کی جماعت سانپوں کو دیوتا سمجھتی ہے۔ اسلام یہ تعلیم دیتا ہے کہ ایک مسلمان کے دل میں خدا کی محبت اور اسی کا خوف اتنا غالب ہو جانا چاہیے کہ اس کے سامنے ساری محبتیں اور سارے خوف دل سے نکل جائیں۔ شرک صرف یہی نہیں کہ ذات و صفات ہی میں شرکت کا اعتقاد رکھا جائے بلکہ حقوق عبودیت میں شرکت بھی شرک ہے۔

(۵۲) عن ابن عمر وابی هريرة عن النبی صلی الله عليه وسلم قال من حمل علينا السلاح فليس منا (رواه البخاری وزاد مسلم من غشنا فليس منا)

(۵۳) عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم ليس منا من خبب امرأة على زوجها او عبدا على سيده - (رواه ابو داؤد)

(۵۴) عن جابر قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم ليس على المنتهب قطع ومن انتهب نهبة مشهورة فليس منا۔ (رواه ابو داؤد)

(۵۵) عن جبير بن مطعم ان رسول الله صلی الله عليه وسلم قال ليس منا من دعا الى عصبية وليس منا من قاتل عصبية۔ (رواه ابو داؤد)

(۵۶) عن واثلة بن الاسقع قال قلت يا رسول الله ما العصبية قال ان تعين قومك على الظلم۔ (رواه ابو داؤد)

---

(۵۲) ابن عمرؓ اور ابو ہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جو ہم پر تلوار اٹھائے وہ ہم میں سے نہیں (بخاری شریف) مسلم شریف میں اس پر اتنا اضافہ ہے کہ جو بھی دھوکہ دے وہ بھی ہم میں سے نہیں

(۵۳) ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص ہم میں سے نہیں جو کسی عورت کو اس کے شوہر یا کسی غلام کو اس کے آقا کی طرف سے بگاڑ دے۔ (ابو داؤد)

(۵۴) جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوٹ مار کرنے والے کے ہاتھ نہ کاٹے جائیں اور جو علانیہ ڈاکے کا جرم کرے گا وہ ہم میں سے نہیں (اگرچہ اس پر سارق کا اطلاق نہ ہونے کی وجہ سے حد سرقہ قائم نہ ہو سکے) (ابو داؤد)

(۵۵) جبیر بن مطعم روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو صرف قومی عصبیت کی دعوت دے اور صرف عصبیت کی بنا پر جنگ کرے وہ ہم میں سے نہیں۔ (ابو داؤد)

(۵۶) واثلہ بن اسقع بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ عصبیت کی کیا تعریف ہے فرمایا یہ کہ تو ظلم پر بھی اپنی قوم کی مدد پر آمادہ رہے۔ (ابو داؤد)

---

(۵۲) یعنی جو شخص معاشرتی زندگی کو گزند پہنچانے کے درپے ہو وہ اسلام کے لئے ایک برہنہ تلوار ہے اسلام میں تمدنی اور معاشرتی زندگی کو بڑی اہمیت دی گئی ہے اسی لئے وہ شخص جو اسلام کی اجتماعی وحدت میں خلل انداز ہو مسلمانوں میں شمار ہونے کے قابل نہیں ہوتا۔

(۵۷) عن ابن مسعود عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من نصر قومہ علی غیر الحق فھو کالبعیر الذی ردی فھو ینزع بذنبہ۔ (رواہ ابوداؤد)

(۵۸) عن عبادۃ بن کثیر الشامی من اھل فلسطین عن امرأۃ منھم یقال لھا فسیلۃ انھا قالت سمعت ابی یقول سألت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أمن العصبیۃ أن یحب الرجل قومہ قال لا ولکن من العصبیۃ أن ینصر الرجل قومہ علی الظلم (رواہ احمد وابن ماجہ)

(۵۹) عن سراقۃ بن مالک بن جعشم قال خطبنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال خیرکم المدافع عن عشیرتہ ما لم یأثم۔ (رواہ ابوداؤد)

(۶۰) عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لینتھین اقوام یفتخرون بآبائھم الذین ماتوا انما ھم فحم من جھنم او لیکونن اھون علی اللہ من الجعل الذی یدھدہ الخرء بأنفہ ان اللہ قد اذھب عنکم عبیۃ الجاھلیۃ وفخرھا بالآباء انما ھو مؤمن تقی او فاجر

---

(۵۷) ابن مسعود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ہے جو شخص حق کے خلاف میں بھی اپنی قوم کی مدد کرتا ہے اس کی مثال اس اونٹ کی سی ہے جو کنویں میں گر جائے پھر اس کو دم پکڑ کر نکالا جاتا ہے (اور وہ نکل نہ سکے) (ابوداؤد)

(۵۸) عبادہ بن کثیر شامی فلسطین کے باشندے اپنی قبیلہ کی ایک عورت سے روایت کرتے ہیں جس کا نام فسیلہ تھا وہ بیان کرتی ہے کہ میں نے خود اپنے باپ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کیا اپنی قوم سے محبت کرنا بھی عصبیت میں داخل ہے فرمایا نہیں عصبیت یہ ہے کہ اپنی قوم کی ظلم پر بھی مدد کرے۔ (احمد۔ ابن ماجہ)

(۵۹) سراقہ بن مالک بن جعشم روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار خطبہ ارشاد فرمایا کہ تم میں وہ شخص سب سے اچھا ہے جو اپنے قبیلہ کی طرف سے جواب دہی کرے جب تک کہ اس میں گناہ نہ ہو۔ (ابوداؤد)

(۶۰) ابو ہریرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ لوگ اپنے ان باپ دادوں پر فخر کرنے سے باز آجائیں جو مر چکے ہیں اور دوزخ کی آگ کا ایندھن بن چکے ہیں ورنہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کیڑے سے بھی زیادہ ذلیل ہو کر رہیں گے جو اپنی ناک سے پاخانہ ہٹا کر چلتا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ نے تم کو جاہلیت کے باپ دادوں پر فخر کرنے سے روک دیا ہے۔ اب (قومیت کی تقسیم نہیں ہے) صرف دو قسمیں ہیں: متقی مومن

...النَّاسُ كُلُّهُمْ بَنُو آدَمَ وَآدَمُ مِنْ تُرَابٍ. (رواه الترمذي وأبو داود)

(۷۶۱) عَنْ أَبِي عُقْبَةَ وَكَانَ مَوْلًى مِنْ أَهْلِ فَارِسَ قَالَ شَهِدْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم أُحُدًا فَضَرَبْتُ رَجُلًا مِنَ الْمُشْرِكِينَ فَقُلْتُ خُذْهَا مِنِّي وَأَنَا الْغُلَامُ الْفَارِسِيُّ فَالْتَفَتَ إِلَيَّ فَقَالَ هَلَّا قُلْتَ خُذْهَا مِنِّي وَأَنَا الْغُلَامُ الْأَنْصَارِيُّ (رواه أبو داود)

باقی فاجر۔ سب لوگ ایک آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور ان کی حقیقت یہ تھی کہ وہ مٹی سے بنائے گئے تھے۔ (پھر یہ نقصان سب ہی کا ہے اب ہم فخر کرنے کی بات کیا رہی) (ترمذی۔ ابوداؤد)

(۷۶۱) ابو عقبہ جو فارس کے غلام تھے یہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ احد میں شریک ہوا۔ میں نے ایک مشرک کے تلوار ماری، اور کہا کہ میں فارسی بچہ ہوں یہ ضرب میری جانب کی لیتا جا۔ آپ فوراً میری جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا تو نے اس کے بجائے یہ کیوں نہ کہا کہ میں انصاری بچہ ہوں یہ ضرب میری جانب سے لیتا جا۔ (ابوداؤد)

(۷۶۱) مذکورہ بالا حدیثوں میں جہاں لیس منا (ہم میں سے نہیں) کا لفظ آگیا ہے علماء نے اس کی مختلف مرادیں تحریر فرمائی ہیں ان سب سے اچھی شرح امام طحاوی کی معلوم ہوتی ہے وہ فرماتے ہیں کہ یہ لفظ قرآن کریم میں دو جگہ استعمال ہوا ہے۔

(۱) فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي وَمَنْ لَمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي۔ — جس نے اس نہر کا پانی پیا وہ ہمارا نہیں اور جس نے نہ چکھا تو وہ بیشک ہمارا ہے۔

(۲) فَمَنْ تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي وَمَنْ عَصَانِي فَإِنَّكَ غَفُورٌ رَحِيمٌ۔ — جس نے میرا اتباع کیا وہ ہمارا ہے اور جس نے نافرمانی کی تو بیشک تو بڑا بخشنے والا اور بڑا رحم فرمانے والا ہے۔

ان دونوں آیتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو شخص جس کے طریق اور اس کی شریعت کا تبع ہوتا ہے وہ اسی کا اور اسی کی جماعت کا فرد شمار ہوتا ہے اور جو اس کا تبع نہیں ہوتا وہ اس کا جماعتی آدمی نہیں سمجھا جاتا۔ پس بعض افعال ایسے ہوتے ہیں کہ ان کا اسلامی شریعت سے کوئی ایسا تعلق نہیں ہوتا کہ ان سے علیحدگی کا باعث اسلامی معاشرت سے علیحدگی تصور کی جاتی ہے ایسے موقعہ پر یہ حدیث اس کے کرنے والے کا اخراج کرتی ہے۔ اگر یہ علیحدگی اور بڑھ جائے تو کفر کی حد تک بھی پہنچ سکتی ہے اور اسی معنی سے حضرت نوح علیہ السلام کے لڑکے کے متعلق ارشاد ہوا۔

إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ — وہ تمہارے گھر کا آدمی نہیں۔

لہٰذا اس تعبیر سے بہت ہوشیار رہنا چاہئے کیونکہ وہ صرف کسی بے عنوانی تک جاکر نہیں ٹھہرتی بلکہ بعض مرتبہ اس سے آگے بھی تجاوز کر سکتی ہے۔

ما عجل الناس الفطر لان اليهود والنصارى يؤخرون. (رواه ابوداؤد وابن ماجه)

(۶۶۸) عن ابي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اثنتان في الناس هما بهم كفر الطعن في النسب والنياحة على الميت. رواه مسلم

الرغبة عن الاباء وإباق العبد عن مواليه كفر

(۶۶۹) عن عراك بن مالك انه سمع ابا هريرة يقول ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لا ترغبوا عن آبائكم فمن رغب عن ابيه فهو كفر. (رواه مسلم)

جلدی کریں گے دین اسلام برابر غالب رہے گا کیونکہ یہود و نصاریٰ دیر سے افطار کرتے ہیں۔ (ابوداؤد و ابن ماجہ)

(۶۶۸) ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں میں دو باتیں کفر کی ہیں نسب میں طعن کرنا اور مردوں پر نوحہ کرنا۔ (مسلم شریف)

اپنے والد کے باپ ہونے سے انکار کرنا اور غلام کا اپنے آقا کے پاس سے بھاگ جانا کفر کے ہم پلہ ہے

(۶۶۹) عراک بن مالک کہتے ہیں کہ انھوں نے ابوہریرہؓ کو بیان کرتے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے والد کی طرف انتساب سے نفرت نہ کیا کرو جس شخص نے (محض فخر و مباہات کے لئے) اپنے والد سے رشتہ توڑ دیا اور کسی مشہور شخصیت سے جوڑ لیا تو یہ بھی ایک کفر کی بات ہے۔ (مسلم شریف)

---

(۶۶۷) اسلام میں مخالفت مذہب کی [illegible] یہ ہے کہ [illegible] ایسی عادات کو کہ جو قومی [illegible] یا نیم بازاری رنگ [illegible] ہے [illegible] اس لئے [illegible] قوم کی [illegible] سے الگ [illegible] اسلام میں داخل ہو سکتی ہیں [illegible] کر دو سروں کی ہی رنگت کا شکار ہو چکا ہے۔

(۶۶۸) اس قسم کی احادیث کا منشا یہ ہے کہ مسلمانوں کو ان عادات سے پرہیز کرنا چاہئے۔ عرب کے معاشرے میں چونکہ نسب پر بڑا فخر تھا اس لئے دوسروں کے نسب پر طعن کرنا بھی ان کی فخروانہ شان کا ایک جزو بن گیا تھا اور بھی ان کے نزدیک منافی شرف و بزرگی کی نمائش کا ایک خاص طریق تھا۔ یہ ساری باتیں اسلامی مزاج کے موافق نہیں آتیں۔

(۶۶۹) سب سے بڑا کفر یہ ہے کہ انسان اپنا رشتہ خداوند خالق سے توڑ کر [illegible] ہو جائے۔ [illegible] قائم رہے۔

(۷۷۰) عن جرير قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا أبق العبد لم تقبل له صلوٰة وفي رواية عنه قال أيما عبد أبق فقد برئت منه الذمة وفي رواية عنه قال أيما عبد أبق من مواليه فقد كفر حتى يرجع إليهم (رواه مسلم)

لا ينبغي للمؤمن ان يقول انا بري من الاسلام

(۷۷۱) عن بريدة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من قال إني بريء من الإسلام فإن كان كاذبا فهو كما قال وإن كان صادقا فلن يرجع إلى الإسلام سالما. (رواه النسائي وابوداؤد وابن ماجه)

(۷۷۰) جریر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کسی کا غلام اپنے آقا سے بھاگ جائے تو اس کی کوئی نماز قبول نہیں ہوتی اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے بری الذمہ ہو جاتا ہے اور ایک روایت میں یوں ہے کہ وہ کافر ہو جاتا ہے جب تک کہ ان کے پاس پھر واپس نہ آجائے (مسلم شریف)

یوں کہنا مومن کی شان کے خلاف ہے کہ اگر فلاں کام نہ کروں تو میں مسلمان نہیں

(۷۷۱) بریدہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص یوں کہے کہ میں اسلام سے بری ہوں تو اگر اس نے جھوٹ کہا تھا جب تو وہ درحقیقت مسلمان نہیں رہا اور اگر سچ کہا تھا جب بھی اس کا اسلام صحیح و سالم نہیں بچتا (کچھ نہ کچھ رخنہ ہو جاتا ہے) (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

(۷۷۱) مذکورہ بالا مسئلہ کی صورت یہ بیان کی گئی ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی بات کی بابت یہ کہا کہ اگر میں نے فلاں بات کی ہو تو میں مسلمان نہیں تو اگر اس نے یہ جھوٹ دانستہ بولا ہے تو اس قسم کا مطلب یہی ہے کہ اس کے نزدیک اپنے اسلام کی کوئی قدر و قیمت نہیں اور گویا کہ وہ تھا ہی بحقیقت اس نے زبردستی کی بھی ہے کہ اگر یہ مجبور و مضطر ہو گیا ہے کہ اس کے نزدیک اسلام کسی شکل میں بھی ترک کیا جا سکتا ہے۔ جو ان کی غیرت ایمانی کسی طرح بھی برداشت نہیں کر سکتی۔ اسی طرح یہ قسم کھانا کہ اگر میں نے ایسا کیا ہو تو اللہ کرے کہ بے ایمان مروں یا ایمان نصیب نہ ہو بہت بڑی جسارت ہے اسلام سے علیحدگی کسی صورت میں بھی قابل برداشت نہ سمجھی جائے کامل مسلمان وہ ہے جو اپنی زندگی میں ہر بات کا تصور کر سکتا ہے مگر ترک ایمان کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ ولا تموتن الا وانتم مسلمون میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ورنہ اسلام پر موت کسی کے بس کی بات نہیں۔ اسلام انقیاد و اطاعت کی صورت چند کلمات کا نام ہے اسی لئے جو اس کے خلاف چند کلمات کہنے سے مجروح ہو جاتی ہے۔

من رمی اخاہ المسلم بالفسوق او الکفر ارتدّ علیہ

(۷۷۳) عن ابی ذر انہ سمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا یرمی رجل رجلا بالفسوق ولا یرمیہ بالکفر الا ارتدت علیہ ان لم یکن صاحبہ کذلک۔ رواہ البخاری وغیرہ

(۷۷۴) عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا قال الرجل لاخیہ یا کافر فقد باء بہما احدہما۔ (رواہ البخاری وغیرہ)

جو مسلمان بھائی پر بات فسق و کفر کی تہمت لگائے تو وہ لوٹ کر اسی پر آپڑتی ہے

(۷۷۳) ابوذر بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کوئی شخص کسی پر فسق یا کفر کی تہمت نہیں لگاتا مگر وہ لوٹ کر اسی کے اوپر آپڑتی ہے اگر وہ شخص جس کے سر یہ تہمت رکھی گئی ہے اس کا اہل نہیں ہوتا۔ (بخاری)

(۷۷۴) ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کو کافر کہتا ہے تو دونوں میں سے ایک نہ ایک یہ کلمہ سچا ہو کر رہتا ہے۔ (بخاری)

(۷۷۴) احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جو کلمہ منہ سے نکلتا ہے وہ کبھی فنا نہیں ہوتا۔ ظاہر بین سمجھتے ہیں کہ وہ صرف ایک سیال صوت تھی جو منہ سے نکلی اور فضا میں معدوم ہوگئی۔ لیکن حدیث یہ کہتی ہے کہ ایک ایک کلمہ جو کسی کے منہ سے نکلتا ہے وہ سب بجنسہٖ محفوظ رہتا ہے صرف کراماً کاتبین کے رجسٹروں ہی میں نہیں بلکہ فضاء عالم میں بھی۔ ابوداؤد میں حضرت ابوالدرداء سے روایت ہے کہ جب کوئی شخص کسی پر لعنت کرتا ہے تو یہ کلمہ سب سے پہلے آسمان کی طرف جاتا ہے جب اسے وہاں کی سمت جگہ نہیں ملتی تو زمین کی طرف آتا ہے پھر دائیں بائیں گھومتا ہے جب یہاں بھی جگہ نہیں ملتی تو اب خاص اس شخص کی طرف بڑھتا ہے جس پر لعنت کی گئی تھی اگر وہ بھی اس کا اہل نہیں ہوتا تو لوٹ کر خود لعنت کرنے والے کی طرف آجاتا ہے۔

آدمی خیال کرتا ہے کہ اس کے اقوال و افعال حیوانات کی طرح کسی حساب میں نہیں۔ حدیث بتلاتی ہے کہ منہ سے ایک حرف نکلتا ہے اس کو بھی ایک ایک حرف کا حساب دینا ہوگا۔ جو لوگ اس حقیقت کو خوب سمجھتے ہیں وہ کسی عاقل بالغ شخص کے کسی کلام کو تا امکان بیکار جانے نہیں دیتے کوئی نہ کوئی توجیہ نکال کر اس پر کوئی نہ کوئی حکم لگا ہی دیتے ہیں۔ کسی کو کافر کہنا کچھ ہنسی مذاق نہیں بڑی ذمہ داری کی بات ہے۔ یہ کلمہ بول چال میں بھی زبان پر لانے کے قابل نہیں۔ یا کافر صرف ایک ندائیہ کلمہ ہے کوئی خبری نہیں ہے لیکن بے محل اس کلمہ کا استعمال بھی تاثیر دکھلائے بغیر نہیں رہتا۔

من كفر متأولا او جاهلا لم يكفر

(۴۷۷) حدثنا جابر بن عبد الله أن معاذ بن جبل كان يصلي مع النبي صلى الله عليه وسلم ثم يأتي قومه فيصلي بهم الصلاة فقرأ بهم البقرة قال فتجوز رجل فصلى صلاة خفيفة فبلغ ذلك معاذا فقال إنه منافق فبلغ ذلك الرجل فأتى النبي صلى الله عليه وسلم فقال يا رسول الله إنا قوم نعمل بأيدينا ونسقي بنواضحنا وإن معاذا صلى بنا البارحة فقرأ البقرة فتجوزت فزعم أني منافق فقال النبي صلى الله عليه وسلم يا معاذ أفتان أنت ثلاثا اقرأ والشمس وضحاها وسبح اسم ربك الأعلى۔ (رواه البخاري وغيره)

تاویل یا ناواقفی سے کسی کو کافر کہنا کفر نہیں

(۴۷۷) جابر بن عبداللہ نے بیان کیا کہ معاذ بن جبلؓ کی یہ عادت تھی کہ وہ رسول اللہ کے ساتھ نماز پڑھتے اس کے بعد واپس آکر اپنی قوم کو نماز پڑھاتے ایک دن انہوں نے سورہ بقرہ پڑھی (ان کی اس لمبی قراءت کی وجہ سے) ایک شخص نے علیحدہ ہو کر ہلکی سی نماز پڑھ لی معاذ کو بھی یہ خبر لگی تو فرمایا وہ منافق ہے یہ بات اس شخص کو معلوم ہوگئی یہ آپ کی خدمت میں جا پہنچا اور عرض کی یا رسول اللہ ہم کاروباری لوگ ہیں اپنے ہاتھوں سے مزدوری کرتے ہیں اور اونٹوں کے ذریعے سے پانی بھرتے ہیں آج شب معاذؓ نے ہمیں نماز پڑھائی اور اس میں سورہ بقرہ شروع کردی اس لئے میں نے اپنی نماز علیحدہ پڑھ لی اس پر معاذ خیال کرتے ہیں کہ میں منافق ہوں۔ آپ نے فرمایا معاذ کیا فتنہ برپا کرو گے تین بار فرمایا صرف والشمس وضحاہا اور سبح اسم ربک الاعلیٰ جیسی سورتیں پڑھ لیا کرو۔ (بخاری شریف)

(۴۷۸) عہد نبوت میں جماعت میں شریک نہ ہونا نفاق کی کھلی علامت تھی یہاں اس شخص نے ایک معقول عذر کی بنا پر جماعت میں شرکت نہ کی مگر قوت عمل کے زمانہ میں مقتدیوں کی طرف کس کا خیال ہی سے معاذؓ نے حسب عادت اس کو بھی منافق کہہ دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ قصہ سن کر تطویل قراءت پر تو عتاب فرمایا مگر منافق کہنے پر آپ نے تنبیہ نہیں کی جیسا کہ حاطب بن ابی بلتعہ کے واقعہ میں بھی ان کے متعلق حضرت عمرؓ کے منافق فرمانے پر بھی کوئی تنبیہ نہیں فرمائی کیونکہ ان مقامات پر منافق کہنا گو غلط تھا تاہم چونکہ تاویل کی بنا پر تھا۔ اگر تاویل قابل عذر ہو تو تاویل پر سخت گیری نہیں کی جاتی۔

ادمان الخمر يشبه عبادة الوثن

(۷۷۵) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُدْمِنُ الْخَمْرِ إِنْ مَاتَ لَقِيَ اللّٰهَ كَعَابِدِ وَثَنٍ۔ رواه احمد وروى ابن ماجه عن ابى هريرة والبيهقى فى شعب الايمان عن محمد بن عبيد الله عن ابيه وقال ذكر البخارى فى التاريخ عن محمد بن عبد الله عن ابيه)

(۷۷۶) عَنْ أَبِىْ مُوْسَى (الْأَشْعَرِىِّ) أَنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ مَا أُبَالِىْ شَرِبْتُ الْخَمْرَ أَوْ عَبَدْتُ هٰذِهِ السَّارِيَةَ دُوْنَ اللّٰهِ۔ (رواه النسائى)

لا يغفر لمشرك ولا لقاتل المؤمن عمدًا

(۷۷۷) عَنْ أَبِى الدَّرْدَاءِ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُلُّ ذَنْبٍ عَسَى اللّٰهُ أَنْ يَغْفِرَهُ إِلَّا مَنْ مَاتَ مُشْرِكًا أَوْ مَنْ يَقْتُلُ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا۔

(رواه ابو داود وروى النسائى عن معاوية)

شراب نوشی کی عادت بت پرستی کی طرح ہے

(۷۷۵) ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شرابی آدمی اگر مرے تو اللہ تعالیٰ کے سامنے ایک بت پرست کی طرح حاضر ہوگا۔ (احمد)

(۷۷۶) ابو موسیٰ فرمایا کرتے تھے کہ شراب پی لوں یا خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر اس ستون کی عبادت کر لوں میں تو ان دونوں باتوں میں کوئی فرق محسوس نہیں کرتا۔ (نسائی)

مشرک اور مسلمان کے ناحق قاتل کی مغفرت نہ ہوگی

(۷۷۷) ابو الدرداء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ شاید ہر گناہ کو بخش دے مگر جو شرک کی حالت میں مر جائے یا جان بوجھ کر کسی مسلمان کو ناحق قتل کرے اس کی مغفرت کی کوئی توقع نہیں۔ (ابو داؤد۔ نسائی)

نهي المؤمن عن تكثير سواد المشركين

(۸۰۰) عن أبي الأسود قال قُطِعَ على أهل المدينة بعثٌ فاكتتبتُ فيه فلقيتُ عكرمة مولى ابن عباس فأخبرتُه فنهاني عن ذلك أشدّ النهي ثم قال أخبرني ابن عباس أنّ ناساً من المسلمين كانوا مع المشركين يكثّرون سواد المشركين على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم يأتي السهم فيُرمى به فيصيب أحدهم فيقتله أو يُضرب فيُقتل فأنزل الله تعالى إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ الآية۔ (رواه البخاري)

مومن کی شان سے بعید ہے کہ وہ مشرکین کی جماعت میں شامل ہو کر ان کی کثرت اور تقویت کا باعث بنے

(۸۰۱) عبدالرحمٰن ابوالاسود نے بیان کیا کہ اہل مدینہ نے اہل شام سے جنگ کیلئے ایک لشکر تیار کیا اس میں میرا نام بھی لکھا گیا میں نے حضرت ابن عباسؓ کے غلام عکرمہ سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے مجھے شدت سے منع فرمایا اور یہ قصہ بیان کیا کہ حضرت ابن عباسؓ نے مجھ سے ذکر فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کچھ مسلمان مشرکوں کے ساتھ چلے جاتے تھے اور ان کی وجہ سے جنگ کے موقع پر مشرکین کی جماعت کی تعداد میں اضافہ ہوتا تھا (اگرچہ ان کی دلی منشا لڑنے کی نہیں تھی) ان میں ایک شخص کے تیر لگتا اور وہ مر جاتا یا تلوار سے زخمی ہوتا اور مر جاتا ان کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ یعنی وہ لوگ جن کی روحیں فرشتوں نے قبض کیں اس حالت میں کہ وہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے (کہ باوجود ضعف ایمانی کے اپنے گھروں سے ہجرت نہ کرتے تھے جب وہ مرنے لگے) تو فرشتوں نے ان سے پوچھا تم کس حال میں تھے انہوں نے جواب دیا ہم اس ملک کے ضعیف اور بے بس باشندوں میں سے تھے (خوف کی وجہ سے اظہار اسلام بھی نہ کر سکتے تھے) فرشتوں نے کہا کیا تمہارے واسطے کہیں زمین ساری کشادہ نہ تھی کہ تم وہاں ہجرت کر جاتے (بخاری شریف)

(۸۰۲) اس حدیث کے نقل کرنے سے مؤلف کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب مسلمانوں کیلئے یہ پسند نہیں فرمایا کہ وہ کسی باطل جماعت کے ساتھ شریک رہیں اگرچہ کسی وجہ سے جنگ میں ان کی شرکت پسند نہیں کرتا کیونکہ جب تک یہ باطل سے الگ نہ ہوں اگر تم ان کے ساتھ رہو گے تو تمہاری وجہ سے ان کو اجتماعی شرکت کا فائدہ ہوگا وہ بھی باطل کی اعانت میں شامل ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اسلام نے اپنے اختیار سے اس کی ہرگز اجازت نہیں دی کہ مسلمان کفر کے زیر اقتدار رہنا گوارا کرے اس کے لئے صرف دو راستے ہیں یا ہجرت کر جائے اور یا بوجہ مجبوری کفر کے اقتدار سے آزادی کے لئے ہمہ وقت جدوجہد کرتا رہے۔ یہ مسئلہ تفصیل طلب ہے۔ (مؤلف)

التطير وتصديق الكاهن ونحوهما نوع من الشرك

(۸۲) عن ام کرز قالت سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول اقروا الطیر علی مکناتها۔ (رواه ابوداؤد والترمذی)

(۸۳) عن قبیصة ان النبی صلی الله علیه وسلم قال العیافة والطرق والطیرة من الجبت۔ (رواه ابوداؤد)

(۸۴) عن عبدالله بن مسعود عن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال الطیرة شرک قاله ثلاثا۔ (رواه ابوداؤد والترمذی)

(۸۵) عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من اتی کاهنا فصدقه بما یقول او اتی امراته حائضا او اتی امراته فی دبرها فقد بری مما انزل علی محمد (صلی الله علیه وسلم) (رواه احمد وابوداؤد)

بدفالی کا عقیدہ رکھنا اور کاہن کی تصدیق کرنا ایک قسم کا شرک ہے

(۸۲) ام کرز روایت کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا کہ پرندوں کو اپنے گھونسلوں میں بیٹھا رہنے دو اور انہیں اڑا کر اچھی یا بری فال نہ لیا کرو۔ (ابوداؤد۔ ترمذی)

(۸۳) قبیصہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پرندوں کو اڑا کر عرب کے طریقے پر نیک فال لینا، رمل کا عمل کرنا یا بدفالی یہ سب شرک کے عمل ہیں۔ (ابوداؤد)

(۸۴) عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بدفالی ایک قسم کا شرک ہے۔ تاکیداً تین دفعہ یہی فرمایا۔ (ابوداؤد، ترمذی)

(۸۵) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کاہن کے (غیب کی خبریں بتانے والا) پاس جائے اور اس کی باتوں کی تصدیق کرے یا ایام حیض میں اپنی بیوی سے صحبت کرے یا اس کی پیچھے صحبت کرے تو اس نے یہ سب کر کے اس نے اللہ تعالیٰ نے اس کو شفا کیا ہے تو قرآن محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ہے وہ اس سے علیحدہ ہو چکا۔ (احمد، ابوداؤد)

وَلَا طِيَرَةَ فَإِنْ تَكُنِ الطِّيَرَةُ فِي شَيْءٍ فَفِي الدَّارِ وَالْفَرَسِ وَالْمَرْأَةِ. (رواہ ابوداؤد)

(۸۸۸) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا عَدْوَى وَلَا هَامَةَ وَلَا نَوْءَ وَلَا صَفَرَ. (رواہ مسلم)

(۸۸۹) عَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا عَدْوَى وَلَا

یہ سب باتیں بے حقیقت ہیں اگر کسی چیز میں نحوست ہوتی تو تین چیزوں میں ہوتی گھر، گھوڑا، زمین۔ (ابوداؤد)

(۸۸۸) ابوہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا مرض کا لگ جانا، اُلّو، نچھتر، صفر یہ سب وہم پرستی کی باتیں ہیں ان کی کوئی حقیقت نہیں۔ (مسلم شریف)

(۸۸۹) جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا ہے کہ مرض لگ جانا،

---

(۸۸۸) مرض اڑ کر نہیں لگتا جیسا اکثر اہل ہنود کا عقیدہ ہے جہاں تک تعلق طبی روایات ہو جاتے ہیں یہ بات ہے۔ اصل یہ ہے کہ جب انسان کی قوت ابنی یا آپ کی زبان میں قوت مدافعت اور قوت عزم کمزور پڑ جاتی ہے تو اس کے دل میں مرض کا عقیدہ جم جاتا ہے اور یہاں مرض نہیں لگتا اس کے لئے وہ مستعد ہو جانے لگتا ہے۔

ابن قتیبہ تصریح فرماتے ہیں کہ مریض کے ساتھ ہر وقت کی مخالطت و مجالست اس کے ساتھ خورد و نوش یہ سب احتیاطی امور کے خلاف طبی روایات سے احتراز کی وجہ سے ہے کہ دوسرا شخص بیمار ہو سکتا ہے مگر یہاں اس کے اسباب بھی موجود ہیں، یہ عدوی کا مطلب نہیں۔ عدوی جاہلیت یہ ہے کہ ایک شہر میں طاعون آئے اور آدمی اس شہر کو چھوڑ کر بھاگ جائے۔ تاہم یہ احتیاطی شریعت کی تعلیم ہے نہ اتنی احتیاط۔ ہندوستان کے قدیم ہنود اسی دوسری قسم کے عدوی کے قائل ہیں۔ (تاویل مختلف الحدیث ص۱۱۰، وزاد المعاد)

ہامہ صفر کے متعلق اختلاف ہے ان کی حقیقت کیا تھی کوئی کہتا تھا کہ جس مقتول کا قصاص نہ لیا جاتا اس کی روح بوم کی شکل میں بھاگتی پھرتی اور کہتی قصاص لو قصاص لو۔ اور صفر ایک جانور ہے پیٹ میں کہ کاٹنے سے انسان کو بھوک محسوس ہوتی ہے۔ اس کے سوا اور بھی اسی قسم کے غلط تصورات ہیں۔ شریعت ان سب کو بے اصل قرار دیتی ہے اور انسانی شرافت اساس کے اعتقادات کے لائق نہیں سمجھتی۔

(۸۸۹) بقول صرف وہ انسانی خیالات ہیں جو حالت خوف میں متشکل ہو کر اس کی آنکھوں کے سامنے آ جاتے ہیں۔ ایک جماعت تو ان کے وجود کو حقیقی وجود تسلیم کرتی ہے اور دوسری جماعت جنات کے حقیقی وجود سے بھی انکار کرتی ہے اس عالم میں جہاں دیکھو افراط و تفریط ہی کا تماشہ دیکھو گے۔

رقی الجاهلیۃ من عمل الشیطان

(۹۱) عن جابر قال سئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن النشرۃ فقال ھو من عمل الشیطان۔ (رواہ ابوداؤد)

(۹۲) عن عیسیٰ بن حمزۃ قال دخلت علی عبد اللہ بن عکیم وبہ حمرۃ فقلت الا تعلق

کافروں کی جھو منتری شیطانی کام ہیں

(۹۱) جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نشرہ کے متعلق پوچھا گیا آپ نے فرمایا کہ یہ ایک شیطانی کام ہے۔ (ابوداؤد)

(۹۲) عیسیٰ بن حمزہ فرماتے ہیں کہ میں عبد اللہ بن عکیم کے پاس گیا انہیں سرخ بادے کی تکلیف تھی میں نے کہا اس کے لئے آپ گلے میں منکا کیوں نہیں لٹکا لیتے انہوں نے فرمایا کہ میں ان باتوں سے خدا تعالیٰ کی

(بقیہ صفحہ گزشتہ) ایسے وقت کے لئے چند مقدس کلمات تعلیم فرما دیئے جن کی برکت سے یہ تمام باطل تاثرات اعتماد باللہ اور توکل سے بدل جائیں گے۔ اللھم لا یاتی بالحسنات تو

اسلامی توحید کا یہ بلند تصور ہے کہ جس کے دل میں یہ تصور قائم ہو گیا پھر اس کے قلب میں غیر اللہ کا کوئی خوف باقی نہیں رہتا اور اس کا قبلۂ توجہ ایک ہی ذات پاک ہو جاتی ہے درحقیقت یہی توحید کی اصل روح ہے۔ جب عقیدۂ توحید میں یہ روح باقی نہیں رہتی تو پھر اس میں شرک کے وہ تمام شعبے پھوٹ نکلتے ہیں جو آپ عرب کے نقشۂ زندگی میں ملاحظہ کر چکے ہیں۔

(۹۱) نہایہ میں ہے کہ جس شخص کو یہ وہم ہو جاتا تھا کہ اس پر جن کا اثر ہو گیا ہے وہ اس منتر سے اپنا علاج کیا کرتا تھا۔ عرب کو گمان تھا کہ اس منتر کی بات کے اثرات کے ازالہ میں بالذات تاثیر ہے۔

(۹۲) نہایہ میں ہے کہ عرب چند منکے قبیلہ اپنے بچوں کے گلوں میں نظر بد کے خیال سے ڈالدیا کرتے تھے ان کا گمان تھا کہ اس عمل سے نظر نہیں لگتی۔ اسلام چونکہ وہم پرستی کی بیخ و بنیاد اکھاڑنے آیا تھا اس لئے اس نے اس خیال کی بھی تردید کی اور بتایا کہ ایک مخلوق کو دوسری مخلوق میں بالذات کوئی تاثیر نہیں۔ تمام کائنات میں حقیقی موثر صرف خالق کا ارادہ ہے۔ چند منکے معوذات گلے میں لٹکا کر یہ عقیدہ قائم کر لینا کہ یہ خوبصورت پتھر کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں صرف ایک جاہلانہ وہم پرستی ہے۔ جوڑ بھی اسی کی دوسری شکل تھی یہ اس جادو کو تو دکھا کرتے تھے جس کے تعویذ تن و شوہر کے مابین محبت پیدا ہو جاتی تھی ان کا خیال تھا کہ اس عمل سے شوہر اپنی تک پلٹ جاتی ہے۔ جس طرح ان بے بنیاد جھاڑ پھونک کا قائل ہونا وہم پرستی ہے اسی طرح اسماء الٰہیہ اور کلام الٰہی کی برکات کا انکار بھی حقائق کا انکار ہے۔ خدا کے کلام پاک اور اس کے اسماء کے غیر معقول اثرات و برکات سے احادیث بھری پڑی ہیں بلکہ انسان کی فطرت میں تو ان منقوش ہے۔

تَرَى فِي ذٰلِكَ فَقَالَ اعْرِضُوا عَلَيَّ رُقَاكُمْ لَا بَأْسَ بِالرُّقٰى مَا لَمْ يَكُنْ فِيهِ شِرْكٌ. (رواہ مسلم)

(۴۹۵) عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا كَانَتْ تُؤْتٰى بِالصِّبْيَانِ إِذَا وُلِدُوا فَتَدْعُو لَهُمْ بِالْبَرَكَةِ فَأُتِيَتْ بِصَبِيٍّ فَذَهَبَتْ تَضَعُ وِسَادَتَهُ فَإِذَا تَحْتَ رَأْسِهِ مُوسٰى فَسَأَلَتْهُمْ عَنِ الْمُوسٰى فَقَالُوا نَجْعَلُهَا مِنَ الْجِنِّ فَأَخَذَتِ الْمُوسٰى فَرَمَتْ بِهَا وَنَهَتْهُمْ عَنْهَا وَقَالَتْ إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَكْرَهُ الطِّيَرَةَ وَيُبْغِضُهَا وَكَانَتْ عَائِشَةُ تَنْهٰى عَنْهَا. (رواہ البخاری فی الادب المفرد)

(۴۹۶) عَنْ أَبِي بَشِيرٍ الْأَنْصَارِيِّ أَنَّهُ كَانَ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَعْضِ

ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ فرمائیے اب ان منتروں کے متعلق آپ کا کیا ارشاد ہے۔ فرمایا ان کو میرے سامنے پیش کرو، اگر ان میں شرک کی کوئی بات نہ ہو تو کچھ مضائقہ نہیں۔ (مسلم)

(۴۹۵) حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ یہ دستور تھا کہ جب کوئی بچہ پیدا ہوتا تو ان کی خدمت میں پیش کیا جاتا اور وہ اس کے لئے برکت کی دعا فرماتیں۔ ایک مرتبہ ان کے سامنے ایک بچہ پیش کیا گیا وہ اس کا تکیہ رکھنے لگیں کیا دیکھتی ہیں کہ اس کے نیچے ایک استرا رکھا ہوا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے ان لوگوں سے اس استرے کا سبب دریافت کیا۔ انھوں نے کہا ہم یہ جنات کے خیال سے رکھ دیتے ہیں۔ انھوں نے استرا اٹھا کر پھینک دیا اور اس حرکت سے ان کو منع کیا اور فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان شگونوں کو سخت ناپسند فرماتے تھے اور ان سے نہایت نفرت رکھتے تھے۔ راوی کہتا ہے کہ حضرت عائشہؓ بھی اس قسم کے شگونوں کی ممانعت فرماتی تھیں۔ (الادب المفرد)

(۴۹۶) ابو بشیر انصاری بیان فرماتے ہیں کہ وہ کسی سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے

ممانعت کر دی جاتی مگر فاذن یسر کا تقاضا ہوا کہ جس چیز کا نفع تجربہ میں آ چکا ہو اور قوم میں اس کی عام عادت بھی ہو اس سے اغماض کر دیا جائے، بشرطیکہ اس میں شریعت کے خلاف کوئی بات موجود نہ ہو۔ شریعت حنیفیہ کی تمام تر بنیاد یسر ہی پر قائم ہے۔ الدین یسر کی تشریح کے ذیل میں تفصیل کے ساتھ اس پر بحث گزر چکی ہے۔ ترجمان السنۃ جلد اول میں ملاحظہ کر لیجئے۔

(۴۹۶) آپ نے اس حکم کے مختلف اسباب بیان کئے گئے ہیں مگر امام مالکؒ کی عبارت ان کی کتاب موطا سے ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ عرب نظر بد کے خیال سے جیسا کہ گردنوں میں تانت وغیرہ ڈالتے تھے، اسلام کا یہ عقیدہ تھا کہ اس عمل سے نظر لگنے سے حفاظت رہتی ہے۔ شریعت نے اس قسم کے تمام اوہام کو باطل قرار دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک خدا نہیں تو دنیا میں کوئی بڑی سی بڑی مخلوق سے ذرہ برابر نفع اور جس کا عقیدہ یہ ہو کہ نفع و نقصان سوائے ایک خدا کے کسی کے ہاتھ میں نہیں وہ تمام مخلوق کے ڈر سے آزاد ہو گیا۔

أسفاره فأرسل رسول الله صلى الله عليه وسلم رسولا لا تبقين في رقبة بعير قلادة من وتر أو قلادة إلا قطعت۔ (متفق عليه)

(۹۷) عن أبي وهب الجشمي قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ارتبطوا الخيل وامسحوا بنواصيها وأعجازها أو قال أكفالها وقلدوها ولا تقلدوها الأوتار (رواه أبو داود والنسائي)

لا مقدار لعلم النبي بجنب علم الله تعالى

(۹۸) عن ابن عباس في قصة الخضر وموسى عليهما السلام إن الخضر قال يا موسى إني على علم من علم الله علمنيه لا تعلمه أنت۔ وأنت على علم علمكه الله لا أعلمه قال ستجدني

آپ نے ایک قاصد یہ اعلان کرنے کے لیے بھیجا کہ کسی اونٹ کی گردن میں تانت کا قلادہ یا کوئی قلادہ (راوی کو شک ہے) ایسا باقی نہ رہے جو کاٹ نہ ڈالا جائے۔ (متفق علیہ)

(۹۷) ابو وہب جشمی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گھوڑے پالا کرو (کہ یہ آلۂ جہاد ہے) اور ان کی پیشانیوں اور پٹھوں پر ہاتھ پھیرا کرو اور ان کے گلوں میں کوئی چیز ڈالا کرو مگر تانت کا پٹہ نہ ڈالا کرو (کہ یہ دور جاہلیت کا طریقہ ہے) (ابوداؤد۔ نسائی)

نبی کے علم کو خدا تعالیٰ کے غیر متناہی علم سے کوئی نسبت نہیں ہوتی

(۹۸) حضرت خضر اور موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا اے موسیٰ! جو علم اللہ نے مجھے دیا ہے وہ تم نہیں جانتے اور جو تمہیں دیا ہے وہ میں نہیں جانتا (اس لیے تم میرے ساتھ نہیں چل سکو گے) انھوں نے فرمایا آپ مجھے ان شاء اللہ تعالیٰ نہایت صابر پائیں گے میں کسی

---

(۹۸) حضرت موسیٰ علیہ السلام تو بالاتفاق ایک اولوالعزم رسول ہیں اور حضرت خضر علیہ السلام کی نبوت گو مختلف فیہ ہے مگر پھر بھی شبہ آتی ہیں۔ ان مقدس ہستیوں میں تکوینی جزئیات کا علم شاید حضرت خضر علیہ السلام کو زیادہ مرحمت ہوا تھا اور تشریعی جزئیات کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو زیادہ۔ مگر ان دونوں کے علوم کو بحیثیت ان کے خدا تعالیٰ کے غیر متناہی علوم کے مقابلہ میں وہ نسبت بھی نہ تھی جو قطرہ کو دریا سے ہوتی ہے۔ علم نبی کے متعلق ان دو حضرات کا عقیدہ تو یہ تھا۔ آخر میں سب سے بزرگ تر رسول یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بھی سن لیجیے آپ فرماتے ہیں کاش موسیٰ علیہ السلام کچھ اور صبر کر لیتے تو ہمیں تکوینات کے عجائبات کا علم کچھ اور حاصل ہو جاتا۔ معلوم ہوا کہ ذات نبی کے تمام واقعات کا علم تو درکنار آپ کو ان چند واقعات کے علوم کا بھی پورا حاصل نہ تھا جو ان دو بزرگوں کے مابین پیش آئے ہیں ... علم الٰہی کے متعلق ان میں

النهي عن إسناد علم الغيب إلى أحد

(۹۹۰) عَنِ الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذٍ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَدَاةَ بُنِيَ عَلَيَّ فَجَلَسَ عَلٰى فِرَاشِيْ كَمَجْلِسِكَ مِنِّيْ وَجُوَيْرِيَاتٌ يَضْرِبْنَ بِالدُّفِّ يَنْدُبْنَ مَنْ قُتِلَ مِنْ آبَائِيْ يَوْمَ بَدْرٍ حَتّٰى قَالَتْ جَارِيَةٌ وَفِيْنَا نَبِيٌّ يَعْلَمُ مَا فِيْ غَدٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

کسی کی طرف غیب دانی کی نسبت نہیں کرنی چاہیے

(۹۹۰) ربیع دختر معوذ بیان کرتی ہیں کہ شبِ زفاف کی صبح کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور میرے بستر پر اس طرح بیٹھ گئے جیسے تم بیٹھے ہو۔ کچھ لڑکیاں دف بجا بجا کر میرے ان باپ دادوں کا مرثیہ پڑھ رہی تھیں جو بدر میں مقتول ہو چکے تھے۔ یہاں تک کہ جب ان میں ایک لڑکی نے یہ کہا "ہم میں ایسے نبی موجود ہیں جو کل کی باتیں جانتے ہیں۔" تو آپ نے فوراً منع فرما دیا اور

(بقیہ از صفحہ گذشتہ) حقیقی کے لئے تسلیم کیا جائے اور مخلوق کے دائرہ میں جتنا جس کے حق میں قطعی طور پر ثابت ہو جائے صرف اس کا اقرار کر لیا جائے۔ بہرحال ہم اتنا کہنا چاہتے ہیں کہ محض ظنی دلائل یا جذبات محبت کی بنا پر کسی اور قطعی حکم لگا دینا قطعاً مناسب نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ایک ایک لمحہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہے اور ان کا نمونہ آپ کے جاں نثاروں کی زبانی حرف بحرف منقول ہے اگر صحیح حقیقت کا پتہ چلانا ہے تو ان سارے کتابوں کو خالی الذہن ہو کر پڑھتے چلے جائیے اور آخر میں جو نتیجہ پر آپ کا ذہن پہنچے اسی کو منزل مقصود سمجھئے اسی مقصد کے پیش نظر ہم بہت محدود اور بہت مختصر واقعات آپ کے سامنے رکھتے ہیں جن کو صرف نمونہ از خروارے کہا جا سکتا ہے آپ ان کو سچے دل کو پہلے علوم سے صاف کر کے پڑھ جائیے پھر آپ کا ضمیر جو فیصلہ دے وہی اپنا عقیدہ رکھئے۔

(۹۹۰) نبی کا غصہ اور مسرت بلکہ نماز، غصہ و مسرت بھی بڑا اسرار اور معنی خیز ہوتا ہے۔ یہاں ان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت تو فرمائی مگر زیادہ شدت سے نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اول تو یہ ایک محفل مسرت تھی، نہ کہ مجلس تعلیم و تعلم (یہاں مستورات کی تعلیم مقدم کی گئی ہے) پھر یہ ایک شاعرانہ ترنم تھی نہ کہ ایک متعین عبارت، پڑھنے والی بھی کچھ نوعمر لڑکیاں تھیں فکر و فہم والی نہیں اور جن کے مسیحہ بود میں اسے جو کچھ انہی نے تو یہ کہہ رہی تھیں وہ بھی ایک حد تک صحیح تھا اگرچہ اس کی کیفیت میں کلام ہو لیکن صاحبِ نبوت اپنی موجودگی میں ایسی موہم عبارت کی برداشت نہ فرما سکتے جو قرآن کریم کی خلاف ہو بات سے زیادہ بھی گراں تھے۔ سورۂ لقمان میں ہے کہ پانچ باتیں مفاتیح غیب میں داخل ہیں جن کو کوئی نہیں جانتا منجملہ ان کے ایک کل کی بات کا علم ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو آئندہ کی بہت سی خبریں دیں مگر غیب دانی کے دعوے کی بنا پر نہیں بلکہ منصب نبی کے سامنے اپنی بے مائیگی کے اعتراف کو سرجھکا کر۔ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو اپنے غیر متناہی خزانۂ غیب سے کچھ عطا فرما دیتا ہے اس سے وہ غیب داں نہیں کہلاتے بلکہ غیب داں کے پیغمبر کہے جانے لگتے ہیں۔

لَا تَقُولِي هٰكَذَا وَقُولِي مَا كُنْتِ تَقُولِينَ - (رواه البخاری)

(۸۰۰) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَفَاتِيحُ الْغَيْبِ خَمْسٌ لَا يَعْلَمُهُنَّ إِلَّا اللّٰهُ - إِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ - (رواه البخاری)

کہا یوں مت کہو بلکہ وہی کہے جاؤ جو پہلے کہہ رہی تھیں۔ (بخاری شریف)

(۸۰۰) ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مفاتیح غیب پانچ ہیں جن کو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا۔ قیامت کب آئے گی اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہی ہے اور وہی مینہ برساتا ہے (اس کا صحیح علم بھی کسی کو نہیں) اور یہ بات بھی وہی جانتا ہے کہ رحم مادر میں کیا ہے اور یہ بھی کوئی شخص نہیں جانتا کہ کل وہ کیا کرے گا اور نہ یہ جانتا ہے کہ کس جگہ مرے گا بیشک اللہ ہی ان سب باتوں کا جاننے والا اور ان سے باخبر ہے۔ (بخاری شریف)

رہا اس سعادت کے بجائے خود انھیں ہی غیب داں کہنے لگی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام گھروں کے معاملات بتادیا کرتے تھے جیسا کہ قرآن میں موجود ہے لیکن اس کے باوجود عالم الغیب نہیں ہے مگر عیسائی نہ مانے آخر انھیں غیب داں خدا یا کم از کم اس کا بیٹا ٹھہرا کر ہی چھوڑا۔ (نعوذ باللہ من ذلک)

(۸۰۰) قرآن کی اصطلاح میں علم وہ ہے جو ثبوت و قطعیت سے حاصل ہو اور کسی واقعہ کے متعلق جو لگتی بات سے تخمینہ کیا جائے وہ ظن کہلاتا ہے۔ موجودہ زمانہ میں علامات کے ذریعہ بعض ان باتوں کا علم بھی ہو جاتا ہے جو حدیث میں مذکور ہیں لیکن ان کا بلاواسطہ علم اب تک بھی کسی کو نہیں ہوتا جو کچھ ہوتا ہے وہ صرف استدلال اور علامات کی بنا پر ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علامات قیامت خود بتائیں مگر اس کے باوجود قیامت کے معاملہ میں ہمیشہ اپنی لاعلمی ہی کا اظہار کیا۔ اطبا نے حمل کے مذکر و مؤنث ہونے کی شناختیں لکھی ہیں، اسی طرح بارش کے بارے میں فضائی اثرات سے موسم کا اندازہ بھی کر لیا جاتا ہے مگر یہ سب ظن کے مرتبہ سے متجاوز نہیں۔ یہ علم استدلالی تو ہے لیکن بلاواسطہ واقعہ کا علم نہیں۔ واقعات کا بلاواسطہ علم اللہ تعالیٰ ہی کا خاصہ ہے ہم حوادث سے غائب ہو کر ذریعہ استدلال انکو معلوم کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات ہر جگہ خود حاضر و ناظر ہو کر ان کا علم رکھتی ہے۔ واللہ علی کل شئ شہید کا یہی مطلب ہے۔ اس حدیث کے متعلق حدیث جبرئیل علیہ السلام کا تفصیلی نوٹ بھی ملاحظہ کر لیجئے۔ اور اس کے ساتھ حدیث۔ یہی مسائل مذکورہ ترجمان السنۃ ج ۱ ص ۴۹۹ بھی ضرور ملاحظہ کیجئے۔

---

(۸۰۱) عَنْ خَارِجَةَ بْنِ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ اَنَّ اُمَّ الْعَلَاءِ امْرَأَةً مِنَ الْاَنْصَارِ بَايَعَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَخْبَرَتْهُ اَنَّهُ اقْتُسِمَ الْمُهَاجِرُوْنَ قُرْعَةً قَالَتْ فَطَارَ لَنَا عُثْمَانُ بْنُ مَظْعُوْنٍ وَاَنْزَلْنَاهُ فِيْ اَبْيَاتِنَا فَوَجِعَ وَجَعَهُ الَّذِيْ تُوُفِّيَ فِيْهِ فَلَمَّا تُوُفِّيَ غُسِّلَ وَكُفِّنَ فِيْ اَثْوَابِهِ دَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ فَقُلْتُ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْكَ اَبَا السَّائِبِ فَشَهَادَتِيْ عَلَيْكَ لَقَدْ اَكْرَمَكَ اللّٰهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا يُدْرِيْكِ اَنَّ اللّٰهَ اَكْرَمَهُ فَقُلْتُ بِاَبِيْ اَنْتَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَمَنْ يُكْرِمُهُ اللّٰهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَّا هُوَ فَقَدْ جَاءَهُ الْيَقِيْنُ وَاللّٰهِ اِنِّيْ لَاَرْجُوْ لَهُ الْخَيْرَ وَاللّٰهِ مَا اَدْرِيْ وَاَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ مَا يُفْعَلُ بِيْ قَالَتْ فَوَاللّٰهِ لَا اُزَكِّيْ بَعْدَهُ اَحَدًا اَبَدًا۔
(رواہ البخاری فی کتابہ)

(۸۰۱) خارجہ بن زید بیان کرتے ہیں کہ ام علاء ایک انصاری بی بی تھیں جنہوں نے آنحضرت صلعم کی بیعت کی تھی وہ کہتی ہیں کہ انصار نے مہاجرین کی تقسیم قرعہ اندازی کے ذریعہ سے کی تو ہمارے حصہ میں عثمان بن مظعون نکلے ہم نے انہیں اپنے گھروں میں بطور مہمان ٹھہرالیا۔ اتفاقاً وہ ایسے بیمار پڑے کہ اس سے جان بر نہ ہو سکے۔ وفات کے بعد جب انہیں غسل دیدیا گیا اور ان کے کپڑوں ہی میں انہیں کفن پہنا دیا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ام علاء کہتی ہیں میں نے کہا ابو السائب (ان کی کنیت ہے) تم پر خدا کی رحمت میں تمہارے حق میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ضرور تمہیں اپنی رحمت سے نوازا ہوگا آپ نے فرمایا بھلا تمہیں یہ کیسے پتا لگا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو رحمت سے ضرور نوازا ہوگا۔ میں نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان یا رسول اللہ اگر اللہ تعالیٰ ان کو بھی رحمت سے نہ نوازے تو اور کس کو نوازے گا۔ آپ نے فرمایا خدا کی قسم ان کی تو وفات ہو گئی اور مجھے بھی ان کے حق میں مغفرت کی بڑی امید ہے مگر تفصیلی طور پر تو میں اپنے متعلق بھی نہیں بتا سکتا کہ میرے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا۔ یہ سنکر ام علاء نے کہا خدا کی قسم آج کے بعد آئندہ میں کسی کی اس طرح حتمی طور پر تعریف نہ کروں گی۔ (بخاری شریف)

(۸۰۱) حدیث مذکور میں قرآن کریم کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَا اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ۔ (احقاف)

يُدْرِيكِ فَقَالَ أَوَ غَيْرَ ذَٰلِكَ يَا عَائِشَةُ إِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ لِلْجَنَّةِ أَهْلًا خَلَقَهُمْ لَهَا وَهُمْ فِي أَصْلَابِ آبَائِهِمْ وَخَلَقَ لِلنَّارِ أَهْلًا خَلَقَهُمْ لَهَا وَهُمْ فِي أَصْلَابِ آبَائِهِمْ۔ (رواہ مسلم)

یقین کے ساتھ یہ حکم لگا رہی ہو کیا خبر ہے کہیں معاملہ کچھ اور ہو۔ اے عائشہ (جنت و دوزخ کا فیصلہ کچھ ظاہری اعمال ہی پر منحصر نہیں) اللہ تعالیٰ نے ایک مخلوق جنت کے لئے بنائی ہے اور اس کو اسی وقت جنتی بنا دیا تھا جبکہ وہ اپنے باپوں کی پشت ہی میں تھی اور اسی طرح ایک مخلوق دوزخ کیلئے بنائی ہے اور ان کو بھی اسی وقت دوزخی بنا دیا تھا جبکہ وہ اپنے باپوں کی پشت میں موجود تھی۔ (مسلم شریف)

دین کو نظر آتے ہیں بس اگر ان علوم میں خالق اور مخلوق مساوی ہوں تو پھر صفتِ علم کے بارے میں وہ خالق کی برتری کا کوئی تصور کر ہی نہیں سکتے حالانکہ اسلام میں خالق کی برتری کا تصور اتنا اعلیٰ رکھا گیا ہے کہ اس کے نام کے برابر بھی کسی مخلوق کا نام لینا اس کی برتری کے خلاف سمجھا گیا ہے پھر ذرا یہ بھی تو سوچنا چاہئے کہ کائنات ہستی میں ایسی اشیاء بھی بے شمار موجود ہیں جن کا علم خالق کے لئے تو ضروری ہے جب کہ انسان کے لئے کوئی کمال نہیں۔ مثلاً کسی بیابان کے ریت کے ذرات یا کسی درخت کی شاخوں کے پتے یا اسی قسم کے اور علوم جو انسانیت کی تکمیل کے لئے غیر ضروری بلکہ لغو تک ہیں یہ سب جب عام انسانوں کے حق میں کوئی کمال نہیں سمجھے جاتے تو ان ہی چیزوں کے سبب سے بلند ترین ہستیاں ہیں ان کے لئے کیا موجب کمال ہو سکتے ہیں۔ یہ محض جاہلانہ غیر علمی عقیدہ ہے جس کو شرف انسانی سے کوئی تعلق نہیں۔ چہ جائے کہ ان کو اسلامی عقیدہ کہا جائے۔ غیب کے متعدد مسائل کے علم کے متعلق اس کی ضرورت ہی کیا ہے کہ اس کے پیچھے پیچھے پڑ کر ثابت کرنے کی کوشش کی جائے کیا یہ کافی نہیں ہو سکتا کہ ؎ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر۔ ان مباحث میں پڑ کر بے وجہ اپنے ایمان کو زخمی نہ کیجئے رسولوں کی پوری عظمت سے دل معمور رکھئے اور ان میں خاتم الرسل کی امتیازی شان کا جاننا ایمان بچانے کی بس یہی سیدھی سادی سی راہ ہے۔

یہ درست ہے کہ اسلامی عقائد و مسائل کے ثبوت کا ماخذ صرف قرآن حکیم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمات قدسیہ ہیں لیکن ان کے پر از جذبات کلمات بالخصوص وہ جو لطف آمیز یا ازراہ شفقت ہیں علماء نے یہ تصریح کی ہے کہ جو الفاظ مقام مدحت یا مقام مذمت کے ذیل میں آجاتے ہیں ان سے کسی مسئلہ کا استنباط کرنا صحیح نہیں وہ صرف متکلم کے جذبات اکرام یا اس کے جذبات نفرت کے ترجمان ہوتے ہیں ان کا مقصد مخاطب کے ذہن میں کسی کی محبت یا کسی سے نفرت قائم کرنا ہوتا ہے کسی عقیدہ کی تعلیم دینا نہیں ہوتا۔

دیکھو قرآن حکیم نے بلقیس کے شاہی ساز و سامان کی فراوانی کے متعلق وَأُوتِيَتْ مِن كُلِّ شَيْءٍ فرما کر کلام جیسے مطلق بولا ہے اس کا کتنا عام لفظ استعمال فرمایا مگر اس فصیح و بلیغ انداز بیان سے کوئی شخص یہ نتیجہ نکالنے کا مجاز ہو سکتا ہے کہ دنیا کی حقیقۃً تمام اشیاء عطا کر دی گئی تھیں حتی کہ تمام غیوب کا علم بھی۔ یا یہ صرف اس کی شان ملوکیت کی شوکت کا ایک بلیغ انداز بیان تھا ——— بہرحال صفات الٰہیہ میں صفت علم ایک بڑی ممتاز صفت ہے اس میں کسی بندہ کو اس طرح شریک کر دینا کہ خدا اور بندہ کے درمیان امتیاز ہی کوئی باقی نہ رہ جائے گویا مسئلہ شرک کا ملزم ہے۔ (ترجمان السنہ جزء ۳ صفحہ)

(۸۰۵) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ إِلَى الصَّلٰوةِ فَلَمَّا كَبَّرَ انْصَرَفَ وَ
أَوْمَأَ إِلَيْهِمْ أَنْ كَمَا أَنْتُمْ ثُمَّ خَرَجَ فَاغْتَسَلَ ثُمَّ جَاءَ وَرَأْسُهُ يَقْطُرُ فَصَلّٰى بِهِمْ فَلَمَّا صَلّٰى قَالَ
إِنِّي كُنْتُ جُنُبًا فَنَسِيتُ أَنْ أَغْتَسِلَ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَرَوٰى مَالِكٌ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ مُرْسَلًا)

(۸۰۶) عَنْ عُقْبَةَ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ صَلَّيْتُ وَرَاءَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِيْنَةِ الْعَصْرَ
فَسَلَّمَ ثُمَّ قَامَ مُسْرِعًا فَتَخَطّٰى رِقَابَ النَّاسِ إِلٰى بَعْضِ حُجَرِ نِسَائِهِ فَفَزِعَ النَّاسُ مِنْ سُرْعَتِهِ
فَخَرَجَ عَلَيْهِمْ فَرَأٰى أَنَّهُمْ قَدْ عَجِبُوا مِنْ سُرْعَتِهِ قَالَ ذَكَرْتُ شَيْئًا مِنْ تِبْرٍ عِنْدَنَا فَكَرِهْتُ
أَنْ يَحْبِسَنِي فَأَمَرْتُ بِقِسْمَتِهِ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

(۸۰۵) ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کیلئے باہر تشریف لائے قریب تھا
کہ تکبیر کہتے کہ فوراً آپ واپس تشریف لے گئے اور لوگوں کو اشارہ کیا کہ جس طرح تم اب ہو اسی طرح رہنا
غسل کرکے پھر باہر تشریف لائے اور آپ کے سر مبارک سے پانی ٹپک رہا تھا آپ نے نماز پڑھائی اور فارغ
ہو کر فرمایا میں جنابت کی حالت میں تھا اور غسل کرنا بھول گیا تھا۔ (احمد، مالک)

(۸۰۶) عقبہ بن حارث بیان کرتے ہیں کہ میں نے مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے عصر کی
نماز پڑھی۔ آپ سلام پھیر کر لوگوں کی گردنیں پھلانگتے ہوئے جلدی جلدی کسی بی بی صاحبہ کے گھر تشریف
لے گئے۔ لوگ آپ کی یہ عجلت دیکھ کر گھبرا گئے۔ جب آپ باہر تشریف لائے تو دیکھا کہ لوگ آپ کی اس عجلت
پر حیران ہیں۔ آپ نے فرمایا مجھے اپنے گھر میں سونے کی ایک ڈلی کی بھولی یاد آ گئی تھی۔ مجھے یہ بات ناپسند
ہوئی کہ مبادا وہ میرے تعلق خاطر کا باعث بنے۔ اس لئے میں اس کو تقسیم کرنے کیلئے کہہ آیا ہوں۔ (بخاری شریف)

(۸۰۶) یہ کتاب ہے علامہ قسطلانی نے کہ قدرت نے انسان کو بہیمی اور ملکی مرکب بنایا ہے کہ جب کے موجود کا نظر
فراموش ہو اس کو حاصل شدہ علوم کا ذہنی استحضار رہنا بھی مشکل ہے۔ ایک وقت انسان کی یہی قوت عروج کر لیتی ہے تو وہ
عرش کی خبریں لا دیتی ہے دوسرے وقت ... معمولی معلومات بھی فراموش کر جاتی ہے اسی
مدعا میں شانِ ... نسیان انسان کے لئے عیب نہیں ... جزئیات و کلیات
... کے اندر ... کو وہ حفظ
... کمال ہوگا۔ ایک
حدیث میں ہے ... تاکہ بنی آدم نسیان
کے احکام سیکھیں ... حرارت
کی حقیقت ... فیصلہ کرنے کا
آئین سکھاتا ہے۔

(۸۰۷) عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی علی عند قبری سمعتہ ومن صلی علی نائیا ابلغتہ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

(۸۰۸) عن ابی امامۃ قال ان حبرا من الیہود سأل النبی صلی اللہ علیہ وسلم ای البقاع خیر فسکت عنہ وقال اسکت حتی یجیء جبرئیل فسکت وجاء جبرئیل علیہ السلام فسأل فقال ما المسئول عنہا باعلم من السائل ولکن اسأل ربی تبارک وتعالی ثم قال جبرئیل یا محمد انی دنوت من اللہ دنوا ما دنوت منہ قط قال وکیف کان یا جبرئیل قال کان بینی وبینہ سبعون الف حجاب من نور فقال شر البقاع اسواقہا

---

(۸۰۷) ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص میری قبر کے پاس آکر مجھ پر درود بھیجتا ہے اسے تو میں خود سنتا ہوں اور جو مجھ پر دور سے درود بھیجتا ہے اسے فرشتے میرے پاس پہنچا دیتے ہیں۔ (شعب الایمان)

(۸۰۸) ابو امامہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی عالم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا فرمائیے سب سے بہتر جگہ کونسی ہے۔ آپ یہ کہہ کر خاموش ہو رہے کہ میں ذرا جبرئیل کے آنے تک خاموش رہتا ہوں۔ اس کے بعد جبرئیل علیہ السلام آگئے۔ آپ نے ان سے یہ سوال کیا۔ انھوں نے عرض کیا کہ جس سے آپ پوچھ رہے ہیں اس کو بھی سائل سے زیادہ اس کا علم نہیں۔ لیکن دیکھئے میں اپنے پروردگار سے جاکر پوچھتا ہوں۔ اس کے بعد انھوں نے عرض کیا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آج مجھے اللہ تعالیٰ سے اتنا قرب نصیب ہوا کہ اس سے قبل کبھی نصیب نہیں ہوا تھا آپ نے پوچھا اے جبرئیل آخر کتنا قرب نصیب ہو گیا؟ عرض کیا کہ

---

(۸۰۷) یعنی حضرات انبیاء علیہم السلام کی وفات عام فنا و فنا کی طرح نہیں ہوتی اور جس طرح اپنے بعض حیات کے احکام میں ممتاز ہوتے ہیں اسی طرح بعض وفات کے احکام میں بھی ممتاز ہوتے ہیں ان کی میراث تقسیم نہیں ہوتی۔ ان کی ازواج مطہرات کو نکاح حرام ہے۔ نسبت البتہ قریب و بعید ہونے کے مختلف ہونے کو جو تمیز زندگی میں تھا وہی آئین ان کی وفات کے بعد بھی قائم ہے یعنی جس طرح اپنی حیات میں وہ قریب کی بات خود سنا کرتے تھے۔ اسی طرح وفات کے بعد قبر کی درود شریف بنفس نفیس خود ہی سنتے ہیں اور دور سے درود پہنچانے والوں کی باتوں کا سماع اب فرشتوں کی وساطت سے ہوا کرتا تھا اس حدیث میں درود شریف کے تذکرہ سے یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ صفات کو علم کس طرح ہے اس کا ذکر اس حدیث میں نہیں ہے۔ یہی جو یہ دعوی کیا ہے حیات و وفات میں ہمہ وقت رسول کو ہر ہر جزئی و کلی کا علم ہوتا ہے وہ بھی سب دعوی ہی دعوی ہے۔ جس سے رسول کے متعلق عام انسانوں جیسا عقیدہ رکھنا وہ بھی مقام رسالت سے قطعاً ناآشنا ہے

وَخَيْرُ الْبِقَاعِ مَسَاجِدُهَا. (رواه ابن حبان في صحيحه عن ابن عمر وحديث ابغض البقاع واحب البقاع مروى عن ابي هريرة عند مسلم ولكن بدون تلك القصة)

(۸۰۹) عَنْ أَبِي قَتَادَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ فِيهِمْ فَذَكَرَ لَهُمْ أَنَّ الْجِهَادَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَالْإِيمَانَ بِاللّٰهِ أَفْضَلُ الْأَعْمَالِ فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَرَأَيْتَ إِنْ قُتِلْتُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ يُكَفِّرُ عَنِّي خَطَايَايَ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ إِنْ قُتِلْتَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَأَنْتَ صَابِرٌ مُحْتَسِبٌ مُقْبِلٌ غَيْرُ مُدْبِرٍ ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ قُلْتَ فَقَالَ أَرَأَيْتَ إِنْ قُتِلْتُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَيُكَفِّرُ عَنِّي خَطَايَايَ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ وَأَنْتَ صَابِرٌ مُحْتَسِبٌ مُقْبِلٌ غَيْرُ مُدْبِرٍ إِلَّا الدَّيْنَ فَإِنَّ جِبْرِيلَ قَالَ لِي ذٰلِكَ. (رواه مسلم)

(۸۱۰) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ مِمَّا

میرے اور اس کے درمیان نور کے ستر ہزار حجاب قائم تھے (ان حجابات کے اندر سے ارشاد فرمایا) کہ سب سے بدتر مقامات بازار ہیں اور سب سے بہتر مسجدیں ہیں۔ (ابن حبان)

(۸۰۹) ابو قتادہؓ روایت فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے درمیان تقریر فرمانے کے لئے کھڑے ہوئے اس میں آپ نے ذکر فرمایا کہ اللہ کے لئے جہاد کرنا اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا بہت بہتر عمل ہیں اس پر ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے پوچھا یا رسول اللہ فرمایئے اگر میں اللہ کی راہ میں مارا جاؤں تو کیا میری سب خطائیں بخش دی جائیں گی۔ آپ نے فرمایا جی ہاں بشرطیکہ تو صبر اور نیک نیتی کے ساتھ آگے بڑھتا ہوا مارا جائے اور تیرا قدم پیچھے نہ ہٹے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا اچھا پھر پوچھو کیا پوچھتا تھا اس نے پھر پوچھا کہ اگر میں اللہ کی راہ میں مارا جاؤں تو کیا میری سب خطائیں بخش دی جائیں گی۔ آپ نے فرمایا بیشک بشرطیکہ تو نیک نیتی اور صبر کے ساتھ آگے بڑھتا ہوا مارا جائے اور تیرا قدم پیچھے نہ ہٹنے پائے۔ مگر ایک حق کی معافی پھر بھی نہ ہوگی اور وہ قرض ہے۔ جبرئیل علیہ السلام نے مجھ کو ابھی آکر یہ بات کہی ہے۔ (مسلم)

(۸۱۰) ابو سعید خدریؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جن باتوں کا مجھے تم سے متعلق اندیشہ ہے ان میں سے دنیا کی رونق اور اس کی وہ فتوحات ہیں جو میرے بعد تم کو

---

(۸۰۹) حدیثوں میں ایسی مثالیں بکثرت ملتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جن باتوں کا ضرورت ہوتی ان کے جواب کبھی کبھی تو جبرئیل علیہ السلام فوراً تشریف لے آتے اور کبھی آپ ان کی آمد کا انتظار فرماتے اور

سُحْقًا سُحْقًا لِمَنْ غَيَّرَ بَعْدِيْ - وفی کتاب الحوض فیقال انک لا تدری ما احدثوا بعدک (متفق علیہ)

(۱۴۰) وعن ابی الدرداء قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اَنَا اَوَّلُ مَنْ یُؤْذَنُ لَہٗ بِالسُّجُوْدِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَاَنَا اَوَّلُ مَنْ یُؤْذَنُ لَہٗ اَنْ یَّرْفَعَ رَاْسَہٗ فَاَنْظُرُ اِلٰی مَا بَیْنَ یَدَیَّ فَاَعْرِفُ اُمَّتِیْ مِنْ بَیْنِ الْاُمَمِ وَمِنْ خَلْفِیْ مِثْلُ ذٰلِکَ وَعَنْ یَّمِیْنِیْ مِثْلُ ذٰلِکَ وَعَنْ شِمَالِیْ مِثْلُ ذٰلِکَ فَقَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللہِ کَیْفَ تَعْرِفُ اُمَّتَکَ مِنْ بَیْنِ الْاُمَمِ فِیْمَا بَیْنَ نُوْحٍ اِلٰی اُمَّتِکَ قَالَ ھُمْ غُرٌّ مُّحَجَّلُوْنَ مِنْ اَثَرِ الْوُضُوْءِ لَیْسَ اَحَدٌ کَذٰلِکَ غَیْرَھُمْ وَاَعْرِفُھُمْ اَنَّھُمْ یُؤْتَوْنَ کُتُبَھُمْ بِاَیْمَانِھِمْ وَاَعْرِفُھُمْ تَسْعٰی بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ ذُرِّیَّتُھُمْ - [رواہ احمد وعند مسلم عن ابی ہریرۃ نحوہ] -

---

میں کہوں گا جس نے میرے بعد میرے دین میں نئی نئی باتیں ایجاد کیں وہ مجھ سے دور ہی دور رہے - (متفق علیہ)

(۱۴۰) ابو الدرداء سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں سب سے پہلا شخص ہوں جس کو قیامت میں سجدہ کرنے اور سجدہ سے سر اٹھانے کی اجازت ملے گی میں اپنے سامنے دیکھوں تو اور تمام امتوں میں اپنی امت کو پہچان لوں گا میری امت اتنی ہی کثرت کے ساتھ میری پچھلی جانب ہوگی اور اتنی ہی دائیں اور بائیں جانب ہوگی - ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ اتنی امتوں میں جو نوح علیہ السلام سے لے کر آپ کی امت تک ہوں گی آپ اپنی امت کو کس طرح شناخت کریں گے آپ نے فرمایا وضو کے پانی کے نشانوں سے ان کے چہرے روشن اور ہاتھ پیر چمکدار ہوں گے ان کے سوا اور کوئی امت ایسی نہ ہوگی اور میں اس بات سے بھی ان کو شناخت کروں گا کہ ان کے اعمالنامے ان کے داہنے ہاتھوں میں ہوں گے اور اس بات سے کہ ان کی اولاد ان کے آگے آگے دوڑتی ہوگی - (احمد)

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز خطاب سے یہ واضح ہو رہا ہے کہ کسی کے ذہن میں بھی آپ کے متعلق عالم الغیب ہونے کا عقیدہ نہیں تھا بلکہ جس طرح کسی انبوہ کثیر میں کسی منتشر جماعت کی معرفت عام طور پر مشکل ہوتی ہے اسی طرح آپ کے حق میں بھی مشکل سمجھی گئی پھر جو جواب آپ نے دیا وہ یہ نہیں تھا کہ میں غیب کا علم رکھتا ہوں اس بنا پر مجھے اپنی امت کی معرفت بے وقت حاصل ہے بلکہ ایک ایسی کھلی علامت بیان فرمائی جس کے بعد اس کے امتیاز میں کسی کے لئے بھی دشواری کا سوال پیدا نہیں ہو سکتا -

(۱۴۱) اس قسم کی حدیثوں کو بڑے غور سے پڑھنا چاہئے جن میں ضمنی طور سے یہ امر بہت نمایاں ہوتا ہے کہ یہاں متکلم و مخاطب کے ذہنوں میں علم غیب کا کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے وہ بڑی سادگی سے سوال و جواب کرتے ہیں اور نہ تو یہاں لوگ آپ کے متعلق کسی علم کی نسبت غلط کرنے میں جھجکتے اور نہ آپ اس غلط بیان کو ختم کرتے نظر آتے ہیں بلکہ جو جواب دیتے ہیں اس سے اور ان کے عقیدہ کی تائید ہی ہوتی ہے -

(۱۵۱۸) عن ثوبان قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم إن اللہ زوی لی الأرض فرأیت مشارقها ومغاربها وإن أمتی سیبلغ ملکها ما زوی لی منها وأعطیت الکنزین الأحمر والأبیض وإنی سألت ربی لأمتی أن لا یهلکها بسنة عامة وأن لا یسلط علیهم عدوا من سوی أنفسهم فیستبیح بیضتهم وإن ربی قال یا محمد إنی إذا قضیت قضاء فإنه لا یرد وإنی أعطیتک لأمتک أن لا أهلکهم بسنة عامة وأن لا أسلط علیهم عدوا من سوی أنفسهم یستبیح بیضتهم ولو اجتمع علیهم من بأقطارها حتی یکون بعضهم یهلک بعضا ویسبی بعضهم بعضا۔ (رواہ مسلم)

(۱۵۱۸) ثوبانؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میرے لئے تمام روئے زمین کو سکیڑ دیا تو میں نے مشرق و مغرب سب دیکھا اور یقیناً میری امت کا ملک ان گوشوں تک پہنچ کر رہے گا جو حصہ زمین میرے سامنے سکیڑ کر دکھا دیا گیا ہے۔ مجھے دو خزانے بھی مرحمت کئے گئے ایک سرخ اور ایک سفید (یعنی سونا اور چاندی) اور میں نے اپنی امت کے لئے دعا کی کہ اس کو عام قحط میں مبتلا کر کے ہلاک نہ کیا جائے اور یہ بھی کہ کسی غیر دشمن کو ان پر اس طرح مسلط نہ کیا جائے کہ وہ ان کے بڈھے بچے تک سب تباہ کر ڈالے میرے پروردگار نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا اے محمد جب میں کسی بات کا فیصلہ کر چکتا ہوں تو وہ اٹل ہوتا ہے تمہاری امت کے بارے میں یہ بات تو میں نے منظور کر لی کہ ان کو عام قحط سے ہلاک نہ کروں گا اور ان پر کسی غیر دشمن کو اس طرح مسلط نہیں کروں گا کہ وہ ان کا تخم مٹا دے اس وقت تک کہ وہ خود ہی ایک دوسرے کو ہلاک کرنے اور قید کرنے کے درپے نہ ہو جائیں۔ (مسلم شریف)

(۱۵۱۸) بارگاہ رب العزت نے اپنے حبیب کو زمین کی ان خصوصیتوں کو اگرچہ آنکھوں کی تفصیل تو دی جائے لیکن یہاں ایک عجیب نظارہ کا ذکر ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ جیسے کبھی کبھی آپ کو جنت و جہنم بھی یعنی مخلوق کا نقشہ کبھی دور سے دکھا دیا گیا ویسے ہی ایک بار سارا کرۂ زمین اس طرح سمیٹ کر آپ کو دکھا دیا گیا۔ جیسا کسی پھیلی چیز کے ٹکڑے کو سمیٹ کر دکھا دیا جاتا ہے اسی قسم کا ایک نظارہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں بھی دکھایا گیا تھا۔ کذلک نری ابراہیم ملکوت السموٰت والارض لیکن غور کا مقام ہے کہ کیا اس نظارہ کو علم سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ ایک انسان ہوائی جہاز پر چڑھ کر سطح زمین کی بلندی سے بڑی آبادی کا مشاہدہ کر لیتا ہے (بعض وقت) اس کو ناگہاں اس طرح جیسے ہوئے نظر آتے ہیں اور بڑی بڑی عمارات اس کی آنکھوں کے سامنے مختلف شکلوں میں نمایاں ہوتی ہیں مگر کیا اس کو اس آبادی کے ساتھ ہر ہر ذرہ کا علم حاصل ہو جاتا ہے۔ ذرا انصاف کیجئے کہ اگر وہ اپنے اس مشاہدہ کو بیان کرے تو کن الفاظ سے بیان کرے گا۔ میرے الفاظ میں کچھ ابہام ہو گا لیکن پھر بھی اس مثال سے اس کو علم کہتے ہیں اس کو سمجھ لیجئے۔ اگر آپ ان حقائق سے اس بحث کو سمجھنے کی کوشش کریں گے تو انشاء اللہ تعالیٰ بسہولت یہ مسئلہ حل ہو جائے گا۔

(۸۱۶) عن جابر أنه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول لما كذبني قريش قمت في الحجر وعند مسلم فسألتني عن أشياء لم أثبتها فكربت كربا ما كربت مثله فجلى الله لي بيت المقدس فطفقت أخبرهم عن آياته وأنا أنظر إليه وعند مسلم فرفعه الله لي أنظر إليه ما يسألوني عن شيء إلا أنبأتهم.

(۸۱۷) عن أنس قال خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو غضبان فخطب الناس فقال لا تسألوني عن شيء اليوم إلا أخبرتكم به ونحن نرى أن جبرئيل معه.

---

(۸۱۶) جابر روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ جب قریش نے مجھے جھٹلایا تو میں اس وقت حجر میں کھڑا ہوا تھا اور مسلم شریف میں ہے کہ قریش نے بیت المقدس کے متعلق ایسے ایسے سوالات کرنے شروع کئے جن کا مجھے اچھی طرح دھیان بھی نہ رہا تھا اس پر مجھے ایسی سخت کوفت ہوئی کہ اس سے قبل کبھی نہ ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اسی وقت بیت مقدس میری آنکھوں کے سامنے کر دیا اور میں دیکھ دیکھ کر ان تمام باتوں کے جوابات ان کو دیتا رہا اور صحیح مسلم کی دوسری روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس میرے سامنے اس طرح اٹھا کر رکھ دیا کہ میں اس کو دیکھنے لگا اور جو بھی بات وہ مجھ سے دریافت کرتے فوراً دیکھ کر ان کو بتا دیتا۔

(۸۱۷) انس بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور اس وقت آپ پر غصہ کے آثار تھے آپ نے لوگوں کے سامنے خطبہ دے کر فرمایا آج تم مجھ سے جو جو

---

(۸۱۶) صحیح مسلم کی اس حدیث سے کئی باتیں معلوم ہوتی ہیں (۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المقدس کو بالکل بیداری میں ان آنکھوں سے دیکھا تھا۔ (۲) اس کی بہت کچھ تفصیل ذہن میں آپ کے حافظہ سے نکل گئی تھیں مگر اس وقت آپ نے شاید اس کو غور سے دیکھا بھی نہیں تھا۔ (۳) کسی چیز کے مشاہدہ سے اس کا ایسا علم حاصل ہو جانا ضروری نہیں۔ (۴) مشاہدہ سے جتنا علم حاصل ہوتا ہے اس کا اتنا ہی علم ہی ضروری نہیں۔ (۵) قبل علم تفصیل کو مستلزم نہیں جیسا کسی چیز کا بعض مشاہدہ اس کے تفصیلی علم کو مستلزم نہیں۔ ان امور سے یہ ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غیبی مشاہدات کی نوعیت اگرچہ وہی تھی جو عالم بیداری کے مشاہدات کی ہوتی ہے لیکن جس طرح کسی چیز کے غور سے دیکھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کے ہر گوشہ کا علم حاصل ہو جائے اسی طرح اس مثال کی طرح سے بھی اس کا تفصیلی علم حاصل ہونا ضروری نہیں ہوتا بلکہ جو جو اس انکشافات پیش آتے ہیں وہ ہوتا ہے اس مشاہدہ کے بعد اس کا علم بھی ضروری نہیں ہوتا۔ اس قسم کے علم کے اثبات کا مقصد صرف آپ کی شان نبوت کا اظہار ہوتا ہے یہ سب علوم غیبیہ کی تعلیم کا مقصد بھی صرف ایک ہی ہوتا ہے ورنہ ان علوم کا دخل نہیں۔

(۸۱۷) یہ روایت صحیح بخاری میں بھی موجود ہے (دیکھو علم غیب کے زیر عنوان ترجمان السنہ جلد اول میں بھی گذر چکی ہے)

قلت فذكر الحديث الى ان قال فقال عمر يا رسول الله انا كنا حديث عهد بجاهلية فلا تبكتنا بسوآتنا فاعف عفا الله عنك. رواه ابو يعلى قال الهيثمي ورجاله رجال الصحيح)

(۵۱۸) عن حذيفة قال قام فينا رسول الله صلى الله عليه وسلم مقاما ما ترك شيئا يكون في مقامه ذلك الى قيام الساعة الا حدث به حفظه من حفظه ونسيه من نسيه قد علمه اصحابي هؤلاء وانه ليكون منه الشيء قد نسيته فاراه فاذكره كما يذكر الرجل وجه الرجل اذا غاب عنه ثم اذا راه عرفه (متفق عليه)

وعند ابي داود عن ابي سعيد الخدري قال قام فينا رسول الله صلى الله عليه وسلم

سوالات کروگے میں تم کو جوابات دوں گا۔ راوی کہتا ہے کہ ہم یہ سمجھ رہے تھے کہ اس وقت حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ کے ساتھ ساتھ ہیں۔ اس کے بعد راوی نے پورا قصہ بیان کیا یہاں تک کہ آخر میں حضرت عمرؓ کا یہ قول ذکر کیا یا رسول اللہ ہم لوگ ایسے ہیں کہ ہمارا کفر کا دور ابھی قریب ہی گذرا ہے آپ ہماری غلطیوں اور عیوب پر نکتہ گیری نہ فرمائیں اور ان سے درگذر فرمائیں اللہ تعالیٰ آپ کے درجے بلند فرمائے۔ (ابویعلیٰ)

(۵۱۸) حذیفہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے اور قیامت تک جو جو واقعات بھی رونما ہونے والے تھے آپ نے سب ہی بیان کردیئے جس نے یاد رکھے یاد رکھے اور جس نے بھلا دیئے بھلا دیئے۔ یہ بات میرے سب رفقاء بھی جانتے ہیں اور ایسا ہوتا رہتا ہے کہ مجھے کوئی بات فراموش ہو جاتی ہے لیکن جب وہ میری آنکھوں کے سامنے آتی ہے تو پھر مجھ کو اسی طرح یاد آجاتی ہے جیسا ایک آدمی کہیں غائب ہو جائے پھر وہ اس کا چہرہ سوچتا رہے۔ اور جب اس کو دیکھ پائے تو فوراً پہچان لے۔ (متفق علیہ)

ابوداؤد میں حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایکبار عصر کے بعد خطبے کے لئے کھڑے ہوئے اور جو جو حوادث قیامت تک ظہور میں آنے والے تھے وہ سب

مگر مسند ابویعلیٰ کی روایت میں صحابہ کے ان الفاظ کی زیادتی اور بھی وضاحت کرتی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کے نزدیک آپ کے قول "تم مجھ سے جو سوال کروگے میں اس کا جواب دوں گا" کی بنیاد یہ تھی کہ آپ کو ہر وقت ہر بات کا علم حاصل ہوتا ہے بلکہ اس قسم کے اوقات میں حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ کے ساتھ ہوتے تھے اور بذریعہ وحی اسی وقت آپ کو سائلین کے سوالات کے جوابات کی اطلاع دی جاتی ہے۔

خَطَبَنَا بَعْدَ الْعَصْرِ فَلَمْ يَدَعْ شَيْئًا يَكُوْنُ إِلٰى قِيَامِ السَّاعَةِ إِلَّا ذَكَرَهُ حَفِظَهُ مَنْ حَفِظَهُ وَنَسِيَهُ مَنْ نَسِيَهُ۔ (الحدیث)

(۱۹۸) عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ وَاللّٰهِ مَا أَدْرِيْ أَنَسِيَ أَصْحَابِيْ أَمْ تَنَاسَوْا وَاللّٰهِ مَا تَرَكَ

آپ نے ذکر کر دیئے جس نے یاد رکھے یاد رکھے اور جس نے بھلا دیئے بھلا دیئے الخ۔

(۱۹۸) حضرت حذیفہؓ بیان فرماتے ہیں خدا کی قسم میں نہیں جانتا کہ میرے رفقاء فی الواقع بھول چکے ہیں یا وہ تجاہل عارفانہ کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کے خاتمہ تک فتنوں کا کوئی ایسا سرغنہ نہیں

(۱۹۸) پہلی حدیث میں ما ترک شیئاً کے معنی اگرچہ بہت عام ہیں لیکن یہ عموم اضافی ہے جیسا واوتیت من کل شیٔ میں۔ کسی کلام کے معنی سمجھنے کے لئے متکلم و مخاطب کے مفروضات اور ماحول کے اقتضاء سے قطع نظر نہیں کر لی جاتی۔ سوچو کہ اگر یہاں آپ نے تمام واقعات پورے استیعاب کے ساتھ بیان کر ڈالے تھے حتیٰ کہ ریت کے ذرات اور بارش کے قطرات بھی تو اول تو اس تین گھنٹے میں اس قسم کے علوم بیان کرنے سے نبوت کے کس باب کی تکمیل ہونی تھی پھر کیا اس کے بعد تم بھی یہ کہو گے کہ علام الغیوب کہنا صحیح تھا اور آسمان کے نیچے عالم الغیب نہیں رہے تھے تو یہ درست ہے لیکن اس کو عالم الغیب جاننے سے کیا فائدہ متصور تھا یہ کیا اس کا کوئی عقلی ثبوت دیا جا سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کبھی نسیان طاری ہی نہیں ہوا تھا۔ سیدھی سی بات یہ ہے کہ اس مجلس میں آپ نے فتن اور امارت کے متعلق کوئی ایسا بیان فرمایا تھا اور اسی سلسلہ میں اس درجہ تفصیل فرمائی گئی کہ مخاطب کو تخمینہ ہوتا تھا کہ آپ نے اب کوئی اہم فتنہ نہیں چھوڑا جس کو اس وقت ذکر نہ کر دیا ہو۔ اسی ابہام کو حذیفہ کی دوسری حدیث میں کھول دیا گیا ہے جس امت میں فتنوں کی کثرت مقدر تھی اس کے نبی کے لئے یہ باب کتنا اہم تھا اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں جتنی بھی توضیح و تشریح سے کام لیا ہے اس علم کے سب سے زیادہ صحیح مخاطب حضرت رسالت کی نگاہ میں غالباً حذیفہ ہوں گے اسی لئے اس نوع کی اکثر حدیثیں انہیں سے مروی ہیں ان کے تتبع سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہاں الفاظ حدیث کا تمام رخ اسی قسم کے واقعات کی طرف ہے۔ دنیا کے غیر متعلق حوادث سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔ تعجب خیز تخیل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی مجلس میں کیڑوں اور حشرات الارض تک کے اعداد و شمار گنتے گئے ہوں اور اسی قسم کے لاتعداد غیر متناہی امور کا تذکرہ فرمایا ہو جن سے امت کی ہدایت کا ذرہ برابر بھی تعلق نہ ہو۔ اس قسم کی دوڑ دھوپ سے ختم رسالت کی جگہ صرف اپنے ہی ذہن میں ثابت ہو تو ہو مگر کوئی دانشمند انسان اس کو اہمیت نہیں دے سکتا۔ فالی اللہ المشتکیٰ۔

اس جگہ ایک اہم نکتہ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ علم حصولی کی جو قسم ہے اس پر نسیان طاری ہو سکتا ہے یہاں جب اس شی کی صورت ذہن سے غائب ہو جاتی ہے تو اس کا علم بھی غائب ہو جاتا ہے۔ علم کی دوسری قسم جس کو علم حضوری کہا جاتا ہے صورت کے واسطہ سے نہیں ہوتا بلکہ خود وہ شی عالم کا عین ہوتی ہے یا اس کا حلول ہوتی ہے یا اس کی صفت ہوتی ہے اس لئے یہاں نسیان ممکن نہیں۔ انبیاء علیہم السلام کو غیب کا جتنا علم بھی ہوتا ہے وہ سب

رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَیْنَ قَائِمٍ یَقُوْلُ اِنَّ مُتَّقِی اللّٰہِ مَا یَعْلَمُ مَنْ مَعَہٗ حَتّٰی اِذَا قَضَاھُمْ اِلَّا الَّذِیْ سَمَّاہُ لَنَا بِاسْمِہٖ وَاسْمِ اَبِیْہِ وَاسْمِ قَبِیْلَتِہٖ۔ (رواہ ابوداؤد)

چھوٹا بڑا جس کی جماعت تین سو یا اس سے اوپر تک پہنچی ہو مگر اس کا اور اس کے باپ اور قبیلہ کا نام لے کر ہم کو بتا دیا ہے۔ (ابوداؤد)

علم حصولی کی صورت میں ہوتا ہے یعنی حق تعالیٰ ان پر ان علوم کا اس طرح افاضہ فرما دیتا ہے کہ ان کی صورت ان کے ذہنوں میں منقش ہو جاتی ہے۔ مثلاً کسی نبی کے ذہن میں یہ القا فرما دیتا ہے کہ فلاں شخص کے باپ کا نام یہ ہے یا فلاں واقعہ اس طرح ہو گا گویا تعلیم کی جو صورت عالم انسانی میں معلم و متعلم کے درمیان معروف ہے اسی نوعیت کی کوئی صورت حق تعالیٰ اپنے بندوں کے درمیان پیدا فرما دیتا ہے خواہ وہ فرشتہ کے توسط سے ہو یا بلا واسطہ ہو لیکن خود حق تعالیٰ کے علم کی نوعیت اس طرح نہیں اس کے سامنے سارا عالم خود حاضر ہے یہی مثال ہے اس کی جناب میں غیب و شہود کی کوئی تقسیم نہیں یہ تقسیم صرف ہماری نسبت سے ہے۔ اسی لئے جن لوگوں نے رسولوں کے حق میں کلی علم غیب کا دعویٰ کیا ہے ان کو انبیاء علیہم السلام کے متعلق حاضر و ناظر ہونے کا دعویٰ بھی کرنا پڑا ہے گویا کائنات کے ایک ایک ذرہ کے ساتھ جس نوعیت سے خدا کا علم محیط ہے۔ اسی نوعیت کی معیت انبیاء علیہم السلام کی بھی تسلیم کی جاتی ہے یہاں صرف یہ بحث کرنا نہیں ہے کہ عالم کی تمام جزئیات کا علم انبیاء علیہم السلام کو حاصل ہے یا نہیں بلکہ ان کے حاضر و ناظر ہونے کا مسئلہ بھی اسی کے ساتھ لپٹا ہوا ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا قرآن کریم سے ان کے علوم کی بھی توسعہ ثابت ہوتی ہے اور کیا تمام جہان میں حق تعالیٰ کی طرح ان کا حاضر و ناظر ہونا ثابت ہوتا ہے (والعیاذ باللہ) یہ واضح ہے کہ اگر یہ کہا جائے کہ انبیاء علیہم السلام کو کل کائنات کا علم حضوری ہے تو یہی کہنا پڑے گا کہ تمام کائنات ان کی معلول ہیں اور وہ ان کی علت ہیں اسی لئے جس جماعت نے رسولوں کے عالم الغیب ہونے کا دعویٰ کیا ہے اسی نے صاف صاف لفظوں میں آپ کو عالم کی علت تو نہیں کہا مگر متصرف اور مختار ہونا تسلیم کر لیا ہے بلاشک و شبہ لفظوں میں یہ بھی اقرار کر لیا ہے کہ احمد و احد میں صرف ایک حرف میم ہی کا پردہ تھا جو شب معراج میں اٹھا دیا گیا تھا اس تعلیم نصرانی سے عقیدہ توحید کو کیا امتیاز حاصل ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے احیاء موتیٰ اور گھروں کے واقعات کی خبریں بتانے سے ان کی قوم کو مغالطہ لگا کہ یہ خدائی اوصاف ہیں لہٰذا یا تو وہ خدا ہیں یا نہیں تو پھر ان سے کوئی ایسی نسبت ضرور رکھتے ہیں جس میں الوہیت کے ساتھ اتحاد کی بھی گنجائش ہے۔ مگر اسلام کی توحید بھی یہی ہے تو سوچو کہ اس کو انجیل کی توحید سے کیا امتیاز ہو گا۔ اس قسم کے عقائد سے شانِ رسالت کی عظمت تو ثابت نہیں ہو سکتی ہاں شانِ ربوبیت کی توہین ضرور ہوتی ہے۔ اعاذنا اللہ۔

اللّٰھم ارنا الحق حقاً والباطل باطلاً۔

الطاعة فيما خالف الشرع من الشرك

(۸۲۰) عن عدي بن حاتم قال أتيت النبي صلى الله عليه وسلم وفي عنقي صليب من ذهب فقال يا عدي اطرح عنك هذا الوثن وسمعته يقرأ في سورة براءة اتخذوا أحبارهم ورهبانهم أربابا من دون الله قال أما إنهم لم يكونوا يعبدونهم ولكنهم كانوا إذا أحلوا لهم شيئا استحلوه وإذا حرموا عليهم شيئا حرموه. رواه الترمذي وقال هذا حديث غريب لا نعرفه إلا من حديث عبد السلام بن حرب وغطيف بن أعين ليس بمعروف في الحديث (۳۰۹۵ ص ۲۰)

(۸۲۱) عن النواس بن سمعان قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق. رواه في شرح السنة

خلاف شرع امور میں غیر اللہ کی اطاعت کرنی بھی شرک کی ایک قسم ہے

(۸۲۰) عدی بن حاتم روایت کرتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت میرے گلے میں سونے کی صلیب لٹکی ہوئی تھی آپ نے فرمایا اے عدی اپنی گردن سے اس بت کو نکال پھینک۔ اس وقت میں نے آپ سے سورۂ برأت کی یہ آیت بھی سنی۔ اتخذوا احبارھم الخ ...... اس کی تفسیر میں آپ نے فرمایا خوب سن لو کہ وہ لوگ ان احبار و رہبان کی صریح عبادت تو نہیں کرتے تھے لیکن جس چیز کو وہ حلال بتا دیتے اس کو وہ حلال سمجھ لیتے اور جس کو حرام کر دیتے تھے اس کو حرام سمجھ لیتے (اسی کو قرآن کریم نے رب ٹھہرانے سے تعبیر کیا ہے۔ (ترمذی شریف)

(۸۲۱) نواس بن سمعان بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ خدا تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں کرنی چاہئے۔ (شرح السنۃ)

---

(۸۲۰) شرک کے اقسام کے عنوان کے تحت اس کی تفصیل بیان ہو چکی ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز نے خلاف شرع امور میں کسی کی اطاعت کرنا بھی اشراک کی ایک قسم قرار دیا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کسی کو شریک ٹھہرانا شرک ہے اسی طرح غیر اسلامی اوامر کی اطاعت بھی شرک ہے۔

(۸۲۲) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَرِيَّةً وَّاسْتَعْمَلَ عَلَيْهِمْ رَجُلًا مِّنَ الْاَنْصَارِ وَاَمَرَهُمْ اَنْ يَّسْمَعُوْا لَهٗ وَيُطِيْعُوْهُ فَاَغْضَبُوْهُ فِيْ شَيْءٍ فَقَالَ اجْمَعُوْا لِيْ حَطَبًا فَجَمَعُوْا لَهٗ ثُمَّ قَالَ اَوْقِدُوْا نَارًا فَاَوْقَدُوْا ثُمَّ قَالَ اَلَمْ يَاْمُرْكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ تَسْمَعُوْا لِيْ وَتُطِيْعُوْا قَالُوْا بَلٰى قَالَ فَادْخُلُوْهَا فَنَظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّقَالُوْا اِنَّمَا فَرَرْنَا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ النَّارِ فَكَانُوْا كَذٰلِكَ حَتّٰى سَكَنَ غَضَبُهٗ وَطُفِئَتِ النَّارُ فَلَمَّا رَجَعُوْا ذَكَرُوْا ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَوْ دَخَلُوْهَا مَا خَرَجُوْا مِنْهَا اَبَدًا وَقَالَ لَا طَاعَةَ فِيْ مَعْصِيَةِ اللّٰهِ اِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوْفِ۔ (متفق علیہ)

عناية السلف بسد مداخل الشرك

(۸۲۳) عَنْ نَافِعٍ اَنَّ عُمَرَ بَلَغَهٗ اَنَّ قَوْمًا يَّاْتُوْنَ الشَّجَرَةَ فَيُصَلُّوْنَ عِنْدَهَا فَتَوَعَّدَهُمْ

---

(۸۲۲) حضرت علیؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چھوٹا سا لشکر مرتب فرمایا اور اس پر ایک انصاری شخص کو امیر لشکر مقرر فرمایا اور ان کو حکم دیا کہ اس کی بات سنیں اور اس کا حکم مانیں۔ ان لوگوں نے کسی معاملہ میں اس کو خفا کر دیا اس نے غصہ میں آکر حکم دیا کہ آگ جلانے کی لکڑیاں جمع کرو انھوں نے جمع کر دیں۔ اس کے بعد اس نے حکم دیا کہ ان کو جلا کر ان کے الاؤ سے آگ دہکا دو انھوں نے جلا دیئے پھر کہا کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تم کو اس کا حکم نہیں دیا تھا کہ جو میں تم کو حکم دوں اس کو سننا اور ماننا۔ انھوں نے جواب دیا جی ہاں حکم تو دیا ہے۔ اس نے کہا تو پھر اس آگ میں داخل ہو جاؤ۔ یہ سن کر وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے اور بولے کہ آگ سے بچنے کی خاطر تو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھاگ کر آئے تھے (اب اسی میں پھر کیسے داخل ہو جائیں) وہ اسی بحث میں تھے کہ اتنی دیر میں اس کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا ادھر آگ بھی گل ہو گئی۔ جب یہ لوگ واپس ہوئے تو انھوں نے یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ذکر کیا آپ نے فرمایا اگر کہیں یہ لوگ اس آگ میں داخل ہو جاتے تو پھر اس سے کبھی نہ نکلتے۔ پھر فرمایا اطاعت اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں نہیں ہوا کرتی۔ اطاعت جائز باتوں میں ہوا کرتی ہے۔ (متفق علیہ)

استیصال شرک کے متعلق سلف کا اہتمام

(۸۲۳) نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کو یہ خبر پہنچی کہ لوگ اس درخت کے پاس آ آ کر نماز پڑھتے ہیں

---

(۸۲۳) [illegible] درخت [illegible] بیعت [illegible] ہو چکا تھا مگر

النفاق و اقسامہ

اسلام کی تاریخ میں ایک گروہ انتہا درجہ خطرناک گذرا ہے جس کو منافق کہا جاتا تھا۔ کفار تو اسلام کی دشمنی کھلم کھلا کرکے اپنے دلوں کی بھڑاس نکال لیا کرتے تھے اور یہ مارِ آستین بن کر اندر ہی اندر اس کی جڑ کاٹنے کی فکر میں لگے رہتے۔ بظاہر تو یہ سب کچھ کرتے ہوئے نظر آتے جو مخلصین صحابہ کرتے مگر باطن اسلام کی بیخ کنی میں کھلے کافروں سے بھی دو قدم آگے رہتے۔ حافظ ابن تیمیہ (کتاب الایمان میں) لکھتے ہیں کہ مکہ کے کافر چونکہ پورے اقتدار و طاقت کے مالک تھے اس لئے یہاں تو انہیں اسلام کی پوری دشمنی سے کوئی امر مانع نہ تھا۔ لیکن مدینہ طیبہ میں آکر جب اسلام کو کچھ طاقت و شوکت میسر آنے لگی تو اب پہلے کی طرح علی الاعلان دشمنی کرنے کا ان کو حوصلہ نہ رہا اس لئے اب عداوت کی شکل بدلنی پڑی اور یہیں سے نفاق کی بنیاد قائم ہو گئی۔ یعنی بظاہر مسلمانوں کے ساتھ رہنا اور اندرونی طور پر کافروں کا ہمنوا ہونا جب مسلمانوں میں آبیٹھنا تو ان کی سی باتیں بنا دینا اور جب کافروں میں جانا تو اپنا قلبی رجحان ان کے ساتھ ظاہر کرنا۔ اس جماعت کی اتنی اہمیت محسوس کی گئی کہ ان کے نام پر مستقل ایک سورت "المنافقین" نازل فرمائی گئی اور اس کے علاوہ بھی قرآن کریم میں ان کی دسیسہ کاریوں سے مسلمانوں کو متنبہ کیا گیا۔

تعجب ہے کہ اتنی تفصیلات کے باوجود اس جماعت کی صحیح تشخیص میں کیسی غلط فہمیاں پیدا ہو گئیں کسی نے تو یہ خیال کر لیا کہ یہ جماعت مسلمانوں ہی کی ایک جماعت تھی جو اپنے آپ کو مسلمان ہی سمجھتی تھی البتہ ان کے ایمانوں میں کامل مومنین کا سا جذبہ نہ تھا اور کسی نے یہ سمجھ لیا کہ یہ کافروں کی کوئی جماعت تھی جو کہیں سے آکر مسلمانوں کے بھیس میں جاسوسی کی خدمت انجام دیا کرتی تھی۔ یہ دونوں باتیں ایک واضح حقیقت کے مخفی رہ جانے کی وجہ سے پیدا ہوئی ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ یہ کافروں کی جماعت تھی جو اپنے فطری جبن اور بزدلی کی وجہ سے نہ کھلم کھلا مقابلہ کی طاقت رکھتی تھی اور نہ اپنے قلبی کفر کے باعث کشادہ دلی کو اسلام قبول کرنے کو تیار ہوا اور پھر اس کے متعلق یہ سمجھنا کہ یہ اپنے آپ کو حقیقۃً مسلمان سمجھتی تھی منافقین کی اس تاریخ کو جو قرآن کریم نے بیان فرمائی ہے قطعاً بدل دینے کے مرادف ہے۔ یہ درست ہے کہ ان کی اولادیں مخلص مومن بھی تھے مگر کیا کافروں کی اولاد میں کوئی مخلص مومن نہ تھا پھر گھر کے کسی فرد کے مخلص مومن ہو جانے سے یہ نتیجہ کیسے اخذ کیا جا سکتا ہے کہ جس کو منافق کہا گیا تھا وہ بھی مسلمان تھا اور اپنے نفس کو مسلمان ہی تصور کرتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ منافقین نے کبھی دل سے اسلام قبول نہیں کیا۔

اور ہمیشہ اسی حقیقت کا وہ اپنی محفلوں میں اعلان کرتے رہتے۔ اگر بالفرض وہ ایسا کر لیتے تو یہ کھلے ہوئے
کفریات جو شب و روز ان کی زندگی کا مشغلہ بنے ہوئے تھے کیونکر ان سے سرزد ہو سکتے اس لئے یہ سمجھنا
غلط ہے کہ نفاق کی حقیقت کفر و ایمان کے درمیان ہے جس کی بنا کفر تک بھی ہو سکتی ہے بلکہ وہ ایسے
بغض ایمانی کا نام ہے جو ایسے زشت اعمال کا منشا ہو کہ اگر وہ اعمال کسی مومن سے بھی سرزد
ہو جائیں تو اس پر نفاق کی تہمت لگ جائے پس نفاق کی حقیقت ایمان و کفر کے درمیان نہیں بلکہ کفر
سے بھی بالاتر ہے اور اسی وجہ سے قرآن کریم نے ان کا مقام دوزخ میں کافروں سے بھی نیچے بیان
فرمایا ہے اور اسی لئے ان کی تفصیل میں بڑا اہتمام فرمایا ہے۔ تصدیق و اقرار ایمان کے دو رکن ہیں اسلئے
ان کے لحاظ سے یہاں عقلی طور پر بھی تین قسمیں پیدا ہو جاتی ہیں اگر یہ دونوں موجود ہوں تو وہ مومن ہے اگر دونوں
نہ ہوں تو کھلا کافر ہے۔ اگر صرف اقرار ہو اور تصدیق نہ ہو تو منافق ہے۔ حافظ ابن تیمیہؒ کی تحقیق سے ثابت
ہوتا ہے کہ یہ صورت صرف اسلام کی طاقت و شوکت کا نتیجہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ مکہ میں علی الاعلان مقابلہ تھا
اسلامی شوکت کے بعد یہ اس صورت میں بدل گیا تھا۔ لہٰذا یہ سمجھنا بھی غلط ہے کہ یہ کافروں کا گروہ مکہ والوں
میں کہیں باہر سے جاسوس بن کر آگیا تھا بلکہ ان ہی کافروں کا یہ ایک بدنصیب گروہ تھا جو اپنے دیگر
بھائیوں کی طرح اسلام تو قبول نہ کر سکا بلکہ برعکس کفر کے اسی تیرہ و ظلمت میں پڑا رہا جیسا کہ صحابہؓ کا دوسرا
گروہ بھی کہیں باہر سے نہیں آیا تھا ان ہی میں سے پیدا ہوا تھا مگر یہ وہ خوش نصیب جماعت تھی جو قلب
قالب کے ساتھ آپ کی جاں نثار بنی اور آخر شرف صحابیت سے مشرف ہوگئی مگر جس کا ایمان صرف
زبان تک رہا اور اس کا قلب بدستور کفر میں ڈوبا رہا وہ بدنصیب کافروں ہی کی صف میں کھڑا رہا جس نے
خود ہی اپنے نفس کو کافروں میں شامل رکھنا پسند کیا جہاں کو اسلام اپنے وفاداروں کی فہرست میں کیونکر
شمار کرتا۔ پس نہ تو منافقوں کی جماعت کہیں باہر سے جاسوس بن کر آئی تھی اور نہ صحابہ کی جماعت کہیں باہر
سے آپ کی ہمدرد بن کر آئی تھی بلکہ یہ دونوں جماعتیں اپنے اپنے جذبات اطاعت و وفاداری کے فرق
سے ان ہی کافروں میں بن گئی تھیں جنہوں نے کسی قسم کی کوئی حرکت بھی نہ کی تھی وہ اب بھی اسی جگہ تھے
جہاں آپ کی بعثت سے قبل کھڑے تھے ہاں آفتاب رسالت کے طلوع کے بعد ان کی ناحق شناسی
کا جرم اب اور زیادہ قابل مواخذہ ہو گیا۔

دنیا کی تاریخ بتاتی ہے کہ جب کبھی کوئی اسلامی تحریک پیدا ہوئی ہے تو اس فضا میں یہ تینوں قسم
کے گروہ پیدا ہوتے رہے ہیں۔ ایک اس کو پوری طرح تسلیم کرنے والا، دوسرا اس کا برملا مقابل اور تیسرا وہ گروہ
جو اندرونی طور پر اپنے خیالات کا قائل رہ کر صرف ظاہری شامل ہونے والا۔ یہ تیسرا گروہ ہمیشہ دوسرے

بھی زیادہ خطرناک سمجھا گیا ہے کیونکہ وہ تو کھلا ہوا دشمن ہوتا ہے اور یہ دوست نما دشمن۔ اسلام ایک ایسے مضبوط و مستحکم عقیدہ کا نام ہے جس میں جزم و اعتقاد کے سوا ذرا بھی تردد کی گنجائش نہیں ہوتی۔ جس اعتقاد کا یہ عالم ہو کہ اس میں ہر وقت تردد ہی تردد رہے اس کو اسلام نہیں کہا جا سکتا۔ بالخصوص جبکہ قلب عداوت سے مسموم ہو اور جو بظاہر نمائشی اعتقاد ہو اس میں بھی تذبذب و کسلمندی، ریاکاری اور فتنہ پردازی کے آثار کھلے طور پر نمایاں ہوں۔ ایسے ایمان کو کمزور ایمان نہیں کہا جا سکتا۔ بلکہ اس کا نام کفر ہوگا جس کا رخ ایمان کی طرف ہو۔ جب اگر حضرت حق دستگیری فرمالے تو ہو سکتا ہے کہ اس ریب و تردد کے عالم سے نکل کر یقین کی طرف راہنمائی فرمادے اور اس وقت اس کا نام ایمان بن جائے گا۔

البتہ یہ وہ خامی جو یقینی جزم و وثوق حاصل ہو جانے کے بعد ظاہری اعمال میں نظر آتی ہے تو وہ بھی یقیناً ایک بڑی خامی اور بڑی کوتاہی ہے لیکن یہ خامی وہ نہیں جس کے لئے مذہب اسلام میں کوئی گنجائش نہ نکل سکتی ہو۔ ایسے مسلمان کو دشمن کی صف میں شامل نہیں کیا جا سکتا۔ مگر یہ کہ اس کی سیہ کاری کی نوبت یہ آجائے کہ پھر اس کی قلبی تصدیق بھی مشکوک نظروں سے دیکھی جانے لگے۔ اس لئے منافقین حقیقت کے لحاظ سے کوئی تیسری جماعت نہ تھی وہ کافر ہی تھے مگر انہوں نے اسلام کا صرف ایک لفظ قبول کیا تھا قلب ان کا بیمار تھا البتہ ان کی زبانیں تندرست نظر آتی تھیں۔ اسلامی صحت کے آثار یہ ہیں کہ قلب و جوارح سب ہی اسلامی رنگ میں رنگین نظر آئیں۔ قلب کے بیمار پڑ جانے کے بعد صرف جوارح کی صحت قطعاً کارآمد نہیں ہو سکتی چونکہ منافق کا ایک رخ ہمیشہ تندرست نظر آتا ہے اور دوسرا اصل باطنی رخ آفت زدہ ہوتا ہے اس لئے اس کا مرض بھی ظاہری صحت کی وجہ سے ادراک میں نہیں آتا اس لئے قرآن کریم نے ان ظاہری تندرستوں کی بیماری پر ان الفاظ میں تنبیہ فرمائی ہے "فی قلوبھم مرض" ان کی بیماری ان کے قلوب میں ہے[1] اور جب قلب بیمار ہو تو ان کے جوارح کی سلامتی بے سود ہے۔ اب حسب ذیل آیت کو پڑھئے:۔

إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ قَالُوا نَشْهَدُ	جب آپ کے پاس منافقین آتے ہیں تو آپ کو خوش کرنے کو کہتے
إِنَّكَ لَرَسُولُ اللَّهِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ	ہیں کہ ہم دل سے قائل ہیں کہ آپ بیشک خدا کے رسول
لَرَسُولُهُ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ	ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ آپ بیشک اس کے رسول ہیں مگر اللہ
لَكَاذِبُونَ (المنافقون)	اس کی گواہی دیتا ہے کہ منافق جھوٹے ہیں۔

[1] قاضی بیضاوی اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں "ونفوسہم كانت مؤوفة بالكفر والاعتقاد الفاسد [illegible]" اس جماعت کے قلوب کفر اور بیماری [illegible] حضرت نبی [illegible] کی سیادت کے مخالف تھے۔

اس آیت میں یہ بات خوب واضح کر دی گئی ہے کہ منافقین ظاہر میں جتنے کٹر مسلمان بنتے ہیں اللہ اس کی شہادت دیتا ہے کہ وہ باطن میں اتنے ہی کٹر کافر ہیں اگرچہ ان کا دوسرا رخ یعنی جسم کتنا ہی تندرست نظر آئے۔

وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ أَجْسَامُهُمْ	(اے پیغمبر) اگر آپ ان کو دیکھیں تو ان کے ظاہری ڈیل ڈول
وَإِن يَقُولُوا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ كَأَنَّهُمْ	آپ کی نظروں میں کھپ جائیں اور بات کریں تو ان کی فصاحت
خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ يَحْسَبُونَ كُلَّ	کہ آپ بڑے ذوق و شوق سے ان کو سنیں تو آپ کے سامنے
صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ	اس طرح ٹیک لگا کر بیٹھتے ہیں گویا لکڑیاں ہیں کہ کھڑی کی
قَاتَلَهُمُ اللَّهُ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ۔	ہیں جو دیواروں کے سہارے لگی ہوئی ہیں ہر ایک شور کی
(المنافقون)	آواز کو سمجھتے ہیں کہ ان ہی پر پڑی (آپ کے جانی دشمن) یہی ہیں
	تو آپ ان سے بچتے رہئے ان کو خدا غارت کرے کہاں بھٹکے چلے جا رہے ہیں

آیت مذکورہ میں هم العدو فاحذرهم (آپ کے دشمن یہی ہیں ان سے بچتے رہئے) کے الفاظ ان کا باطنی نقشہ سمجھنے کے لئے کافی ہیں۔ سورۂ توبہ میں یہ بات صاف کر دی گئی ہے کہ یہ گروہ ہرگز مسلمان نہ تھا صرف خوف و ڈر کی وجہ سے مسلمانوں کے سامنے باتیں بنا دیتا تھا۔

وَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ إِنَّهُمْ لَمِنكُمْ وَ	اور یہ اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ وہ تم ہی میں کے ہیں حالانکہ
مَا هُم مِّنكُمْ وَلَٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ	وہ تم میں نہیں ہیں بلکہ وہ لوگ تم سے ڈرتے ہیں اس لئے
يَفْرَقُونَ۔ (التوبہ)	ایسی باتیں بنا دیتے ہیں

پھر اسی سورت میں ارشاد ہے۔

يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ لِيُرْضُوكُمْ وَاللَّهُ	تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تمہیں راضی کر لیں حالانکہ
وَرَسُولُهُ أَحَقُّ أَن يُرْضُوهُ إِن	اگر یہ واقعی مومن ہیں تو سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اس
كَانُوا مُؤْمِنِينَ۔ (التوبہ)	بات کا زیادہ حقدار ہے کہ اسے راضی کریں۔

سورۂ بقرہ اور سورۂ نساء میں یہ تصریح ہے کہ منافقوں کا یہ سیاسی ایمان بھی محض متاع اور مسلمانوں کے ساتھ ایک قسم کا فریب تھا۔ سورۂ منافقون میں بھی ان کی جھوٹی قسموں کا یہی منشا بیان فرمایا گیا ہے اتخذوا ایمانهم جنة۔ انہوں نے اپنی جھوٹی قسموں کو اپنی جان و مال کی حفاظت کے لئے صرف ایک ڈھال بنا لیا پھر ان کے مکر و فریب کا یہ دائرہ صرف مسلمانوں تک محدود نہ تھا بلکہ ان سے تجاوز کر کے خدائے تعالیٰ کی ذات عالم الغیب والسر تک بھی چلا جاتا تھا جیسا کہ اس جہاں سے گزر کر محشر تک رہے گا۔

إِنَّ الْمُنَافِقِينَ يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كُسَالَىٰ يُرَاءُونَ النَّاسَ ۔ (النساء)

منافق لوگ اللہ تعالیٰ سے دغابازی کرتے ہیں اور وہی ان کو دغا کا بدلہ دے گا اور جب نماز کو کھڑے ہوتے ہیں تو الکسائے ہوئے صرف لوگوں کے دکھانے کیلئے۔

يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا فَيَحْلِفُونَ لَهُ كَمَا يَحْلِفُونَ لَكُمْ ۔ (مجادلہ)

جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو قیامت میں اٹھائے گا تو اس دن بھی وہ اس کے سامنے قسمیں کھائیں گے جیسی تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں۔

اب رہے ان کے ظاہری اعمال تو ان کی بنیاد بھی ایقان و اذعان پر نہ تھی بلکہ اپنے ظاہری نقاب کی صرف ایک پاسداری تھی۔

وَمَا مَنَعَهُمْ أَن تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقَاتُهُمْ إِلَّا أَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَبِرَسُولِهِ وَلَا يَأْتُونَ الصَّلَاةَ إِلَّا وَهُمْ كُسَالَىٰ وَلَا يُنفِقُونَ إِلَّا وَهُمْ كَارِهُونَ ۔

ان کی خیرات قبول ہونے کی کوئی وجہ نہیں بجز اس کے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا انکار کیا اور نماز کو آتے ہیں تو الکسائے ہوئے اور اگر خرچ بھی کرتے ہیں تو بدرجہ مجبوری بکراہت دل سے۔

اس آیت میں اس امر کی پوری وضاحت کر دی گئی ہے کہ ان کی ظاہری نماز اور ان کے ظاہری صدقات کی طرف نظر نہ کرنی چاہئے وہ محض بے روح ہیں وہ نمازوں میں تمہارے ساتھ چلے تو ضرور آتے ہیں مگر طوع و رغبت سے نہیں بلکہ صرف نمائش کے لئے۔ یہی وجہ ہے کہ جن نمازوں میں تھک تھک جاتے ہیں جیسے عشاء و فجر ہے وہ صدقے بھی ضرور دیتے ہیں مگر محض بہ جبر ان کی نمازیں جو اسلام کا سب سے بڑا عمل ہیں ذکر کی روح سے قطعاً عاری ہوتی ہیں۔ ان میں ذکر اللہ کا صرف اتنا ہی حصہ ہوتا ہے جتنا تم کو ان کے ظاہری رکوع و سجود میں نظر آتا ہے مگر ان کے باطن میں کوئی روح نہیں ہوتی اور یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ وہ خدا تعالیٰ اور اس کے رسول کے منکر ہیں۔ ان کے اس کفر کو حسب ذیل آیت میں اور زیادہ شد و مد سے اس طرح بیان فرمایا گیا ہے۔

اسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِن تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ۔ (توبہ)

آپ ان کے حق میں مغفرت کی دعا کریں یا نہ کریں دونوں برابر ہے کیونکہ اگر آپ ان کیلئے ستر بار بھی مغفرت کی دعا کریں تب بھی خدا تعالیٰ ان کو نہ بخشے گا یہ اسی بات کا نتیجہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے اور فاسق لوگوں کو خدا تعالیٰ ہدایت نصیب نہیں کیا کرتا۔

وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِّنْهُم مَّاتَ أَبَدًا	ان میں سے کوئی مر جائے تو آپ کبھی اس کے جنازہ پر نماز نہ پڑھیے
وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِ إِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَ	اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں انھوں نے خدا اور اس کے رسول کے
رَسُولِهِ وَمَاتُوا وَهُمْ فَاسِقُونَ۔	ساتھ کفر کیا ہے اور فسق کی حالت میں مرے ہیں۔

ان آیات میں ان کا قلبی کفر و جمود جس تاکید کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے اس سے زیادہ اور کیا ممکن ہے حتی کہ آپ کی اس پیغمبرانہ دلسوزی کو جو ان کے ساتھ رہ کر پیدا ہوئی تھی اس طرح ختم کیا گیا ہے۔

يَحْلِفُونَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِن	آپ کے سامنے قسمیں کھاتے ہیں تاکہ آپ ان سے راضی
تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَرْضَىٰ	ہو جائیں تو اگر آپ ان سے راضی بھی ہو جائیں جب بھی اللہ تعالیٰ
عَنِ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ۔	یقیناً اس قوم سے راضی نہیں ہوگا۔

سورۂ توبہ میں ان کے مستوری مکروہات اور مخفی خصائل کی اور زیادہ تفصیل کی گئی ہے اور ان کی علامات خوب کھول کھول کر بیان کی گئی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے۔ جہاد کے موقعہ پر حتی الامکان اس میں شریک نہ ہونا اور اگر شرکت کی نوبت آ ہی جائے تو اس کا مقصد مسلمانوں میں تفرقہ اندازی اور فتنہ پردازی کے سوا کچھ نہ ہوتا۔ نمازوں میں کسست اور اعتراض کرنے میں بڑے چست۔ مسلمانوں کو چھوڑیں نہ خدا کے رسول کو بخشیں بات بات پر دو طرفہ باتیں ملانے والے پرلے درجے کے جھوٹے، وعدہ خلاف انتہا درجہ کے بزدل اور ڈرپوک ان کے دلوں کو دیکھو تو ان میں ہر وقت تردد و شک کی کھٹک اگر غور کرو اسی طرح ازلی۔ اس تمام سورت میں جو چیز ان کی زیادہ تر نمایاں کی گئی ہے وہ ان کا اندرونی کفر اور خدا و رسول اور جماعت اسلام کے ساتھ ان کا بغض و عداوت ہے۔ یہ کچھ ایسے امور نہ تھے جن کو قرآن کریم نے ان کے سر الزام کے طور پر لگایا ہو بلکہ اپنی اس پالیسی کو خود بھی اچھی طرح محسوس کرتے تھے اور اسی لئے ہمہ وقت کھٹکتے تھے کہ کہیں اس پالیسی کا راز فاش نہ ہو جائے۔

يَحْذَرُ الْمُنَافِقُونَ أَن تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ	منافق اس بات سے خائف رہتے ہیں کہ مبادا پیغمبر کے ذریعے
سُورَةٌ تُنَبِّئُهُم بِمَا فِي قُلُوبِهِمْ قُلِ	مسلمانوں پر کوئی ایسی سورت نازل ہو جائے جو ان کے
اسْتَهْزِئُوا إِنَّ اللَّهَ مُخْرِجٌ مَّا	دلوں کا راز فاش کر دے آپ ان سے کہیے کہ اچھا تم مذاق اڑاتے رہو
تَحْذَرُونَ۔	اللہ ظاہر کر کے رہے گا جس کا تم کو ڈر ہے۔

بالآخر ان کا یہ خوف سامنے آ گیا اور سورۂ توبہ میں ان کے قلبی کفر و عناد کی قلعی کھول کر رکھ دی گئی اس کے بعد ان کے چھپے چھپائے منصوبے سب مردود قرار پائے۔ اسی لئے اس سورت کا ایک نام فاضحہ بھی رکھا گیا ہے۔

قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ۔

آپ کہہ دیجئے معذرت کی باتیں نہ بناؤ اب ہم تمہارا اعتبار کرنے والے نہیں اللہ تعالیٰ نے ہمیں تمہارے حالات سے پوری طرح آگاہ کر دیا ہے ۔

قرآن کریم نے جگہ جگہ منافقین اور کافروں کو ایک ہی صف میں شامل رکھا ہے ۔ اس سے بھی یہی نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ بلحاظ عقائد یہ کوئی جدا گروہ نہ تھا بلکہ یہ وہی کافر تھے جو اپنی دورخی پالیسی نبھانے اور دوہرا نفع حاصل کرنے کے لئے بظاہر مسلمانوں کے ساتھ بھی لگے رہا کرتے تھے ۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۚ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ۔

اے پیغمبر کافروں اور منافقوں دونوں سے جہاد کیجئے اور ان کے ساتھ سختی سے پیش آیئے ان سب کا ٹھکانہ دوزخ ہے ۔

اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًا ۔

اللہ تعالیٰ منافقوں اور کافروں کو دوزخ میں ایک جگہ جمع کرے گا ۔

پھر خاص منافقین کے حق میں ہے ۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ (نساء)

بیشک منافق دوزخ کے سب سے نیچے کے درجے میں ہیں ۔

ان دلائل کی روشنی میں یہ کہنا کتنا سخت مشکل ہے کہ منافقین کا گروہ کافروں کا گروہ نہ تھا بلکہ ایمان و کفر کے درمیان کوئی ایسا متوسط گروہ تھا جو تھا تو درحقیقت مسلمان مگر ان کا کچھ رجحان کفر کی طرف تھا ہاں اگر اس لحاظ سے ان کو متوسط کہہ دیا جائے کہ وہ اپنے ظاہر و باطن کے لحاظ سے نہ مسلمان کہلانے کے قابل تھے نہ کافر کہا جا سکتا کیونکہ ان کے ظاہر کا ایک رخ اگر مسلمانوں کے ساتھ رہتا تھا تو ان کے باطن کا دوسرا رخ کافروں کے ساتھ رہا کرتا تھا اسی کو قرآن کریم نے ان کے تذبذب سے تعبیر کیا ہے ۔

مُذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ڰ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَاۗءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَاۗءِ

درمیان میں لٹکے ہوئے ہیں نہ پورے ان کی طرف ہیں اور نہ ان کی طرف ۔

اس آیت میں ان کی عملی زندگی کا نقشہ کھینچا گیا ہے نہ کہ ان کے اعتقادی پہلو کا ورنہ جب اسی آیت کے شروع میں یہ مذکور ہے کہ یہ لوگ خدا تعالیٰ کو بھی دھوکا دیتے ہیں تو پھر ان کے اعتقاد میں بھلا کیا تذبذب ہو سکتا ہے ۔ قرآن کریم کی مختلف آیتوں میں یہ پوری وضاحت موجود ہے کہ ادعائے اسلام کا منشا بجز تحفظ جان و مال کی حفاظت کے سوا کچھ نہ تھا ۔ اسی نکتہ کی بنا پر قرآن کریم میں جہاں کہیں بھی ان کے حق میں لفظ اسلام کا

اطلاق آگیا ہے اس کے ساتھ ہی فوراً ان کا کفر بھی بیان کر دیا گیا ہے تاکہ صرف اس ظاہری اطلاق کی وجہ سے ان کے مسلمان ہونے کا شبہ نہ کر لیا جائے۔

ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا فَطُبِعَ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ (منافقون) — یہ اس لئے کہ پہلے ایمان لائے پھر انھوں نے انکار کیا تو ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی۔

وَكَفَرُوا بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ (توبہ) — اور انھوں نے اسلام لانے کے بعد پھر انکار کیا۔

اس میں کیا شبہ ہے کہ جب منافقین اپنی زبانوں سے کلمۂ اسلام پڑھتے تھے، نماز میں بھی شرکت کر لیتے تھے اور زکوٰۃ بھی دیدیتے تھے تو ان ظاہری اعمال کے لحاظ سے ان کی طرف اسلام کا انتساب بھی صحیح تھا لیکن جب قرآن کریم نے ان کے کفر باطنی کی وجہ سے ان کو شخصاً اور متعیناً طور پر کافر قرار دیدیا تو اب ان کے کفر میں کسی کو کیا تامل ہو۔ لیکن کسی کے باطن کا علم چونکہ ہم کو نہیں ہو سکتا اس لئے ہم کو حق نہیں کہ ہم کسی کے ظاہر کو متہم کریں۔ اسی لئے حضرت حذیفہؓ فرماتے تھے کہ آج اب کسی پر حکم نہ لگایا جائے نزول وحی کا زمانہ بالکل جدا تھا اس وقت وحی الٰہی جس کے متعلق نفاق کا حکم لگا دیتی تھی لگ سکتا تھا اب معاملہ صرف ظاہر پر رہے گا جو اسلامی احکام ادا کرے گا مسلمان ہوگا اور جو اس سے منحرف ہوگا کافر ہوگا۔ قلبی حالت کا نہ ہم کو علم ہو سکتا ہے نہ اس بنا پر کسی پر کوئی حکم لگایا جائے گا۔ (بخاری شریف)

تعجب ہے کہ جس جماعت میں کفار بداندیش کی ساری جنگی آرائیاں نظر آرہی ہوں، اسلام کے برخلاف ان کے منصوبے برابر چلے جارہے ہوں، خدا اور رسول کے ساتھ استہزاء ان کے ساتھ عداوت اور مسلمانوں میں باہم تفریق پیدا کرنی ان کا اہم پروگرام ٹھہر چکا ہو، ہر نازک مرحلہ پر مسلمانوں کے قدم اکھاڑنا ان کی اسکیم میں داخل ہو، دشمنوں سے ساز باز کرنا ان کا مستقل نصب العین بنا ہوا ہو، راہِ حق کی کسی قربانی میں وہ پورے نہ اترتے ہوں، اور اسلام کے ہر عمل میں ان کے قدم ہمیشہ لڑکھڑاتے ہوں، اور دین حق کے بارے میں ان کی تنہائی مجبوری ثابت ہو چکی ہو، عہد شکنی ان کا شعار بن چکا ہو اور پے بہ پے تنبیہوں کے بعد بھی وہ متنبہ نہ ہوتے ہوں تو کیا صرف ایک زبانی کلمہ پڑھ لینے سے ان کے متعلق یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ وہ دوسرے مسلمانوں کی طرح دین اسلام کو بطور عقیدت قبول کر چکے تھے اور کیا صرف ان نمازوں کی وجہ سے، ان صدقات کی وجہ سے جن کا منشا صرف نمائش اور اپنی جان و مال کی حفاظت ہو ان کو مسلمان کہا جا سکتا ہے اسی تمام حقیقت کو قرآن کریم نے واضح سے واضح طریق پر بیان فرمایا ہے کیا اس کے بعد بھی اس کی گنجائش نکل سکتی ہے کہ نفاق کی حقیقت صرف ایک قسم کا ایمانی ضعف قرار دی جائے جو ترقی کر کے کفر تک بھی پہنچ سکتی ہے۔ یوں تو صریح کفر بھی شدت سے اترتے اترتے کبھی اسلام کی صورت قبول کر سکتا ہے

اور بڑھتے بڑھتے شدید ترین ہو سکتا ہے مگر کیا اس سے کفر کو کوئی درمیانی حالت کہا جا سکتا ہے؟
کسی ایک آیت سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ منافقین کا ایمان صرف نمائش اور کذب و خداع کے سوا کوئی
حقیقت بھی رکھتا تھا۔ ان کے باطن اور قلب کی دو رو کا راز معلوم ہو جانے کے بعد جو قرآن کریم نے ذکر کیا ہو
ایک لمحہ کے لئے بھی ماننا مشکل ہے کہ وہ اس اسلام کو اپنے خیال میں بھی اسلام تصور کرتے تھے۔ اگر ایسا ہوتا
قرآن کو پورے درجہ کا جھوٹا اور دھوکہ باز قرار نہ دیا جاتا۔ کذب و خداع یہ دو خصلتیں آج بھی مسلمانوں میں
موجود ہیں مگر منافقین کے کذب و خداع میں جو بات باعث شناعت تھی وہ یہ تھی کہ انھوں نے اپنے ایمانوں کی
بنیاد ہی ان پر قائم کر دی تھی اب یہ معمولی فریب و کذب نہ رہا تھا جس کا دائرہ باہمی فریب کذب ہوتا ہے۔ خداع
کذب کی وہ صورت تھی جو خدا اور رسول کے ساتھ بھی پیدا کر لی گئی تھی۔ سوچنا چاہئے کہ جو صفات باہم مخلوق
میں بھی انتہا درجہ خسیس شمار ہوں مگر ان کو خدا اور رسول کے معاملہ میں بھی جائز سمجھ لیا جائے تو ان کی شناعت
کس درجہ پر جا پہنچے گی۔ ہمارے اس بیان سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ جب نفاق اتنی بدترین قسم کا کفر تھا تو حدیث
میں اس کی علامات اتنی معمولی کیوں مقرر کی گئی ہیں یہ آئندہ باب میں تفصیل آ رہی ہے۔
لیکن یہ واضح رہنا چاہئے کہ جس طرح ایمان و کفر کی قسمیں مختلف ہیں اسی طرح نفاق کی بھی مختلف
قسمیں ہیں۔ جس طرح ایک ایمان کامل تھا اور دوسرا وہ قسم جو کامل ایمان کے بہت سے شعبوں کو بھی
ایمان کہہ دیا گیا ہے یا جیسا کفر ایک وہ تھا جس کی جزا جہنم میں خلود ہو پھر بہت سی نافرمانیوں پر بھی کفر کا
اطلاق کر دیا گیا ہے اسی طرح نفاق بھی چند قسم پر ہے ایک نفاق اعتقادی ہے جو اصل میں حقیقی نفاق ہو
جس کا تذکرہ آپ ابھی سن چکے ہیں پھر اس جماعت کے جو خصائل ہوتے تھے ان پر بھی نفاق کا اطلاق کر دیا
گیا ہے چونکہ یہ خصائل انسان کی امانت و دیانت کے بالکل برعکس ہوتے ہیں اس لئے ان کو ایک لمحہ کیلئے
بھی ایمان کے آثار نہیں کہا جا سکتا بلکہ یہ اس کی اس غفلت کا نتیجہ ہوتے ہیں جو جہل یا طبعی و ذہنی کے
وجہ سے اس کے ایمان پر طاری ہو جاتی ہے پھر جتنی یہ غفلت غالب آتی جاتی ہے اتنا ہی ان اعمال کا عنصر
بھی بڑھتا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ ایک وقت وہ آ جاتا ہے کہ اس کے اعمال کی سطح پر منافقین کے اعمال کے
سوا کچھ نظر نہیں آتا اور اب یہ کانفشہ کل ٹھیک وہی ہو جاتا ہے جو ایک کھلے منافق کا۔ وہ بولتا ہے تو
جھوٹ بولتا ہے وعدہ کرتا ہے تو پورا نہیں کرتا اور جھگڑے پر آمادہ ہوتا ہے تو حق و باطل میں امتیاز نہیں
رکھتا گویا اس مسلمان کو اعمال ظاہری کے لحاظ سے منافقین سے کوئی بھی امتیاز باقی نہیں رہتا بجز اس کے
کہ اس کے گوشۂ قلب میں خدا اور رسول پر ایمان ہوتا ہے اور منافق کے قلب میں یہ بھی نہیں ہوتا لیکن
قلبی ثبات ایسی شے نہیں جو آنکھوں سے نظر آ سکے اس لئے حدیث نے کفر کے اطلاق کی طرح یہ بھی

ہے مسلمان و منافق کہہ دیتی ہے لیکن فقہ جس کا موضوع دنیوی احکام ملحوظ رکھنا ہے وہ اگر اس کو مسلمان
کہتا ہے تو اس کو اعمال کی شہادت اس کے برخلاف نظر آتی ہے اور اگر منافق کہتا ہے تو اس کا اندرونی
ایمان اس کو اس خطاب سے مانع ہوتا ہے اس لئے وہ نفاق کی تقسیم کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے اور ایسے
نفاق کو نفاق عملی کہہ دیتا ہے۔ حدیث اس تفصیل کو پسند نہیں کرتی کہ اس تقسیم سے عملی نفاق کی حیثیت
خوب ہلکی ہو جاتی ہے۔ اشتراک بالشرک کے باب میں حدیث و فقہ کے اس تعبیری اختلاف کی تفصیل گذر چکی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اصل نفاق تو وہی نفاق اکبر یا نفاق اعتقادی تھا لیکن جب دورِ انحطاط میں مسلمانوں
کے اندر بھی منافقوں کی خصوصی صفات پیدا ہونے لگیں تو صاحب اصطلاح نے ان کو عملی منافق کہہ دیا۔
پس نفاق اکبر تو یہ ہے کہ بظاہر اللہ تعالیٰ کی توحید، رسول کی رسالت، فرشتے اور حشر و نشر کا اعتقاد رکھتا
مگر قلب میں اس کا پورا پورا انکار و انحراف مضمر ہوتا۔ اسی حقیقت کو سورۂ منافقون وغیرہ کی گذشتہ آیات
میں ادا کیا گیا ہے اور یہی آپ کے دور کا نفاق اعتقادی کو قرآن کریم نے کفر کہا ہے اور درک اسفل کی
وعید بھی اسی کے بارے میں آئی ہے۔

رہا نفاق عملی تو وہ حضرت حسنؒ کے لفظوں میں انسان کے ظاہر و باطن کے اختلاف کا نام ہے
اس بنا پر جو شخص باطنی طور پر اسلامی عقائد کا معتقد ہو مگر ظاہری اعمال میں مقصر ہو اس کو عملی منافق کہا
جا سکتا ہے کیونکہ اس کا ظاہر بھی اس کے باطن کے برخلاف ہے۔ ان تنبیہ کے سیاق میں اس کو صاف
منافق کہا جائے گا البتہ تحقیق کے موقعہ پر اس کے نفاق کو عملی نفاق سے تعبیر کیا جائے گا پھر جو تارک
صلوٰۃ پر کفر کے اطلاق سے مقصد تھا وہی مقصد اس کے منافق کہنے سے رہے گا۔ اس کے معنی یہ نہیں
کہ اس تعبیر کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی یہ صرف مصلحت ہی مصلحت پر مبنی ہوتی ہے یقیناً اس کی بھی بڑی
حقیقت ہے اور اس کا منشا یہ ہے کہ نفاق عملی کبھی کبھی نفاق حقیقی کا سبب بھی بن سکتا ہے جیسا کہ بعض اوقات
معصیتوں کا ارتکاب کرتے کرتے کفر حقیقی کی نوبت بھی آ سکتی ہے۔ آخر جو شجرۂ ایمانی اعمالِ ایمانی کی بجائے اعمالِ کفر
کی آبیاری کے ساتھ ساتھ کب تک شاداب رہ سکتا ہے اس میں نفاق کی بیماری پیدا ہو سکتی ہے۔

لغت کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ نفاق ایک قسم کے فریب و خداع کا نام ہے منافق کی پوری
کی پوری زندگی چونکہ اسی مذموم صفت کا مرقع ہوتی ہے اسی لئے اس کو منافق کہا جاتا ہے نفاق اکبر ہو
یا نفاق اصغر لغت کی یہ حقیقت دونوں جگہ ٹھیک موجود رہتی ہے لیکن جب انسان فریب و مکر کی یہ چال
خدا اور اس کے رسول کے ساتھ بھی چلنے لگتا ہے تو اس کی اہمیت بہت بڑھ جاتی ہے اور اب یہ جرم
ناقابل برداشت بن جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ عہد سلف میں جب کبھی کسی کے متعلق فساد باطن کا شبہ

پڑ گیا ہے تو اب اس کو تو قابلِ عفو جرم سمجھ لیا گیا ہے آخر حاطب بن ابی بلتعہ کے بدری صحابی ہونے کے باوجود
حضرت عمرؓ نے ایک نیک شبہ پر ان کے حق میں دعنی اضرب عنق ھذا المنافق (مجھکو اجازت دیجئے کہ
میں اس منافق کی گردن اڑا دوں) کے سخت کلمات فرمائے دیجئے اب اندازہ کیجئے کہ ان کی نظروں میں نفاق
کا جرم کس درجہ کا سمجھا جاتا ہوگا۔ اگر درحقیقت نفاق انسان کی صرف کسی کمزوری کا نام ہوتا تو کیا مسلمانوں کے حق
میں ان کی یہ تعبیر اس شدت کو روا رکھی جاتی۔ جنگ کے میدانوں میں جب کبھی مقابل شدید سے شدید تہمت کے موقعہ
پر بھی کلمۂ اسلام پڑھ لیتے بالکل طور پر صرف کوئی اسلامی علامت ظاہر کر دیتے تھے تو بارگاہِ نبوت سے اسی
وقت ہر ہر کی بدلے تلوار کو نیچی کر دینے کا حکم صادر ہو جاتا تھا اور اگر کسی فرد نے کبھی لاعلمی میں اس طرزِ عمل کے
خلاف کیا بھی تو اس کا کوئی عذر ہرگز مسموع نہ ہوتا تھا ضعیف الاسلام افراد کے ساتھ جو طرزِ عمل عہدِ نبوت
میں ثابت ہوتا ہے وہ تالیفِ قلوب کا ہے نہ کہ منافق کہہ کر ان کو دشمن کی صف میں شمار کرنے کا۔ پس
منافقین کے معاملہ میں یہ سمجھ لینا کتنی مہلک غلط فہمی ہے کہ یہ جماعت مسلمانوں کی جماعت تھی لیکن ایمان
ان کے حلق کے نیچے نہیں اترا تھا۔ اگر ان کا یہ ایمان اس درجہ پر آ چکا تھا کہ اس کو خدا اور رسول بھی ایمان کہہ دیں
تو پھر اسی وقت سے ان کے ساتھ طرزِ خطاب بدل جاتا ہے وہ اسلامی آغوش میں آ جانے کے بعد اب ہرگز
اس قابل نہیں ہو سکتے کہ ان کو کافروں کے ساتھ ساتھ مخاطب بنایا جائے اور اگر ان کا ایمان اس قابل نہ تھا
تو اس کا نام کفر رکھ دینے میں کیا بے احتیاطی کی گئی ہے اور کیوں۔

صحیح بخاری کی ایک حدیث میں منافق کی تلاوتِ قرآن کو نازبو کے درخت سے تشبیہ دی گئی ہے
جس کی خوشبو بڑی خوشگوار ہوتی ہے مگر مزہ ناگوار ہوتا ہے۔ اس تشبیہ میں یہی تنبیہ کرنی مقصود ہے کہ جس طرح
نازبو کی ظاہری خوشبو اور مہک عمدہ ہوتی ہے مگر اس کا اندرونی ذائقہ سخت تلخ ہوتا ہے اسی طرح منافق کی
تلاوت کا رخ تو بڑا خوشنما نظر آتا ہے مگر اس کے باطن کا رخ اسی طرح نازبو کی طرح سخت تلخ ہوتا ہے کسی پھل
کی قبولیت صرف اس کی خوشبو میں نہیں جب تک کہ اس کا ذائقہ بھی عمدہ نہ ہو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں
اصل قبولیت صرف ظاہری اعمال سے نہیں بلکہ باطن اور قلب کی سلامتی سے حاصل ہوتی ہے اگر قلب بیمار ہو
تو ظاہر کی سلامتی بیکار ہے۔

کبھی کبھی حدیثوں میں اولوالعزم صحابہ کی زبانوں سے اپنے نفسوں پر بھی نفاق کے خطرے کے الفاظ نظر
آتے ہیں حالانکہ یہاں نفاق کے کسی قسم کا شائبہ بھی نہیں ہوتا بلکہ یہ انسان کے کمالِ ایمانی اور اپنے اعمال کے
پورے پورے محاسبہ کا اثر ہوتا ہے جب ایک کامل مومن اپنے نفس کا محاسبہ شدت سے شروع کرتا ہے تو اس کو اپنی
ہر حرکت و سکون پر یہ شبہ گزرنے لگتا ہے کہ کہیں اس میں منزلہ کا کوئی ادنیٰ سا اختلاف تو نہیں ہے اس لئے

وہ اپنی ظاہری و باطنی صلاح و فلاح کی کسی منزل پر بھی مطمئن نہیں ہوتا وہ ہر عمل میں اپنے نفس کو ہمیشہ متہم کرتا رہتا ہے آخر اس سعی میں اس کی عمر تمام ہو جاتی ہے اور وہ اپنے معیار کے مطابق ایک عمل بھی ادا کرنے میں بھی کامیاب نہیں ہوتا۔ حقیقت یہ ہے کہ دین حنیف اس کو برداشت ہی نہیں کرتا کہ کسی شعبۂ حیات میں دو رنگی باقی رہے۔ اس کے باطن کا رخ کچھ ہو اور ظاہر کا کچھ اور۔ وہ اس کو ایک ایسی یک رنگی کی دعوت دیتا ہے جس کے بعد ظاہر و باطن میں سرمو اختلاف کی گنجائش باقی نہ رہے۔ اسی کو اس حدیث کا خلاصہ سمجھنا چاہئے جس کا تذکرہ آپ پہلے حدیث جبرئیل میں پڑھ چکے ہیں۔

جب انسان کے دماغ پر عالم غیب کا یقین مستحکم طرح مستولی ہو جاتا ہے تو پھر اپنے اعمال و نیات کو متہم کرنا اس کی فطرت بن جاتی ہے۔ اس کے بعد اس کو وہ مقام نصیب ہوتا ہے جہاں پہنچ کر وہ نماز میں کے عجز و نیاز میں کوئی ادنیٰ خامی بجائے ایک منافق کی نماز معلوم ہونے لگتی ہے۔ بعض سلف سے منقول ہے خشوع النفاق ان ترى الجسد خاشعا والقلب ليس بخاشع۔ یہی انسان کا ایمانی کمال جس کو حدیث جبرئیل میں احسان سے تعبیر کیا گیا ہے اس کا ظاہر و باطن کی کامل یک رنگی کے بعد ہی حاصل ہوتا ہے جب اس میں یہ یک رنگی پیدا ہو جاتی ہے تو اب جتنا اس کا ظاہر عجز و نیاز میں ڈوبا ہوا نظر آتا ہے اس کا باطن اس سے زیادہ اس میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے۔ یہی وہ حقیقت تھی جو حضرت حنظلہؓ کی حدیث میں آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں جب انہوں نے دیکھا کہ اپنے اہل و عیال میں جا کر ان کے قلب کا وہ رنگ نہیں رہتا جو آپ کی مجلس ذکر و فکر میں رہتا تھا تو ان کی نظر خشیت میں اتنا سا اختلاف بھی بشکل نفاق کھٹکنے لگا اور ان کو اس غیر اختیاری اختلاف کا شکوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کرنا پڑا۔ حقیقت یہ ہے کہ مرتبۂ احسان میں جتنا جتنا کمال میسر آتا جاتا ہے اسی کے بقدر یک رنگی کے شرائط بھی سخت تر ہوتے جاتے ہیں حتیٰ کہ عمر ختم ہو جاتی ہے اور جس درجۂ اخلاص و یک رنگی کی طبیعت متلاشی ہوتی ہے وہ حاصل نہیں ہوتی۔ اسی لئے حضرت حسنؒ نے قسم کھا کر فرمایا ما مضى مؤمن قط الا وهو من النفاق غير آمن وما مضى منافق قط ولا بقي الا وهو من النفاق آمن۔ (کوئی مومن جو پہلے گذر گیا یا اب موجود ہے ایسا نہیں جس کے دل میں اپنے نفس کے متعلق نفاق کا خطرہ نہ گذرتا ہو اور کوئی منافق جو گذر گیا یا اب موجود ہے ایسا نہیں جو نفاق سے بے خطر نہ ہو۔ (جامع العلوم)

ایک شخص نے دیکھا کہ ابو الدرداء نماز سے فارغ ہو کر نفاق سے پناہ کی دعا مانگ رہے ہیں۔ اس نے پوچھا بھلا آپ کو نفاق کا کیا خطرہ ہے انہوں نے تبسم فرمایا کہ آدمی ایک ساعت میں مومن ہوتا ہے پھر کسی فتنہ میں مبتلا ہو جاتا ہے اور آن کی آن میں اس کا قلب پلٹ جاتا ہے اور وہ نفاق میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ (جامع العلوم)

حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ ان کو اپنے نفس کے متعلق ہمیشہ نفاق کا خطرہ لگا رہتا تھا۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ ان کو یہ خطرہ نفاق اصغر سے تھا۔ یہ بات ہو رہی ہے کہ نفاق اصغر پر اصرار سے نفاق اکبر بھی پیدا ہو سکتا ہے صحیح بخاری میں ابن ابی ملیکہ سے روایت ہے کہ تیس صحابہ سے میری ملاقات ہوئی ہے سب کو اپنے نفس پر نفاق کا خطرہ لگا رہتا تھا۔ ان میں کوئی یہ نہ کہتا تھا کہ ہمارا ایمان حضرت جبرئیل و میکائیل کے ایمان کی طرح خطرۂ نفاق سے مامون ہے ——— ابراہیم تیمیؒ فرماتے ہیں کہ جب میں اپنے قول و عمل کو ملاتا تو ہمیشہ مجھ کو یہ اندیشہ رہتا تھا کہ کہیں میں جھوٹا نہ قرار پاؤں۔ ——— امام احمدؒ سے پوچھا گیا جس شخص کو اپنے متعلق نفاق کا خطرہ بھی نہ گذرتا ہو اس کے متعلق آپ کا ارشاد کیا ہے انہوں نے تعجب سے فرمایا ایسا کون مومن ہو سکتا ہے جس کو اپنے متعلق یہ خطرہ بھی نہ آتا ہو۔ (جامع العلوم)

ان جملہ آثار سے پیش نظر یا توجیہات اور اعمال کی وہ باریکیاں تھیں جن میں سر مو اختلاف سے اچھے سے اچھا عمل ایک منافق کا سا عمل بن سکتا ہے یا تقاضۂ بشریت کی وہ طاقت تھی جس کے سامنے ایک مخلص کا عملی منافق بن جانا کوئی دشوار نہیں ہوتا۔ بہرحال یہاں ان سب خطرات کا منشا کمال ایمانی تھا۔ نفاق کی کسی قسم کا بیان کرنا کل نہ تھا۔ امام غزالیؒ نے امور آخرت کے ضمن میں اس کی بڑی تفصیل فرمائی ہے (دیکھو احیاء العلوم ص ۱۹۲ ج ۱)۔

واضح رہے کہ نفاق عملی نفاق کی کوئی علیحدہ قسم نہیں بلکہ جب منافقین کے اعمال مسلمانوں سے بھی سرزد ہونے لگے تو لامحالہ علماء کو نفاق کی تقسیم کرنی پڑی۔ وہی اعمال جو نفاق اعتقادی کے اثرات کہلاتے ہیں اگر تصدیق قلبی کے ساتھ بھی نظر آنے لگیں تو اسی کا نام نفاق عملی رکھ دیا جاتا ہے۔ پس اگر نفاق اعتقادی نہ ہوتا تو نفاق عملی کی یہ تعبیر بھی پیدا نہ ہوتی جیسا کہ اگر شرک و کفر حقیقی معنوں کے لحاظ سے نہ ہوتے تو ریاء و ترک صلوٰۃ کو بھی شرک و کفر نہ کہا جاتا۔

پس جس طرح کفر کی اصل حقیقت کفر باللہ ہے اور کسی معصیت پر کفر کا اطلاق آجانے سے یہ حقیقت نہیں ملتی۔ اسی طرح اصل نفاق اسی فساد باطن کا نام ہے اور چند مخصوص معاصی پر نفاق کے اطلاق سے اس کی حقیقت بھی نہیں ملتی چونکہ نفاق حقیقی انسان کی ایک باطنی حالت کا نام ہے اس لئے حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ عہد نبوت کے بعد اب کسی کو کسی کے باطن پر حکم لگانے کا کوئی حق نہیں رہا اس لئے یہ حکم لگانا عہد نبوت پر ختم ہو گیا ہاں نفاق عملی کا معاملہ ہمیشہ جاری رہنے والی چیز ہے۔

المنافقون فی عہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم

(۸۲۵) حَدَّثَنَا زَیْدُ بْنُ وَهْبٍ قَالَ کُنَّا عِنْدَ حُذَیْفَةَ فَقَالَ مَا بَقِیَ مِنْ أَصْحَابِ هٰذِهِ الْآیَةِ (فَقَاتِلُوْا أَئِمَّةَ الْکُفْرِ) إِلَّا ثَلَاثَةٌ وَلَا مِنَ الْمُنَافِقِیْنَ إِلَّا أَرْبَعَةٌ فَقَالَ أَعْرَابِیٌّ إِنَّکُمْ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم تُخْبِرُوْنَنَا فَلَا نَدْرِیْ فَمَا بَالُ هٰؤُلَاءِ الَّذِیْنَ یَبْقُرُوْنَ بُیُوْتَنَا وَیَسْرِقُوْنَ أَعْلَاقَنَا قَالَ أُولٰئِکَ الْفُسَّاقُ أَجَلْ لَمْ یَبْقَ مِنْهُمْ إِلَّا أَرْبَعَةٌ أَحَدُهُمْ شَیْخٌ کَبِیْرٌ لَوْ شَرِبَ الْمَاءَ الْبَارِدَ لَمَا وَجَدَ بَرْدَهٗ۔ (رواہ البخاری فی التفسیر)

(۸۲۶) عَنْ قَیْسٍ قَالَ قُلْتُ لِعَمَّارٍ أَرَأَیْتُمْ صَنِیْعَکُمْ هٰذَا الَّذِیْ صَنَعْتُمْ فِیْ أَمْرِ عَلِیٍّ أَرَأْیًا رَأَیْتُمُوْهُ أَوْ شَیْئًا عَهِدَهٗ إِلَیْکُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا عَهِدَ إِلَیْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ شَیْئًا لَمْ یَعْهَدْهُ إِلَی النَّاسِ کَافَّةً وَلٰکِنْ حُذَیْفَةُ أَخْبَرَنِیْ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ أَصْحَابِیْ اثْنَا عَشَرَ مُنَافِقًا فِیْهِمْ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کے منافقوں کا کچھ تذکرہ

(۸۲۵) زید بن وہب بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت حذیفہؓ کی خدمت میں حاضر تھے تو انھوں نے فرمایا کہ اس آیت کے مصداق میں سے بجز تین اشخاص کے اور کوئی نہیں رہا فقاتلوا ائمۃ الکفر (کفر کے سرداروں کو قتل کرو) اور اسی طرح منافقین میں سے بھی چار آدمیوں کے سوا اور کوئی نہیں رہا۔ اس پر ایک بادیہ نشین شخص بولا آپ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہیں ہم سے ایسی باتیں بیان فرماتے ہیں جن کو ہم تو کچھ سمجھ نہیں سکتے (اچھا اگر منافقوں میں صرف چار اشخاص ہی بچے ہیں) تو یہ ہمارے گھروں میں نقب زنی کرنے والے اور ہمارے قیمتی مال چوری کرکے لیجانے والے لوگ کون ہیں انھوں نے فرمایا یہ تو فاسق لوگ ہیں اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ منافقوں میں سے تو صرف چار آدمی ہی بچے ہیں ان میں ایک تو اتنا بوڑھا ہوگیا ہے کہ اگر ٹھنڈا پانی پئے تو اس کو اس کی ٹھنڈک کا احساس بھی نہ ہو۔ (بخاری شریف)

(۸۲۶) قیسؒ کہتے ہیں کہ میں نے عمارؓ سے پوچھا فرمائیے حضرت علیؓ کے معاملہ میں جو روش آپ نے اختیار کی یہ آپ کی ذاتی رائے تھی یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آپ کے پاس کوئی حکم تھا؛ انھوں نے کہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے کوئی بات ایسی نہیں فرمائی جو عام مسلمانوں سے نہ کہی ہو۔ لیکن حذیفہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت بیان کی ہے کہ آپ نے فرمایا ہے میری امت میں بارہ منافق ہوں گے۔ آٹھ

فِي ظُهُورِهِمْ مُلْتَفُّوا مِنْهُ فَقُلْنَا يَا رَسُولَ اللهِ أَفَلَا تَبْعَثُ إِلَى عَشَائِرِهِمْ حَتَّى يَبْعَثَ إِلَيْكَ كُلُّ قَوْمٍ بِرَأْسِ صَاحِبِهِمْ قَالَ لَا أَكْرَهُ أَنْ تَتَحَدَّثَ الْعَرَبُ بَيْنَهَا أَنَّ مُحَمَّدًا قَاتَلَ بِقَوْمٍ حَتَّى إِذَا أَظْهَرَهُ اللهُ بِهِمْ أَقْبَلَ عَلَيْهِمْ يَقْتُلُهُمْ. ثُمَّ قَالَ. اَللّٰهُمَّ ارْمِهِمْ بِالدُّبَيْلَةِ قُلْنَا يَا رَسُولَ اللهِ وَمَا الدُّبَيْلَةُ وَقَالَ شِهَابٌ مِنْ نَارٍ يَقَعُ عَلَى نِيَاطِ قَلْبِ أَحَدِهِمْ فَيَهْلِكُ. (رواه البيهقي في كتاب دلائل النبوة والحديث ابن كثير في تفسير سورة التوبة)

(۴۲۸) وَعَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ فَلَمَّا كَانَ قُرْبَ الْمَدِينَةِ هَاجَتْ رِيحٌ شَدِيدَةٌ تَكَادُ أَنْ تَدْفِنَ الرَّاكِبَ فَزَعَمَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بُعِثَتْ هٰذِهِ الرِّيحُ لِمَوْتِ مُنَافِقٍ فَلَمَّا قَدِمَ الْمَدِينَةَ فَإِذَا مُنَافِقٌ عَظِيمٌ مِنَ الْمُنَافِقِينَ قَدْ مَاتَ. (رواه مسلم)

کھڑے ہوئے اس کے بعد آپ نے فرمایا تم نے ان کو کچھ پہچانا ہے ہم نے عرض کیا جی نہیں یہ لوگ اپنے منہ پر ڈھاٹے باندھے ہوئے تھے لیکن ان کے اونٹوں کو پہچان لیا ہے فرمایا یہ منافق تھے جو ہمیشہ منافق ہی رہیں گے اور تم کو کچھ یہ بھی معلوم ہے کہ ان کا ارادہ کیا تھا ہم نے عرض کیا جی نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ خدا کے رسول کو اس گھاٹی میں گرا دینا چاہتے تھے۔ ہم نے عرض کیا آپ ان سب کے قبائل کو کہلا بھیجئے تاکہ وہ ان میں جو اس شرارت میں شریک تھا اس کا سر کاٹ کر آپ کی خدمت میں بھیج دیں۔ آپ نے فرمایا میں ایسا نہیں کروں گا مجھے یہ پسند نہیں کہ میرے متعلق عرب یہ چہ میگوئیاں کریں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قوم سے جنگ کی اور جب ان کو اللہ تعالیٰ نے ان پر غالب کر دیا تو پھر ان کو قتل کرنے لگا اس کے بعد آپ نے بددعا فرمائی خدایا! ان کو دبیلہ میں مبتلا فرما۔ ہم نے پوچھا یا رسول اللہ دبیلہ کیا چیز ہے فرمایا وہ ایک زہریلا پھوڑا ہے جو شعلہ کی طرح دل کی رگوں کو پھونک دیتا ہے اور موت کا باعث ہوتا ہے۔ (دلائل النبوۃ)

(۴۲۸) جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر سے واپس آ رہے تھے کہ اتنی تیز ہوا چلی کہ سوار کو بھی مٹی میں دفن کر دے۔ راوی کا گمان ہے کہ اس پر آپ نے فرمایا یہ ہوا ایک منافق کی موت کے لئے چلی ہے جب آپ مدینہ شریف تشریف لے آئے تو معلوم ہوا کہ منافقوں میں ایک بڑا منافق مر گیا ہے۔ (مسلم شریف)

(۸۲۹) حدثنا إياس حدثني أبي قال عدنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم رجلاً موعوكاً فوضعت يدي عليه فقلت والله ما رأيت كاليوم رجلاً أشد حراً فقال نبي الله صلى الله عليه وسلم ألا أخبركم بأشد حراً منه يوم القيامة هذين الرجلين الراكبين المقفيين لرجلين حينئذ من أصحابه۔ (رواه مسلم)

(۸۳۰) عن ابن عباس قال سمعت عمر بن الخطاب يقول لما توفي عبد الله بن أبي دعي رسول الله صلى الله عليه وسلم للصلاة عليه فقام إليه فلما وقف عليه يريد الصلاة تحولت حتى قمت في صدره فقلت يا رسول الله أعلى عدو الله عبد الله بن أبي القائل يوم كذا وكذا كذا وكذا يعدد أيامه قال ورسول الله صلى الله عليه وسلم يتبسم حتى إذا أكثرت عليه قال أخر عني يا عمر إني قد خيرت فاخترت قد قيل لي استغفر لهم أو لا تستغفر لهم إن تستغفر لهم سبعين مرة فلن يغفر الله لهم لو أعلم أني لو زدت على السبعين غفر له لزدت

---

(۸۲۹) ایاس اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک تپ زدہ شخص کی عیادت کی۔ میں نے اس پر اپنا ہاتھ رکھا اور کہا خدا کی قسم بخار میں اتنا جلتا ہوا شخص جیسا آج میں نے دیکھا ہے اتنا کبھی نہیں دیکھا آپ نے فرمایا میں تم کو وہ شخص نہ بتاؤں جو روز قیامت اس سے بھی زیادہ جلتا ہوا ہوگا پھر آپ نے اپنے ہمراہیوں میں سے دو شخصوں کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ وہ یہ دو منافق ہیں جو گھوڑے پر سوار اپنا منہ پھیرے کھڑے ہیں۔ (مسلم شریف)

(۸۳۰) ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ جب عبد اللہ بن ابی (رئیس المنافقین) کا انتقال ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر نماز جنازہ پڑھنے کے لئے بلایا گیا آپ تشریف لے چلے جب نماز کے ارادے سے کھڑے ہوئے تو میں آپ کے سامنے آگیا اور میں نے عرض کیا کیا اس عبد اللہ بن ابی خدا کے دشمن پر بھی آپ نماز پڑھائیں گے جس نے فلاں فلاں دن ایسے ایسے کلمات منہ سے نکالے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اس کے گذشتہ ایام کے کرتوت سب گن گن کر بتائے (راوی کہتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے سنتے رہے اور مسکراتے رہے حتی کہ جب میں نے بہت زیادہ اصرار کیا تو فرمایا عمر! ہٹ جاؤ مجھے دو باتوں میں اختیار دیا

---

(۸۳۰) یہاں کوئی یہ حقیقت اشکال کرتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ کیسی بات مخفی رہ گئی بلکہ قاضی ابو بکر باقلانی نے اس حدیث کی صحت ہی سے انکار کر دیا ہے امام الحرمین وغیرہ بھی کہہ گئے ہیں کہ یہ حدیث صحیح بخاری میں نہیں۔ امام غزالی اور داؤدی جیسے علماء نے یہ تصریح کر دی ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں لیکن ان جیسے حفاظ کا

الْقَوْمُ حَتّٰى كَانَ رَجُلٌ مِّنَ الْمُهَاجِرِيْنَ كَسَعَ رَجُلًا مِّنَ الْاَنْصَارِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعُوْهَا فَاِنَّهَا مُنْتِنَةٌ فَسَمِعَ ذٰلِكَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اُبَيِّ بْنِ سَلُوْلَ فَقَالَ اَوَقَدْ فَعَلُوْهَا لَئِنْ رَّجَعْنَا اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ فَقَالَ عُمَرُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ دَعْنِيْ اَضْرِبْ عُنُقَ هٰذَا الْمُنَافِقِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعْهُ لَا يَتَحَدَّثُ النَّاسُ اَنَّ مُحَمَّدًا يَقْتُلُ اَصْحَابَهٗ وَقَالَ غَيْرُ عَمْرٍو فَقَالَ لَهٗ ابْنُهٗ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ وَاللّٰهِ لَا تَنْقَلِبُ حَتّٰى تُقِرَّ اَنَّكَ الذَّلِيْلُ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَزِيْزُ فَفَعَلَ - (رواه الترمذي وقال هذا حديث حسن صحيح)

آپ نے یہ غل شور سنا تو فرمایا یہ کیا زمانۂ جاہلیت کی سی آوازیں آرہی ہیں۔ لوگوں نے آپ سے عرض کیا کہ ایک مہاجر شخص نے کسی انصاری کے لات ماردی ہے (اس پر یہ ہنگامہ برپا ہوگیا ہے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان ناشائستہ کلمات کو چھوڑ دو۔ یہ قصہ کہیں عبداللہ بن ابی نے بھی سن پایا اس نے کہا اچھا اب جینے یہ عمل کیا ہے چلو مدینہ چلیں تو جو عزت والا فریق ہے وہ ذلیل کو نکال باہر کرے گا۔ اس پر عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ اجازت دیں تو میں اس منافق کی گردن اڑا دوں۔ آپ نے فرمایا رہنے دو۔ کہیں لوگ یہ مشہور کردیں کہ میں اپنے لوگوں کو بھی قتل کردیتا ہوں۔ عمرو بن دینار کے علاوہ بعض اور راویوں نے اس قصہ میں اتنا اور نقل کیا ہے کہ ابن ابی کے اس گستاخانہ فقرہ پر اس کے بیٹے عبداللہ نے کہا خدا کی قسم تو مدینہ طیبہ میں اس وقت تک گھس نہیں سکتا جب تک اپنے منہ سے اس کا اقرار نہ کرے کہ تو ہی ذلیل ہے اور عزیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔ آخر اس نے اس کا اقرار کرلیا۔

صاحب کتاب نے اس جگہ اس مہاجر شخص کے متعلق یہ الفاظ روایت کئے ہیں وکان من المهاجرين رجل لعاب شارحین نے اس کے معنی لکھے ہیں ٹھیک یہ کہ اس شخص کے مزاج میں خوش طبعی اور مذاق کا عنصر غالب تھا کسی نے لکھا ہے کہ وہ نیزہ کھیلنا خوب جانتا تھا۔ حافظ ابن حجرؒ نے اس کا نام جہجاہ بن قیس لکھا ہے۔ عمرؓ کی درخواست پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک کی تشریح کرتے ہوئے امام خطابی تنبیہ فرماتے ہیں کہ آپ کے ان مختصر کلمات سے دینی سیاست کا ایک اہم باب کھل جاتا ہے اور وہ یہ کہ کسی شخص کا قلبی ایمان یا نفاق معلوم کرنے کے لئے بس اس کے سوا اور کیا صورت ہوسکتی ہے کہ اس کے کسی ظاہری عمل ہی کو اس کا معیار قرار دیا جائے۔ اب اگر منافقوں کے صرف باطنی کفر پر بھی کفر کے احکام لگا دیئے جاتے تو دشمنان دین کو یہ غلط فہمی پھیلانے کا موقعہ مل جاتا کہ مسلمان اسلام کے حلقہ بگوشوں کو بھی کفر باطنی کا بہانہ لے کر جب چاہتے ہیں قتل کر ڈالتے ہیں۔ اس لئے اسلام کی ترقی حلقہ بگوشی کے بعد بھی جان و مال کے محفوظ ہونے کی کوئی صورت نہیں۔ اس لئے کفر ثابت ہونے کے لئے یہ صورت متعین ہوگئی کہ جب تک کسی کے ظاہری حال سے بھی کفر ثابت نہ ہوجائے صرف اس کے باطنی کفر کی وجہ سے اس کو کافر قرار نہ دیا جائے۔

لَقَدْ أُنْزِلَ النِّفَاقُ عَلَى قَوْمٍ كَانُوا خَيْرًا مِنْكُمْ ثُمَّ تَابُوا فَتَابَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ (رواه البخاري في الصحيح)

(۸۳۵) عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ إِلَى أُحُدٍ فَرَجَعَ نَاسٌ مِمَّنْ كَانَ مَعَهُ فَكَانَ أَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيهِمْ فِرْقَتَيْنِ قَالَ بَعْضُهُمْ نَقْتُلُهُمْ وَقَالَ بَعْضُهُمْ لَا فَنَزَلَتْ فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ فِئَتَيْنِ. (رواه مسلم)

(۸۳۶) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ رِجَالًا مِنَ الْمُنَافِقِينَ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانُوا إِذَا خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْغَزْوِ تَخَلَّفُوا عَنْهُ وَفَرِحُوا بِمَقْعَدِهِمْ خِلَافَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اعْتَذَرُوا إِلَيْهِ وَحَلَفُوا وَأَحَبُّوا أَنْ يُحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا فَنَزَلَتْ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَا أَتَوْا وَيُحِبُّونَ أَنْ يُحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِنَ الْعَذَابِ. (رواه مسلم)

سمجھے گئے تھے۔ بیشک ایک زمانہ میں تم سے بہتر لوگوں میں نفاق پیدا ہو گیا تھا لیکن آخر انھوں نے توبہ کی اور مخلصین صحابہ میں سے بن گئے اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی توبہ قبول فرمائی۔ (چونکہ حضرت حذیفہ نے حدیث نمبر مذکورہ میں صرف ان کے ابتدائی حال کو ذکر فرمایا تھا بعد میں ان کی توبہ اور اخلاص کو ذکر فرما دیا تو پھر کوئی اشکال نہ رہا۔ (بخاری شریف)

(۸۳۵) زید بن ثابت روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب جنگ احد کے لئے نکلے تو بعض منافقین جو آپ کے ساتھ نکلے تھے واپس لوٹ گئے۔ ان لوگوں کے معاملہ میں صحابہ کرام کی دو جماعتیں ہو گئیں ایک نے کہا ہم ان کو قتل کریں گے دوسری نے کہا نہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ تم کو کیا ہو گیا کہ منافقین کے بارے میں تمہاری دو جماعتیں ہو گئیں۔ (مسلم شریف)

(۸۳۶) ابو سعید خدری بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں منافقین کا یہ دستور تھا کہ جب آپ کسی غزوہ کے لئے تشریف لے جاتے تو یہ لوگ پیچھے رہ جاتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بیٹھ کر خوش ہوا کرتے پھر جب آپ واپس تشریف لے آتے تو آپ کے سامنے اس کا کوئی نہ کوئی عذر تراش دیتے اور قسمیں کھا جاتے اور یہ چاہتے کہ جو کام وہ نہیں کرتے اس پر بھی ان کی تعریف کی جائے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ جو لوگ اپنی کارستانیوں پر خوش ہوتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ جو کام وہ نہیں کرتے اس پر ان کی تعریف ہو آپ یہ گمان نہ فرمائیں کہ وہ عذاب کی گرفت سے باہر ہیں۔ (مسلم شریف)

(۸۵۶) عن عبد الله بن عامر قال دعتني أمي يوما ورسول الله صلى الله عليه وسلم قاعد في بيتنا فقالت ها تعال أعطيك فقال لها رسول الله صلى الله عليه وسلم ما أردت أن تعطيه قالت أردت أن أعطيه تمرا فقال لها رسول الله صلى الله عليه وسلم أما إنك لو لم تعطيه شيئا كتبت عليك كذبة. رواه أبو داود والبيهقي في شعب الإيمان قال ابن رجب الحنبلي وفي إسناده من لا يعرف ونحوه ذكره الزهري عن أبي هريرة من قوله.

(۸۵۷) عن خريم بن فاتك قال صلى رسول الله صلى الله عليه وسلم صلاة الصبح فلما انصرف قام قائما فقال عدلت شهادة الزور بالإشراك بالله ثلاث مرات ثم قرأ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ حُنَفَاءَ لِلَّهِ غَيْرَ مُشْرِكِينَ بِهِ (رواه أبو داود وابن ماجه ورواه أحمد والترمذي عن أيمن بن خريم إلا أن ابن ماجه لم يذكر القراءة)

---

(۸۵۶) عبد اللہ بن عامر کہتے ہیں کہ ایک دن میری والدہ نے مجھے بلایا۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر میں رونق افروز تھے میری والدہ نے کہا ادھر آؤ میں تجھے کچھ دوں گی۔ آپ نے پوچھا تم نے کیا چیز دینے کا ارادہ کیا ہے۔ وہ بولیں میں نے ایک کھجور دینے کا ارادہ کیا ہے۔ آپ نے فرمایا اگر کہیں تم نے یہ ارادہ نہ کیا ہوتا تو اتنی سی خلاف واقع بات بھی تمہارے نامۂ اعمال میں ایک جھوٹ لکھی جاتی۔ (ابوداؤد، بیہقی)

(۸۵۷) خریم بن فاتک بیان کرتے ہیں کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھی جب فارغ ہو چکے تو کھڑے ہو کر فرمایا (آج) جھوٹی شہادت شرک کے برابر کر دی گئی۔ تین بار فرمایا۔ اس کے بعد قرآن کی یہ آیت تلاوت فرمائی فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ - بتوں کی نجاست سے بچو اور جھوٹی شہادت سے بھی اجتناب کرو۔ (احمد، ترمذی)

---

(۸۵۶) اسلام کی پاکیزگی اور نزاہت ان چھوٹے چھوٹے معاملات کے ضمن میں دیکھنی چاہیے جہاں صدق و کذب کا وہم و گمان بھی نہیں گزرتا۔ اسلام دلوں کی زبان پر اتنا محاسبہ قائم کرتا ہے اس سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ کن کن مواقع پر توریہ کی اجازت دی جا سکتی ہے۔ بے محل توریہ کرنا بھی ایک قسم کا فریب اور جھوٹ ہے۔

(۸۵۷) قرآن کی آیت بالا میں شرک اور بت پرستی کے ساتھ ہی جھوٹی شہادت سے ممانعت فرمائی گئی ہے اس سے معلوم ہوا کہ شریعت کی نظر میں ان دونوں کے بیچ کوئی اصولی تناسب ہے۔ قرآن کریم جب ایک سیاق میں چند اشیاء کا ذکر کرتا ہے تو وہ ضرور کسی تناسب کی بنا پر ہی ذکر کرتا ہے گویا شہادت زور کی چیز ہے جس کو اسلام سے کوئی تناسب نہیں اگر ہے تو شرک سے ہے۔

(۸۵۸) عن جابرؓ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يحلف أحد عند منبري هذا على يمين آثمة ولو على سواك أخضر إلا تبوأ مقعده من النار أو وجبت له النار۔ (رواه مالك وأبو داود وابن ماجه)

(۸۵۹) عن عائشةؓ قالت ما كان خلق أبغض إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم من الكذب ولقد كان الرجل يكذب عند رسول الله صلى الله عليه وسلم الكذبة فما يزال في نفسه عليه حتى يعلم أنه قد أحدث منها توبة۔ (رواه احمد)

(۸۶۰) عن صفوان أن رجلا قال لرسول الله صلى الله عليه وسلم أكذب امرأتي قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا خير في الكذب فقال يا رسول الله أعدها وأقول لها فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا جناح عليك۔ (رواه مالك)

---

(۸۵۸) جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بھی میرے منبر کے پاس آکر جھوٹی قسم کھائے اگرچہ وہ ایک سبز مسواک کے معاملہ میں ہو اس نے یا ٹھکانا دوزخ میں کر لیا یا اس کے لئے دوزخ کا عذاب واجب ہو گیا (راوی کو شک ہے) (مالک۔ ابوداؤد۔ ابن ماجہ)

(۸۵۹) حضرت عائشہؓ روایت فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک جھوٹ سے زیادہ اور کوئی عادت قابل نفرت نہ تھی کبھی کوئی شخص آپ کے سامنے جھوٹ بولتا جب تک وہ اس سے توبہ نہ کر لیتا آپ کے قلب مبارک میں اس کی طرف سے ناگواری کا اثر برابر محسوس ہوا کرتا۔ (احمد)

(۸۶۰) صفوان سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا میں اپنی بی بی سے جھوٹ بول سکتا ہوں؟ فرمایا جھوٹ میں تو کوئی بھلائی نہیں اس نے عرض کیا اچھا تو پھر ان سے وعدہ کر لوں۔ آپ نے فرمایا اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ (احمد)

---

(۸۵۸) یہ ظاہر ہے کہ جھوٹ کی ہر نوع سخت بری ہے لیکن اس کا درجہ سب سے سخت ہو جاتا ہے جب جھوٹی قسم [illegible] خصوصاً جہاں ایک گونہ کبریائی اللہ آپ اس کے ساتھ نظم عالم کی بربادی بھی [illegible] حق اللہ کی [illegible] ہے اور نظم کی تباہی کا سبب بنا [illegible] شریعت میں حقوق العباد کو حقوق اللہ پر اس لئے [illegible] اہمیت دی گئی ہے کہ حقوق اللہ [illegible] تمام انسانوں کے حق میں اور حقوق اللہ [illegible] ہوگا۔

(۸۶۰) زن و شوہر کے تعلقات کو شریعت میں بڑی اہمیت دی گئی ہے۔ اگر بی بی کی رضامندی کے لئے شوہر کوئی تسلی بخش بات زبان سے نکال دے تو شارع نے اس مرض کے لئے اس کو وسعت دی گئی ہے صوم کی بحث میں آپ یہ کل تفصیلات پڑھ چکے ہیں۔

(۸۶۳) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ تَحَلَّمَ بِحُلُمٍ لَمْ يَرَهُ كُلِّفَ أَنْ يَعْقِدَ بَيْنَ شَعِيرَتَيْنِ وَلَنْ يَفْعَلَ وَمَنِ اسْتَمَعَ إِلَى حَدِيثِ قَوْمٍ وَهُمْ لَهُ كَارِهُونَ أَوْ يَفِرُّونَ مِنْهُ صُبَّ فِي أُذُنِهِ الْآنُكُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَنْ صَوَّرَ صُورَةً عُذِّبَ وَكُلِّفَ أَنْ يَنْفُخَ فِيهَا وَلَيْسَ بِنَافِخٍ. (رواه البخاري)

(۸۶۴) عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ أَفْرَى الْفِرَى أَنْ يُرِيَ عَيْنَيْهِ مَا لَمْ تَرَيَا. (رواه البخاري)

---

(۸۶۳) ابن عباسؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ہے جو شخص جھوٹا خواب بنائے (قیامت میں) اس کو حکم دیا جائے گا کہ وہ دو جو کے دانوں میں گرہ لگائے (جیسا اس نے دنیا میں گرہ بندی کی تھی) اور ظاہر ہے کہ یہ ہرگز اس کی قدرت میں نہ ہوگا (اور جو شخص لوگوں کی باتیں کان لگا کر سنے گا اس حال میں کہ وہ اس کو ناپسند کرتے ہوں یا اس سے بھاگتے ہوں (راوی کو شک ہے) تو قیامت کے دن اس کے کانوں میں سیسہ پگھلا کر ڈالا جائے گا اور جو شخص کسی جاندار کی صورت بنائے اس سے کہا جائے گا کہ اس میں روح بھی ڈال اور ظاہر ہے کہ وہ روح ڈال نہیں سکے گا (بالآخر اس کو بھی عذاب ہوگا) (بخاری شریف)

(۸۶۴) ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے بڑا بہتان یہ ہے کہ آدمی اپنی آنکھوں کے متعلق ایسی چیز کا دیکھنا بیان کرے جو انہوں نے نہیں دیکھی یعنی (جھوٹا خواب بنائے) (بخاری شریف)

---

(۸۶۴) ان دونوں حدیثوں کا حاصل یہ ہے کہ صدق و صفا کا معاملہ صرف حالت بیداری تک ختم نہیں ہوتا، بلکہ حالت نوم تک بھی پہنچتا ہے۔ اگر کوئی شخص حالت خواب کے متعلق بھی کوئی جھوٹ کہے تو وہ بھی سخت مجرم ہے بلکہ اس کا جرم دوسرے مجرموں سے زیادہ ہے کیونکہ مومن کا خواب نبوت کا چھیالیسواں جزء ہوتا ہے اور یہ اسے بھی گندہ کرتا ہے

غرض اس باب میں کذب کی جتنی صورتیں گذر چکی ہیں ان سب سے احتراز کرنے کے بعد آپ حرف صدق کو حاصل کرسکتے ہیں۔ یہ تمام صورتیں نفاق کا شعبہ ہیں۔ ان میں سے چھوٹا یا بڑا کوئی بھی شعبہ اگر کسی مومن کے اندر موجود ہے تو اس میں نفاق کا ایک شعبہ موجود ہے اور مومن صدیق نہیں۔ پھر کسی کسی کے نصیب میں ہے مرتبت صدیق کی فہرست میں داخل ہوجانے جس کے سردار صدیق اکبر ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ یا ایہا الذین آمنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین۔

الخلف في الوعد

(۸۶۵) عن زيد بن أرقم عن النبي صلى الله عليه وسلم قال إذا وعد الرجل أخاه ومن نيته أن يفي له فلم يف ولم يجئ للميعاد فلا إثم عليه (رواه أبو داود والترمذي)

(۸۶۶) عن ابن عباس عن النبي صلى الله عليه وسلم قال لا تمار أخاك ولا تمازحه ولا تعده موعدًا فتخلفه. (رواه الترمذي وقال هذا حديث غريب)

(۸۶۷) عن عبد الله بن أبي الحمساء قال بايعت النبي صلى الله عليه وسلم قبل أن يبعث وبقيت له بقية فوعدته أن آتيه بها في مكانه فنسيت فذكرت بعد ثلاث فإذا هو في مكانه فقال لقد شققت علي أنا ههنا منذ ثلاث أنتظرك. (رواه أبو داود)

الخصومة والجدال

(۸۶۸) عن ابن عمر عن النبي صلى الله عليه وسلم قال من خاصم في باطل وهو

وعدہ خلافی

(۸۶۵) زید بن ارقم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جب انسان وعدہ کرے اور اس کی نیت یہ ہو کہ اس کو پورا کرے گا مگر اتفاقاً پورا نہ کر سکے اور وقت مقررہ پر نہ آ سکے تو اب اس پر کوئی گناہ نہیں۔ (ابو داؤد، ترمذی)

(۸۶۶) ابن عباس روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے بھائی سے جھگڑا بھی نہ کرو اور نہ اس سے ترش مذاق کرو اور نہ بے وجہ اس سے وعدہ کرو کہیں پھر وعدہ خلافی کی نوبت آ جائے (ترمذی)

(۸۶۷) عبداللہ بن ابی الحماء سے روایت ہے کہ میں نے بعثت سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خرید و فروخت کا معاملہ کیا مجھے آپ کو کچھ دینا رہ گیا تھا اس لئے میں نے وعدہ کیا کہ میں آپ کو اسی مقام پر لا کر دیتا ہوں پھر مجھے یہ بات یاد نہ رہی اور تین دن کے بعد یاد آئی۔ آ کر کیا دیکھتا ہوں کہ آپ برابر اسی جگہ موجود ہیں۔ آپ نے فرمایا تم نے بڑی تکلیف دی میں تین دن سے تمہارے انتظار میں یہاں موجود ہوں۔ (ابو داؤد)

لڑائی اور جھگڑا

(۸۶۸) ابن عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جو شخص جان بوجھ کر

يَعْلَمُهُ لَمْ يَزَلْ فِيْ سَخَطِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْزِعَ۔ (رواه ابوداؤد)

(۸۶۹) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَ اَبْغَضُ الرِّجَالِ اِلَى اللّٰهِ الْاَلَدُّ الْخَصِمُ۔ (رواه الشيخان)

(۸۷۰) عَنْ زِيَادِ بْنِ حُدَيْرٍ قَالَ قَالَ لِيْ عُمَرُ هَلْ تَعْرِفُ مَا يَهْدِمُ الْاِسْلَامَ قَالَ قُلْتُ لَا قَالَ يَهْدِمُهُ زَلَّةُ الْعَالِمِ وَجِدَالُ الْمُنَافِقِ بِالْكِتَابِ وَحُكْمُ الْاَئِمَّةِ الْمُضِلِّيْنَ۔ (رواه الدارمي)

اضاعة الصلوات

(۸۷۱) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَقَدْ رَأَيْتُنَا وَمَا يَتَخَلَّفُ عَنِ الصَّلٰوةِ اِلَّا مُنَافِقٌ قَدْ عُلِمَ نِفَاقُهُ اَوْ مَرِيْضٌ اِنْ كَانَ الْمَرِيْضُ لَيَمْشِيْ بَيْنَ رَجُلَيْنِ حَتّٰى يَاْتِيَ الصَّلٰوةَ وَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَّمَنَا سُنَنَ الْهُدٰى وَاِنَّ مِنْ سُنَنِ الْهُدَى الصَّلٰوةَ فِي الْمَسْجِدِ الَّذِيْ يُؤَذَّنُ فِيْهِ۔ (رواه مسلم)

جس نے معاملہ میں جھگڑا کیا وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے تحت رہتا ہے تاآنکہ اس کو ترک نہ کر دے۔ (ابوداؤد)

(۸۶۹) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے نزدیک انسانوں میں سب سے زیادہ مبغوض وہ شخص ہے جو ہر قسم کا جھگڑالو ہو۔ (بخاری شریف)

(۸۷۰) زیاد بن حدیر بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے حضرت عمرؓ نے پوچھا جانتے ہو اسلام کو ڈھا دینے والی چیز کیا ہے؟ میں نے عرض کیا نہیں۔ فرمایا ایک تو عالم کی لغزش، دوم منافق کا کتاب اللہ میں بے بات جھگڑے نکالنا، سوم گمراہ حاکموں کے خیالات اور من مانے فیصلے۔ (دارمی)

نمازوں میں کاہلی اور سستی

(۸۷۱) ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ہم دیکھتے تھے کہ جماعت سے بس وہی شخص پیچھے رہتے تھے یا کھلا ہوا منافق یا مریض اور مریض بھی دو شخصوں کا سہارا لے کر مسجد میں آ ہی جاتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ہدایت کے راستے بتا دیئے ہیں ان میں ایک یہ ہے کہ اس مسجد میں آکر نماز ادا کی جائے جہاں پنجوقتہ اذان دی جاتی ہو۔ (مسلم)

---

(۸۷۰) منافق کی جتنی خصائل ہیں ان سب کا رشتہ کہیں نہ کہیں جا کر خدا اور اس کے رسول کی مخالفت کے ساتھ لگتا ہے۔ یہاں بھی اس کے جدال کا مرجع کتاب اللہ ہی ہوتی ہے۔ منافقین نفاق میں جب راسخ ہو جاتے ہیں تو خدا اور رسول کے معاملہ میں بھی تنہا ان کا طرز مشروع ہو جاتے ہیں۔ دور آخر میں ان کا شر و نفاق کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔

بعث الله ملكا يحمي لحمه يوم القيامة من نار جهنم ومن رمى مسلما بشيء يريد به شينه حبسه الله على جسر جهنم حتى يخرج مما قال (رواه ابو داود)

اسباب النفاق

(٨٧٧) عن جابر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الغناء ينبت النفاق في القلب كما ينبت الماء الزرع - (رواه البيهقي في شعب الايمان)

(٨٧٨) عن نافع قال كنت مع ابن عمر في طريق فسمع مزمارا فوضع اصبعيه في اذنيه وناء عن الطريق الى الجانب الآخر ثم قال لي بعد ان بعد يا نافع هل تسمع شيئا قلت لا فرفع اصبعيه عن اذنيه قال كنت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فسمع صوت يراع فصنع مثل ما صنعت قال نافع وكنت اذ ذاك صغيرا - (رواه احمد وابو داود)

کی آگ سے محفوظ رکھے گا۔ اور جس نے کسی مسلمان کے سر ایسی بات لگائی جس کا مقصد اس کو عیب لگانا ہو اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ کے پل پر روکے رکھے گا یہاں تک کہ وہ اپنی سزا بھگت کر فارغ ہو لے۔ (ابوداؤد)

نفاق کے چند اسباب

(٨٧٧) جابر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ گانا قلب میں نفاق کو اس طرح اگاتا ہے جس طرح پانی کھیتی کو۔ (شعب الایمان)

(٨٧٨) نافع بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابن عمر کے ساتھ ایک راستہ پر جا رہا تھا کہ انہوں نے بانسری کی آواز سنی فوراً دونوں کانوں میں انگلیاں دے لیں اور راستہ سے دوسری جانب ہٹ کر چلنے لگے پھر جب دور نکل گئے تو مجھ سے کہا اے نافع کچھ آواز سنتے ہو میں نے کہا نہیں یہ سن کر اپنی انگلیاں کانوں سے نکال لیں پھر فرمایا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھا آپ نے بانسری کی آواز سنی تو یہی عمل کیا جو میں نے اب تیرے سامنے کیا تھا۔ نافع کہتے ہیں کہ میں اس وقت کمسن تھا اس لئے میں کان کھولے رہا۔ (ابوداؤد)

٭ ثمرہ خبث کے معنی ہیں پھوٹنے ہی پر نفاق کے۔ اس لئے یہاں ایسے شخص کو منافق سے تعبیر کیا گیا ہے جو مسائل غیبت کی عادت نفرت دلانے کے لئے سب سے زیادہ موثر تعبیر یہی ہے اور حقیقت کی ترجمانی کے لئے سب سے قریب بھی۔

(٨٧٧) صرف طرق آواز کی ننھی نہیں مزامیر و سرود کے ساتھ گانا مراد ہے۔

(۸۷۹) عن ابن عباس قال من ترك الجمعة من غير ضرورة كتب منافقا في كتاب لا يمحى ولا يبدل۔ وفي بعض الروايات ثلاثا۔ (رواه الشافعي كذا في المشكوة)

البراءة من النفاق

(۸۸۰) عن انس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من صلى لله اربعين يوما في جماعة يدرك التكبيرة الاولى كتب له براءتان براءة من النار وبراءة من النفاق۔ (رواه الترمذي)

اكرام المنافق

(۸۸۱) عن عبد الله بن بريدة عن ابيه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تقولوا للمنافق سيدا فانه ان يك سيدا فقد اسخطتم ربكم۔ (رواه ابو داود)

---

(۸۷۹) ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے بغیر کسی عذر کے جمعہ ترک کیا اس کا نام ایسے دفتر میں منافق لکھ دیا جائے گا جس میں کوئی ترمیم و تنسیخ نہیں کی جاتی۔ (مشکوٰۃ شریف)

نفاق سے علیحدہ ہونا

(۸۸۰) انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص چالیس دن باجماعت اس طرح نماز پڑھتا رہے کہ اس کی تکبیر اولیٰ بھی فوت نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے حق میں دو پروانوں سے براءت لکھی جاتی ہے۔ عذاب دوزخ سے اور مرض نفاق سے۔ (ترمذی شریف)

منافق کی تعظیم کرنا

(۸۸۱) عبداللہ بن بریدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منافق کو ہرگز سید اور سردار کا لفظ نہ کہا کیونکہ اگر وہ حقیقت میں سردار ہو بھی پھر بھی تم نے اپنے پروردگار کو ناراض کرنے کا سامان کر لیا۔ (ابوداؤد)

---

(۸۸۰) چالیس کے عدد کو کسی امر میں خاص برکت حاصل ہے کہ اس کا اثر آپ کو ہر ایک حالت میں نظر آئے گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بہت [illegible] قرآن کریم میں چالیس ہی کی میعاد بتلائی گئی ہے [illegible] صوفیائے کرام [illegible] ہے۔ اب آپ یوں سمجھئے کہ جو شخص ایک ماہ باجماعت نماز پڑھ لے اس کی [illegible] [illegible] [illegible]۔
(۸۸۱) [illegible] منافق کی تعظیم [illegible] رب العزت کی ناراضگی کا سبب ہے [illegible] اسلام کا ایک [illegible] رب العزت کی [illegible] منافق [illegible]۔

التعوذ من النفاق

(۸۸۲) عَنْ اُمِّ مَعْبَدٍ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ طَهِّرْ قَلْبِيْ مِنَ النِّفَاقِ وَعَمَلِيْ مِنَ الرِّيَاءِ وَلِسَانِيْ مِنَ الْكَذِبِ وَعَيْنِيْ مِنَ الْخِيَانَةِ فَاِنَّكَ تَعْلَمُ خَائِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ (رواه البيهقي في الدعوات الكبير)

(۸۸۳) عَنْ عُمَرَ قَالَ عَلَّمَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قُلِ اللّٰهُمَّ اجْعَلْ سَرِيْرَتِيْ خَيْرًا مِنْ عَلَانِيَتِيْ وَاجْعَلْ عَلَانِيَتِيْ صَالِحَةً اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْأَلُكَ مِنْ صَالِحِ مَا تُؤْتِي النَّاسَ مِنَ الْاَهْلِ وَالْمَالِ وَالْوَلَدِ غَيْرِ الضَّالِّ وَلَا الْمُضِلِّ۔ (رواه الترمذي)

نفاق سے پناہ مانگنے کی چند دعائیں

(۸۸۲) ام معبد روایت فرماتی ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دعا فرماتے خود سنا ہے، خدایا! میرے قلب کو نفاق سے، میرے عمل کو ریا سے، میری زبان کو جھوٹ سے اور میری آنکھ کو خیانت سے پاک وصاف کردے۔ تو خوب جانتا ہے کہ خیانت کرنے والی آنکھ کون ہے اور ان باتوں کو بھی خوب جانتا ہے جو دلوں میں پوشیدہ ہوتی ہیں۔

(۸۸۳) عمرؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھکو یہ دعا تعلیم فرمائی اور فرمایا کہ یوں دعا کیا کرو خدایا میرے باطن کو میرے ظاہر سے بہتر بنادے اور میرے ظاہر کو بھی بہتر بنادے خدایا میں تجھ سے وہ تمام اچھی اچھی چیزیں مانگتا ہوں جو لوگوں کو عطا فرماتا ہے، نیک بیوی، حلال مال اور نیک اولاد جو نہ خود گمراہ ہو نہ دوسروں کو گمراہ کرنے والی ہو۔ (ترمذی شریف)

(۸۸۲) قلب کا مرض نفاق ہے، عمل کا ریا، زبان کا جھوٹ اور آنکھوں کا نظر بچا کر حرام کی طرف دیکھنا۔ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے دعائیہ کلمات کتنے جزل ہیں کہ ان مختصر کلمات میں ان تمام خاص خاص امراض سے نجات کی دعا فرما دی۔ جو ان جیسی اعضاء کو فاسد کر سکتے تھے۔

(۸۸۳) نفاق یہ ہے کہ انسان کا باطن اس کے ظاہر سے بدتر ہو اس لئے آپ نے اس دعا کی تعلیم دی کہ انسان کا باطن اس کے ظاہر سے بہتر ہو جائے پھر اس دعا کی تکمیل کے لئے ارشاد فرمایا کہ ظاہر کو بھی بہتر فرما دے کیونکہ انسان کا کمال یہ ہے کہ اس کا ظاہر و باطن دونوں بہتر ہوں مگر باطن کا حسن ظاہر کے حسن پر مقدم ہے اگر کسی کا ظاہر اس کے باطن سے زیادہ حسین ہے تو وہ بھی خسارہ میں ہے کامیاب وہ ہے جس کے متعلق یہ حکم ثبت ہو کہ اس کا باطن اس کے ظاہر سے کہیں زیادہ حسین ہو، منافق حسن باطن سے بے نصیب ہے۔ یہ نفاق عملی یا نفاق قلبی سے مشتق ہوتا ہے۔

مکتوباتِ امامِ ربّانی

مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی قدس اللہ سرہ العزیز

کے اسرار شریعت اور معارف طریقت سے بھرپور گرانقدر مجددانہ مکاتیب کا

مستند اردو ترجمہ

ادارۂ اسلامیات لاہور

تالیف

حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی قدس سرہ

تحریف بائبل اور اس میں موجود تضادات پر نادر محققانہ علمی تحریر
اردو کے نئے پیرائے میں — تردید عیسائیت پر حوالے کی مشہور کتاب

تسہیل و تحقیق و تشریح و حواشی

حضرت مولانا جسٹس محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم
جناب مولانا محمد محترم فہیم عثمانی رحمۃ اللہ علیہ
جناب مولانا حسین احمد نجیب

ادارہ اسلامیات

قال اللہ تعالیٰ ۔ خلق الانسان علمہ البیان (القرآن)

یعنی

علم معانی، بیان و بدیع پر مشہور عربی درسی کتاب مختصر المعانی کی مکمل اور بہترین اردو شرح

متن تلخیص المفتاح : قاضی القضاۃ علامہ خطیب قزوینی ۷۳۹ھ

شرح مختصر المعانی : علامہ سعد الدین تفتازانی ۷۹۲ھ

از ترجمہ و تشریحی فوائد

حضرت مولانا محمد حنیف گنگوہی فاضل دار العلوم دیوبند

ناشر ادارۂ اسلامیات ۱۹۰- انارکلی لاہور